

اُردو

# الفوائد

تزکیہٴ نفس، علمِ قلب اور محبتِ الہی کے بارے میں

مترجم:  
مولانا محمد علی "صدیقی"

تألیف  
ابی محمد امین اللہ البشاوی

۲

مکتبہ مجتہدین

کتاب گیت منگل ہارکٹ پشاور، پاکستان

www.ircpk.com



# الفوائد

www.KitaboSunnat.com

تزکیہ نفس، علم قلب اور محبت الہی کے بارے میں

تألیف

ابی محمد امین اللہ البشاوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم:

مولانا محمد علی "صدیقی" (مرحوم)



مکتبہ مجتہدہ

کنج گیٹ منگل مارکیٹ پشاور پاکستان

## جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

عربی تالیف: ————— الفوائد فی تزکیۃ النفوس و علم القلوب

والرغبة إلى علام الغیوب

مولف: ————— الشیخ العلامة ابو محمد امین اللہ پشاورى حفظہ اللہ

اردو نام: ————— تزکیہ نفس، علم القلوب اور محبت الہی کے فوائد

مترجم: ————— مولانا محمد علی صدیقی (رحمہ اللہ) فاضل مدرسہ دارالحدیث

محمدیہ جلال پور بیر والا (ملتان) پاکستان

فرن: ————— تزکیہ نفس

مصحح: ————— محمد اعجاز احمد (لکچرار اردو ادب سائنس کالج پشاور)

سنہ طباعت: ————— صفر ۱۴۳۲/۲/۲۸ھ الموافق ۲۰۱۱/۲/۲ء

ناشر: ————— مکتبہ محمدیہ

بیرون سنگھ گیٹ منگل مارکیٹ پشاور

0301 8828402

www.KitaboSunnat.com

ملنے کا پتہ

(۱) دارالکتاب والسنة نیو حاجی کمپ سلطان آباد کراچی 03002615407

(۲) مکتبہ اسلامیہ اردو بازار لاہور

(۳) ایوب مکتبہ عقب قصہ خوانی بازار پشاور

(۴) معراج کتب خانہ محلہ جنگلی قصہ خوانی پشاور

(۵) نوروز کتب خانہ ہدایت مارکیٹ صوابی اڈہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مترجم مرحوم  
www.KitaboSunnat.com

شیخ محمد علی صدیقی کا مختصر تعارف

ولادت اور تحصیل علم:

آپ کا آبائی علاقہ توانک ہے لیکن ولادت ۳ فروری ۱۹۷۹ء میں کراچی میں ہوئی۔ والد محترم کا نام جہانداد خان ہے۔ آپ کم و بیش سات یا آٹھ سال کے تھے کہ والد محترم انتقال کر گئے اور دیگر بہن بھائی بھی کم عمر ہی تھے لیکن والدہ محترمہ نے ماں کیساتھ ساتھ باپ کا کردار بھی ادا کیا اور اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا آپ خود بھی والدہ محترمہ کے اس کردار کا اپنے ساتھیوں سے اکثر تذکرہ کیا کرتے تھے۔ والدہ محترمہ نے اپنے تمام بچوں کو ناظرہ قرآن پاک خود پڑھایا اور صرف یہی نہیں بلکہ کم و بیش چالیس سال سے تاحال اہل محلہ کے بچوں کو خلوص اور دینی جذبے کیساتھ فی سبیل اللہ ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم دے رہی ہیں۔ اور اسی خلوص اور جذبے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت اور عمر کے اعتبار سے برکت عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں مزید برکت عطا فرمائے (آمین)

آپ نے تعلیم کی ابتداء پانچ چھ سال کی عمر میں گورنمنٹ مسجد اسکول بنام طیبہ مسجد نزد عوامی چوک منظور کالونی سے کی اور یہاں سے ۱۹۸۹-۱۹۸۸ء میں پرائمری پاس کی۔ پرائمری کے دوران ہی والدہ محترمہ سے ناظرہ قرآن پاک بھی پڑھتے رہے۔

پرائمری کے بعد آپ نے مدرسہ انوار مدینہ متصل جامع مسجد اقصیٰ اہل ٹاؤن منظور کالونی



میں حفظ قرآن پاک کیلئے داخلہ لیا اور ساتھ ہی رشیدہ میموریل سیکنڈری اسکول محمود آباد نمبر ۴ میں پرائیویٹ طور پر داخلہ بھی لیا۔ اس طرح حفظ کیساتھ ساتھ مڈل کی تعلیم بھی جاری رہی۔ مڈل کی تعلیم ۱۹۹۲ء میں مکمل ہوئی جبکہ قرآن پاک اس سے پہلے ہی حفظ کر چکے تھے لیکن منزل کنز و تہقی لہذا منزل کی پختگی کیلئے (۱۹۹۱ء) میں مدرسہ انوار مدینہ چھوڑ کر دارالحدیث رحمانیہ سولہ بازار میں داخلہ لیا اور از (۱۹۹۱ء تا ۱۹۹۳ء) قرآن پاک کی از سر نو دہرائی کر کے منزل کو پختہ کیا۔ اس کے بعد اگلے سال یعنی ۱۹۹۴ء میں دارالحدیث رحمانیہ میں ہی ادنیٰ کلاس میں داخلہ لیا لیکن تین ماہ تک پڑھنے کے بعد پڑھائی ترک کر دی اور اپنے کزن کیساتھ مل کر کوئٹہ آئل کا کاروبار شروع کر دیا لیکن اس میں نقصان اٹھانا پڑا۔ اسکے بعد وقتاً فوقتاً مختلف کاروبار کیے۔ کاروبار کیساتھ ساتھ پڑھائی کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور جامعہ احسان، کورنگی ڈھائی نمبر میں ایک مدرسہ اور دیگر مدارس میں پڑھتے رہے لیکن ہر جگہ دو چار ماہ پڑھنے کے بعد پڑھائی ترک کر دیتے کیونکہ کاروبار کیساتھ ساتھ اجتماعی سے پڑھائی جاری رکھنے میں دشواری کا سامنا تھا اور کسی کی رہنمائی کا نہ ہونا اور کسی حد تک تعلیمی ماحول پر آپ کا عدم اطمینان بھی ایک سبب تھا۔ دوسری طرف کوئی کاروبار بھی جم کر ہی نہیں دے رہا تھا اور وقت اسی طرح تیزی سے گزرتا رہا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں مستقل مزاجی سے علم حاصل کرنے کی ہمتی تڑپ ڈال دی۔ اسی دوران ایک مخلص ساتھی کی اس حوالے سے رہنمائی بھی میسر آ گئی۔ چنانچہ آپ نے ایک نئے عزم اور دلولے کیساتھ علم حاصل کرنے کی ایسی ٹھانی کہ پیچھے مڑ کر ہی نہ دیکھا اور کم عمری میں ہی وہ مقام حاصل کیا جو بہت سے عمر رسیدہ لوگوں کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔ آپ نے اپنے نئے علمی سفر کا آغاز کرنے کیلئے کراچی سے باہر نکلنے کا ارادہ کیا کیونکہ مذکورہ وجوہات کی بنا پر آپ یہاں یکسوئی کیساتھ تعلیم حاصل نہ کر سکے تھے چنانچہ معروف اور عظیم دینی درس گاہ مرکز الدعوة السلفیہ ستیانہ بنگلہ فیصل آباد کا انتخاب کیا اور تین سال از ۱۹۹۷ء تا ۱۹۹۹ء ابتدائی تین کلاسیں پڑھیں۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ اس مرکز میں

ہر سال رمضان المبارک میں دورہ تفسیر اور دورہ صرف و نحو منعقد ہوتا ہے۔ آپ نے دورہ تفسیر منعقدہ ۱۹۹۸ء میں بھی شرکت کی اور دورے کی سند حاصل کی۔ ستیانہ بنگلہ سے ابتدائی تین کلاسیں پڑھنے کے بعد آپ دوبارہ کراچی آگئے اور جامعہ ابی بکر الاسلامیہ میں داخلہ لیا اور دو سال ۲۰۰۰-۲۰۰۱ء میں المعهد الثالث والرائع مکمل کر کے الشهادة الثالویہ کی سند حاصل کی۔ جامعہ میں آپ کی تعلیم کے دوران جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ المعروف مدینہ یونیورسٹی کی جانب سے جامعہ سلفیہ دعوة الحق کوئٹہ بلوچستان میں عربی لغت اور وین کے بنیادی عقائد و مسائل سے متعلق ایک علمی دورہ منعقد کیا گیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ دورے سے رہنمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے طلبہ کو جامعہ اسلامیہ میں داخلہ کیلئے منتخب کیا جائے۔ اس دورے میں پورے ملک سے بیسیوں مدارس کے سینکڑوں طلبہ شریک تھے۔ اس دورے میں آپ نے بھی شرکت کی اور دورے کی سند حاصل کی۔

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

جامعہ ابی بکر الاسلامیہ سے فراغت کے بعد آپ نے روایات و سلف صالحین کی اثنین درس گاہ اور مادہ علمی جامعہ دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیر والا کا رخ کیا اور ۲۰۰۱ء میں چھٹی کلاس میں داخلہ لیا اور آخری تین کلاسیں پڑھ کر ۲۰۰۳ء میں فارغ التحصیل ہوئے اور باقاعدہ علماء کی صف میں شامل ہوئے مذکورہ مدارس میں باقاعدہ طور پر پڑھنے کے علاوہ آپ نے سلف صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دور دراز کے بعض ایسے جید اور معروف علماء سے بھی انفرادی طور پر استفادہ کیا جو اپنے اپنے فن میں یگانہ و یرکتائے زمانہ ہیں۔ حضور ضلع انک میں فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے پاس اصول حدیث و اصول تخریج پڑھا۔ جامعہ سلفیہ دعوة الحق کوئٹہ میں فضیلۃ الشیخ محسن حنیف حفظہ اللہ سے نحو اور بلوغ المرام ترکیب کیساتھ پڑھی۔ یہ دونوں شیوخ اپنے اپنے فن میں یدِ طولی رکھتے ہیں۔ فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ ہر خاص و عام میں معروف ہیں جبکہ فضیلۃ الشیخ محسن حنیف حفظہ اللہ کے بارے میں آپ خود کہا کرتے تھے کہ ”فضیلۃ الشیخ محسن حنیف حفظہ

اللہ علم عواد علم صرف میں اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں“ فضیلۃ الشیخ محسن حنیف حفظہ اللہ نے علم نحو پر ”تطبیق قواعد الالفیہ علی النصوص القرآنیۃ والنبویۃ“ کے نام سے ایک کتاب بھی تالیف کی ہے۔

تقویٰ شعاری آپ کا خصوصی وصف تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کتب تفسیر میں آپ کو وہ تفاسیر زیادہ پسند تھیں جن میں تقویٰ اور تزکیہ نفس کا پہلو غالب ہے اور فضیلۃ الشیخ ابو محمد امین اللہ پشاور حفظہ اللہ کی عربی زبان میں تزکیہ نفس اور تقویٰ کے متعلق ضخیم اور بلند پایہ کتاب ”الفوائد“ کا بطور مترجم کے انتخاب کرنا بھی آپ کے تقویٰ پر شاہد ہے۔ اس کتاب میں آپ نے ”عرض مترجم“ کے تحت تزکیہ نفس، تقویٰ اور عمل کے متعلق جو کچھ تحریر کیا ہے درحقیقت وہ آپ کی سوچ، فکر اور زندگی کی غمازی اور عکاسی کرتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

تراجم:

تراجم میں آپ نے سب سے عظیم کام شیخ ابو محمد امین اللہ پشاور حفظہ اللہ کی عربی کتاب ”الفوائد“ جو کہ جوہر جلیل پر مشتمل ہے، کا اردو ترجمہ کر کے سرانجام دیا۔ اس کتاب کا ترجمہ کر کے آپ نے کافی شہرت حاصل کی۔ اس کے علاوہ عرب عالم ”شیخ محمد بن ناصر الطحطاوی حفظہ اللہ“ کی تالیف ”کشف الستار عما تحمله بعض الدعوات من اخطار“ کا اردو ترجمہ ”تبلیغی جماعت کے اندر سمونے ہوئے خطرات کے انکشافات“ کے نام سے کیا جو کہ مطبوع ہے۔ اسی طرح ایک اور عرب عالم ابراہیم بن عبد اللہ الحارثی کی کتاب ”من ترك الله شيئا عوجه خير آمنه“ کا اردو ترجمہ بھی کیا جو کہ غیر مطبوع ہے۔ اس کے علاوہ شیخ ابو محمد امین اللہ پشاور کی کتاب سے ایک مضمون ”تمن قسم کے مسلمان“ کا انتخاب و ترجمہ کیا۔ اسی طرح علامہ ابن جوزی کی کتاب ”صيد الخاطر“ سے ماخوذ ایک مضمون کا ترجمہ و تلخیص ”کشف“ کے نام سے کیا۔

## سانحہ ارتحال:

آپ کا سانحہ ارتحال 29 اپریل 2010 بمطابق 24 جمادی الاولیٰ 1431ھ بروز جمعرات ایک ٹریفک حادثہ کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوا۔ آپ نے اپنے ایک قریبی ساتھی سے خواب بتایا تھا کہ میں نے خواب میں غزوہ احد کا نقشہ دیکھا ہے۔ نبی ﷺ اور صحابہ کرام کی شخصیات کو تو نہیں دیکھ سکا البتہ ایسے لگ رہا تھا کہ میں ان کے قریب کسی جگہ کھڑا ہوں۔ وفات سے تقریباً سات آٹھ ماہ قبل آپ نے انہی ساتھی کو اپنا ایک اور خواب بتایا تھا کہ میدان جنگ میں بارود یا گولی مجھے آ کر لگی ہے اور میری روح قبض ہو رہی ہے لیکن مجھے ایک خراش جتنی بھی تکلیف نہیں ہو رہی۔ پھر آپ نے خواہتایا کہ اہل علم نے اس کی تعبیر یہ بتائی ہے کہ آپ کا ایمان یقین کامل کی حد تک پہنچے گا۔

شیخ محمد علی صدیقی رحمہ اللہ بڑے بلند کردار، عالی ہمت، تقویٰ شعار، متوکل علی اللہ، جہاں دیدہ، خدمتِ دین کے جذبے سے سرشار اور تعمیری و مثبت فکر رکھنے والے عالم دین تھے۔ آپ کا عزم اور ولولہ، استقامت، اصول پسندی، علم و ثقافت، تعلق باللہ، اصلاح الناس، خدمتِ دین کا تحرکی جذبہ اور زندگی کے دیگر پہلو دیکھنے سے یہی بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ ایک عظیم انسان تھے آپ کا سانحہ ارتحال اس مقولہ کے مصداق ہے ”مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ“

اور ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ مبارکہ سامنے آ جاتے ہیں: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ إِنِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ“۔ (متفق علیہ)  
 ”اللہ تعالیٰ علم کو اپنے بندوں کے سینوں سے نکال کر ختم نہیں کریگا بلکہ علم اہل علم کی وفات کے ذریعے سیکڑ دیگا۔“

اس قحط المرجل کے دور میں آپ کا سانحہ ارتحال بلاشبہ بیک وقت علمی، ادبی اور دینی حلقوں کیلئے عظیم صدمے کا باعث ہے۔

وباللہ التوفیق۔

**www.KitaboSunnat.com**

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

اما بعد : اللہ رب العزت کے بے شمار احسانات، لاتعداد کرامات اور ظاہری و باطنی انعامات میں سے ایک نعمت کبریٰ یہ بھی ہے کہ شہنشاہ لم یزل خالق ارض و سماء نے کتاب و سنت سے ایمانی فوائد کی کشید کاری اس بندہ ناچیز کیلئے آسان کر دی ہے (فَلِلَّهِ الْحَمْدُ) اس سے قبل ”الْفَوَائِد“ جلد اول زیر طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پہ آ چکی ہے۔ میں رب کریم رؤف رحیم سے فریاد کنناں ہوں کہ اس کلمات کو عرب و عجم، دیہی و شہری اور دروہست میں پھیلے ہوئے تمام مسلمانوں کیلئے کلمہ طیبہ، شجرہ مشمرہ اور ذخیرہ اخرویہ بنائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کلمات مخزرہ کے مؤلف، کاتب اور ہر نیک و کار مسلمان مرد و عورت کیلئے بھی توشہ آخرت بنائے۔

میں تو صرف اللہ رب العزت کے فرمان عالی شان ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَ يُنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الذاریات/۵۵] کو بجالاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور آیات محکمات، احادیث نبویہ پر اللہ مالک الملک کی طرف سے القائی نکات نادرہ، فوائد اوابہ، مواعد نافعہ اور اعمال ثابتہ کو سینہ قرطاس پر بکھیر دیا جو الفوائد جلد ثانی کی مزین صورت لئے آپکی نظر عنایت میں ہے۔ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ۔

میں نے گا ہے بگا ہے بعض علماء عظام کے پند و نصائح اور اقوال زرین بھی نقل کر دیئے ہیں تاکہ ارباب عقل و دانش اور ایمانی بصیرت سے لبریز روشن دماغ انہیں تفکر و تدبر کر سکیں یہ کام تمام مخلوقات کے رازق اور روض و سماء کے تن تنہا خالق و مالک کی خاص نصرت مؤیدہ سے ہی ہوا ہے۔ فقط: ابو محمد امین اللہ البشاوری (شعبان/۱۴۲۸ھ)

## ۱ - پہلا فائدہ

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

### جنت ایک عظیم نعمت ہے

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے حصول کیلئے مختلف اسباب و وسائل پیدا فرمائے ہیں، لہذا حصول جنت کے بھی بہت سے وسائل ہیں، کیونکہ جنت ایک عظیم نعمت ہے اور اس سے محرومی انسان کیلئے سب سے بڑی بدبختی ہے، جبکہ ہمارا کریم و مہربان رب ہمیں اس بدبختی سے بچانا چاہتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ﴾ مقابلہ کرنے والوں کو اسکے حصول میں مقابلہ کرنا چاہئے، لہذا حصول جنت کی کوشش کرنا واجب ہے اور ہر عقلمند شخص کو چاہئے کہ اپنی جان، مال اور تمام صلاحیتوں کو اسکے حصول میں کھپا دے اور اپنے آنسو، لہو اور روح تک اس پر فدا کر دے، حالانکہ یہ سب کچھ بھی جنت کی ایک بالشت کی قیمت بھی نہیں۔

اس فائدے میں ایسی صفات کا بیان ہے جو قرآن و سنت کی نصوص کی رو سے جنت میں داخلے کی موجب ہیں، انہیں شمالی لبنان کے ایک بھائی شیخ عبدالہادیؒ نے جمع کیا ہے، فائدے کے پیش نظر ہم انہیں یہاں نقل کر رہے ہیں، آپ کو چاہیے کہ انہیں یاد کریں، ان پر عمل پیرا ہوں، اور مؤلف و ناقل دونوں کو دُعاؤں میں یاد رکھیں۔

### جنت میں داخل کرنے والی صفات

○ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[مَنْ يُضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لِحْيَتَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ]

(بخاری: ۶۴۷۴)

”جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے میں اُسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں“

○ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
[مَنْ صَمَتَ نَجَا] (صحیح ترمذی ۲۰۳/۱)  
”جو خاموش رہا اُس نے نجات پائی“۔

○ عبد اللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
[طُوبَى لِمَنْ مَلَكَ لِسَانَهُ، وَوَسِعَهُ بَيْتُهُ وَبَكَى عَلَى خَطِيئَتِهِ]  
(رواہ الطبرانی فی الصغیر وَحَسَنَةُ الألبانی فی صحیح الجامع ۳۹۲۹)  
”کامیابی ہے ہر اس شخص کیلئے جس نے اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھا، اور اس کا گھر اسکے لیے وسیع ہو گیا“ (یعنی جو شخص بلا ضرورت گھر سے نہیں نکلتا) اور جو اپنی غلطیوں پر رویا“  
(طبرانی صغیر، البائی نے اسے حسن قرار دیا صحیح الجامع ۳۹۲۹)

○ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! نجات کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
[أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلَيْسَعَكَ بَيْتَكَ، وَأَبْكْ عَلَى خَطِيئَتِكَ].

(صحیح سنن الترمذی: ۹۱۶۱)

”اپنی زبان پر کنٹرول رکھو، اپنی گھر کو اپنے لیے وسیع سمجھو اور اپنی خطاؤں پر آنسو بہاؤ“  
○ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
[ثَلَاثٌ مُنْجِيَّاتٌ: خَشْيَةُ اللَّهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، وَالْقَصْدُ فِي الْفَقْرِ وَالْعِنْيِ، وَالْعَدْلُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا]

”تین چیزیں باعث نجات ہیں: جلوت و خلوت میں اللہ تعالیٰ کی خشیت، فقر و غناء میں



میانہ روی، اور تارافِ نسبی و رضامندی دونوں حالتوں میں عدل و انصاف کرتا۔“

امام منذری رحمہ اللہ [الترویج ۱/۱۶۲] میں فرماتے ہیں: اس حدیث کو ہزار اور تہمتی نے روایت کیا، اور یہ حدیث صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے، اگرچہ اسکی تمام اسانید پر کلام ہے لیکن مجموعی طور پر یہ حسن درجے کی حدیث ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کونسی بات لوگوں کو سب سے زیادہ جنت میں داخلے کا باعث ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[تَقْوَى اللَّهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ] [صحیح سنن الترمذی: ۱۶۳۰]

”اللہ کا ڈر اور حسن اخلاق“

○ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبْضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا وَبَيْتٍ فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسَنَ خُلُقَهُ]

”میں اُس شخص کیلئے جنت کے گوشے میں گھر کا ضامن ہوں جو جھگڑا ترک کر دے اگرچہ حق پر ہی کیوں نہ ہو، اور اُس شخص کیلئے جنت کے وسط میں گھر کا ضامن ہوں جو جھوٹ ترک کر دے اگرچہ وہ جھوٹ مزاح کیلئے ہی کیوں نہ ہو، اور اُس شخص کیلئے جنت کے اعلیٰ ترین مقام پر گھر کا ضامن ہوں جس کا اخلاق اچھا ہو“ [صحیح سنن الترمذی ۴۰۱۵]

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”إِنَّ لِلَّهِ سَعَةً وَسَعِينَ اسْمًا، مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ“

”بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، یعنی ایک کم سو جس نے انہیں یاد کیا وہ جنت میں داخل ہو گیا“ (متفق علیہ)

○ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص نے اس بات کی گواہی دی کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے بندے اور

رسول ہیں، اور اللہ کا کلمہ ہیں جو اُس نے مریم کی طرف القاء فرمایا اور اسکی طرف سے روح ہیں (۱) اور جنت برحق ہے، اور دوزخ برحق ہے، تو اسکا عمل جیسا بھی ہو اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں داخل فرمائے گا“ (متفق علیہ)

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی سوائے اُس شخص کے جس نے انکار کیا۔

لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کون بد بخت ہے جو دخول جنت سے انکار کریگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میرے اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے میری نافرمانی کی گویا اُس نے جنت میں جانے سے انکار کیا“ [بخاری ۷۲۸۰]

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، نماز قائم کی، اور رمضان کے روزے رکھے، تو اللہ پر حق ہے کہ اُسے جنت میں داخل کرے، خواہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے یا اُسی سرزمین پر بیٹھا رہے جس میں پیدا ہوا“ (بخاری ۲۷۹۰)

○ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا: ”صاحب قرآن سے کہا جائیگا: قراءت کرتے جاؤ اور جنت کے درجات پر چڑھتے جاؤ، اور اسی طرح ترتیل سے پڑھو جیسے دنیا میں ترتیل سے پڑھتے تھے، تمہاری منزل وہیں ہوگی جہاں تمہاری آخری آیت کی قراءت مکمل ہوگی“ (صحیح سنن ترمذی ۲۳۲۹)

○ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ الصِّيَامُ: أَيْ رَبِّ مَنَعْتُهُ

(۱)۔ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے کلمہ گن سے وجود میں آتی ہے، اسی طرح تمام روحیں اللہ کی طرف سے اور اسی کی ملکیت ہیں لیکن اس خصوصی اضافت سے کسی کی عزت و شرف کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جیسا کہ بیت اللہ اور ناقہ اللہ وغیرہ (مترجم)

الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ، فَشَفَعْنِي فِيهِ، وَيَقُولُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ، فَشَفَعْنِي فِيهِ، قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ“

(روزے اور قرآن مجید قیامت کے دن بندے کی شفاعت کریں گے، روزے کہیں گے: اے رب تعالیٰ! میں نے اس بندے کو دن بھر کھانے اور شہوات سے روک رکھا لہذا اسکے بارے میں میری شفاعت قبول فرما)۔

اور قرآن کہے گا: میں نے اسے رات کو نیند سے باز رکھا، لہذا اسکے بارے میں میرے سفارش قبول فرما۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: پھر انکی سفارش قبول کی جائیگی“

(مسند احمد ۲/۱۷۴، حاکم ۱/۵۵۴، حاکم نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے انکی موافقت کی)

○ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[سُورَةُ مِنَ الْقُرْآنِ، مَا هِيَ إِلَّا ثَلَاثُونَ آيَةً، خَاصَمْتُ عَنْ صَاحِبِهَا حَتَّى أُدْخِلْتُهُ الْجَنَّةَ وَهِيَ تَبَارَكَ]

”قرآن مجید کی ایک سورت جو صرف تیس آیات پر مشتمل ہے، اپنے پڑھنے والے کے متعلق جھگڑا کرے گی یہاں تک کہ اُسے جنت میں داخل کر دیں گی، اور وہ سورت تبارک ہے“ (یعنی سورة الملك)۔

(المعجم الأوسط للطبرانی)، محدث الکبائی نے صحیح الجامع (۶۴۷۲) میں اسے حسن

www.KitaboSunnat.com

قراردیا

○ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص قرآن مجید کی قراءت کرتا ہے جبکہ وہ حافظ ہے تو اسکی قرآن کریم لکھنے والے معزز و نیک فرشتوں کیساتھ اور جو شخص قرآن کی قراءت کرتا ہے اور اسے یاد کرتا ہے جبکہ وہ اُس پر بھاری پڑتا ہے تو اسکے لیے دوا جر ہیں“ (متفق علیہ)

○ عصمہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لَوْ جُمِعَ الْقُرْآنُ فِي إِهَابٍ، مَا أُخْرِقَهُ اللَّهُ بِالنَّارِ“  
 (اگر قرآن مجید کسی چمڑے میں جمع کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اُسے آگ سے نہیں جلاتا)  
 (شعب الایمان للبیہقی البانیؒ نے اسے حسن کیا، صحیح الجامع ۵۳۶۶)  
 ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”قیامت کے دن قرآن آریگا اور کہے گا: اے میرے رب! اسے زیور پہنا۔ تو صاحب قرآن کو کرامت کا تاج پہنا دیا جائیگا، پھر قرآن کہے گا: اے میرے رب! اسے اور زیادہ نواز دے۔ تو اُسے کرامت کا جوڑا پہنا دیا جائیگا، پھر قرآن کہے گا: اے میرے رب! اس سے راضی ہو جائے۔ تو رب تعالیٰ اُس سے راضی ہو جائیں گے، پھر اُس شخص سے کہا جائیگا: قرآن پڑھتے جاؤ اور جنت کی سیڑھیاں چڑھتے جاؤ، اور ہر آیت پر اسکی نیکیوں میں اضافہ ہوتا چلا جائیگا“ (صحیح سنن الترمذی ۲۳۲۸)

○ انس بن مالکؓ فرماتے ہیں: ایک انصاری صحابی مسجد قباء میں امامت کرتے تھے، توجہ بھی وہ نماز میں قراءت کرتے تو آغاز، قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ سے کرتے اور اس سورت کو مکمل کر کے پھر کوئی اور سورت پڑھتے تھے، اور ہر رکعت میں انکا یہ معمول تھا، تو انکے مقتدیوں نے اس حوالے سے انکے ساتھ بات کی اور کہا: کیا وجہ ہے کہ تم یہ سورت پڑھتے ہو اور پھر اس پر کفایت بھی نہیں کرتے اور اسکے ساتھ دوسری سورت بھی پڑھتے ہو، لہذا یا تو یہی سورت پڑھا کرو، یا پھر اسے چھوڑ کر کوئی دوسری سورت پڑھ لیا کرو، تو اس انصاری صحابی نے انہیں جواب دیا کہ میں اس سورت کو نہیں چھوڑ سکتا، اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں نماز پڑھاؤں گا اور اگر نا پسند کرو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔

وہ لوگ اُس صحابی کو اپنے سے بہتر سمجھتے تھے لہذا وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ اسکے علاوہ کوئی اور انہیں نماز پڑھائے، لہذا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انکے پاس تشریف لائے تو لوگوں نے یہ صورت حال آپ کے گوش گزار کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے فلاں! تم اپنے ساتھیوں کی بات کیوں نہیں مانتے؟ اور کیا چیز تمہیں ہر رکعت میں یہ

سورت پڑھنے پر آمادہ کرتی ہے؟ تو اس صحابی نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! میں اس سے محبت کرتا ہوں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”إِنَّ حُبَّهَا أَذْخَلَكَ الْجَنَّةَ“

(بے شک اس سورت کی محبت نے تمہیں جنت میں داخل کر دیا ہے)

(امام بخاریؒ نے اسے جزم کیساتھ تَغْلِیْقًا روایت کیا (۷۷۳)، اور ترمذیؒ نے

مَوْضُوعًا (۳۰۷۷)

○ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ آیا، آپ نے ایک آدمی کو قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ (یعنی سورت اخلاص) کی قراءت کرتے سنا، تو فرمایا: واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، میں نے پوچھا؟ کیا واجب ہوگئی؟ فرمایا: جنت“

(صحیح سنن الترمذی (۲۳۲۰)

○ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ يَنَامُ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ“

(اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، رشتہ داری کو جوڑو، اور رات کو نماز پڑھو جبکہ لوگ

سورہے ہوں تو سلامتی کیساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے)

(صحیح سنن ابن ماجہ (۲۶۳۰)

○ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

» میری چھ باتیں قبول کر لو تو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں« لوگوں نے دریافت کیا: کونسی چھ باتیں؟ آپ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے، اور جب وعدہ کرے تو اسکی خلاف ورزی نہ کرے، اور جب کسی چیز پر امین بنایا جائے تو خیانت نہ کرے، اور اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو، اور مسلمانوں کے جان و مال پر دست درازی نہ کرو، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو«

(مستدرک حاکم (۳۵۹/۴) علامہ البانی نے اسے حسن قرار دیا الصحیحہ

(۵۵/۳)

○ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: دوران سفر ایک صبح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھا، تو چلتے چلتے میں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور جہنم سے دور کر دے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم نے انتہائی عظیم چیز کے متعلق سوال کیا ہے اور یقیناً اُس شخص پر یہ آسان ہے جس کے لئے اللہ آسان کر دے اللہ کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور بیت اللہ کا حج کرو۔“

پھر فرمایا: کیا میں تمہیں بھلائی کے دروازوں کی خبر نہ دوں؟ روزہ ڈھال ہے، اور صدقہ خطاؤں کو اس طرح بجھاتا ہے جیسے پانی آگ کو، اور رات کی تاریکی میں نماز پڑھنا، پھر آپ نے یہ آیتیں تلاوت فرمائی: ﴿تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ... يَعْمَلُونَ﴾ ”یہاں تک کہ آپ نے یَعْمَلُونَ“ تک قرأت فرمائی۔ (الم السجدہ: ۱۷)

پھر فرمایا: کیا میں تجھے تمام معاملات کے سر، اور انکے ستون اور اسکی چوٹی کی خبر نہ دوں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! فرمایا: تمام امور کا سر اسلام ہے، اور اسکا ستون نماز ہے، اور اسکی چوٹی جہاد ہے۔

پھر فرمایا: کیا میں تجھے ان تمام چیزوں پر کنٹرول کرنے والی بات نہ بتاؤں؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا: اسے اپنے کنٹرول میں رکھو۔ میں نے کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا بات چیت پر بھی ہمارا مواخذہ ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: اے معاذ! تیری ماں تجھے گم کرے، لوگوں کو انکے منہ یا نتھنوں کے بل تھسٹ کر جہنم میں پھینکنے والی چیز انکی زبانوں کی کمائی ہی تو ہے۔

(صحیح سنن ترمذی (۲۱۱۰))

○ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ...“

”اور جو تلاش علم کی راہ پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے“

(یہ صحیح مسلم کی ایک حدیث کا ایک قطعہ ہے دیکھئے صحیح مسلم (۲۶۹۹))

○ ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: مجھے کوئی ایسا علم بتلائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لَا تَسْغُظُ وَلَكَ الْجَنَّةُ“ ”غصہ مت کرو، جنت تمہاری ہے“ (امام منذری الترغیب (۳/۳۳۶) میں فرماتے ہیں: اسے طبرانی نے دو سندوں کیساتھ روایت کیا جن میں سے ایک صحیح ہے)

○ معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ دَعَاهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُخَيِّرَهُ اللَّهُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ مَا شَاءَ]

”جس نے اپنے غصے پر کنٹرول کیا حالانکہ وہ غصہ نکالنے پر قادر تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تمام مخلوق کے سامنے اُسے بلائے گا، اور پھر اُسے اختیار دے گا کہ موٹی آنکھوں والی حوروں میں سے جسے چاہے اپنے لیے پسند کر لے“

(صحیح سنن أبی داود (۳۹۹۷))

○ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سید الاستغفار یہ ہے کہ بندہ کہے:

اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ  
وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ  
وَأَبُوءُ لَكَ بِذُنُوبِي، فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ“

(اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے

اور میں تیرا بندہ ہوں، اور تیرے ساتھ کے گئے اپنے عہد اور وعدے پر بقدر استطاعت قائم ہوں، میں اپنے اعمال کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، میں اُن نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر کیں، اور اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں، پس مجھے بخش دے، کیونکہ تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں)

جو شخص دن کو یقین کیا تھا یہ پڑھ لے اور پھر اُسی دن شام سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ جنتی ہے، اور جو رات کو یقین کیا تھا اسے پڑھ اور صبح سے پہلے فوت ہو جائے، وہ بھی جنتی ہے۔ [بخاری ۶۳۲۳]

○ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں جَسَابِئَہ کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! میں تمہارے درمیان اسی طرح کھڑا ہوا ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے فرمایا تھا: میں تمہیں اپنے صحابہ اور پھر ان کے بعد والوں اور پھر ان کے بعد والوں کیساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں، پھر ان تین طبقات کے بعد جھوٹ عام ہو جائیگا یہاں تک کہ ایک شخص حلف اٹھائے گا حالانکہ اُس سے حلف اٹھانے کا مطالبہ بھی نہ ہوگا، اور ایک گواہ گواہی دے گا حالانکہ اُسے گواہی دینے کیلئے نہیں کہا جائیگا سُن لو! جب بھی کوئی مرد کسی (غیر محرم) عورت کیساتھ خلوت میں ہوتا ہے تو اُن میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

جماعت کو لازم پکڑو اور جُدا جُدا نہ ہو جاؤ، یاد رکھو کہ ایک آدمی کیساتھ شیطان ہوتا ہے جبکہ دو آدمیوں سے نہ بچتا ہوتا ہے۔

جو شخص جنت کے اعلیٰ ترین حصے کا امیدوار ہے اُسے چاہیے کہ جماعت کو لازم پکڑے۔ جس شخص کی نیکی اُسے خوش کرے اور بُرائی بری لگے وہ مؤمن ہے۔

(صحیح سنن ترمذی (۱۷۵۸))

○ عِیَاضُ بنِ حِمَارِ الْمُجَاشِعِی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ خطبہ ارشاد فرمایا :



«أَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ: ذُو سُلْطَانٍ مُقْسِطٌ مُتَّصِدِقٌ مُؤْتَقٌ، وَرَجُلٌ رَقِيقٌ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِي قُرْبَى وَمُسْلِمٍ وَعَفِيفٌ مُتَعَفِّفٌ ذُو عِيَالٍ...»

”تین قسم کے لوگ جنتی ہیں: ایک تو وہ حکمران جو عدل و انصاف کرتا ہے، صدقہ خیرات تقسیم کرتا ہے اور اسے خیر کی توفیق نصیب ہوتی ہے، اور دوسرا وہ آدمی جو ہر قریبی رشتہ دار اور مسلمان کیلئے نرم دل اور مہربان ہے، اور تیسرا وہ عیال دار مسلمان جو رزق حرام اور لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے اجتناب کرتا ہے“

(صحیح مسلم (۲۸۶۵))

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْبَدَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ، وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ“

”حیا ایمان سے ہے اور ایمان جنت میں لے جانے والا ہے، اور بے ہودگی جفا سے ہے اور جفا جہنم میں لے جانے والی ہے“ (صحیح سنن الترمذی (۱۶۴۳))

○ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ قَالَ: رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ“ (صحیح سنن أبی داؤد (۱۳۵۳))

”جس شخص نے یہ کہا کہ میں اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا، اُس کیلئے جنت واجب ہو گئی۔“

○ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے اور جب کوئی شخص مسلسل سچ بولتا ہے اور ہمیشہ سچ کی جستجو میں رہتا ہے تو اللہ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے، اور جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ گناہوں کی طرف لیکر جاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف۔ اور جب کوئی شخص مسلسل جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کی جستجو میں

رہتا ہے تو اللہ کے ہاں اُسے کذاب بہت جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے“

(صحیح بخاری صحیح مسلم (۲۶۰۷))

○ ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«کون ہے جو مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کریگا، تو میں اُسے جنت کی ضمانت دوں؟» ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں۔

اور پھر وہ کسی سے کوئی سوال نہ کرتے تھے“ صحیح سنن أبی داؤد (۱۴۴۶)

○ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب مؤذن“ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ کہے تو تم میں سے ایک شخص بھی ”اللہ اکبر اللہ اکبر“ کہے، اور جب ”اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ“ کہے تو یہ بھی ”اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ“ کہے پھر جب وہ ”حَتّٰی عَلٰی الصَّلَاةِ“ کہے تو یہ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ“ کہے، پھر جب وہ ”حَتّٰی عَلٰی الْفَلَاحِ“ کہے تو یہ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ“ کہے پھر جب مؤذن ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ کہے تو یہ بھی ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ کہے، اور جب وہ لا الہ الا اللہ ”کہے، تو یہ بھی لا الہ الا اللہ“ کہے تو جس شخص نے صدق دل سے یہ کلمات ادا کئے وہ جنت میں داخل ہو گیا“

(صحیح مسلم (۳۸۵))

○ ابو دردآء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«مسجد متقی آدمی کا گھر ہوتی ہے، اور جس کا گھر مسجد بن جائے تو اللہ تعالیٰ اسے راحت و رحمت سے نوازتا ہے، اور اُسے پل صراط سے گذار کر رضوان اللہ اور جنت تک پہنچانے کا ذمہ لے لیتا ہے»

(امام منذری (الترغیب ۱/۲۲۱) میں فرماتے ہیں: اسے طبرانی نے، الکبیر اور الأوسط میں روایت کیا اور بزار نے بھی اسے روایت ہے، اور اسکی سند حسن ہے، اور اسکی سند واقعی حسن ہے)

○ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
”جو شخص صبح یا شام مسجد کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ صبح و شام اُس کے لئے جنت میں مہمانی  
تیار کرتا ہے“ (متفق علیہ)

○ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
”مَنْ صَلَّى لِلَّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُذَكِّرُ الْكَبِيرَةَ الْأُولَى، كُتِبَتْ لَهُ  
بِرَاءَةٌ ثَانٍ: بِرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَبِرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ“  
”جو شخص اللہ کیلئے چالیس دن تک تکبیر اولیٰ کیساتھ باجماعت نماز پڑھتا ہے اس کے لیے دو  
برائتیں لکھ دی جاتی ہیں: جہنم کی آگ سے براءت اور نفاق سے براءت“  
(صحیح سنن ترمذی (۲۰۰))

○ بُریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
”بَشِّرِ الْمَشَائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ النَّامِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“  
”اندھیروں میں کثرت کیساتھ مساجد کی طرف چلنے والوں کو قیامت کے دن مکمل نور کی  
خوشخبری سنا دو“ (صحیح سنن ترمذی (۱۸۵))

○ عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو عذرہ کے تین افراد نبی کریم ﷺ کی  
خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو ان  
سے میری کفایت کرے (یعنی انھیں اپنے پاس ٹھہرائے) تو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں۔  
پھر وہ طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہنے لگے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا جس  
میں اُن تین افراد میں سے ایک شریک اور پھر شہید ہو گیا، اسی طرح ایک مرتبہ پھر نبی کریم  
ﷺ نے لشکر روانہ کیا تو اُن میں سے ایک دوسرا شخص اس میں شامل ہوا اور پھر شہید ہوا، پھر  
ان کے بعد تیسرا شخص اپنے بستر پر ہی فوت ہو گیا۔

طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر میں نے خواب میں ان تینوں کو دیکھا کہ وہ جنت میں ہیں اور  
بستر پر فوت ہونے والا اُن دونوں سے آگے ہے، اور اُس کے بعد وہ ہے جو آخر میں شہید ہوا

اور پہلے شہید ہونے والے کو میں سے اُس کے دونوں ساتھیوں سے پیچھے دیکھا۔  
مجھے اس پر تعجب ہوا لہذا میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اس بات کا تذکرہ کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
”وَمَا أَتَاكَ مِنْ ذَلِكَ؟ لَيْسَ أَحَدٌ أَفْضَلَ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ مُؤْمِنٍ يُعَمِّرُ لِي  
الْإِسْلَامَ لَتُسَبِّحَهُ وَتُكَبِّرَهُ وَتَهْلِيلِهِ“

”اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ اللہ کے ہاں ایسے مومن سے افضل کوئی نہیں جسے اسلام کی حالت میں عمر سے نوازا جائے اور وہ اپنی عمر کو اللہ کی تسبیح و تکبیر اور تہلیل سے آباد کرے۔“  
(اسے امام احمدؒ نے حسن سند کیا تھ روایت کیا ہ سند احمد (۱۴۰۴))

○ عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
”لَقِيتُ إِبْرَاهِيمَ لَيْلَةً أُسْرِيَ بِي، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! أَلَرَأَيْتَ أَمَتَكَ مِثِّي  
السَّلَامَ، وَأَخْبَرَهُمْ أَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ الثَّرْبَةِ، عَذْبَةُ الْمَاءِ، وَأَنَّهَا قَيْعَانُ، وَأَنَّ  
غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللَّهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“.

”اسراء کی رات جب میری ملاقات ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا: اے محمد! اپنی امت کو میرا سلام کہیے اور انہیں بتلائیے کہ بے شک جنت کی مٹی پاک اور پانی میٹھا ہے لیکن وہ چٹیل ہے، اور اس میں درخت اُگانے کا ذریعہ سُبْحَانَ اللَّهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور اللَّهُ أَكْبَرُ ہیں“ (صحیح سنن ترمذی ۲۷۵۵)

○ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ انکے قریب سے گزرے جبکہ وہ پودے اُگار رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کیا: اے ابو ہریرہ! کیا اُگار رہے ہو؟ میں نے کہا: اپنے لیے کچھ پودے اُگار رہا ہوں۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تجھے اُن پودوں کی خبر نہ دوں جو تیرے لیے ان سے بہتر ہیں؟ تو انہوں نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا: کہو:  
”سُبْحَانَ اللَّهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ ان میں سے ہر ایک

کلمے کے بدلے تمہارے لیے جنت میں ایک درخت لگا دیا جائیگا“

(صحیح سنن ابن ماجہ (۳۰۶۹)

○ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اپنی ڈھالیں تھام لو“ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! کسی دشمن سے بچاؤ کیلئے جو آنا چاہتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، جہنم کی آگ سے بچاؤ کی ڈھالیں۔

تم لوگ اس مقصد کیلئے سُبْحَانَ اللَّهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور اللَّهُ أَكْبَرُ پڑھا کرو، کیونکہ یہ کلمات قیامت والے دن اپنے پڑھنے والوں کے آگے آگے ہونگے اور انکے لئے باعث نجات ہونگے اور یہی باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔

(امام حاکم نے اسے روایت کیا (۵۳۱/۱) اور صحیح کہا، اور امام ذہبی نے انکی موافقت کی)

○ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

”مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ غُرِسَتْ لَهُ نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ“

”جس نے ”سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ“ کہا، اسکے لیے جنت میں ایک کھجور

کا درخت لگا دیا جاتا ہے“ (صحیح سنن ترمذی (۲۷۵۷)

○ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

»اے عبداللہ بن قیس! کیا میں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کی طرف تمہاری

رہنمائی نہ کروں؟ میں نے کہا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ! تو آپ نے فرمایا:

”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ پڑھا کرو۔ (متفق علیہ)

○ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

»کیا میں تجھے ایسے کلمہ نہ سکھاؤں (یا فرمایا) کیا میں تجھے ایسے کلمے کے بارے میں

مرنے والاؤں جو عرش کے نیچے ہے اور جنت کا ایک خزانہ ہے؟ تم ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا

بِاللَّهِ“ پڑھا کرو، جب کوئی بندہ یہ کلمہ پڑھے تو اللہ عزوجل فرماتے ہے: میرا بندہ میرے

سامنے مطیع و منقاد ہو گیا»

(امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح سند کیساتھ روایت کیا (۲۱/۱))

○ حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے نبی کریم ﷺ کو اپنے سینے کی طرف ٹیک دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا:  
مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ابْتِغَاءً وَجْهِ اللَّهِ خُتِمَ لَهُ بِهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ صَامَ  
يَوْمًا ابْتِغَاءً وَجْهِ اللَّهِ خُتِمَ لَهُ بِهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ ابْتِغَاءً وَجْهِ  
اللَّهِ خُتِمَ لَهُ بِهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ“

”جس نے اللہ کی رضا مندی کیلئے“ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہا، اور اسی پر اسکا خاتمہ ہوا، وہ  
جنت میں داخل ہو گیا، اور جس نے اللہ کی رضا جوئی کیلئے ایک دن کا روزہ رکھا، اور اسی پر اسکا  
خاتمہ ہو گیا، وہ بھی جنت میں داخل ہو گیا، اور جس نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے  
کوئی صدقہ دیا اور اسی پر اسکا خاتمہ ہو گیا، وہ بھی جنت میں داخل ہو گیا“  
(مسند احمد (۲۲۸۱۳)، اسکی سند صحیح ہے)

○ ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ  
نے ارشاد فرمایا:

”جب بندہ کہتا ہے: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”میرے  
بندے نے سچ کہا: مجھ کیلئے کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اور میں سب سے بڑا ہوں“ اور  
جب بندہ کہتا ہے: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:  
میرے بندے نے سچ کہا: میرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، اور میری توفیق کے بغیر کسی کو  
برائی سے بچنے کی کوئی طاقت، اور نیکی کرنے کی کوئی قوت حاصل نہیں“ جس شخص کو موت  
کے وقت یہ کلمات پڑھنے کی توفیق مل گئی، اُسے جہنم کی آگ نہ چھو سکے گی“

[صحیح سنن ابن ماجہ: ۳۰۶۱]

○ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ“

جس کا آخری کلام لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ “ہوا، وہ جنت میں داخل ہو گیا“

(صحیح سنن أبی داود (۳۱۱۶))

○ معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ“

”جس نے خلوص دل سے اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں

جنت میں داخل ہو گیا“ (احمد نے اسے صحیح سند کیساتھ روایت کیا۔ مسند احمد (۲۱۵۵۵))

○ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

»(بَنِي آدَمَ فِي هَرِاسَانِ كَيْ تَخْلُقَ تَمَنُّ سَوْسَا تُهْ جَوْزُوں پَرِ هَوِيَّ هِي، تَوَجَسَ نِي اللَّهُ أَكْبَرُ

أَلْحَمْدُ لِلَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُبَحَّانَ اللَّهِ أَوْ أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ كَمَا، لَوْ كَوْنِ كَرِاسَتِي سِي كَوْنِي

پتھر، کاٹایا ہڈی ہٹادی اور نیکی کا حکم دیا یا برائی سے روکا، اور یہ تمام کام تین سوساٹھ جوزوں

کی تعداد کے برابر کی تو اُس دن اس حال پر شام ہوگی کہ وہ اپنے نفس کو جہنم کی آگ سے

آزاد کروا چکا ہوگا» (صحیح مسلم ۱۰۰۷)

○ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

»مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَخَّرَ عَنِ النَّارِ، وَيَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَلْيَأْتِ مَنِئْتَهُ وَهُوَ يُؤْمِنُ

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَلْيَأْتِ إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ«

”جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اُسے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا

جائے، اُسے اس حال میں موت آنی چاہیے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اور

لوگوں کیساتھ اُس کا رویہ ایسا ہی ہو جیسا وہ اپنے ساتھ چاہتا ہے“

(صحیح مسلم ۱۸۴۴)

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”آج تم میں روزے دار کون ہے؟ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: میں پھر آپ ﷺ نے

پوچھا آج تم میں سے کسی نے جنازے کی پیروی کی ہے؟ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: میں

نے آپ نے پھر پوچھا: آج کس نے مسکین کو کھانے کھلایا ہے؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ نے پوچھا: آج تم میں سے کسی نے مریض کی عیادت کی ہے؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ صفات جس شخص میں جمع ہو گئیں، وہ جنت میں داخل ہو گیا“ (صحیح مسلم ۱۰۲۸)

○ علقمہ بن وقاصؓ سے روایت ہے کہ انکے پاس سے ایک معزز شخص کا گذر ہوا تو علقمہ نے اُس شخص سے کہا: بے شک تم قرمبی رشتہ دار اور نصیحت کے حقدار ہو، اور میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم ان امراء کے پاس جاتے ہو، اور ان سے بات چیت کرتے ہو، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کو سنا، وہ فرما رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”بے شک تم میں سے ایک شخص اللہ کو راضی کرنے والا ایک کلمہ کہتا ہے، اسکے گمان میں نہیں ہوتا کہ یہ کلمہ کہاں تک پہنچے گا، لیکن اسکی بناء پر اللہ تعالیٰ اسکے لیے قیامت تک اپنی رضامندی لکھ دیتا ہے اور بے شک تم میں سے ایک شخص اللہ کو ناراض کر دینے والا ایک کلمہ کہتا ہے، اسکے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ یہ کلمہ کہاں تک پہنچے گا، لیکن اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی ملاقات کے دن (روز قیامت) تک کیلئے اس سے ناراضگی لکھ دیتا ہے“

علقمہ نے اُس شخص سے کہا: دیکھو! تم جو بات اپنی زبان سے نکالتے ہو اُس پر اچھی طرح غور و فکر کر لیا کرو، بلال بن حارث سے یہ حدیث سننے کے بعد اس حدیث نے مجھے بہت سی باتوں سے روک دیا ہے (صحیح مسنن ابن ماجہ ۳۲۰۵)

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللَّهِ لَا يُلْقَى لَهَا بَالًا يَرْفَعُهُ اللَّهُ بِهَا دَرَجَاتٍ، وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللَّهِ لَا يُلْقَى لَهَا بَالًا يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ“

”بے شک ایک بندہ اللہ کی رضامندی کا ایک کلمہ کہتا ہے، جبکہ وہ اُسے خاطر میں نہیں



نہیں لاتا، لیکن اسکی بناء پر اللہ تعالیٰ اسکے درجات بلند کر دیتا ہے اور ایک بندہ اللہ کی ناراضگی کا کلمہ کہتا ہے، حالانکہ اُسے اُس کلمے کی کوئی پرواہ نہیں پوتی مگر اسکی وجہ سے وہ جہنم میں جا کرتا ہے“ (بخاری (۶۴۷۸))

○ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے امت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہونگے لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون خوش قسمت ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”هُمْ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَلَا يَكْتَوُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ“ (مسلم (۲۱۸))

یہ وہ لوگ ہونگے جو کسی سے دم کرنے کا مطالبہ نہیں کرے، اور بد شگونئی نہیں لیتے، اور علاج کیلئے لوہے وغیرہ سے داغ نہیں لگواتے، اور صرف اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں“ ○ بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”الْقَضَاءُ ثَلَاثَةٌ: وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَاثْنَانِ فِي النَّارِ فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ، فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضَى بِهِ وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ قَضَى لِلنَّاسِ عَلَى جَهْلِ فَهُوَ فِي النَّارِ“

”قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں: جن میں سے ایک جنت میں اور دو جہنم میں جائیں گے، جنتی قاضی وہ ہے جو حق کو پہچانتا ہو اور اسکے مطابق فیصلے دے، اور وہ قاضی جو حق کو پہچانتا ہو لیکن اسکے باوجود ظالمانہ فیصلے دے وہ جہنمی ہے، اور وہ قاضی جو جہالت پر فیصلے دے، وہ بھی جہنمی ہے“ (صحیح سنن ابی داؤد (۳۰۵۱))

قریشیوں کے آزاد کردہ غلام عطاء بن فروخ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے زمین خریدی، وہ شخص کئی دن تک اسکی قیمت وصول کرنے نہ آیا تو ایک دن اچانک ملاقات ہونے پر عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تم اپنا مال وصول کرنے کیلئے کیوں نہیں آتے؟ تو اُس نے جواب دیا: تمہارے ساتھ سودے میں مجھے خسارہ ہوا ہے کیونکہ میں

جس سے بھی ملتا ہوں وہ مجھے اس پر ملامت کرتا ہے۔

تو عثمان رضی اللہ عنہ نے اُس سے کہا: اپنی زمین اور اپنے مال میں سے جو چاہو ہوا اختیار کر لو، اور پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”أَدْخَلَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ الْجَنَّةَ رَجُلًا كَانَ سَهْلًا مُشْتَرِيًا وَبَائِعًا وَقَاضِيًا وَمُقْتَضِيًا“

”اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو جنت میں داخل کریگا جو خرید و فروخت، اور قرض کی ادائیگی و طلب میں نرم خو ہو“

(مسند احمد (۴۱۲) البائی نے اسے حسن قرار دیا صحیح الجامع (۲۴۳))

○ ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ فَارَقَ الرُّوحَ الْجَسَدَ وَهُوَ بَرِيءٌ مِنْ ثَلَاثٍ، دَخَلَ الْجَنَّةَ: مِنَ الْكِبَرِ وَالْغُلُولِ وَالذَّهْنِ“

”جس شخص کی روح اس حال میں جسم سے الگ ہوئی کہ وہ تین چیزوں سے بری تھا۔ وہ جنت میں داخل ہو گیا: تکبر سے، مال غنیمت میں خیانت سے، اور قرض سے“

(صحیح سنن أبی داود (۱۹۵۶))

○ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جو ایسے شفاف ہونگے کہ اندر سے باہر اور باہر سے اندر کا منتظر نظر آئے گا۔

تو ایک دیہاتی نے کھڑے ہو کر پوچھا: اے اللہ کے نبی (ﷺ)! یہ بالا خانے کسے ملیں گے؟ آپ نے فرمایا: ”هِيَ لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ، وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَأَدَامَ الصِّيَامَ، وَصَلَّى لِلَّهِ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامَ“

”یہ بالا خانے اُس شخص کیلئے ہیں جو پاکیزہ گفتگو کرتا ہے کھانا کھلاتا ہے، دوام کیساتھ روزے رکھتا ہے، اور رات کی ان گھریوں میں اللہ کیلئے نماز پڑھتا ہے جب لوگ خواب

خرگوش کے مزے لے رہے ہوتے ہیں“ (صحیح سنن ترمذی (۲۰۵۱)

○ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 ”لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا، أَوْ لَا أَذْلكُمْ  
 عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمْوَهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفَشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ“

”تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ ایمان لے آؤ، اور تم ایمان نہیں لا سکتے  
 یہاں تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ اگر تم  
 اُس پر عمل پیرا ہو جاؤ تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟ اپنے درمیان سلام کو عام کر دو“  
 (مسلم (۵۴))

○ عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے روایت ہے، وہ اپنے  
 والد سے، اور وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں، اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے  
 ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يُعْزَى أَخَاهُ بِمُصِيبَةٍ إِلَّا كَسَاهُ اللَّهُ  
 سُبْحَانَهُ مِنْ حُلَلِ الْكَرَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“

”جو مؤمن بھی کسی مصیبت پر اپنے بھائی سے تعزیت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن  
 اُسے کرامت کا جوڑا پہنائیگا“ (صحیح سنن ابن ماجہ (۱۳۰۱))

○ عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ مَظْلُومًا فَلَهُ الْجَنَّةُ“  
 جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مظلومانہ طور پر مارا گیا، وہ جنتی ہے“

(صحیح سنن نسائی (۳۸۰۸))

○ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 ”جس نے بارہ سال تک اذان کہی اُسکے لیے جنت واجب ہوگئی، اور اُسے ہر روز اذان  
 دینے کے عوض ساٹھ نیکیاں اور ہر اقامت کے عوض تیس نیکیاں ملتی ہیں“

(صحیح سنن ابن ماجہ (۵۹۴))

○ حُصَيْن بن مَحْصَن سے روایت ہے کہ انکی پھوپھی کسی کام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، توجہ وہ اپنے کام سے فارغ ہو گئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے استفسار کیا: ”أَذَاتُ زَوْجِ أَنْتِ؟“ کیا تم خاوند والی ہو؟ اُس نے کہا: جی ہاں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”كَيْفَ أَنْتِ لَهُ؟“ تم اُس کیلئے کیسی ہو؟ اُس نے کہا میں اُسکی خدمت میں کوتاہی نہیں کرتی سوائے اُس خدمت کے جو میری طاقت سے باہر ہو۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”فَأَنْظِرِي أَيْنَ أَنْتِ مِنْهُ فَإِنَّمَا هُوَ جَنَّتُكَ وَنَارُكَ“ اچھی طرح دیکھ لو کہ اپنے خاوند کے حوالے سے تم کہاں کھڑی ہو؟ کیونکہ وہی تمہاری جنت اور وہی تمہاری دوزخ ہے“

(مسند احمد (۱۸۵۲۴)، حاکم (۱۸۹/۲)، حاکم نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے موافقت کی)

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا، وَصَامَتْ شَهْرَهَا، وَحَصَّنَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا، دَخَلَتْ مِنْ أَيْ ثُبُوبِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ“

”جب کوئی عورت پانچ نمازوں کی پابندی کر لے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی عصمت کی حفاظت کر لے، اور اپنے خاوند کی اطاعت کر لے تو اُسے اجازت ہوگی کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے، داخل ہو جائے“ (صحیح ابن حبان (۱۲۹۶)، علامہ البانی نے اسے صحیح کہا۔ صحیح الجامع (۶۶۰)

○ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”يَقُولُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ: إِنَّ آدَمَ! إِنْ صَبَرَتْ وَاحْتَسَبَتْ عِنْدَ الصُّلَمَةِ الْأُولَى، لَمْ أَرْضَ لَكَ قَوَابًا دُونَ الْجَنَّةِ“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! اگر تو پہلے صدمے پر صبر کر لے اور اجر کی امید رکھے

تو میں جنت کے سوا تیرے لئے کسی اور ثواب پر راضی نہیں ہوتا۔

(صحیح سنن ابن ماجہ (۱۲۹۸))

○ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: [إِنَّ اللَّهَ قَالَ: إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِي بِحَبِيبَتِيهِ فَصَبَرَ عَوِضْتُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ يُرِيدُ عَيْنِيهِ].

”بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب میں اپنے بندے کو اسکی دو پیاری چیزوں (یعنی آنکھوں) کے ذریعے آزماتا ہوں، اور وہ اس پر صبر کرتا ہے، تو اسکے عوض اُسے جنت عطا کرتا ہوں“ (بخاری (۵۶۵۳))

○ قرة بن ایاس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنے بیٹے کے ہمراہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے پوچھا: کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟ اُس نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ سے محبت کرے جیسا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، پھر کچھ عرصے کے بعد اُسکا بیٹا فوت ہو گیا اور اُسکے والد نے اسکی وفات کو بہت زیادہ محسوس کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے کہا:

مَا يَسْرُكَ أَنْ لَا تَأْتِيَ أَبَاكَ مِنَ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ إِلَّا وَجَدْتَهُ عِنْدَهُ يَسْغِي يَفْتَحُ لَكَ“.

”کیا تجھے یہ بات پسند نہیں کہ تو جنت کے جس دروازے پر بھی جائے، اپنے بیٹے کو اسی دروازے پر (اپنا منتظر) پائے، اور پھر وہ دوڑ کر تیرے لیے جنت کا دروازہ کھول دے“

(صحیح نسائی (۱۷۶۴))

○ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب کسی بندے کا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کر لی؟ تو فرشتوں سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کر لی؟ تو فرشتے کہتے ہیں: جی ہاں۔“

پھر اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں: تم نے اسکا جگر گوشہ اُس سے چھین لیا؟ وہ کہتے ہیں: جی ہاں۔  
پھر اللہ تعالیٰ دریافت کرتے ہیں: میرے بندے نے کیا کہا؟ فرشتے کہتے ہیں: اُس نے  
تیری حمد بیان کی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے کیلئے جنت میں ایک گھریار کرو اور اسکا نام بَيْتُ  
الْحَمْد رکھو“ (صحیح سنن ترمذی (۸۱۴))

○ عُثْبَةُ بْنُ عَبْدِ السَّلَامِ رَضِيَ اللہ عَنْہُ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس مسلمان کے تین بچے بلوغت سے  
پہلے فوت ہو جائیں، تو قیامت کے دن وہ بچے جنت کے آٹھوں دروازوں پر اسکا استقبال  
کریں گے کہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

(صحیح سنن ابن ماجہ (۱۳۰۳))

○ انس بن مالک رَضِيَ اللہ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
”مَا مِنَ النَّاسِ مُسْلِمٌ يَمُوتُ لَهُ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْتَ إِلَّا أَذْخَلَهُ  
اللَّهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ إِيَّاهُمْ“۔

”جس مسلمان کے تین بچے بلوغت سے پہلے فوت ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ان بچوں پر اپنی  
رحمت کے طفیل اُسے جنت میں داخل کر دیتا ہے“ (بخاری (۱۳۸۱))

○ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: مَا لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِي جَزَاءٌ إِذَا قَبِضْتُ صَفِيَّةً مِنْ  
أَهْلِ الدُّنْيَا، ثُمَّ اخْتَسَبَهُ إِلَّا الْجَنَّةَ“

”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب میں دنیا والوں میں سے اپنے مومن بندے کی عزیز ترین  
ہستی کی روح قبض کرتا ہوں، اور پھر وہ اس پر صبر کرتا اور اجر کی امید رکھتا ہے، تو اسکے لئے  
میرے پاس جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں“ (بخاری (۶۴۲۴))

○ علی رَضِيَ اللہ عَنْہُ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو مسلمان صبح کو کسی مسلمان عیادت کرتا ہے، تو شام تک ستر ہزار فرشتے اسکے لیے رحمت کی دُعا میں کرتے رہتے ہیں، اور اگر شام کو عیادت کر لے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اسکے لیے رحمت کی دُعا میں مانگتے رہتے ہیں، اور وہ جنت کے چنے ہوئے پھلوں کا حقدار بن جاتا ہے۔ (صحیح سنن ترمذی (۷۷۴))

○ ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ عَادَ مَرِيضًا لَمْ يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ“ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا خُرْفَةُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: ”جَنَاهَا“.

”جو مریض کی عیادت کر لے، تو اس دوران وہ مسلسل جنت کے خرفہ میں رہتا ہے لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! جنت کا خرفہ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: اُسکا چٹا ہوا پھل“

(مسلم (۲۵۶۸))

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”إِنَّ الرَّجُلَ لَيُصْرَفُ دَرَجَتُهُ فِي الْجَنَّةِ لَيَقُولُ: أَلَيْ هَذَا؟ فَيُقَالُ: بِاسْتِغْفَارٍ وَلَدَيْكَ لَكَ“

”بے شک جنت میں ایک آدمی کے درجات بلند کیے جائیں تو وہ پوچھتا ہے: ایسا کیونکر ہوا؟ تو اس سے کہا جاتا ہے: تمہاری اولاد کے تمہارے لیے استغفار کی وجہ سے“

(صحیح سنن ابن ماجہ (۲۹۵۳))

○ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص انکے پاس آیا اور کہنے لگا:

میری ایک بیوی ہے اور میری ماں مجھے حکم دیتی ہے کہ اُسے طلاق دے دوں۔ تو ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ فرما رہے تھے:

”أَلْوَالِدُ أَوْ سَطْرُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَإِنْ هِنَتْ فَأَضِعْ ذَلِكَ الْبَابَ أَوْ احْفَظْهُ“

”والد جنت کا درمیانی دروازہ ہے، اگر تو چاہے تو اسے ضائع کر دے اور چاہے تو اسکی حفاظت کر“ (صحیح سنن ترمذی (۱۵۴۸))

○ جاہلمہ السملی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں غزوے پر جانا چاہتا ہوں، اور آپ سے مشورے کیلئے حاضر ہوا ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تمہاری والدہ ہیں؟ اُس نے کہا: جی ہاں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَالزَّمْهَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلَيْهَا  
”اپنی والدہ کی خدمت پر جے رہو کیونکہ جنت انکے قدموں تلے ہے“

(صحیح سنن نسائی (۲۹۰۸))

○ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:  
”رَضِيَ الرَّبُّ فِي رَضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ“  
”رب تعالیٰ کی رضا والد کی رضا میں ہے، اور رب تعالیٰ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے“ (صحیح سنن الترمذی (۱۵۴۹))۔

○ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
میں نے خواب دیکھا کہ میں جنت میں ہوں، اور وہاں میں نے ایک قاری کو قرآن پڑھتے سنا، وہ میں نے کہا: یہ کون ہے؟ جواب ملا: یہ حارثہ بن نعمان ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن سلوک اسی طرح ہوتا ہے، حسن سلوک اسی طرح ہوتا ہے، کیونکہ وہ اپنی والدہ کیساتھ حسن سلوک میں تمام لوگوں سے بڑھ کر تھے۔ (یعنی والدہ کیساتھ حسن سلوک کا صلہ جنت ہے امام احمد نے اسے صحیح سند کیساتھ روایت کیا (۲۴۸۰۹))

○ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
”أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنْ مَلَأَ اللَّهُ أُذُنِيهِ مِنْ لَنَاءِ النَّاسِ خَيْرًا، وَهُوَ يَسْمَعُ، وَأَهْلُ النَّارِ مَنْ مَلَأَ أُذُنِيهِ مِنْ لَنَاءِ النَّاسِ شَرًّا وَهُوَ يَسْمَعُ“

”جنتی وہ لوگ ہیں جنکے کان اللہ تعالیٰ لوگوں کی اچھی تعریف سے بھر دے جبکہ وہ اُسے سُن رہے ہوں، اور جہنمی وہ لوگ ہیں جنکے کان اللہ تعالیٰ لوگوں کی بُری تعریف سے بھر دے



جبکہ وہ سن رہے ہوں۔ (صحیح سنن ابن ماجہ (۳۴۰۳))

○ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک جنازہ گذر اور اسکی تعریف کی گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، پھر ایک اور جنازہ گذر اور اسے بُرا بھلا کہا گیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی۔

تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے مال باپ آپ پر قربان ہوں، ایک جنازہ گذر اور اسکی تعریف کی گئی تو آپ نے فرمایا: واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی اور دوسرا جنازہ گذر اور اُسے بُرا بھلا کہا گیا، (۱) تب بھی آپ نے فرمایا: واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، یہ کیا ماجرا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ أُنِيعَ عَلَيْهِ خَيْرًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ أُنِيعَ عَلَيْهِ شَرًّا وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ“ (مسلم (۹۴۹))

”جسے تم نے اچھا کہا، اُسکے لیے جنت واجب ہوگئی، وار جسے تم نے بُرا کہا اس کیلئے جہنم واجب ہوگئی تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو، تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو، تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو“

○ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا: ابھی تمہارے سامنے ایک جنتی آدمی نمودار ہوگا، تو ایک انصاری آدمی نمودار ہوا جسکی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا، اور اس نے اپنے جوتے بائیں ہاتھ میں

(۱) یہاں تعریف کرنے والوں اور برائی کرنے والوں سے مراد اچھے اور نیک لوگ ہیں کیونکہ اولین خطاب صحابہ سے ہے لہذا جو لوگ انکے نقش قدم پر چلیں انکا اعتبار ہوگا، اور اسی طرح گواہ کیلئے عدالت شرط ہے، جب ہمارے لیے فاسق و فاجر اور کافر کو گواہ بنانا جائز نہیں، تو اللہ کے نزدیک فاسق و فاجر کی گواہی کیونکر معتبر ہو سکتی ہے؟۔ (مترجم)

پکڑ رکھے تھے، اگلے روز بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بات کہی، اور پھر وہی شخص نمودار ہوا، پھر تیسرے روز بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات کہی، اور تیسرے دن بھی وہی شخص اسی حالت میں نمودار ہوا۔

تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اٹھے اور مجلس برخواست ہوئی تو عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اُس شخص کے پیچھے گئے، اور اُس سے کہا: میرا اپنے والد سے جھگڑا ہو گیا ہے اور میں نے قسم اٹھائی ہے کہ تین دن تک اُن کے پاس نہیں جاؤں گا، لہذا اگر آپ بہتر سمجھیں تو تین دن کیلئے مجھے اپنے پاس ٹھہرائیں تو اُس شخص نے کہا: ٹھیک ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: عبد اللہ کا بیان ہے کہ انہوں نے وہ تین راتیں اُس کے پاس گزاریں اور انہیں رات کا قیام کرتے نہیں دیکھا، البتہ جب رات کو اُنکی آنکھ کھلتی اور کروٹ بدلتے تو اللہ کا ذکر کرتے اور تکبیر پڑھتے، یہاں تک کہ فجر کی نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے۔

عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک اور بات بھی تھی، وہ یہ کہ میں نے انہیں اچھی بات کہ علاوہ کچھ کہتے نہیں سنا، تو جب تین راتیں گزار گئیں، اور قریب تھا کہ میں انکے عمل کو کمتر خیال کروں، میں نے اُن سے کہا: اے اللہ کے بندے! میرے اور میرے والد کے درمیان کوئی جھگڑایا ناراضگی نہیں تھی، لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ یہ کہتے سنا کہ ابھی تمہارے سامنے ایک جنتی آدمی نمودار ہوگا، اور تینوں مرتبہ تم ہی نمودار ہوئے، لہذا میں نے چاہا کہ تمہارے پاس ٹھہروں اور تمہارے اعمال کا جائزہ لیکر اُنکی اقتداء کروں، لیکن میں نے تمہیں کوئی زیادہ عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا، تو بھلا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ اس مرتبہ تک پہنچانے والی چیز کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: میرا عمل تو وہی ہے جو تم نے دیکھ لیا۔

عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب میں نے واپسی کی راہ لی تو انہوں نے مجھے بلایا اور کہا: میرا عمل تو وہی ہے جو تم نے دیکھا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے

متعلق کینہ و بغض نہیں پاتا، اور کسی مسلمان کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ کسی بھلائی پر اُس سے حسد نہیں کرتا۔

تو عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہی وہ بات ہے جس نے تمہیں اس مقام پر پہنچایا، اور اسی بات کی طاقت ہم نہیں رکھتے۔ (امام أحمد نے اسے صحیح سند کیساتھ روایت کیا (۱۲۲۸۶))  
بعض علماء نے اسے ضعیف کہا، لیکن انکی بات درست نہیں، کیونکہ زہری کا سماع انس بن مالک سے ثابت ہے، انہی لیے حافظ ابن کثیر اور شعبہ الارنؤوط وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔  
[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
”إِنَّ رَجُلًا رَأَى كَلْبًا يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَأَخَذَ الرَّجُلُ خُفَّهُ، فَجَعَلَ يُغْرِفُ لَهُ بِهِ حَتَّى أَرَوَاهُ، فَشَكَرَ اللَّهُ لَهُ فَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ“  
”ایک آدمی نے ایک کتا دیکھا جو پیاس کی شدت سے گیلی زمین چاٹ رہا تھا، تو اُس آدمی نے اپنا موزہ لیا اور اُس میں بھر بھر کے اُسے پانی پلانے لگا یہاں تک کہ اس کتے کو سیر کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُسکے اس عمل کو اس قدر پسند کیا کہ اُسے جنت میں داخل کر دیا“  
(بخاری (۱۷۴))

○ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
”أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا، وَأَشَارَ بِالسَّبَابَةِ وَالْوُسْطَى وَفَرَجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا“

”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، آپ نے سبابہ (انگشت شہادت) اور درمیان والی انگلی سے اشارہ کیا اور ان دونوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ پیدا کیا۔“ (بخاری (۵۳۰۴))

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
”الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا

الْجَنَّةُ“

”ایک عمر دوسرے عمرے تک کے گناہوں کا کفارہ ہے، اور حج مبرور کا بدلہ تو جنت کے سوا اور کچھ نہیں“ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

○ عبد اللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”طُوبَى لِمَنْ وَجَدَ لِي صَحِيفَتِهِ اسْتِغْفَارًا كَثِيرًا“  
”اس شخص کیلئے خوشخبری ہے جو اپنے صحیفے میں بہت زیادہ استغفار پائے“

(صحیح سنن ابن ماجہ (۷۸: ۴۳۰) ۱۰۰)

○ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغفار کیا: مجھے بتلایئے کہ اگر میں فرض نمازیں پڑھوں، رمضان کے روزے رکھوں، حلال کو حلال جانوں، حرام کو حرام سمجھوں، اور اس سے زیادہ کوئی عمل نہ کروں، تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔

تو اُس نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس سے زیادہ کوئی عمل نہ کروں گا۔ مسلم (۱۵)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے جبکہ وہ اپنے دروازے پر کھڑے اپنے ہاتھ سے اشارے کر رہے تھے، گویا خود کلامی کر رہے ہوں، تو عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا: اے ابو عبد الرحمن! کیا بات ہے کہ آپ خود کلامی کر رہے ہیں؟ مجھے کیا ہوا ہے؟ اللہ کا دشمن یہ چاہتا ہے کہ مجھے اس کلام سے غافل کر دے جو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا (اللہ کا دشمن مجھ سے کہتا ہے: تمہیں کیا پڑی ہے کہ) گھر میں بیٹھ کر مصیبت جھیل رہے ہو، مجلس میں جا کر گپ شپ کیوں نہیں کرتے؟۔

جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

”مَنْ جَاهَدَ لِي سَبِيلِ اللَّهِ كَانَ ضَامِنًا عَلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ مَرِيضًا كَانَ ضَامِنًا عَلَى اللَّهِ، وَمَنْ دَخَلَ

عَلَى إِمَامٍ يُعَزَّرُهُ كَانَ ضَامِنًا عَلَى اللَّهِ، وَمَنْ جَلَسَ فِي بَيْتِهِ لَمْ يَغْتَبِ أَحَدًا بِسُوءٍ كَانَ ضَامِنًا عَلَى اللَّهِ“

”جو اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے نکلے وہ اللہ کے ذمے اور حفاظت میں ہوتا ہے، اور جو کسی مریض کی عیادت کو جائے وہ بھی اللہ کے ذمے ہوتا ہے، اور جو صبح یا شام مسجد کی طرف جائے، وہ بھی اللہ کے ذمے ہوتا ہے، اور جو کلمہ حق کہنے کیلئے حکمران کے پاس جائے وہ بھی اللہ کے ذمے میں ہوتا ہے، اور جو اپنے گھر میں بیٹھ کر پیٹھ پیچھے لوگوں کی برائی کرنے سے بچا رہے، وہ بھی اللہ کے ذمے اور اسکی حفاظت میں رہتا ہے“

○ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لیکن اللہ کا دشمن (شیطان) یہ چاہتا ہے کہ مجھے میرے گھر سے، نکال کر مجلس کی طرف جائے۔ (صحیح ابن خزمہ (۱۳۹۵)، متدرک حاکم (۱/۲۱۲) اسکی سند حسن ہے)

○ ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: رَجُلٌ خَرَجَ غَارِياً فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُ فَيُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرُدُّهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرِ وَغَنِيمَةٍ، وَرَجُلٌ رَاحَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُ فَيُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، أَوْ يَرُدُّهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرِ وَغَنِيمَةٍ، وَرَجُلٌ دَخَلَ بَيْتَهُ بِسَلَامٍ، فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ“

”تین قسم کے لوگ اللہ عزوجل کی کفالت و ذمے میں ہوتے ہیں: ایک وہ آدمی جو اللہ کی راہ میں غازی بن کر نکلتا ہے، وہ اللہ کے ذمے میں ہوتا ہے، یہاں تک اللہ تعالیٰ اُسے فوت کر کے جنت میں داخل کر دے، یا اجر و غنیمت سے نواز کر واپس لوٹا دے، اور دوسرا وہ آدمی جو مسجد کیلئے نکلے، وہ بھی اللہ کے ذمے ہوتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُسے فوت کر کے جنت میں داخل کر دے، یا اجر و غنیمت سے نواز کر واپس لوٹا دے، اور تیسرا وہ آدمی جو سلام کیساتھ اپنے گھر میں داخل ہو، وہ بھی اللہ عزوجل کے ذمے میں ہوتا ہے۔“

(صحیح سنن ابی داؤد (۲۱۷۸)

○ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
”جو شخص وضوء کر لے اور پھر یہ دعا پڑھے:

[أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ  
وَرَسُولُهُ] اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ

اُسکے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھولی دیئے جاتے ہیں، جس سے چاہے داخل  
ہو جائے (مسلم (۲۳۳)، ترمذی (۵۵)

بریکٹ کے درمیان والے زائد الفاظ ترمذی کی ہیں جو کہ صحیح ہیں)

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ سے  
پوچھا: ”اے بلال! مجھے اپنا وہ عمل بتلاؤ جو اسلام لانے کے بعد تمہارے نزدیک سب سے  
زیادہ امید افزا ہو، کیونکہ میں نے جنت میں اپنے سامنے تمہارے جوتوں کی آواز سنی ہے۔“  
تو انہوں نے جواب دیا، میرے نزدیک میرا سب سے زیادہ امید افزا عمل یہ ہے کہ میں  
رات اور دن میں جب بھی وضو کرتا ہوں، تو اس وضو کیساتھ جس قدر نماز میرے مقدر لکھی گئی  
ہو، ضرور پڑھتا ہوں۔ (متفق علیہ)

○ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
”مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وَضُوءَهُ ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي رَكَعَتَيْنِ يَقْبَلُ  
عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ“.

”جو مسلمان بھی وضو کرتا ہے، اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر کھڑا ہو کر خشوع و خضوع (۱)  
سے دو رکعت نماز پڑھتا ہے، تو اسکے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے“ (مسلم (۲۳۴)

(۱)۔ دل کی توجہ کو خشوع، اور چہرے (یعنی جسم) کی توجہ کو خضوع کہا جاتا ہے۔ (مترجم)

○ ربیعہ بن کعب الأسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ رات گزاری، اور رات کو آپ کے وضو کا پانی وغیرہ لایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ مانگو“ میں نے کہا: میں جنت میں آپ کا ساتھ مانگتا ہوں۔  
تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ“ تو اپنے مطالبے کے حصول کیلئے کثرت سجود کیساتھ میری مدد کرو۔“

○ مِغْدَان بن ابی طلحہ الیغمیری سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میری ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ثوبان رضی اللہ عنہ سے ہوئی، تو میں نے اُن سے کہا: مجھے کوئی ایسا علم بتلائیے جیسے کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے، یا یہ کہا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیے جو اللہ کے نزدیک تمام اعمال سے زیادہ محبوب ہو؟ تو ثوبان رضی اللہ عنہ خاموش رہے، میں نے پھر سوال کیا، وہ پھر بھی خاموش رہے، میں نے تیسری مرتبہ سوال کیا، تو اُنہوں نے کہا: میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ لِلَّهِ، فَإِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلَّهِ سَجْدَةً إِلَّا رَفَعَكَ اللَّهُ بِهَا دَرَجَةً، وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيئَةٌ]۔

”تم اللہ کے حضور کثرت سجود کو لازم پکڑو، کیونکہ اللہ کیلئے ایک سجدے پر اللہ تعالیٰ تمہارا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے، اور تمہارا ایک گناہ تم سے دور کر دیتا ہے۔“

معدان کہتے ہیں: پھر میں ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ملا اور اُن سے یہی سوال کیا، تو اُنہوں نے بھی وہی جواب دیا جو ثوبان رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ (مسلم (۴۸۸))

○ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مَنْ صَلَّى الضُّحَىٰ أَرْبَعًا، وَقَبْلَ الْأُولَىٰ أَرْبَعًا بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ“  
”جس نے چاشت کے وقت چار رکعت نما پڑھی، اور ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھیں، اس کیلئے جنت میں ایک گھر تیار کر دیا جاتا ہے“ (المعجم الأوسط للطبرانی، علامہ

البانیؒ نے اسے حسن قرار دیا الصحیحہ (۲۳۴۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے سنا:

”مَنْ حَافِظَ عَلَى أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا، حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ“  
 ”جس نے چار رکعت ظہر سے پہلے اور چار رکعت ظہر کے بعد پابندی سے ادا کیں، اللہ تعالیٰ اُسے آگ پر حرام کر دیا“۔ (صحیح سنن ترمذی (۳۵۲)

○ ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص ایمان کیساتھ پانچ باتوں کی پابندی کرے، وہ جنت میں داخل ہو جائیگا: جو شخص پانچ نمازوں، انکے وضو، انکے رکوع و سجود اور اوقات کی حفاظت کرے، رمضان کے روزے رکھے، استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کرے، اپنے دل کی خوشی سے زکوٰۃ ادا کرے، اور امانت ادا کرے: پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! امانت کی ادائیگی سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: غسل جنابت کرنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو اسکے دین کے بارے میں اور کسی چیز پر امین نہیں بنایا“

(امام منذری الترغیب (۲۳۱/۱) میں کہتے ہیں: سے طبرانی نے جید سند کیساروایت کیا)

○ عمارہ بن رؤفہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

”لَنْ يَلِجَ النَّارَ أَحَدٌ صَلَّى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا، يَعْنِي الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ“۔

”وہ شخص کبھی جہنم کی آگ میں داخل نہیں ہو سکتا، جس نے طلوع آفتاب سے پہلے اور

غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھی، یعنی فجر اور عصر۔“ (مسلم (۶۳۴)

○ ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ“۔



”جس نے دو ٹھنڈے وقت کی نمازیں پڑھیں، وہ جنت میں داخل ہو گیا“ (متفق علیہ)  
 ○ حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس نے پانچ نمازوں کی، اور اُنکے رکوع و سجود، وضو، اور اوقات کی حفاظت کی، اور انہیں اللہ کی طرف سے حق سمجھا، وہ جنت میں داخل ہو گیا، یا فرمایا: اسکے لیے جنت واجب ہو گئی، یا فرمایا: اس پر جہنم حرام ہو گئی“

(امام منذری الترغیب (۱/۲۴۷) میں فرماتے ہیں: اسے احمد نے جید سند کیساتھ روایت کیا، اور اسکے روات صحیح کے روات ہیں)۔

○ عباده بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

”خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللَّهُ عَلَى الْعِبَادِ، مَنْ جَاءَ بِهِنَّ لَمْ يُصَيِّعْ مِنْهُنَّ شَيْئًا اسْتِخْفَافًا بِحَقِّهِنَّ، بَكَانَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَمْ يَأْتِ بِهِنَّ، فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدٌ، إِنْ شَاءَ عَذْبَةٌ وَإِنْ شَاءَ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ“

”پانچ نمازیں ہیں جو اللہ نے اپنی بندوں پر فرض کی ہیں، تو جو کوئی یہ نمازیں لیکر آریگا جبکہ اُس نے انکے حق کو معمولی سمجھتے ہوئے ان میں سے کوئی چیز ضائع نہیں کی ہو، تو اللہ کے ہاں اسکے لیے یہ عہد ہے کہ اُسے جنت میں داخل کر لے، اور جو انہیں نہیں لاتا، اسکے لیے اللہ کے پاس کوئی عہد نہیں اگر وہ چاہے تو اُسے عذاب دے اور اگر چاہے تو جنت میں داخل کر دے“ (صحیح سنن نسائی (۴۴۷))

○ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”دو خصلتیں عادتیں ایسی ہیں کہ جو کوئی بندہ مسلم انکی پابندی کریگا، جنت میں داخل ہو جائیگا، دونوں انتہائی آسان ہیں لیکن ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں، ایک تو یہ کہ ہر نماز کے بعد دس دفعہ سبحان اللہ دس دفعہ الحمد للہ اور دس دفعہ اللہ اکبر کہے، یہ زبان پر تو (یومیہ) ڈیڑھ سو ہوئے لیکن میزان پر ڈیڑھ ہزار ہونگے۔“

اور دوسری خصلت یہ کہ جب بستر پر لیٹے تو جو تیس (۳۳) دفعہ اللہ اکبر، تینتیس دفعہ الحمد للہ اور تینتیس دفعہ سبحان اللہ کہے، یہ کلمات زبان پر تو ایک سو ہوئے لیکن میزان میں ایک ہزار ہونگے، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے انہیں شمار کر رہے تھے، لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا وجہ ہے کہ آسان ہونے کے باوجود ان پر عمل کرنے والے کم ہونگے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی سونے کیلئے لیٹتا ہے تو (شیطان) اسکے پاس آ کر یہ کلمات کہنے سے پہلے ہی سُلا دیتا ہے، اور نماز میں آ کر کام یاد دلاتا ہے تاکہ یہ کلمات ادا نہ کر سکے“

(صحیح سنن أبی داود (۴۲۳۳))

○ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ دُبْرَ كُلِّ صَلَاةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُولِ الْجَنَّةِ إِلَّا أَنْ يَمُوتَ“

”جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے، اسکے جنت میں داخلے سے موت کے سوا کوئی چیز مانع نہیں“ (نسائی نے اسے عمل الیوم اللیلۃ، میں روایت کیا ہے، اور البائی نے صحیح الجامع (۶۳۶۴) میں اسے صحیح قرار دیا ہے)

○ نعمان بن سالم سے روایت ہے، وہ عمرو بن اوس سے، اور وہ عتبسہ بن ابی سفیان سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

”جو بندہ مسلم روزانہ بارہ رکعت نفل اللہ کیلئے پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُسکے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیتا ہے، یا اُسکے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیا جاتا ہے،“ [چار رکعات ظہر سے پہلے، دو رکعتیں ظہر کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد، دو رکعتیں عشاء کے بعد، اور دو رکعتیں فجر سے پہلے]

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے سننے کے بعد میں نے بھی کبھی انہیں ترک نہیں کیا۔

اور عمرو بن اوس کہتے ہیں: عنہ سے سُننے کے بعد میں نے بھی کبھی ان رکعات کو نہیں چھوڑا۔

اور نعمان بن سالم کہتے ہیں: عمرو بن اوس سے سُننے کے بعد سے میں نے بھی یہ رکعات کبھی نہیں چھوڑیں۔ (مسلم (۷۲۸)، ترمذی (۲۱۵)  
(بریکٹ والے زائد الفاظ انہی کے ہیں)

○ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”عَيْنَانِ لَا تَمْسُهُمَا النَّارُ: عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ، وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ“  
”دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں آگ نہیں چھوسکے گی: وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے رو پڑے، اور وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں پہرہ دے“ (صحیح سنن ترمذی (۱۳۳۸))

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
”لَا يَلْجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ حَتَّى يُعَوِّدَ اللَّبْنَ فِي الضَّرْعِ، وَلَا يَجْتَمِعُ غُبَارُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَذُخَانُ جَهَنَّمَ“  
”وہ آدمی جہنم کی آگ میں داخل نہیں ہوگا جو اللہ کی خشیت سے رو پڑے، یہاں تک کہ دودھ تھن میں واپس چلا جائے (۱) اور اللہ کی راہ کا گرد و غبار اور جہنم کا دھواں کبھی جمع نہیں

ہو سکتے“ (صحیح سنن ترمذی (۱۳۳۳))

○ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
”مَنْ رَدَّ عَنْ عَرَضٍ أُخِيهِ رَدَّ اللَّهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“  
”جس نے اپنے بھائی کی عزت کا دفاع کیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکے چہرے سے آگ کو ہٹا دیگا“ (صحیح سنن ترمذی (۱۵۷۵))

(۱)۔ اسے تعلق بالحال کہا جاتا ہے، یعنی کسی چیز کو محال امر کیساتھ معلق کر کے اسکے ناممکن ہونے کو بیان کیا جائے۔ (مترجم)

○ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے کہا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُشْهِدُكَ وَاُشْهِدُ مَلَائِکَتَكَ وَحَمَلَةَ عَرْشِكَ وَاُشْهِدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحَدَّكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ، وَاُشْهِدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ“

”اے اللہ! میں تجھے گواہ بناتا ہوں، تیرے فرشتوں کو گواہ بناتا ہوں، حاملین عرش کو گواہ بناتا ہوں، اور آسمان و زمین کے تمام لوگوں کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ بے شک تو ہی اللہ ہے، تجھ اکیلے کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور رسول ہیں“

جو شخص ایک مرتبہ یہ کلمات کہے گا، اللہ تعالیٰ اسکے ایک تہائی وجود کو آگ سے آزاد کر دیگا، اور جو دو مرتبہ کہے، اسکے دو تہائی وجود کو آگ سے آزاد کر دیگا، اور جو شخص تین مرتبہ یہ کلمات ادا کر لے، تو اللہ تعالیٰ اُسکے پورے وجود کو آگ سے آزاد کر دیگا

(امام حاکم نے اسے روایت کیا اور صحیح کہا (۵۲۳/۱)، اور ذہبی نے انکی موافقت کی)

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب ابن آدم سجدے والی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے، تو شیطان الگ ہو کر رونے لگتا ہے، اور کہتا ہے: ہائے میرے بربادی! ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا، اور اُس نے سجدہ کر لیا، لہذا اُسکے لیے جنت ہے، اور مجھے بھی سجدے کا حکم ہوا تھا، لیکن میں نے انکار کر دیا، لہذا میرے لیے جہنم کی آگ ہے“ (مسلم (۸۱))

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[الصَّیَّامُ جُنَّةٌ وَحِصْنٌ خَصِیْنٌ مِنَ النَّارِ]

”روزے ڈھال ہیں، اور جہنم سے بچاؤ کیلئے مضبوط قلعہ کا کام دیتے ہیں۔“

(امام احمد نے اسے روایت کیا، اور البانی نے صحیح الجامع (۳۸۸۰) میں اسے حسن کہا۔)

○ عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ فرما رہے

تھے: ”الْصَّيَامُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ كَجُنَّةٍ أَحَدِكُمْ مِنَ الْقِتَالِ“

(روزے آگ سے بچاؤ کی ڈھال ہیں، جیسے تم میں سے کسی شخص کی ڈھال قتال سے بچاؤ کیلئے ہوتی ہے) (اسے امام احمد نے صحیح سند کیساتھ روایت کیا (۱۵۸۴۴))

○ ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ جَعَلَ اللَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا كَمَا بَيْنَ

السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ“ (صحیح سنن ترمذی (۱۳۲۵))

”جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھا، اللہ اُسکے اور جہنم کے درمیان اتنی بڑی

خندق بنا دیتا ہے جتنی آسمان اور زمین کی درمیانی مسافت ہے“

○ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

”مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بَعَدَ اللَّهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا“

”جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھا، اللہ تعالیٰ اُس کے چہرے کو جہنم کی آگ

سے ستر سال دور کر دیگا“ (متفق علیہ)

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کسی ایسے عمل کا حکم دیجئے جس کے ذریعے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ تو آپ نے فرمایا: ”عَلَيْكَ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَا مِثْلَ لَهُ“

”روزے کو لازم پکڑو، کیونکہ اس جیسا کوئی عمل نہیں“

پھر اسکے بعد ابو امامہ کے گھر میں دن کو دھواں نظر نہ آتا تھا الا یہ کہ کوئی مہمان انکے ہاں آجائے۔ (اسے ابن حبان (۹۲۹) اور حاکم (۴۲۱/۱) نے روایت کیا، اور صحیح کہا، اور ذہبی

نے انکی موافقت کی و صححه الالبانی فی النسائی)

تحریث بن قبیصہ کا بیان ہے کہ میں ورینہ آیا اور میں نے دُعا کی اے اللہ! مجھے کوئی

صالح ہمنشین عطا فرما۔

پھر مجھے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کیساتھ بیٹھنے کا موقع ملا تو میں نے اُن سے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی کہ مجھے صالح ہمنشین عطا فرما، تو آپ مجھے کوئی حدیث سنائیے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے ہو، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اُسکے ذریعے مجھے نفع دے۔ تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ صَلَاتُهُ، فَإِنْ صَلَحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَانْجَحَ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ“

”بے شک سب سے پہلی چیز جسکے متعلق بندے کا محاسبہ ہوگا، وہ اسکی نماز ہے، اگر اسکی نماز درست ہوئی تو وہ کامیاب و کامران ہو گیا، اور اگر نماز فاسد ہوئی تو خائب و خاسر ہو گیا“

(صحیح سنن نسائی (۴۵۱))

○ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تَعْبُدُ اللَّهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ“

”اللہ کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک مت کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اور رشتہ داری کو جوڑو“ (متفق علیہ)

ہاں ہی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جب وہ اپنی قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کوئی چیز جنت کی موجب ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْكَلَامِ وَبَذْلِ الطَّعَامِ“

”ہمیشہ اچھی بات کہو، اور خوب کھانا کھلاؤ“

(اے امام بخاریؒ نے خلق افعال العباد (۲۳۶)، میں اور حاکم نے مستدرک (۲۳/۱)،

میں روایت کیا، اور کہا: یہ مستقیم حدیث ہے، اس میں کوئی علت قاذبہ نہیں، اور ذہبیؒ نے انکی موافقت کی)۔

○ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مَنْ جَاءَ يَعْبُدُ اللَّهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَيَقِمْ الصَّلَاةَ، وَيُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَيَصُومُ رَمَضَانَ وَيَجْتَنِبُ الْكِبَايِرَ، فَإِنَّ لَهُ الْجَنَّةَ وَسَالَوَهُ: مَا الْكِبَايِرُ؟ قَالَ: إِلَّا شُرَاكَ بِاللَّهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ الْمُسْلِمَةِ وَفِرَارُ يَوْمِ الزُّحْفِ“

”جو شخص اس حال میں آئے کہ اللہ کی عبادت کرتا ہو، اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو، نماز قائم کرتا ہو، زکوٰۃ ادا کرتا ہو، رمضان کے روزے رکھتا ہو، اور کبائر سے اجتناب کرتا ہو، یقیناً اسکے لیے جنت ہے لوگوں نے پوچھا: کبائر کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ کیساتھ شریک ٹھہرانا، کسی مسلمان نفس کو قتل کرنا، اور لڑائی کے دن میدان جہاد سے فرار اختیار کرنا“

(امام احمد نے اسے جید سند کیساتھ روایت کیا (۲۲۹۹۹۱)

○ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”مَا مِنْ عَبْدٍ اتَى أَخَاهُ يَزُورُهُ فِي اللَّهِ إِلَّا نَادَى مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ، أَنْ طِبْتَ وَطَابَتْ لَكَ الْجَنَّةُ، وَإِلَّا قَالَ اللَّهُ فِي مَلَكُوتِ عَرْشِهِ: عَبْدِي زَارَ فِئِي، عَلَيَّ قِرَاهُ، فَلَمْ أَرْضَ لَهُ بِقِرَى دُونَ الْجَنَّةِ“

”جو بندہ بھی اللہ کی خاطر اپنے کسی بھائی کی زیارت کو جاتا ہے تو آسمان سے ندا لگائے والا ندا لگاتا ہے: تم خوش رہو، اور جنت تم میں خوش آئے، اور اللہ تعالیٰ اپنے عرش کی بادشاہی میں فرماتا ہے: میرے بندے نے میرے خاطر زیارت کی، اور مجھ پر ہی اسکی مہمانی ہے، جبکہ میں اسکے لیے جنت کے سوا اور کسی مہمانی پر راضی نہیں ہوں“

(اسے ابو یعلیٰ نے اپنی سند (۱۰۲۳/۳) میں، اور بزار (۳۸۸/۲) نے روایت کیا، حافظ منذری نے الترغیب (۲۳۹/۳) میں اسکی سند کو جید قرار دیا، اور البانی نے الصحیحہ میں اسے صحیح قرار دیا)

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ عَادَ مَرِيضًا، أَوْ زَارَ أَخَاهُ فِي اللَّهِ نَادَاهُ مُنَادٍ : أَنْ طِبْتَ وَطَابَ مَمْسَاكَ وَتَبَوَّاتُ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا“

”جو شخص کسی مریض کی عیادت، یا اللہ کیلئے اپنے کسی بھائی کی زیارت کو جائے تو ایک منادی اُس پرکارتا ہے: تم خوش رہو، اچھا ہو تمہارا چلتا، اور جنت تمہاری منزل ٹھہرے“

(صحیح سنن ترمذی (۱۶۳۳))

○ ابو امامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا:

”اتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ، وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ، وَصُومُوا شَهْرَكُمْ، وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ، وَأَطِيعُوا إِذَا أَمَرَكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ“

”اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے، اپنی پانچ نمازیں پڑھو، اپنے مہینے (رمضان) کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو، اور اپنے امیر کی اطاعت کرو، (اگر ان امور کی پابندی کرو گے) تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے“

[صحیح سنن ترمذی : ۲۰۰۲]



## ۲- دوسرا فائدہ

### علم شرعی ایک عظیم نعمت ہے

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو اس میں اضافے کا حکم دیا ہے:

﴿وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾

اور آپ کہیے: اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔  
اور علم کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز میں اضافے کا حکم نہیں دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم سب سے بڑی نعمت ہے، جہاں تک ایمان کی بات ہے، تو ایمان بھی علم میں داخل ہے۔  
امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: [الْعِلْمُ لَا يُعَادِلُهُ شَيْءٌ إِذَا أُرِيدَ بِهِ وَجْهُ اللَّهِ تَعَالَى]  
”جب علم سے مقصود اللہ کی رضا جوئی ہو، تو دوسری کوئی چیز اس کے برابر نہیں“  
(کتاب العلم للعثيمين)

کتاب وسنت اور سلف صالحین کے اقوال میں علم کے فضائل مشہور و معروف ہیں  
علم شرعی کی دو اقسام

یہاں اس بات کا بیان مقصود ہے کہ علم شرعی کی دو اقسام ہیں:

۱۔ کتاب وسنت اور احکام شرعیہ کا ظاہری علم۔

۲۔ کتاب وسنت میں موجود شریعت کے اسرار اور عظیم حکمتوں کا علم۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ان دونوں علوم کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا﴾

”اور جب وہ اپنی قوتوں کو پہنچا، تو ہم نے اسے حکمت اور علم سے نوازا۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے علم کا عطف حکم پر ڈالا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جو شخص اللہ کیلئے چالیس دن تک اخلاص اختیار کرے، تو اسکے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں، اور اسکی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں“

(یہ قول مرفوعاً بھی مروی ہے۔ ابو نعیم فی الحلیہ و رزین)

ظاہری علم کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ انسان پانچ چیزوں کو اپنے اوپر لازم کر لے۔  
(۱) غور سے سننا۔

(۲) اور اسکے لیے خاموشی اختیار کرنا۔

(۳) اچھی طرح سمجھنا اور اس پر تدبیر کرنا۔

(۴) اسے یاد کرنا۔

(۵) اسے لوگوں کے درمیان نشر کرنا۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[أَوَّلُ الْعِلْمِ الْإِسْتِمَاعُ ثُمَّ الْإِنْصَاتُ ثُمَّ التَّفَهُُّمُ ثُمَّ الْحِفْظُ ثُمَّ النَّشْرُ]

”علم کی پہلی منزل سننا ہے، پھر اسکے لیے خاموشی اختیار کرنا، پھر اسے سمجھنا، پھر یاد کرنا،

اور پھر اسے پھیلانا“ (جامع بیان العلم و فضله)

ان تمام باتوں کی دلیل اللہ کی کتاب میں موجود ہے، فرمایا:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے اچھی طرح سُنو، اور خاموش رہو، تاکہ تم رحم کیے

جاؤ۔“ یہاں اللہ تعالیٰ نے سننے اور خاموش رہنے کا حکم دیا ہے۔

اور فرمایا: ﴿فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ﴾ ”جو وحی کی جاتی ہے اُسے اچھی طرح سُنو۔“

اور فرمایا: ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ﴾ کیا یہی لوگ قرآن پر تدبیر نہیں کرتے :

﴿أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ﴾ ”کیا انہوں نے بات پر غور نہیں کیا؟“

اور فرمایا: ﴿سَنَقِرْ لَكَ فَلَا تَنْسَى﴾

ہم جلد آپکو پڑھائیں گے، پھر آپ نہ بھولیں گے۔

اور فرمایا: ﴿اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ﴾

(اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کیساتھ دعوت دیجئے)۔

اور ان تمام امور کی اساس اس بات پر ہے کہ وقت کی حفاظت کی جائے، اور معمولی بے فائدہ کاموں سے اجتناب برتا جائے۔

حدیث میں آتا ہے: دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں اکثر لوگ نقصان میں پڑے ہیں: صحت اور فراغت (بخاری)۔

اور اسرار شریعت کا علم پانچ چیزوں سے حاصل ہوتا ہے:

(۱) اتباع سنت۔

(۲) اللہ عزوجل کی طرف دھیان و توجہ۔

(۳) نفس کو شہوات سے روکنا۔

(۴) نگاہوں کو نیچا رکھنا۔

(۵) اکل حلال۔

شجاع الکرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جس نے اپنے ظاہر کو اتباع سنت، اور باطن کو مسلسل اللہ کی طرف توجہ سے آباد رکھا، اور اپنے نفس کو شہوات سے روکا، اپنی نگاہ کو حرام دیکھنے سے نیچا رکھا، اور رزق حلال کھایا، اسکی فراست کبھی غلطی نہیں کرتی۔“

فراست ایک لدنی علم ہے جو اللہ تعالیٰ بعض مؤمنین کو عطا فرماتا ہے۔

[اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ]

”مؤمن کی فراست سے بچو، کیونکہ وہ اللہ کے نور کیساتھ دیکھتا ہے“ (ترمذی)

ان پانچ اور کے دلائل بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، وہ اپنی رحمت سے تمہیں دو گنا اجر دے گا، اور تمہارے لیے نور پیدا کرے گا جسکی روشنی میں تم چلو گے، اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا“ (سورۃ المائدہ/ ۲۸)

تو جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کی پیروی کرے، اللہ تعالیٰ اُسے نور عطا فرماتا ہے، اور درحقیقت یہی نور علم نافع ہے۔

اور فرمایا: ﴿لِيُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ [ابراہیم/ ۱]  
”تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالیں“

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیاری سنتوں کے ذریعے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتے ہیں۔

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

”تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْمَحَبَّةِ الْبَيْضَاءِ لَيْلَهَا وَلَهَا رَافَا سَوَاءٌ“

”میں تمہیں ایسی واضح اور روشن شریعت پر چھوڑ لے جا رہا ہوں جسکی رات اور دن برابر ہیں“ (ابن ماجہ وسندہ صحیح)

تو جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے گا، اور ہر چھوٹی بڑی بات میں آپ کی سنت کی پیروی کرے گا، وہ گویا نور پر چل رہا ہے لہذا اُس پر حقائق کھلتے جائیں گے، اور اسے کھرے کھوٹے کی پہچان ہو جائے گی، اتباع سنت کے بہت سے فوائد ہیں جنکا تذکرہ آئندہ فوائد میں کیا جائیگا (ان شاء اللہ)

۲- اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾

اور جب وہ اپنی قوتوں کو پہنچا تو ہم نے اُسے حکمت اور علم سے نوازا، اور ہم احسان

کرنیوالوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں“ (یوسف: ۲۲)

اس آیت میں اشارہ ہے کہ احسان کے ذریعے انسان پر علوم کے دروازے کھلتے ہیں، اور احسان سے مراد یہ ہے کہ ہر وقت، ہر حال میں انسان کی توجہ اللہ رب العالمین کی طرف ہو، جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے کیا تھا، کہ جب انہیں اُس عورت نے بہکانے کی کوشش کی، جسکے گھر میں آپ رہتے تھے، تو انہوں نے کہا: اللہ کی پناہ! اور فوراً اللہ کی عظمت و جلال اور اسکی انشانیوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيَعْلَمَ كُمْ اللَّهُ﴾ (البقرة/ ۲۸۲)  
اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے۔

اور تقویٰ مراقبے کا ہی دوسرا نام ہے۔

حدیث میں آتا ہے: ”أَفْضَلُ الْإِيمَانِ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ“  
”افضل ترین ایمان یہ ہے کہ تم یہ جان لو کہ تم جہاں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے“

(طبرانی فی مسند الشامیین ۱۴۱۶) وکنز العمال وضعفہ الالبانی)۔

جب کوئی بندہ یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ اُسکے ساتھ ہے، تو گویا اُس نے حقیقی علم پالیا۔ حدیث میں آتا ہے: تین چیزیں جس میں پائی گئیں اُس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا..... ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس نے اپنے نفس کو تزکیہ کر لیا، پوچھا گیا: کوئی شخص اپنا تزکیہ کیسے کر سکتا ہے؟ فرمایا: یہ جان لے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو، اللہ اُسکے ساتھ ہے۔ (ابن کثیر فی سورة الحديد)

ایمان تصدیق کو کہتے ہیں، اور تصدیق علم ہے، لہذا مراقبہ علم بھی ہے، اور علم کا سبب بھی۔

علم کی تین اقسام ہیں:

روایت، درایت، اور رعایت ”لَمَّا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتُهَا“ اور مراقبہ علم رعایت ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ

وَحْتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ﴿الطَّيِّبَةِ/۲۳﴾

”کیا پھر آپ نے اُسے دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا؟ اور اللہ نے اسے گمراہ کر دیا جبکہ اسے (حق کا) علم تھا اور اس کے کانوں اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اسکی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، پھر کون ہے جو اللہ کے بعد اسے ہدایت دے؟“۔

خواہشات نفس کی پیروی سے انسان کے قلب و نظر پر پردے حائل ہو جاتے ہیں اور انسان کو خواہشات کے سوانہ کچھ نظر آتا ہے، نہ سنائی دیتا ہے اور نہ سمجھائی دیتا ہے، پھر بھلا ایسے شخص کو ہدایت و معرفت اور علم صحیح کیونکر نصیب ہو سکتا ہے۔

علم کی راہیں تین ہیں، غور و فکر، استماع، نظر، جبکہ اس مسکین پر یہ تمام راہیں مسدود ہو چکی ہوتی ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

صحیح علم سے ہٹ جانے والے گمراہ عالم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ﴾

”اور اس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی، تو اسکی مثال کتے کی سی ہے“

تو ایسا عالم بھی کتے کی طرح جاہل و حریص بن جاتا ہے۔

اور لوط علیہ السلام کے قصے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا:

﴿بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُجَاهِلُونَ﴾

لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو جاہل قرار دیا، کیونکہ وہ لوگ خواہشات نفس کے پیروکار تھے، بدترین جہالت ہے۔

لہذا جو شخص اللہ کی خاطر خواہشات نفس کو ترک کر دے، تو اللہ تعالیٰ اُسے بے مثال علم سے نوازتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

۴۔ ایک حسن درجے کی حدیث میں آتا ہے:

[النَّظَرَةُ سَهْمٌ مَسْمُومٌ مِنْ سِهَامِ ابْلِيسَ، فَمَنْ تَرَكَهَا مِنْ مَخَافَتِي أَبْدَلْتُهُ

إِيمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهُ فِي قَلْبِهِ ] .

”(غیر محرم عورت پر) نظر ڈالنا ابلیس کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے، تو جو کوئی اسے میرے خوف سے ترک کر دیگا، میں اسکے بدلے اُسے ایسا ایمان عطا کروں گا جسکی مٹھاس وہ اپنے دل میں محسوس کریگا“

(اسے خلل اور اصحاب السنن نے روایت کیا ہے، اور شیخ الاسلام نے حسن قرار دیا ہے) اور ایمان فضل ترین علم ہے۔

○ ابن قیم رحمہ اللہ نگاہیں نیچی رکھنے کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :  
ایسے شخص پر علم و معرفت کے دروازے کھل جاتے ہیں، کیونکہ بدل، بھی عمل کی جنس سے ہوتا ہے، لہذا جو شخص حرام سے اپنی آنکھیں موند لے، اللہ تعالیٰ اسکے دل کی آنکھیں کھول دیتا ہے، اور اُسے ایسے ایسے بعید دقائق اور اسرار دکھائی دیتے ہیں جو اسکے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہوتے ہیں۔

نگاہ نیچی رکھنے سے دل منور اور مضبوط ہوتا ہے، جبکہ آجکل کے دور میں نگاہیں نیچی رکھنا اور بھی زیادہ مشکل ہے کیونکہ ہر طرف نت نئے فتنے اور فحاشی و بے حیائی کے مظاہر پھیل چکے ہیں، ہم تمام فتنوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، اور اللہ ہی سے مدد کے طلبگار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ﴾ (النور/۳۰)

”(اے نبی!) آپ مؤمن مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ بات انکے لیے بہت زیادہ تزکیے کا باعث ہے، جو کچھ یہ کرتے ہیں، بلاشبہ اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔“

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نگاہ نیچی رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے سے مؤمن کو بہت زبردست تزکیہ حاصل ہوتا ہے، جبکہ علوم شرعیہ اور اسرار قرآنیہ تو پاکیزہ اور صاف ستھرے نفوس پر ہی کھلتے ہیں، نہ کہ خبیث و پلید نفوس پر۔

زرکشی رحمہ اللہ اپنی کتاب ”البرہان“ میں فرماتے ہیں :

”بے شک قرآن کا علم اور اسکے اسرار اُس شخص پر نہیں گھلتے جسکے دل میں دنیا کی محبت ہو، جیسا کہ آئندہ ابحاث میں ہم اسکی تفصیل بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ اور تمام خواہشات نفس کی بنیاد دنیا کی محبت ہے۔

۵۔ رزق حلال انسان کیلئے علم صحیح اور عمل صالح کے حصول میں مددگار ثابت ہوتا ہے، اسکی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے :

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (المؤمنون : ۵۱)

”اے رسولوں کی جماعت! پاکیزہ رزق کھاؤ اور نیک عمل کرو، تم جو عمل کرتے ہو، یقیناً میں اُس سے خوب واقف ہوں“

یہاں اللہ تعالیٰ نے اکل حلال اور عمل صالح کو جمع کیا ہے، کیونکہ اکل حلال عمل صالح کیلئے مددگار ہوتا ہے، جیسا کہ مہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”مَنْ أَكَلَ الْحَرَامَ غَضِيَ اللَّهُ شَأْءَ أُمِّ أَبِي، وَمَنْ أَكَلَ الْحَلَالَ أَطَاعَ اللَّهُ شَأْءَ أُمِّ أَبِي“

”جو حرام کھائے گا، وہ اللہ کی نافرمانی کریگا، خواہ چاہے یا نہ چاہے، اور جو حلال کھائے گا،

وہ اللہ کی اطاعت کریگا، خواہ چاہے یا نہ چاہے“ [الدین الخالص : ۵، ابن کثیر]

حرام کھانے سے دل میں میل اور نجاست پیدا ہوتی ہے، پھر بھلا اسے دل میں دینی علوم اور ربانی اسرار کیونکر جگہ پاسکتے ہیں۔

یقیناً جس گوشت نے حرام سے نشوونما پائی ہو، آگ اُسکی زیادہ مستحق ہے، ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال و حرام اور مشعبات کا تذکرہ کرنے کے بعد آخر میں فرمایا : [أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ] [مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ]

(سُن لو! بلاشبہ جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ایسا بھی ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو جائے تو پورا جسم



ٹھیک ہو جاتا ہے، اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے، سن لو کہ وہ دل ہے)۔  
اس حدیث میں اشارہ ہے کہ حلال کھانے سے دل کی اصلاح ہوتی ہے، اور حرام و مشتبہ چیزیں کھانے سے دل میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، اور جب دل کی اصلاح ہو جائے تو اس پر انورا لہی اترنے لگتے ہیں، حکمتیں ظاہر ہوتی ہیں، اور اسرار کھلتے چلے جاتے ہیں، اور اگر دل ہی فاسد ہو تو اسکے حصے میں غم و پریشانی، حیرت و اضطراب، حسرت و یاس اور جہنم کی آگ یہ آتی ہے۔ (العیاذ باللہ)

ہمارے زمانے میں تین علوم مفقود ہیں: (۱) علم خشوع (۲)

اللہ عزوجل کے علم کا علم (۳) علم تدبر قرآن۔

۱۔ اللہ رب العالمین کیلئے تواضع اور خشوع کا علم انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اسی کے ذریعے سے انسان پر معرفت و ایمان کے دروازے کھلتے ہیں، اور مومن اپنے ایمان میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔

خشوع ایک وسیع چیز ہے جس کا تعلق بیٹھنے، اٹھنے، چلنے اور سوار ہونے سے بھی ہے، اور لباس و کلام، نماز نظر اور لوگوں کی ملاقات سے بھی۔

خشوع اگرچہ دل میں ہوتا ہے، البتہ اس کا اثر جسم پر ظاہر ہوتا ہے۔

○ امام طبرانی رحمہ اللہ نے ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أَوَّلُ شَيْءٍ يُزْفَعُ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْخُشُوعُ، حَتَّى لَا تَرَى فِيهَا خَاشِعًا]

(صحیح الجامع (۲۵۶۹)

سب سے پہلی چیز اس امت سے اٹھائی جائیگی، وہ خشوع ہوگا، یہاں تک کہ تم ان میں ایک بھی خشوع رکھنے والا نہ دیکھو گے۔

اور امام ترمذی (۹۳/۲) میں روایت ہے کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے جبیر بن نفیر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ابودرداء نے سچ کہا ہے، اگر تم چاہو تو میں اس علم کے

بارے میں بتلاؤں جو سب سے پہلے لوگوں سے اٹھایا جائیگا: وہ خشوع ہے، قریب ہے کہ تم ایک جامع مسجد میں داخل ہو، اور اُس میں ایک بھی خشوع رکھنے والے آدمی کو نہ دیکھو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان، اور ابودرداء رضی اللہ عنہما کی بات سچی ثابت ہوئی ہے، اور خشوع ہم سے رخصت ہو چکا ہے، نہ یہ نماز میں نظر آتا ہے اور نہ ہی دیگر امور میں، حالانکہ یہ تو مؤمنین کی صفات میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ“۔

۱۔ آپ علیہ السلام بستر پر بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتے تھے، نہ آلتی پالتی مار کے کھانے کیلئے بیٹھتے، اور نہ ہی ٹیک لگا کر کھانا کھاتے تھے، اس طرح میز پر بھی کھانا نہیں کھاتا تھے۔ آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: لَا أَكُلُ مُتَكِنًا (میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا) (متفق علیہ) بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

”مَا أَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خِوَانٍ“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میز پر کھانا نہیں کھایا“ یہ سب اللہ رب العالمین کیلئے تواضع کی وجہ سے تھا۔ (مشکاۃ ۲/۳۶۳)

اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”أَكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وَأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ“

”میں اسی طرح کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے، اور اس طرح بیٹھتا ہوں جیسے غلام بیٹھتا ہے، کیونکہ میں بھی تو غلام ہی وہوں“

(شرح السنة، صحيح الجامع مشکوة (۵۲۱/۲)

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلنے لگیں۔

میرے پاس ایک فرشتہ آیا جسکا نیفہ کعبہ کے برابر تھا، اور اس نے کہا: آپ کا رب آپکو سلام بھیجتا ہے، اور فرماتے ہیں: اگر تم چاہو تو غلاموں کی طرح رہنے والے نبی بنو، اور اگر چاہو تو

بادشاہوں کی طرح زندگی بسر کرنے والے نبی بنو۔

آپ فرماتے ہیں: میں نے جبریل علیہ السلام کی جانب دیکھا، تو انہوں نے مجھے تواضع اختیار کرنے کا اشارہ کیا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مشورے کیلئے جبریل علیہ السلام کی طرف التفات کیا، تو جبریل نے اپنے ہاتھ سے تواضع اختیار کرنے کا اشارہ کیا۔

تو آپ ﷺ فرماتے ہیں: میں نے کہا: میں غلاموں کی طرح رہنے والا نبی بننا چاہتا ہوں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے، اور فرمایا کرتے: میں غلاموں کی طرح کھاتا ہوں، اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں۔ (شرح السنہ، مشکوٰۃ ۲/۵۲۱)

اسی طرح کھانے کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تواضع کیساتھ بیٹھا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات مسجد میں پیٹھ اور پنڈلیاں کسی کپڑے سے باندھ کر بیٹھا کرتے تھے، علاوہ ازیں قیلہ بنت مخرمہ کی حدیث میں آتا ہے:

”أَنَّهَا رَأَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ وَهُوَ قَاعِدُ الْفَرْفُصَاءِ قَالَتْ: فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَخَشِّعَ أُرْعِدْتُ مِنَ الْفَرْقِ“

”انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں دیکھا جبکہ آپ اکڑوں بیٹھے ہوئے تھے، فرماتی ہیں: جب میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ خشوع دیکھا تو میں خوف سے کانپنے لگی“ (اسے ابوداؤد نے صحیح سند کیساتھ روایت کیا ہے، دیکھیے مشکوٰۃ ۲/۴۰۴)

جو شخص اللہ کیلئے تواضع اختیار کرتا ہے، لوگ بھی اُس سے خوف کھاتے ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ، وَلَكِنْ تَوَسَّعُوا وَتَفَسَّحُوا“

”کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کو اسکی جگہ سے اٹھا کر خود وہاں نہ بیٹھے، بلکہ مجلس میں

وسعت اور کشادگی پیدا کر کے بیٹھ جایا کرو“ (متفق علیہ)  
کیونکہ کسی کو اٹھا کر اسکی جگہ بیٹھ جانا اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے مترادف ہے، لہذا آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

۲۔ اسی طرح چلنے پھرنے میں خشوع اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھک کر چلتے تھے، گویا ڈھلوان کی طرف اتر رہے ہوں۔ (ترمذی)  
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”مَنْ تَعَظَّمَ فِي نَفْسِهِ أَوْ اخْتَالَ فِي مَشْيِهِ لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضَبَانُ“

(صحیح الجامع)

”جس نے اپنے نفس کو بڑا جانا، یا اپنی چال میں تکبر اختیار کیا، وہ اللہ سے اسی حال میں ملے گا کہ اللہ اس پر ناراض ہوگا“۔

اسی طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”بَيْنَمَا رَجُلٌ يَتَبَخَّرُ فِي بُرْدَيْنِ وَقَدْ أُعْجِبَتْهُ نَفْسُهُ خُسْفَ بِهِ الْأَرْضَ فَهُوَ

يَتَجَلَّجَلُ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ“ [متفق علیہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ]

”ایک آدمی دو چادروں میں تکبرانہ چال چل رہا تھا، اور اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھ رہا تھا، کہ یکا یک زمین میں دھنسا دیا گیا، اور قیامت تک وہ زمین میں دھنستا چلا جائیگا“۔

اور ترمذی (۲/۲۵۶) کی ایک حدیث میں صحیح سند کیساتھ منقول ہے:

”إِذَا مَشَتْ أُمِّيُّ الْمُطِيطَاءِ وَخَدَمَتُهُمْ أَبْنَاءُ الْمُلُوكِ أَبْنَاءُ فَارِسَ وَالرُّومِ

سَلَطَ اللَّهُ سِرَارَهَا عَلَى خِيَارِهَا“

”جب میری امت ہاتھوں کو پھیلا کر مغرورانہ چال چلے گی، اور بادشاہوں کے بیٹے یعنی

فارس و روم کے باشندے اُنکی خدمت کریں گے، تو اللہ تعالیٰ اس امت کے بدترین لوگوں

کو بہترین لوگوں پر مسلط کر دیگا“ مطیطاء یہ ہے کہ انسان تکبر کیساتھ ہاتھ پھیلا کر، اور

انہیں غیر معمولی حرکت دیکر اور توند نکال کر چلے۔

تذکرہ کیجئے کہ کسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول و فعل کے ذریعے ہمیں چلنے کے آداب اور خشوع و تواضع سکھا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اور اپنے دین کی طرف سے آپ کو جزائے خیر دے! اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بھی ناپسند تھی کہ لوگ آپ کے پیچھے روانہ ہو جائیں لیکن (اسکے ساتھ) دائیں اور بائیں طرف سے چلنا پسند تھا (کیونکہ اس سے دل میں تکبر نہیں آتا) (الصحيحہ ۱۲۳۰)

اور چلتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے آگے آگے چلتے تھے، اور آپ کی پیٹھ مبارک کو فرشتوں کیلئے چھوڑ دیتے تھے۔ (الصحيحہ (۲۰۸۷) ..

### ۳۔ سواری میں خشوع کی تعلیم

امام احمد رحمہ اللہ الزہد (۲۰) میں عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے ادنیٰ لباس پہنا، بکری کو باندھا (یعنی دوہنے کیلئے)، گدھے پر سواری کی، کمتر آدمی یا غلام کی دعوت قبول کی، اُس پر تکبر بالکل بھی نہیں لکھا گیا“ اسکی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن یہ حدیث فی نفسہ صحیح ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ نے الصحيحہ (۲۲۱۸) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”مَا اسْتَكْبَرَ مَنْ أَكَلَ مَعَهُ عَاقِدَمَةً وَزَكَبَ الْجِمَارَ بِالْأَسْوَاقِ وَاعْتَقَلَ الشَّاةَ فَبَجَلَهَا“

”اس شخص میں تکبر نہیں جسکے ساتھ اسکا خادم کھانا کھائے، اور جو بازاروں میں گدھے پر سواری کرے، اور بکری باندھ کر اسکا دودھ دوہے۔

اور الرحیق المختوم (۵۳۸) میں آتا ہے: اس دوران اللہ کے بخشے ہوئے اعزاز فتح پر فخر تواضع سے آپ ﷺ نے اپنا سر جھکا رکھا تھا، یہاں تک کہ داڑھی کے بال کجاوے کی لکڑی

سے جا لگ رہے تھے“

○ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رکھنے کیلئے لوگوں کو دھکیلا جاتا تھا اور نہ مارا جاتا تھا۔ [الصحيحہ: ۲۱۰۷]

ایک دوسری حدیث میں قدامہ بن عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْعَى بَيْنَ الصُّفَا وَالْمَرَوَةِ عَلَى بَعِيرٍ لَا ضَرْبَ وَلَا طَرْدَ وَلَا إِلَيْكَ إِلَيْكَ“ (شرح السنة، مشکوٰۃ ۱/۲۲۸)

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جبکہ آپ ایک اونٹ پر سوار ہو کر صفا و مروہ کے درمیان سعی کر رہے تھے، وہاں نہ کسی کو مارا جا رہا تھا، نہ دھکیلا جا رہا تھا، اور نہ ہی ہٹو بھوکے صدائیں تھیں“

○ ثمامہ سے روایت ہے: ”حَجَّ أَنَسُ عَلَى رَحْلٍ وَلَمْ يَكُنْ هَجِينًا وَخَدَّتْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّ عَلَى رَحْلٍ وَكَانَتْ زَامِلَةً“ (بخاری ۱/۲۰۵)

(انس رضی اللہ عنہ نے لکڑی کے پالان پر ہی حج کیا حالانکہ وہ بخیل نہ تھے اور ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پالان پر ہی حج کیا اور آپ کا سامان و طعام بھی اسی سواری پر تھا۔ (یعنی سامان کیلئے الگ سواری نہ رکھی تھی اور نہ ہی بیٹھنے کیلئے کوئی قسم کا ہودج تھا بلکہ سادہ سا پالان ہی تھا اور اس کی وجہ کوئی بخیلی نہ تھی بلکہ عاجزی و انکساری تھی)

### ۴۔ لباس میں خشوع اور تواضع اختیار کرنا۔

اس حوالے سے بہت سی احادیث و آثار ملتے ہیں: جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

امام حاکم، ترمذی، اور احمد (۴۳۹۳) نے انس البجنی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ تَرَكَ اللَّبَاسَ، وَفِي رِوَايَةٍ: لَبَسَ قُوبَ جَمَالٍ. قَوَّضَعَا لِلَّهِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ، دَعَاهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رُؤُوسِ الْعَلَاقِقِ حَتَّى يُخَيَّرَ مِنْ أَمَى حُلَلِ الْإِيمَانِ شَاءَ يَلْبَسُهَا“

”جس نے کوئی لباس (اور ایک روایت کے مطابق زیب و زینت کا لباس) اللہ کیلئے تواضع اختیار کرتے ہوئے ترک کر دیا، حالانکہ وہ اسکے حصول پر قادر تھا، اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن تمام مخلوقات کے سامنے بلائے گا، اور یہ اختیار دے گا کہ ایمان کے لباسوں میں سے جو چاہے پہن لے“

(اس سے مراد جنت کا وہ لباس ہیں جو اہل ایمان پہنیں گے)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: [أَلَا تَسْمَعُونَ؟ أَلَا تَسْمَعُونَ؟ إِنَّ الْبِلْدَاةَ مِنَ الْإِيمَانِ إِنَّ الْبِلْدَاةَ مِنَ الْإِيمَانِ]۔ (ابوداؤد (۴۱۶۱))

”کیا تم سنتے نہیں؟ کیا تم سنتے نہیں؟ بے شک سادگی ایمان میں سے ہے، بیشک سادگی ایمان میں سے ہے“ (ابوداؤد (۴۱۶۱))

سادگی کو ایمان میں سے قرار دینے میں ایک عجیب نکتہ ہے، وہ یہ کہ جب کوئی بندہ لباس فاخرہ کی قدرت کے باوجود سادگی اختیار کرتا ہے تو یہ عمل اللہ تعالیٰ سے دیا اور اسکے لیے تواضع کی دلیل ہے، اور اپنے عام معاملات میں اللہ کی طرف متوجہ ہونا ہی تو ایمان کی علامت ہے۔

اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازار قمیص اور عمامہ اور ریشم پہننے، اور شہرت کا لباس پہننے سے منع فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

[مَنْ لَبَسَ قُوبَ الشُّهُورَةِ فِي الدُّنْيَا لَبَسَهُ اللَّهُ قُوبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ]

”جس نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُسے ذلت کا لباس پہنائے گا“ (اسے صحابہ کرام نے روایت کیا)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو سونا پہننے سے منع فرمایا، کیونکہ یہ تواضع اور عبودیت

کے منافی ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
 ”بَيْنَمَا رَجُلٌ فِي حُلَّةٍ لَهُ يَنْظُرُ فِي عِطْفِهِ، إِذْ خَسَفَ اللَّهُ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلَّجَلُ  
 فِيهَا إِلَى الْقِيَامَةِ“ (الصحيحہ (۱۵۰۷)

”ایک شخص اپنا (خوبصورت) جوڑا پہنے متکبرانہ چال چل رہا تھا کہ یکا یک اللہ تعالیٰ نے  
 اُسے زمین میں دھنسا دیا، اب وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائیگا“  
 قارون بھی جب زیب و زینت کیساتھ اپنی قوم کے سامنے نکلا تھا تو اُسکے ساتھ بھی یہی  
 ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِذَارِهِ الْأَرْضَ﴾

”پھر ہم نے اُسے اور اسکے گھر کو زمین میں دھنسا دیا“

تکبر کرنے اور اترانے والوں کیلئے دھنسا دینے کی سزا ہی موزوں ہے“ (والعیاذ باللہ)

## ۵۔ بات چیت میں خشوع اور تواضع

یہ بھی انتہائی اہم اور ضروری ہے، جو شخص اس سے غافل رہا، وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ علماء  
 کرام کہتے ہیں: ہر مؤمن کو چاہیے کہ وہ میں میرے پاس اور میرے لیے جیسے الفاظ سے  
 اجتناب کرے، کیونکہ میں تو ابلیس کا کلمہ ہے، ”قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ“

اُس نے کہا: ”میں اس سے بہتر ہوں“، اور میرے پاس“ قارون کا کلمہ ہے، جب اُس نے  
 کہا: عَلَيَّ عِلْمٌ عِنْدِي میرے پاس موجود علم کی وجہ سے مجھے دولت ملی ہے“ اور ”میرے  
 لیے“ فرعون کی کجواسات میں سے ہے، کیونکہ اُس نے کہا تھا:

”أَلَيْسَ لِي مُلْكٌ مِثْلُكَ مِضْرَ وَهَلْ هِيَ إِلَّا نَهَارٌ تَجْعَلُنِي مِنْ تَحْتِي“

”کیا میرے لیے مصر کی بادشاہت اور یہ نہر نہیں ہیں، کہ جو میرے نیچے سے بہتی ہیں“  
 ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”موسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوا: کیا آپ کسی ایسے شخص کو



جانتے ہیں جو آپ سے زیادہ علم رکھتا ہو؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: نہیں۔  
 کیونکہ انہوں نے اپنا علم اللہ کی طرف نہیں لوٹایا (یعنی واللہ اعلم نہیں کہا) اس لیے اللہ تعالیٰ  
 نے انکی سرزنش کی، اور فرمایا: کیوں نہیں! میرا ایک بندہ خضر ہے.. الحدیث (بخاری)  
 صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو آہستہ  
 سے کچھ کہتے تھے جو میں سمجھ نہیں پاتا تھا، اور نہ ہی آپ ہمیں اسکے بارے میں کچھ بتلاتے  
 تھے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے کچھ محسوس کیا ہے؟ ہم نے کہا: جی ہاں۔  
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے ایک نبی کا خیال آیا کہ جنہیں اپنی میں سے زبردست  
 لشکر عطا کیے گئے تھے۔

اور ایک روایت کے مطابق انہیں اپنی امت پر نازل ہوا۔  
 تو انہوں نے کہا: اس لشکر کی ہمسری کون کر سکتا ہے؟ وحی نازل فرمائی کہ اپنی قوم کیلئے  
 تین باتوں میں اسے ایک بات اختیار کر لو: یا تو ہم کسی دوسری قوم سے تعلق رکھنے والا دشمن  
 ان پر مسلط کر دیں یا انہیں بھوک سے دوچار کریں، یا موت کا عذاب چکھائیں۔  
 اُس نبی نے اسے بارے میں اپنی قوم سے مشورہ کیا، تو قوم نے جواب دیا: آپ اللہ کے نبی  
 ہیں، جو چاہیں ہمارے لیے پسند کر لیں۔

تو وہ نماز کیلئے کھڑے ہو گئے، انبیاء کرام جب بھی گھبراہٹ کا شکار ہوتے تو فوراً نماز کی  
 طرف ہٹ سکتے تھے، پھر جتنا اللہ نے چاہا انہوں نے نماز پڑھی اور اللہ سے دُعا مانگی: اے  
 میرے رب! جہاں تک دشمن کا معاملہ ہے تو غیر دشمن کو ہم پر مسلط مت فرمانا، اور ہمیں بھوک  
 سے دوچار بھی نہ کرنا، البتہ موت ہمارے لیے قابل قبول ہے۔

لہذا اللہ تعالیٰ نے اُن پر موت مسلط کر دی اور ایک دن میں انکے ستر ہزار لوگ فوت ہو گئے۔  
 اس وجہ سے میں زیرِ لب یہ دُعا پڑھتا ہوں: ”اَللّٰهُمَّ بِكَ اُخُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ  
 اَقْبِلُ (وَلِيْ رِوَايَةٍ) وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ“

”اے اللہ! تیری توفیق سے ہی میں چلتا پھرتا ہوں تیری مدد سے ہی میں دشمن پر چڑھائی

کرتا ہوں، اور تیری نصرت کے سہارے ہی دشمن سے لڑتا ہوں،“ (اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں)، تیری توفیق کے بغیر مجھے کوئی قدرت اور قوت حال نہیں“

((الصحيحۃ (۲۴۵۹))

یہ حدیث قولی اور قلبی خشوع پر دلالت کرتی ہے، لہذا اگر کسی بات میں خود پسندی اور فخر کا شائبہ بھی ہو تو اُس سے اجتناب لازم ہے۔

فقہاء سے روایت ہے کہ ایک دن انہوں نے کہا: میں کبھی کچھ نہیں بھولتا۔ تو اُس دن وہ اپنے جوتے ہی بھول گئے حالانکہ وہ انکے ہاتھ میں تھے، اور اپنے شاگرد سے کہنے لگے: میرے جوتے کہاں ہیں؟ شاگرد نے کہا: آپکے ہاتھ میں تو ہیں۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لَا حِجَابَ أَغْلَظَ مِنَ الدَّعْوَى، وَلَا طَرِيقَ أَقْرَبَ مِنَ الْفَقْرِ إِلَيْهِ“ اللہ سے دور کرنے کیلئے دعوے سے زیادہ موٹا حجاب اور کوئی نہیں، اور رب تعالیٰ کے سامنے عاجزی و فقر کے اظہار سے زیادہ اسکی طرف قریب کرنے کا کوئی راستہ نہیں“ (معدارج)

اسی لیے شریعت نے ہمیں ہر بات میں ان شاء اللہ کہنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾ [الكهف: ۲۳] ”اور کسی کام کی نسبت نہ کہتا کہ میں اسے کل کر دوں گا، مگر (انشاء اللہ کہہ کر یعنی اگر) اللہ چاہے (کر دوں گا)“

۶۔ نماز میں خشوع۔

یہ بھی انتہائی ضروری ہے، بلکہ جس نماز میں خشوع نہ ہو، وہ کسی گنتی میں ہی نہیں، کیونکہ خشوع نماز کی روح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ أَلْفَعِ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ (المؤمنون: ۱)

”یقیناً مومن فلاح پاگئے، جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں“ لہذا جس شخص میں خشوع نہیں، اسکی کوئی نماز نہیں۔

آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: ”مَا مِنْ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَكْتُوبَةٌ فَيُحْسِنُ وَضُوءَهَا وَخُشُوعَهَا وَرُكُوعَهَا إِلَّا كَأَنَّهُ كَفَّرَ لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّلُوبِ مَا لَمْ يَكُنْ كَبِيرَةً وَذَلِكَ الذَّهْرُ كُلُّهُ“ (مسلم)

جس مسلمان پر فرض نماز کا وقت آجائے، اور وہ اچھی طرح وضو کر لے، اور بہترین خشوع اور رکوع کیساتھ نماز ادا کرے، تو یہ نماز اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، جب تک کہ وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے، اور ایسا ہمیشہ ہوتا ہے (یعنی ہر نماز سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے) (مسلم)

نماز میں خشوع کی تفصیل پہلی جلد کے فائدہ نمبر (۵۷) میں گزر چکی ہے۔

### ۷۔ نظر میں خشوع

نگاہوں کا خشوع یہ ہے کہ بلا ضرورت دائیں بائیں نہ دیکھے، بلا فائدہ چیزوں کو نہ تکتار ہے، کیونکہ فضول دیکھنا بھی مضر ہے، جیسا کہ فضول بات چیت نقصان دہ ہے، سلف صالحین فضول دیکھنے کو ناپسند کرتے تھے، بعض نے تو امیروں کے محلات کی طرف پسندیدگی سے دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَمْلُنْ عَيْنُكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفِثَنَّهُمْ فِيهِ﴾ (طہ/۱۳۱)

”اور (اے نبی!) ان چیزوں کی طرف آپ اپنی نگاہیں اٹھا کر بھی نہ دیکھیں جو دنیاوی زندگی کی آرائش کی ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو دے رکھی ہیں تاکہ ہم انہیں انکے ذریعے سے آزمائیں“

○ محمد بن عبد اللہ العابد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جو شخص فضول نظر ترک کر دے، اُسے خشوع کی توفیق ملتی ہے، جو تکبر چھوڑ دے، اُسے تواضع نصیب ہوتا ہے، جو فضول کلام کو خیر باد کہہ دے، وہ حکمت سے نواز جاتا ہے، جو ضرورت سے زائد کھانا چھوڑ دے، اسے عبادت کی محاسن حاصل ہوتی ہے، جو مزاح کرنا تک کر دے اُسے رونق عطا کی جاتی ہے، جو ہنسنا چھوڑ دے، اُسے ہیبت ملتی ہے، جو لوگوں سے طمع و لالچ نہ رکھے وہ لوگوں کا محبوب بن جاتا ہے، جو لوگوں کی جاسوسی سے باز آ جانے اُسے اپنے عیوب کی اصلاح کرنے کی توفیق ملتی ہے، جو اللہ کی صفات میں وہم کو ترک کر دے، اُسے شک اور نفاق سے نجات کی توفیق سے نواز جاتا ہے“ (یہ انتہائی پیارا کلام ہے) (التنبیہ ۱/۲۱۵)

پہلی جلد کے خوف سے متعلق فائدے میں بھی یہ گزر چکا ہے، دیکھئے فائدہ نمبر (۶۰) فضول نظر ترک کرنے سے خشوع پیدا ہوتا ہے، فاز میں لگائیں جھکا کر رکھنا تواضع ہے، اور بڑوں کے سامنے لگائیں جھکانا خیا کی علامت ہے۔

### ۸۔ لوگوں سے ملاقات میں خشوع اور تواضع

خندہ پیشانی کیساتھ لوگوں سے ملنا، اور انکی خدمت پر کمر بستہ رہنا خشوع اور تواضع کا لازمی جزء ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تُصَغِرْ خَلْقَكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا، إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَالْقِصْدُ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝﴾ (لقمن/ ۱۸، ۱۹)

”اور تو لوگوں سے بے رُخی نہ کر اور زمین میں اکثر کمر مت چل، بے شک اللہ تعالیٰ ہر مغرور، ڈینگیں مارنے والے کو پسند نہیں کرتا، اور تو اپنی چال درمیانی رکھ، اور اپنی آواز دھیمی رکھ، کیونکہ (اُدنی آواز گدھوں کی ہے اور کچھ شک نہیں کہ) سب آوازوں سے بُری آواز گدھوں کی ہے“

ان آیات پر تدبر کیجئے ان میں مذکور تمام آداب کا متعلق تواضع سے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے متواضع تھے کہ بوڑھی خواتین کے ساتھ چل پڑتے، اور اُنکے کام کاج کر دیتے تھے، یہاں تک کہ ایک لونڈی بھی آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپکو ساتھ لے جاتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے فرماتے: جس گلی میں چاہو، مجھے لے جاؤ تا کہ میں تمہاری ضرورت پوری کر سکوں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کیساتھ عزت سے پیش آتے، جس کسی سے مصافحہ کرتے، تو اپنا ہاتھ مبارک نہیں چھڑواتے تھے، یہاں تک کہ وہ خود چھوڑ دے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت مندوں سے حجاب نہیں کرتے تھے، البتہ یہاں اس بات کا بیان کرنا ضروری ہے کہ فضول قسم کے لوگوں اور وقت ضائع کرنے والوں سے اجتناب کرنا، اور الگ تھلگ رہنا لازم ہے۔

علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”سلام کی ابتدا کرنے والا تکبر سے بری ہے“ (شعب الایمان للبیہقی مشکوٰۃ: ۲/)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ خشوع اور تواضع کا بے حد اہتمام کیا کرتے تھے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کے وقت اپنے بیٹے سے فرمایا: میرا سر اپنی ران کے بجائے زمین پر رکھو، اور فرمایا: اگر عمر کی بخشش نہ ہوئی تو اسکے لیے ہلاکت ہے۔ (بخاری، البدایہ)

ایک مرتبہ آپ ﷺ منبر پر چڑھے اور فرمایا:

”يَا عُمَرُ أَنْتَ الَّذِي كُنْتَ تَرَعَى الْغَنَمَ وَيَضْرِبُكَ الْخُطَابُ فَصِرْتُ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ“

”اے عمر! تو وہی ہے جو بکریاں چرایا کرتا تھا، اور خطاب تیری پٹائی کیا کرتا تھا، اور اب تو امیر المؤمنین بن گیا ہے“

کسی نے کہا: یہ کیا کیا ہے؟ آپ اپنے عیب کیوں اُچھال رہے ہیں؟  
 آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے خود پسندی کو زائل کرنے کیلئے ایسا کیا ہے۔  
 امام احمد رحمہ اللہ اپنی کتاب الزہد (۲۲۸) ”میں عبد اللہ بن حنظلہ سے روایت نقل کرتے  
 ہیں کہ ایک مرتبہ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے بازار میں سے گذر رہے  
 تھے، کسی نے اُن سے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے غنی نہیں کر دیا؟ تو فرمایا: کیوں نہیں،  
 لیکن میں اس طرح تکبر کو دفع کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو  
 سنا، آپ فرما رہے تھے: جس کے دل میں ایک رائی کے دانے برابر بھی تکبر ہوا، وہ جنت میں  
 داخل نہیں ہوگا۔

دیکھئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس حوالے سے کتنا اہتمام کیا کرتے تھے۔  
 خشوع یہ ہے کہ انسان کا دل بھر پور توجہ، اور کامل خضوع و انقیاد کیساتھ اللہ کے حضور پیش  
 ہو جائے، اور اعضاء و جوارح پر اس کا اثر ظاہر ہو۔

### خشوع کی دو اقسام ہیں: خشوع نفاق، اور خشوع ایمان

منافقانہ خشوع یہ ہے کہ جسم پر تو خشوع ظاہر ہو، لیکن دل میں فسق و فجور ہو۔  
 اور ایمانی خشوع یہ ہے کہ انسان دل و جان کیساتھ اللہ کے حضور مطیع و منقاد ہو جائے۔  
 ۲۔ اللہ عز و جل کے علم کا علم۔

یعنی انسان اس بات کو اچھی طرح جان لے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر چیز سے واقف  
 ہے، وہ دلوں کے بھید بھی جانتا ہے، اور اُسے ہر چیز کی خبر ہے، اور اس بات کو انسان ہمیشہ  
 اپنے ذہن میں متحضر رکھے۔

یہ افضل ترین ایمان ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”الْأَفْضَلُ الْإِيمَانُ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ“

”افضل ترین ایمان یہ ہے کہ تم یہ جان لو کہ تم جہاں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں کئی مقامات پر اس علم کا تذکرہ فرمایا ہے، جب کہ فرمایا:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ، لِيَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾

(الطلاق/۱۲)

”اللہ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمینیں بھی اتنی ہی، ان کے درمیان اس کا حکم نازل ہوتا ہے، تاکہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے، اور بلاشبہ اللہ نے (اپنے) علم سے ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات اور احکامات کی غرض و غایت بیان فرماتی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور علم محیط کو جان لیں، معلوم ہوا کہ یہ علم بھی انتہائی اہم ہے کیونکہ اسی کیلئے آسمان و زمین پیدا کیے گئے، اور احکامات نازل ہوئے۔

نیز فرمایا: ﴿جَعَلَ اللَّهُ الْكُفَّةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ، ذَلِكَ لِيَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (المائدة/۹۷)

”کعبہ جو حرمت والا گھر ہے، اللہ نے اسے لوگوں کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے، اور حرمت والے مہینے اور حرام والی قربانی اور پٹوں والے جانوروں کو بھی حرمت دی ہے، یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور یہ کہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے وسیع علم کی پہچان کو شرعی احکامات کی غایت قرار دیا ہے۔

اور فرمایا: ﴿أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَوْمَئِذٍ سَاعِدٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِمَا عَمِلُوا أَوَّلَ دِينِهِمْ﴾

”کیا وہ نہیں جانتا کہ بلاشبہ اللہ دیکھ رہا ہے“

اور فرمایا: ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ

نَحِيْزٌ ۝ [الروم: ۲۹].

”کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور اُس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے، کہ اُن میں سے ہر ایک، ایک مقررہ وقت تک کیلئے چل رہا ہے، اور یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے“

نیز فرمایا: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيْرٌ ۝﴾  
 ”اور تم جہاں بھی ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے، اور تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اُن کو خوب دیکھنے والا ہے“ (الحديد/۴)

اور فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا هُوَ رَٰبِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةَ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يَنْظُرُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾ (المجادلة/۷)

”کیا آپ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، تین (افراد) کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی، مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ آدمیوں کی، مگر وہ ان میں چھٹا، ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ، مگر وہ ان کیساتھ ہوتا ہے، جہاں کہیں بھی وہ ہوں، پھر وہ روز قیامت انہیں بتلائے گا جو انہوں نے عمل کیے تھے، بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔“

نیز فرمایا: ﴿وَمَا تَكُوْنُ فِىْ شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ وَمَا يَغْرُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمٰوٰى وَلَا اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرَ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ [یونس/۶۱]

”اور (اے نبی!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور اللہ کی طرف سے نازل قرآن میں سے جو کچھ بھی پڑھتے ہیں، اور تم لوگ جو بھی عمل کرتے ہو، اس وقت ہم تمہیں دیکھ رہے



ہوتے ہیں جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو: اور نہیں پوشیدہ آپ کے پروردگار سے ذرہ برابر چیز بھی زمین میں، اور نہ آسمان میں، نہ اس سے چھوٹی چیز اور نہ بڑی، مگر کتاب مبین میں (لکھی ہوئی) ہے۔“

یہ ایسی آیت ہے جو خوف الہی رکھنے والے مومنین کے روٹکنے کھڑے کر دیتی ہے۔ یہ تمام آیات اللہ تعالیٰ سے حیا پیدا کرتی ہیں اور انسان میں اپنا محاسبہ کرنے کا جذبہ ابھارتی ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَأْتِیَنَّکُمْ عَالِیْمُ الْغِیْبِ لَا یَغْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْبَرُ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝﴾

[سبا: ۳]

”آپ کہہ دیجئے! کیوں نہیں، میرے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے! (قیامت) تمہارے پاس آکر رہے گی، اس سے پوشیدہ نہیں ہے کوئی ذرہ برابر چیز آسمانوں میں، اور نہ زمین میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی چیز، مگر کتاب مبین میں (لکھی ہوئی) ہے۔“

اور فرمایا: ﴿وَعِنْدَہٗ مَفَاتِیْحُ الْغِیْبِ لَا یَعْلَمُہَا اِلَّا ہُوَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُہَا وَلَا حَبَّةٌ فِی ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٌ وَلَا یَابِسٌ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ وَہُوَ الَّذِیْ یَتَوَفَّاکُمْ بِاللَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّہَارِ ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْہِ لِیُقْضٰی اَجَلٌ مُّسَمًّی ثُمَّ اِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ ثُمَّ لِنَبْیِّنَکُمْ بِمَا کُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ [الانعام/۵۹/۶۰]

”اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، انہیں اسکے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے، اور کوئی پتا ایسا نہیں گرتا جسے وہ جانتا نہ ہو، اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جسے وہ جانتا نہ ہو، اور کوئی ترجیز اور کوئی خشک چیز ایسی نہیں جو واضح کتاب میں (لکھی ہوئی) نہ ہو، اور وہی ہے اللہ جو رات کو تمہیں فوت کرتا ہے، اور وہ

جانتا ہے جو کچھ تم دن میں کرتے ہو، پھر دوسرے دن تمہیں اٹھاتا ہے، تاکہ (زندگی کی) مقررہ مدت پوری ہو، پھر اُسی کی طرف تمہاری واپسی ہے، پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کر رہے ہو“۔

اور فرمایا: ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ﴾ اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بھی آگاہ ہے جو تمہارے دلوں میں ہیں، لہذا اُس سے ڈرتے رہو“ (البقرہ: ۲۳۵)۔

اور فرمایا: ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (البقرہ/ ۲۹) ”اور وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے“

مزید فرمایا: ﴿وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَلَّامٍ وَالْبَحْرِ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا لَفِذْتُ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ مَا خَلَقَكُمْ وَلَا يَغْنُتُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝﴾ (لقمان/ ۲۷، ۲۸)

”اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلم بن جائیں اور سمندر (روشنائی بن جائے) اور اسکے بعد سات سمندر اسمیں مزید روشنائی شامل کریں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں، بیشک اللہ نہایت غالب، بہت حکمت والا ہے، تمہیں پیدا کرنا اور تمہیں دوبارہ اٹھانا (اللہ کے نزدیک) ایسا ہی ہے جیسے ایک نفس کو پیدا کرنا بلاشبہ اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تکرار کیساتھ اپنے وسیع اور محیط علم کا تذکرہ فرمایا ہے تاکہ انسان اچھی طرح جان لے کہ اللہ تعالیٰ اسکے ہر فعل کو دیکھ رہا ہے، ہر بات کو سنتا ہے، اور اسکے تمام احوال سے خوب واقف ہے۔

آپ علیہ السلام کا فرمان ہے:

[إِخْفِظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، وَاحْفَظِ اللَّهَ تَجْعَلَهُ تُجَاهَكَ]۔ (ترمذی)

”اللہ (کے دین) حفاظت کر، وہ تیری حفاظت کریگا، اللہ (کے دین) کی حفاظت کر، تو اُسے اپنے سامنے پائے گا“ (ترمذی)

## اس علم کے لاتعداد فوائد ہیں

جن میں سے چند درج ذیل ہے:

۱۔ انسان کا دل اللہ رب العزت کی عظمت سے بھر جاتا ہے۔

۲۔ دل میں کے جمال و کمال کا احساس پیدا ہوتا ہے، کیونکہ علم جمال بھی ہے اور کمال بھی۔

۳۔ اس علم کے نتیجے میں انسان کی عبادات اور اعمال صالحہ میں احسان جنم لیتا ہے، کیونکہ جب انسان کو علم ہو کہ اللہ عز وجل اُسے دیکھ رہا ہے اور اس کے تمام احوال سے واقف ہے تو وہ احسان کے درجے پر پہنچ جاتا ہے۔

۴۔ جب آپ کو اس بات کا یقین ہو جائیگا کہ اللہ رب العزت آپ کے دل پر گزرنے والے خیالات پر بھی مطلع ہے تو یقیناً آپ خلوت میں بھی اُس کا لحاظ اور ادب کریں گے جیسے کوئی شخص کسی عظیم بادشاہ کے سامنے بیٹھا ہو، اور وہ بادشاہ اُسے دیکھ رہا ہو۔

یہ علم انسان میں حیا، خوف، انکساری، عاجزی، خضوع اور احسان اور دیگر بہت سی اچھی عادات پیدا کرتا ہے، اور یہ عادات اور اخلاص بہت سی نیکیوں اور طاعات کو جنم دیتی ہیں۔

اللہ عز وجل کے علم کا یقین اور اُسے یاد رکھنا ایک درخت کی طرح ہے، اور مذکورہ عادات اُس درخت کی شاخیں ہیں، جبکہ ان کے نتیجے میں صادر ہونے والی طاعات اس کا پھل ہیں۔

یہ علم ایمان و احسان اور تقویٰ کی اساس ہے، اور اسی کے ذریعے دیگر علوم اور بھلائیوں کے دروازے کھلتے ہیں۔

یہ علم ہی انسان کو انسان بناتا، اور اُسے انسانیت کے درجے پر پہنچاتا ہے، (اسی جلد میں یقین سے متعلق فائدہ دیکھئے) (واللہ المستعان)

## ۳۔ علم تدبر قرآن

یہ علم تمام علوم اور فضائل کا سرچشمہ ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو اس علم کی توفیق نہیں دیتا، اور اپنے مخلص بندوں کے سوا کسی کو اس سے نہیں نوازتا، اور مخلصین میں سے بھی جو ایمان و احسان کے جسدِ بلند درجے فائز ہو، اس قدر اس علم سے اپنا حصہ پاتا ہے، جب کہ ”اشقاق القرآن“ کے فائدے میں ہم اسکا تفصیل ذکر کریں گے ان شاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝﴾ [النساء / ۲۸]

”کیا پھر وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ یقیناً آسمیں بہت کچھ اختلاف پاتے“ (النساء / ۲۸)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ۝﴾ [محمد : ۲۴]

”کیا پھر وہ قرآن پر تدبیر نہیں کرتے؟ یا انکے دلوں پر تالے پڑے چکے ہیں“

مزید فرمایا: ﴿أَفَلَمْ يَتَذَكَّرُوا الْقَوْلَ ۝﴾ [المؤمنون : ۶۸]

”کیا انہوں نے اس قرآن میں سوچا نہیں۔“

نیز فرمایا:

﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝﴾

[ص: ۲۹] ”یہ بابرکت کتاب ہم نے نازل کی، تاکہ (لوگ) اسکی آیات پر تدبیر کریں اور ارباب عقل اس سے نصیحت پکڑیں“

○ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[النَّزْلَ الْقُرْآنُ لِلتَّذَكُّرِ فَجَعَلُوهُ لَلتَّلَاوَةِ]

”قرآن تدبیر کیلئے نازل ہوا تھا، جبکہ لوگوں نے اسے فقط تلاوت کی چیز بنا لیا ہے“

(مفتاح دار السعادة / ۱/ ۲۳۶) (سفیان ثوری رحمہ اللہ سے بھی ایسا قول ملتا ہے)

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَعَدَّبِ الْقُرْآنُ إِنَّ رُمْتَ الْهُدَى ○ فَالْعِلْمُ تَحْتَ تَدْبِيرِ الْقُرْآنِ

”اگر ہدایت کے طلبگار ہو، تو قرآن پر تدبیر کرو، کیونکہ حقیقی علم تو قرآن پر تدبیر کرے سے ہی حاصل ہوتا ہے“

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”رَكْعَتَانِ مُقْتَصِدَتَانِ بَعْدَهُ خَيْرٌ مِنْ قِيَامٍ لَيْلَةٍ“

”تدبیر کیساتھ دو درمیانی رکعتیں پوری رات کے قیام سے بہتر ہیں“

(مفتاح دار السعادة ۱/۶)

علیؑ فرماتے ہیں: ”لَا قِرَاءَةَ بِلَا تَدْبِيرٍ“

(اخلاق العلماء ص ۵۵) رقم (۴۵)

”تدبیر کے بغیر قراءت کا کوئی اعتبار نہیں“

ہر حال تدبیر کیساتھ قرآن مجید کی قراءت سے بڑھ کر دل کیلئے فائدہ مند چیز اور کوئی نہیں، کیونکہ قرآن حکیم میں اللہ کی طرف سفر کو نیا لوں کی منازل کا بیان بھی ہے، عالمین کے احوال بھی درج ہیں، اور عارفین کے مقامات بھی متعین کیئے گئے ہیں، قرآن حکیم پر تدبیر کرنے سے انسان کے دل میں اللہ کی محبت، خشیت، اسکا خوف، اسکی طرف شوق، اُمید، اتابت اس پر توکل، رضا، خود سپردگی، صبر و شکر اور ایسی ہی دیگر صفات پیدا ہوتی ہیں جن سے دل کو جلا ملتی ہے اور وہ کمال کو پہنچتا ہے، اسی طرح قرآن حکیم انسان کو تمام قسم کے گناہوں اور بری صفات و عادات سے روکتا ہے، جو دل کیلئے بگاڑ کا باعث ہیں۔

اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قرآن مجید پر تدبیر اور غور و فکر کے کیا فوائد ہیں، تو وہ باقی تمام چیزیں چھوڑ کر اسی میں لگن ہو جائیں۔

پھر اگر انسان تدبیر کیساتھ قراءت کر رہا ہے اور اس دوران کچھ ایسی آیات آتی ہیں جو اس کے دل پر اثر انگیز ثابت ہوتی ہے، یا وہ اپنے دل کی شفا یابی کیلئے اٹکھتا ہے، تو اُسے چاہئے کہ ان آیات کو بار بار پڑھے، اگرچہ سو مرتبہ ہی کیوں نہ ہو، بلکہ ساری رات ہی کیوں نہ ہو۔

کیونکہ صرف ایک آیت کو غور و فکر اور اچھی طرح سمجھ کر پڑھنا، بغیر تدبیر کے پورا قرآن پڑھنے سے بہتر ہے، دل کیلئے زیادہ سودمند، حصول ایمان کیلئے زیادہ مفید، اور تلاوت قرآن کی لذت و متحاسن کا زیادہ باعث۔

سلف صالحین کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ بعض اوقات پوری پوری رات ایک ہی آیت دہراتے رہتے تھے جیسا کہ نبی کریم ﷺ پوری رات یہ آیت پڑھتے رہے:

﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾  
(المائدة/ ۱۱۸)

www.KitaboSunnat.com

”اگر تو انہیں عذاب دے تو بیشک وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو انہیں بخش دے تو بلا شبہ تو غالب (اور) بڑی حکمت والا ہے“

اور قسیم داری ﷺ ایک مرتبہ صبح تک یہی آیت پڑھتے رہے:

﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾. (الجمالية/ ۲۱)

”کیا جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کے مانند کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انکا جینا مرنا برابر ہے۔ بُرا ہے جو فیصلہ کرتے ہیں۔“

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قرآن مجید کو تیز تیز مت پڑھو، اور اسکے الفاظ کو بھجور کی ٹھیلیوں کی طرح مت اُگلو، بلکہ اسکے عجائبات پر ٹھہرو، اور قرآن کے ذریعے اپنے دلوں کو جھنجھوڑو، اور تم میں سے کسی کو صرف اس بات کی فکر نہ ہو کہ اُسے سورت مکمل کرنی ہے۔

ابو حمزہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کیا: میں بہت تیزی سے قراءت کرتا ہوں، اور تین راتوں میں پورا قرآن پڑھ لیتا ہوں۔

تو انہوں نے فرمایا: اگر میں ایک رات میں صرف ایک سورت تدبیر کیساتھ پڑھوں اور آرام کروں، یہ مجھے اُس قراءت سے زیادہ پسند ہے جو تم کرتے ہو۔

## قرآن مجید میں تفکر کی دو انواع ہیں:

خود قرآن میں تفکر کرنا، تاکہ رب تعالیٰ کی مراد معلوم ہو۔

اُن معانی میں تفکر کرنا جن پر غور و فکر کی قرآن میں دعوت دی گئی ہے، پہلے تفکر کا تعلق پڑھی جانے والی آیات سے ہے، اور دوسرے تفکر کا تعلق دیکھی جانے والی آیات سے ہے۔

پہلا تفکر کتاب مکنوں میں، اور دوسرا کتاب مفتوح (کھلی کتاب) یعنی تمام کائنات میں۔

تذکرہ کیساتھ قراءت کرنے سے جو علوم و معارف اور ایمان کی مٹھاس نصیب ہوتی ہے وہ جلدی جلدی قراءت میں ممکن نہیں ہے۔ (وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ)

(یہ فائدہ ایک لیکچر کا خلاصہ ہے جو میں نے جامعہ رحمانیہ کراچی میں ۲۵ رجب / ۱۴۲۶ء کو پیش کیا)

(۱۳۲۶) کو پیش کیا



### ۳- تیسرا فائدہ

## اللہ کی طرف سفر کرنے کی پانچ منازل

اللہ کی طرف عازم سفر مومن کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی موت اور رب تعالیٰ سے ملاقات تک مسلسل جہاد میں رہے، اس راہ کی منازل پانچ ہیں جنہیں طے کر کے اُس نے رب تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔

(۱) شبہات (۲) شہوات (۳) نفسانی پوشیدہ آفات (۴) آفات عبادت (۵) ایمان واحسان اور انواع عبادات میں ترقی۔

سب سے پہلے انسان شبہات سے مقابلہ کرتا ہے، پھر شہوات سے لڑتا ہے، پھر پوشیدہ نفسانی خواہشات کو دباتا ہے، پھر آفات عبادت سے جان چھڑاتا ہے اور پھر ایمان واحسان کے درجات پر چڑھتا چلا جاتا ہے۔

۱- **شبہات**۔ سب سے پہلے انسان کا واسطہ شبہات سے پڑتا ہے، جیسے یقین کی کمزوری، وسوسے اسلام اور قرآن و سنت پر اعتراضات وغیرہ، یا جس طرح مقلدین اور منکرین وغیرہ کے شبہات ہوتے ہیں۔

یہ شبہات دل میں جا گزریں ہو کر اسے مُگدّر کر دیتے ہیں، اور اللہ کی جانب سفر کو کمزور کر دیتے، یا بالکل ہی منقطع کر دیتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ

پھر ان شبہات کی بہت سی اقسام ہیں، مومن کو چاہئے کہ اپنے دل کو شبہات کا گھر نہ بنائے، اور شبہات کو دفع کرنے کی کوشش کرے، اور اسکے لیے اپنے رب سے مدد مانگتا رہے۔

یہ تمام شبہات ضعیف بصیرت سے جنم لیتے ہیں۔ (وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ)



## ۲ - شہوات۔

شہوات بھی لاتعداد ہوتی ہیں، مثلاً حرام کھانا، عہدہ ونصیب کی محبت، بہت زیادہ لباسوں، عمارتوں، گاڑیوں وغیرہ کی محبت دنیاوی زیب و زینت اور انواع و اقسام کے طعام و مشروبات کی محبت، اور پیٹ و شرمگاہ سے متعلقہ گمراہ کن شہوات۔

جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّمَا أَشَاقُّ عَلَيْكُمْ شَهَوَاتِ الْفِئَةِ فِي فُرُوجِكُمْ وَبُطُونِكُمْ وَمُضَلَّاتِ الْفِتَنِ ﴾۔ [أُخْرِجَهُ ابْنُ الْحَوْزِيِّ فِي ذِمِّ الْهَوَىٰ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ]

”میں تم پر تمہاری شرمگاہوں اور شکموں سے متعلق گمراہ کن شہوات اور فتنوں کا خوف رکھتا ہوں“ (ابن جوزی نے اپنی کتاب ذم الہوی میں صحیح سند کیساتھ اسے نکالا ہے) سابقہ تمام شہوات بھی اس راہ میں رکاوٹ بن جایا کرتی ہیں، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ اور سلف صالحین دنیا کی اس فانی اور زائل ہو جانے والی زندگی میں تھوڑے پراکتفا کر لیا کرتے تھے۔

## ۳ - پوشیدہ نفسانی آفات

یہ وہ صفات مذمومہ اور اخلاق مسیئہ ہیں جو نفس میں چھپے رہتے ہیں، اور پھر ایک خاص وقت پر ظاہر ہو کر انسان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں، جیسے تکبر، خود پسندی، حسد، حرص و لالچ، بزدلی، غلغلف، قساوت قلبی، سستی، یقین کی کمزوری، پستی و حقارت، بخل، دنیا کی محبت، آخرت فراموشی، اللہ رب العزت سے بے پرواہی (حالانکہ انسان ایک لمحے کیلئے بھی اُس سے بھاگ کر کہیں جائے پناہ، یا راہ نجات نہیں ڈھونڈ سکتا، بلکہ ہر چیز اور ہر لمحے میں بندہ اُسی کا محتاج اور فقیر ہے)۔

اسی طرح جلد بازی، اللہ کا خوف دل سے رخصت ہو جانا، دل مردہ ہو جانا، اور اس کا نور بجھ جانا۔ العیاذ باللہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

لہذا ہر مؤمن پر واجب ہے کہ ان بری صفات سے دور بھاگے اور اللہ کی پناہ تلاش کرے۔

### ۴- آفات عبادت

عبادات میں بھی بعض اوقات ایسی ایسی آفات چھپی ہوتی ہیں جو نہ صرف یہ کہ عبادت کا اجر ضائع کرتی ہیں، بلکہ انسان کو ہلاکت کے دہانے پر پہنچا دیتی ہیں۔

مثلاً عبادت میں اخلاص نہ ہونا، ریاکاری، ٹھہرت پسندی، منصب کی محبت، خود نمائی، عبادت سے لوگوں کی تعریف چاہنا، یا دنیا طلب کرنا، اعمال صالحہ پر اجرت طلب کرنا مثلاً اذان، امامت اور علم وغیرہ پر اجرت مانگنا۔

یا عبادات میں خشوع نہ ہونا، بے ادبی کا مرتکب ہونا، یا عبادت کو فاسد کر دینے والی باتوں کا علم نہ ہونا، یا اعمال کو برباد کر دینے والے افعال کا ارتکاب کرنا۔ والعیاذ باللہ۔ ایک عقلمند مؤمن کو چاہیے کہ اپنی تمام عبادات و اعمال کو ان آفات سے پاک رکھے۔

### ۵- مقامات شوق میں ترقی

اس کا معنی یہ ہے کہ روزانہ انسان کو ایمان و احسان کے درجات چڑھنے، اور یقین و عمل میں ترقی کیلئے کوشاں رہنا چاہیے، ہر آنے والے دن میں اسکے اخلاص، خشوع، تضرع اور اللہ کے حضور دعا و آرزواری میں اضافہ ہوتا چلا جائے اور انسان کے قلب و قالب سے توکل و خشیت اور صبر و شکر کے سوتے پھوٹنے لگیں ہر روز ہی نفس کا محاسبہ ہو، وقت کی حفاظت کی جائے، سچی توبہ، ذکر الہی اور تلاوت قرآن کا اہتمام کیا جائے۔

مؤمن ایک جہد مسلسل میں رہتا ہے، اسی لیے جہاد بھی ایمان کی ایک شاخ ہے، لہذا ہر شخص کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

لیکن اکثر لوگ کیونکہ ان حقائق سے نا بلند ہیں لہذا انہیں فراموش کر کے غفلت و غرور اور گمراہی کی وادیوں میں سرگرداں ہیں۔

تو اے عقلمند مؤمن بھائی! آپ پر لازم ہے کہ ان منازل کو طے کر کے رُحمن و رحیم کی قربت حاصل کریں، اور اسکے لیے دو چیزیں ضروری ہیں:

۱۔ ان منازل کو طے کرنے کا بھرپور ارادہ اور عزم مصمم ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْقِيَهُمْ﴾ [التکویر/ ۲۷]

(یہ قرآن اسکے لیے نصیحت ہے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے)

یعنی جو راہ استقامت کا ارادہ کرے، اسکے لیے قرآن نصیحت بن جاتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا ارادہ و مشیت۔ کیونکہ جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے، اور جو اللہ نہ چاہے، وہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

فرمایا: ﴿وَمَا تَشَاءُ وَاِنْ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾

”اور اللہ رب العالمین کے چاہے بغیر تم (کچھ بھی) نہیں چاہ سکتے“

لہذا اگر آپ اللہ کی رحمت و مشیت کیساتھ کامیابی کے طلبگار ہیں، تو اسکے دروازے پر دستک دیجئے، اُسکے آگے گڑا گڑا پیئے، اسکے سامنے ٹھک جائیئے، اپنی آہیں اور التجائیں اُسی کی آگے رکھیئے، کسی معزز کا دروازہ کھٹکھٹانے والے کو مایوسی نہیں ہوتی۔

ان آیات میں اس بات کا اشارہ موجود ہے، ہم سے ہی مدد چاہتے ہیں، اس پر ہمارا بھروسہ ہے کیونکہ اللہ کی توفیق کے بغیر نہ کوئی برائی سے بچنے کی سکت رکھتا ہے اور نہ کسی کو نیکی کرنے کی طاقت حاصل ہے۔



### ۴۔ اہم ترین فائدہ

**منافقین اور ضعیف یقین والوں کے دل میں منافقت کیونکر داخل ہو جاتا ہے؟**

اُن اسباب کی معرفت جنکی وجہ سے منافقین اور کمزور یقین رکھنے والوں کے دلوں میں نفاق سرایت کر جاتا ہے جان لیجئے اسکے تین اسباب ہیں:

۱۔ پہلا سبب یہ کہ ایمان بھی آگ کے جلنے کی طرح ہے، جس طرح آگ کو بھڑکنے اور جلنے رہنے کیلئے لکڑی، گیس یا پٹرول وغیرہ کی صورت میں ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے، اور اگر یہ ایندھن مسلسل فراہم نہ ہو تو آگ بجھ جاتی ہے، اسکی روشنی جاتی رہتی ہے، اور فائدہ معدوم ہو جاتا ہے، اسی طرح ایمان بھی علم نافع اور عمل صالح کی صورت میں ایندھن کا تقاضا کرتا ہے، تو جو شخص اسے یونہی چھوڑ دے اور ایندھن فراہم نہ کرے، اُسکے ایمان کا نور بھی بجھ جاتا ہے، اور اسکی جگہ نفاق در آتا ہے، جیسا کہ قرآن حکیم نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے: ﴿مَنْ لَّهُمْ كَمَفْلٍ الَّذِي اسْتَوْفَدَ نَارًا فَلَمَّا اُضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ﴾ (البقرة/۱۷)

”اُنکی مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، پھر جب آگ نے اُسکے ارد گرد کو روشن کر دیا تو اللہ اُنکی روشنی لے گیا اور انہیں اندھروں میں چھوڑ دیا، پس وہ نہیں دیکھ پاتے۔“

ان لوگوں نے بھی ایمان کی آگ روشن کی، لیکن اُسکا خیال نہ رکھا، لہذا ایمان کا نور بجھ گیا، البتہ جلا نا باقی رہا۔

بہر حال ایمان کو روشن رکھنے کیلئے علم نافع اور عمل صالح ضروری ہے، جس نے ان دونوں کا اہتمام نہ کیا اسکا ایمان رخصت ہو جائیگا۔ (واللہ المستعان)

۲۔ دوسرا یہ کہ ایمان بھی پھلدار سرسبز درخت کی مانند ہے، جس کی جڑ بھی ہے اور شاخیں، پھول اور خوشبو بھی۔

تو جس طرح درخت اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسکی جڑ کو خود روجھاڑیوں اور نقصان دہ اشیاء سے بچایا جائے، وقتاً فوقتاً صاف ستھرا پانی مہیا کیا جائے، چوروں اور دشمنوں سے اسکی حفاظت کی جائے۔

اسی طرح ایمان کا بھی تقاضا ہے کہ انسان وحی الہی اور کتاب و سنت کے صافی چشمے سے اسے سیراب کرے، وقتاً فوقتاً اسے عمل صالح کا پانی بھی پلائے، شبہات، بدعتوں اور گناہوں سے بچی تو بہ کر کے اپنے ایمان کو ان چیزوں کے بُرے اثرات سے محفوظ رکھنے کی سعی کرے، اور اسے افراط و تفریط سے بچائے رکھے۔

ایسی صورت میں ایمان باقی رہے گا اور اسکا حامل دنیا و آخرت میں اس سے فائدہ اٹھائے گا، اور اگر اسکا خیال نہ رکھا جائے تو یہ درخت پودوں سے بھی جلدی خشک ہو جاتا ہے، اور بوسیدہ ہڈیوں سے زیادہ کمزور ہو جاتا ہے۔

اور اسکی حفاظت کیلئے اللہ عز و جل کی معرفت بھی ضروری ہے۔

(اے اللہ ہمارے ایمان کی حفاظت فرما)

اس کی طرف بھی قرآن حکیم نے اشارہ کیا ہے، فرمایا:

﴿الَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ ۖ﴾ الآية

[ابراہیم/ ۲۴]

” (اے نبی!) کیا آپ نے دیکھا نہیں اللہ نے کیسے مثال بیان کی کلمہ طیبہ (اسلام) کی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے الآية“۔

۳۔ تیسرا یہ مؤمن کبھی بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ترک نہیں کرتا، خواہ اُسکا دل چاہے یا نہ چاہے گناہوں سے میلا ہو جائے، سخت ہو جائے، یا کچھ بھی ہو، وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل میں لگا رہتا ہے، لہذا اتفاق کو اسکے دل میں نقب لگانے کا راستہ ہی نہیں ملتا۔

جبکہ منافق کے دل میں جو تھوڑا بہت نور ہوتا ہے، جب وہ اثر دکھائے تو عمل کر لیتا ہے، اور گردش زمانہ کے باعث جب وہ دھندلا ہو جائے تو عمل ترک کر دیتا ہے، لہذا انفاق اُسکے دل کی طرف اپنی راہ بنا لیتا ہے، اور اس میں داخل ہو جاتا ہے جبکہ اسے کچھ احساس یا شعور تک نہیں ہوتا، یہاں تک کہ جب نفاق مستحکم ہو جائے تو اُسکے اثرات ظاہر ہوتا چلے جاتے ہیں۔ منافق نہ تو پابندی کیساتھ ذکر کرتا ہے اور نہ دیگر نیک اعمال۔

بلکہ جب لوگوں کے سامنے ہو تو بڑی پختی دکھاتا ہے، اور جب لوگوں سے پوشیدہ لیکن اللہ کے سامنے ہو، تو انتہائی سُسف ہو جاتا ہے پھر سکی انہی سُسعتوں، غفلتوں اور اللہ تعالیٰ سے حیانتہ کرنے کی وجہ سے اس پر بطور سزا انفاق مسلط کر دیا جاتا ہے۔ (والعیاذ باللہ) جیسا کہ فرمایا:

﴿كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا﴾ (البقرة/ ۲۰)

جب بجلی ان پر چمکتی ہے تو وہ اس (کی روشنی) میں چل پڑتے ہیں، اور جب ان پر اندھیرا ہوتا ہے تو ٹھہر جاتے ہیں۔

ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”یعنی جب بھی ایمان کی کوئی بات اُن پر ظاہر اور واضح جائے، تو اُس پر مطمئن ہوتے اور اسکی پیروی کرتے ہیں، بصورت دیگر اُن پر شکوک و شبہات کے اندھیرے چھا جاتے ہیں اور وہ حیران کے حیران رہ جاتے ہیں۔“

(پہلی جلد میں نفاق سے متعلقہ اہم مباحث گزر چکے ہیں اُنکی طرف رجوع کیجئے)۔



### ۵۔ پانچواں فائدہ

جو عمل صالح کیلئے مددگار، اوقات سے فائدہ اٹھانے اور گناہوں سے پرہیز کیلئے معاون ثابت ہوگا۔ (اِنْ شَاءَ اللہ)۔

### آخرت کے معاملے میں غم اور فکر لاحق ہونا

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: [مَنْ جَعَلَ الْهُمُومَ هِمًّا وَاجِدًا هَمَّ آخِرَتِهِ، كَفَاهُ اللَّهُ هَمَّ دُنْيَاهُ، وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُومُ أَهْوَالُ الدُّنْيَا لَمْ يُتَالِ اللَّهُ فِي أَمْرِ أَوْ دِينِهِ هَلَكَ]۔ [ابن ماجہ (۴۱۰۶)]

”جس نے تمام فکر کی ایک ہی فکر بنالی، یعنی آخرت کی فکر، تو اللہ تعالیٰ دنیاوی فکروں سے اُسے کافی ہو جاتا ہے، اور جسے دنیاوی معاملات کی بہت سی فکریں لاحق رہیں، تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ دنیا کی کسی وادی میں جامرے“

(ابن ماجہ (۴۱۰۶) یہ حسن درجے کی حدیث ہے)

یہ کسی قدر پیاری اور سچی حدیث ہے! یہاں ضروری ہے کہ اسکی قدرے وضاحت کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اُن لوگوں پر سرزنش کی ہے جو دنیا میں سرور رہتے ہیں، اور یہ خبر دی ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے محبت کرتا، اور جو لوگ دنیا کی زندگی میں خوشی سے سرشار ہیں، درحقیقت وہ دھوکے میں مبتلا ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَمَّا مَنْ أُوْثِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ فَسَوْفَ يَدْعُوْ بُرُوْرًا ۝ وَيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝ اِنَّهٗ كَانَ فِىْ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يُّخَوَّرَ ۝ بَلٰى اِنَّ رَبَّنَا ۙ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝﴾۔ [الانشقاق: ۱۰/۱۵]

”اور جس شخص کو اسکا اعمال نامہ اسکی پیٹھ پیچھے دیا گیا، تو وہ ضرور موت کو پکارے گا، اور وہ بھڑکتی آگ میں جا پڑے گا، بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل و عیال میں بڑا خوش تھا، بیشک اُس نے سمجھا تھا کہ وہ ہرگ (اللہ کی طرف) لوٹ کر نہیں جائیگا، کیوں نہیں! اسکا رب اسے دیکھ رہا تھا۔“

مسرور شخص یہ سمجھتا ہے کہ اُسے کبھی اپنے رب کے پاس لوٹ کر نہیں جانا، جبکہ اللہ تعالیٰ اُسے دیکھ رہا ہوتا ہے، لہذا اُسے اللہ سے حیا کرنی چاہئے، لیکن وہ ایسا نہیں کرتا!۔ کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا لَكَيْهِينَ﴾ (المطففين/۳۱)

”اور جب وہ اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹتے تو خوشی سے اتراتے ہوئے لوٹتے۔“

یعنی یہ لوگ اپنے حال پر خوشی اور دنیاوی ناز و نعمت میں مگن رہتے ہیں۔

اور قارون کے متعلق فرمایا: ﴿إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ لَآتِفَرِّخَنَّ إِنَّا لَأَلْفُ حِجِينَ﴾

[القصص/۷۶]

”جب اُسکی قوم نے اُس سے کہا: خوشی سے مت اترا، کیونکہ اللہ تعالیٰ خوشی سے اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَمْسُ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُتَعَالٍ فَخُورٍ﴾ (لقمان/۱۸)

”اور زمین پر اکڑ کر مت چل، بے شک اللہ تعالیٰ ہر مغرور، ڈنکیں مارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔“

اور فرمایا: ﴿وَلَا تَمْسُ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ

الْجِبَالِ طُورًا﴾ (الاسراء/۳۷)

”اور زمین پر اکڑ کر مت چل، تو نہ تو زمین پھاڑ سکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں تک پہنچ سکتا ہے۔“



ان آیات میں صریحا کالفظ (جسے ترجمے میں ہم نے اکثر سے تعبیر کیا ہے یہ) راغبؒ کے بقول خوشی کی شدت میں حد سے بڑھ جانے پر بولا جاتا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ذَلِكَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ﴾  
(المؤمن/۷۵)

”یہ اُسکا بدلہ ہے جو تم زمین میں حق کے بغیر (یعنی اُسکے خلاف) خوشی ہوا کرتے تھے، اداس کی سزا ہے جو تم اترایا کرتے تھے۔“

کسی جلدی ملنے والی لذت پر دل میں پیدا ہونے والی کشادگی کو فرح (خوشی) کہا جاتا ہے، اکثر اوقات اسکا تعلق بدنی لذات سے ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا:

﴿وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ﴾ (الحديد/۲۳)

”تا کہ اور اس پر خوشی سے مت اثر آؤ، جو اُس نے تمہیں دیا ہے“

اور فرمایا: ﴿وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ﴾  
(الرعد/۲۶)

”اور وہ کافر دنیا کی زندگی پر اتراتے ہیں، حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کی نسبت حقیر متاع ہی تو ہے۔“

نیز فرمایا: ﴿حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً﴾ (الانعام/۴۴)  
”یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر خوشی سے اترانے لگے جو انہیں دی گئی تھیں تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا“

مزید فرمایا: ﴿فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ﴾ (المؤمن/۸۳)

”وہ اس (جھوٹے) علم پر اترانے لگے جو اُنکے پاس تھا“

امام راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے صرف دو مقامات پر خوشی کی اجازت دی ہے۔

ایک تو فرمایا: ﴿فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا﴾ [یونس/۵۸]

”پس انہیں چاہئے کہ اس (یعنی اللہ کے فضل اور اسکی رحمت) پر خوشی ہوں“

اور فرمایا: ﴿وَيَوْمَئِذٍ يَقَرُّحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ﴾ (الروم/ ۴-۵)

”اور اس دن مؤمن بھی اللہ کی مدد سے (ملنے والی فتح پر) خوش ہونگے“

اسکی کی تفصیل میں جاتے ہوئے ہم کہیں گے کہ محبوب چیز ملنے پر دل میں پیدا ہونے والی لذت کو خوشی کہا جاتا ہے اور اسکی کئی انواع ہیں :

### ۱۔ دینی نعمتوں پر خوش ہونا

مثلاً اسلام، ایمان، قرآن و سنت اور عمل صالح پر خوش ہونا۔

یہ نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے، اور کسی بندے کے ایمان کی مضبوطی پر دلالت کرتا ہے۔

جیسا کہ فرمایا: ”قَبِلَ لَكَ فَلْيَفْرَحُوا“ اور ”يَوْمَئِذٍ يَقَرُّحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ“۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے ”جب تمہاری نیکی تمہیں خوشی کرے، اور برائی بُری لگے، تو تم مؤمن ہو“

اسی طرح جب آپ ﷺ نے فرمایا: ”أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحَبَّيْتَ“

”تم اُسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت کرتے ہو تو صحابی کہتے ہیں:“

”اسلام کے بعد اس حدیث کے علاوہ کسی چیز پر لوگ اسقدر خوش نہ ہوئے تھے“

اسی طرح ایک موقع ہر فرمایا: اس (تحسین داری رضی اللہ عنہ) نے مجھے دجال سے متعلق

خبر دی، جس پر خوشی کی شدت نے مجھے دوپہر کے آرام سے روک دیا۔

(مسند أحمد ۵/۳۷۳، ابن ماجہ ۲/۳۳۰)

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہونے کے بعد ایک مرتبہ نماز کیلئے

مسجد میں تشریف لائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتنے خوش ہوئے کہ انکی نمازوں میں خلل

پیدا ہونے کا اندیشہ ہوا۔

اسی طرح جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اجتہاد حدیث کے موافق ثابت ہوا تو انہیں بہت

خوشی ہوئی۔ (مسند احمد ۳۰/۵)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ﴾ (الرعد/۳۶)

”اور جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اس (قرآن سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا)“

### ۳۔ دنیاوی نعمتوں پر خوش ہونا

دنیاوی نعمتوں پر اس انداز میں خوش ہونا کہ انسان اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو، اس کا دل سخت نہ ہو، اور اپنے رب کا شکر ادا کرنے سے اعراض نہ کرے، بلکہ ان نعمتوں پر رب تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اسکے حضور سجدہ ریز ہو، اور اس کی اطاعت بجالائے۔

تو ایسی خوشی جائز ہے بلکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ“

(روزے دار کیلئے دو خوشیاں ہیں: ایک افطار کے وقت، اور دوسری اپنے رب سے ملاقات کے وقت)۔

تو افطار کے وقت خوشی کا تعلق دنیا سے ہے۔

اسی طرح عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر کہا تھا: میں کسی چیز پر اتنا خوش نہیں ہوا، جتنا اُس قمیص پر ہوا تھا۔

اسی طرح عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: ”النَّاسُ إِذَا رَأَوْا الْغَيْمَ فَرَحُوا“

”لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں“ (متفق علیہ)

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: [أَيَفْرَحُ أَحَدُكُمْ بِرَأْسِهِ إِذَا ضَلَّتْ عَنْهُ ثُمَّ وَجَدَهَا كَذَلِكَ يَفْرَحُ اللَّهُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ]۔ (مسند احمد ۲/۲۱۶)

”کیا تم میں سے کسی کی سواری جب گم ہونے کے بعد مل جائے تو اُسے خوشی ہوتی ہے؟“ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بندے کی توبہ پر خوشی ہوتی ہے“

اسی طرح فرمایا: کیا تم میں سے کوئی اس بات پر خوش ہے کہ دو حاملہ اونٹنیاں اپنے گھر لے جائے؟“ (مسند أحمد ۲/۳۵۰)

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فرمان ہے کہ ہم جمعہ کے دن اسی (چندر کے سالن) پر بھی بہت خوشی ہوتے تھے۔

ایک حدیث میں آتا ہے: جس نے یہ دُعا پڑھی اللہ تعالیٰ اسکے غم کو خوشی سے بدل دیگا۔ (مسند أحمد ۱/۳۵۱)۔ اس سے مراد یہ دُعا ہے:

[اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمْعِیْكَ نَاصِیْتُ بِیْدِكَ مَا ضِیْ فِیْ حُكْمِكَ عَدَلُ فِیْ قَضَائِكَ اَسْأَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمِیْتُ بِہِ نَفْسِكَ اَوْ اَنْزَلْتَهُ فِیْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهُ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوْ اسْتَاثَرْتُ بِہِ فِیْ عِلْمِ الْغِیْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رِبْعَ قَلْبِیْ وَثَوْرَ صَدْرِیْ وَجَلَاءَ حُزْنِیْ وَذَهَابَ هَمِّیْ]۔

خوشی کی انواع جاننے کے بعد اب اُن آیات و احادیث اور آثار پر بھی نظر ڈال لیجئے جو آخرت کے غم اور فکر سے متعلق ہیں:

اللہ تعالیٰ اہل جنت کی بات نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ﴾ (فاطر ۳۴)

”اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جس نے ہم سے غم دور کر دیا“

اور فرمایا: ﴿قَالُوا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِیْ اَهْلِنَا مُشْفِقِیْنَ فَمَنْ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَلْنَا

عَذَابَ السُّمُومِ﴾. (الطور ۲۶/۲۷)

”وہ کہیں گے: بلاشبہ ہم (اس سے) پہلے اپنے اہل و عیال میں (اللہ سے) ڈرتے رہتے

تھے پھر اللہ نے ہم پر احسان کیا اور اس نے ہمیں (تھکسا دینے والی) لُؤ کے عذاب سے

بچالیا“

ابراہیم تیمیؒ کہتے ہیں: جو شخص دنیا میں غمزدہ نہ رہے، مجھے خوف ہے کہ وہ جنت میں داخل نہ ہوگا، اور جو اللہ رب العزت سے ڈر کر نہ رہے، اسکے بارے میں بھی مجھے ڈر ہے کہ اہل جنت میں شامل نہ ہوگا، پھر انہوں نے مذکورہ بالا دونوں آیات پڑھیں۔  
بعض حکماء کہتے ہیں: فکر غفلت کو ختم کرتی ہے، اور دل میں خشیت پیدا کرتی ہے، جیسا کہ پانی کھیتی کو آگاتا ہے، اور غموں سے بڑھ کر دلوں کی صفائی کیلئے کوئی چیز کارگر نہیں اور فکر سے بڑھ کر دلوں کو روشن اور منور کرنے والی بھی کوئی چیز نہیں۔

(تفسیر السراج المنیر ۱/۴۲۸)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

(التوبة/۸۲)

”پس وہ بہت کم ہنسیں اور بہت زیادہ روئیں، اسکے بدلے جو وہ کمائی کرتے رہے ہیں“  
ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿أَلَمْ يَنْهَآهُمُ الْغُلَامُ الْغُلَامُ تَعْجَبُونَ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ﴾ (النجم: ۵۹/۶۱)  
”کیا پھر اس بات (قرآن) پر تم تعجب کرتے ہو؟“ اور ہنستے ہو، اور روتے نہیں، اور تم کھیل کود میں مست ہو“

یعنی کیا وجہ ہے کہ تم غفلتوں میں پڑے ہو، حالانکہ قرآن مجید پڑھنے کے بعد تو رونا چاہیے، نہ کہ ہنسی مذاق اور غفلت و مستی کا شکار ہو جانا۔  
اور آپ علیہ السلام کا فرمان ہے:

[وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ: لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا، وَلَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَخَرَجْتُمْ إِلَى الصُّعَدَاتِ تَجَارُونَ إِلَى اللَّهِ، وَلَحَفَيْتُمْ عَلَى رُؤُوسِكُمُ التَّرَابَ، وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشِ، قَالَ أَبُو ذَرٍّ: يَا لَيْتَنِي كُنْتُ شَجَرَةً تُفَضِّلُ] (ترمذی، حاکم)

”اُس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان! اگر تم وہ جان لوجو میں جانتا ہوں، تو تم کم ہنسو گے، اور زیادہ رو دو گے۔ اور اگر تمہیں اُن باتوں کا علم ہو جائے جنکا علم میں رکھتا ہوں، تو تم اللہ کے آگے گڑ گڑاتے ہوئے بلند چوٹیوں کی طرف نکل جاؤ، اور اپنے سروں پر مٹی ڈالنے لگو، اور بستروں پر عورتوں سے لذت حاصل نہ کر پاؤ“ ابو ذری اللہ عنہ فرماتے: ہائے کاش میں کوئی درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔

یہ حدیث شریف ہمیں خوفزدہ کرتی اور ہماری خوشی کو ختم کر دیتی ہے، اور دلوں میں آخرت کی پاکیزہ فکر پیدا کرتی ہے، اور انسان کا تعلق اللہ عزوجل کیساتھ جوڑتی ہے۔ اور آپ علیہ السلام کا فرمان ہے:

”وَيَلْ لَّيْمَنُ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ فَيُضْحِكُ بِهِ النَّاسُ وَيَلْ لَّهٗ، وَيَلْ لَّهٗ، وَيَلْ لَّهٗ“  
 ”اُس شخص کیلئے ہلاکت ہے جو لوگوں سے بات کرتے ہوئے انہیں ہنسانے کیلئے جھوٹ بولتا ہے، اسکے لیے ہلاکت ہے اسکے لیے ہلاکت ہے، اسکے لیے ہلاکت ہے“

(اس حدیث کو امام نسائی، ترمذی اور ابوداؤد رحمہم اللہ نے بھی ابن حکیم عن ابیہ عن جلدہ کے طریق سے صحیح سند کیساتھ روایت کیا ہے)۔

آجکل ایسے لوگ کتنی کثرت سے پائے ہیں جو جھوٹے لطیفے سنا کر لوگوں کو ہنساتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں زیادہ نہ کرے، اور ہمیں ان سے راحت بخشے، اور ایسے لوگوں میں شامل نہ کرے۔ آمین۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

”وَلَا تُكْذِبِ الصَّخْرَةَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الصَّخْرَةِ تُمِيتُ الْقُلُوبَ“

(ترمذی، احمد، الصنیحہ ۶۳۷/۲)

”اور زیادہ مت ہنسو، کیونکہ زیادہ ہنسی دل کو مردہ کر دیتی ہے“

یہ حدیث واضح ہے اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دلوں اور انکی زندگی کا کس قدر گہرا علم رکھتے تھے۔

ایک اثر میں وارد ہوا ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو اُسکے دل میں نوحہ گر مقرر کر دیتا ہے، اور جب کسی بندے سے نفرت کرتا ہے تو اُسکے دل میں ساز پیدا کر دیتا ہے۔ (مدارج ۱/۵۰۷)

**حزن کے تین درجے ہیں:**

۱۔ عام لوگوں کا حزن: یہ وہ حزن ہے جو حق خدمت میں کوتاہی، جفاکوشی اور دنوں کے ضیاع پر ہوتا ہے۔

۲۔ اہل ارادت کا حزن۔

یہ وہ حزن ہے جو دل کی اللہ کی یاد سے جدائی، اور نفس کی اللہ کے سامنے حاضری پر کوتاہی کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے، اور یہ غم سے تسلی پر بھی ہوتا ہے، یعنی خوف نہ ہونے پر بھی انہیں خوف آتا ہے، اور رونانہ آنے پر بھی روتے ہیں۔

فَإِنْ كُنْتَ لَا تَذَرُنِي فَعَلَيْكَ مُصِيبَةُ	وَإِنْ كُنْتَ تَذَرُنِي فَلَا مُصِيبَةَ أَكْثَرُ
--	--

(اگر تم نہیں جانتے تو یہ بھی مصیبت ہے، اور اگر جانتے ہو تو یہ اُس سے بڑی مصیبت ہے)

۳۔ معارضات پر حزن :

یعنی دل میں مختلف خیالات و واردات کی کشمکش جاری رہتے ہے، مثلاً کبھی امید کا پہلو دل میں آتا ہے، لیکن ابھی وہ قرار بھی نہیں پکڑتا کہ خوف کا پہلو در آتا ہے، کبھی انس پیدا ہوتا ہے، اور پھر وحشت سی طاری ہونے لگتی ہے، اور ان معارضات کی کشمکش سے انسان غمگین ہو جاتا ہے۔

اسی طرح بعض اوقات انسان کے مقصودات میں تعارض پیدا ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ ایک مومن بندہ جو اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہتا ہے، تو اُسکے سامنے اس کے لیے دو راستے ظاہر ہوتے، لیکن یہ نہیں جانتا کہ ان میں سے کونسا راستہ اللہ کو زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے، اور یہ بات بھی اُسکے لیے موجب غم ہوتی ہے۔

اسی طرح بعض دفعہ انسان کے دل میں تقدیر اور دیگر دینی احکام کے متعلق طرح طرح کی باتیں پیدا ہوتی ہیں ایک مومن کو اس پر بھی غم ہوتا ہے۔

(تفصیل کیلئے دیکھئے مدارج ۱/۵۰۸-۳۱۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”اَكْثَرُ وَاذْكُرْ هَٰذِهِمُ اللَّذَاتِ الْمَوْتِ“

”لذتوں کو توڑ دینے والی چیز موت کو کثرت سے یاد کیا کرو“ (صحیح ابن حبان) اور جب موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام جُدا ہونے لگے تو موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا: مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔

انہوں نے جواب دیا: خود کو بے جا اصرار اور ضد سے بچاؤ، بغیر ضرورت کے مت چلو، تعجب خیز بات کے بغیر مت ہنسو، کسی غلطی کرنے والے کی غلطی پر تعجب مت کرو۔

اور ایک روایت کے مطابق: غلطی کرنے والوں کو انکی خطاؤں پر عار مت دلاؤ اور اے عمران کے بیٹے! اپنی خطاؤں پر آنسو بہایا کرو۔ (تفسیر روح البیان ۳/۳۶۱)

تعجب ہے اُس ہنسنے والے پر جسکے پیچھے آگ ہے، اور اُس خوشی پر جسکے بعد موت ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ ایک نوجوان کے پاس سے گزرے جو ہنس رہا تھا تو آپ نے

پوچھا: هَلْ جُزْتُ عَلَى الصِّرَاطِ؟ کیا تم نے پل صراط پار کر لیا ہے؟

اُس نے کہا: نہیں۔

پھر آپ نے پوچھا: ”هَلْ تَبَيَّنَ لَكَ إِلَى الْجَنَّةِ تَصِيرُ أَمْ إِلَى النَّارِ؟“

”کیا تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ تمہارا ٹھکانہ جنت ہے یا جہنم؟“ اُس نے کہا: نہیں۔

تو انہوں نے فرمایا: ”لَفَيِّمٌ هَٰذَا الصُّحْكُ“

”پھر یہ ہنسی کسی بات پر ہے؟“ اس کے بعد پھر اُس نوجوان کو کبھی ہنسنے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

تفسیر روح البیان (۳/۳۶۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:



جس نے گناہ کیا، جبکہ وہ ہنس رہا تھا، وہ آگ میں داخل ہوگا اس حال میں کہ رو رہا ہوگا۔  
یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

چار چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے مؤمن کیلئے کوئی ہنس یا خوشی چھوڑی ہی نہیں۔  
فکر آخرت، فکر معاش، گناہوں کا غم، اور مصائب کا نزول۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حامل قرآن کو چاہئے کہ جب لوگ سو رہے ہوں تو وہ اپنی شب بیداری کی ذریعے پہچانا جائے، اور دن میں جب لوگ کھاپی رہے ہوں تو وہ روزے سے پہچانا جائے، جب لوگ خوشی ہوں تو یہ غمگین ہو، جب وہ ہنسی رہتے ہوں تو یہ رو رہا ہو، جب لوگوں فضول نکلیں ہانک رہے ہوں تو یہ خاموش رہے، جب لوگ غرور کا شکار ہوں تو اس پر خشوع طاری ہو، حامل قرآن کو چاہئے کہ وہ غمگین، بردبار، باوقار اور نرم خو ہو، اور اُسے ترش رُو، غافل، چیخنے آچلانے والا اور سخت خو نہیں ہونا چاہئے۔

شقیق بن ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کسی بندے کیلئے غم اور خوف سے بہتر ساتھی کوئی نہیں۔

غم اُن گناہوں پر ہو چکے، اور خوف اُن پر جو باقی ہیں، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا؟۔

بعض حکماء کہتے ہیں:

جو شخص تین باتوں کے علاوہ کسی اور چیز پر غمگین ہو، وہ غم اور خوشی کو پہچانتا ہی نہیں۔

(۱) ایمان کا غم کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا نہیں؟۔

(۲) اس بات غم کہ وہ اللہ رب العزت کے احکامات پر عمل کر پائے گا یا نہیں؟۔

(۳) دشمنوں کا غم کہ اُن سے نجات پائے گا یا نہیں؟۔

کعب احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر میں اللہ کے خوف سے رُؤوں، اور میرے گالوں پر آنسو ابھہ پڑیں، تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ اپنے وزن کے برابر سونا صدقہ کروں، کیونکہ جو شخص بھی اللہ کے خوف سے روتا ہے، یہاں تک کہ اسکے آنسوؤں کا کوئی قطرہ بہہ کر زمین پر گر پڑے، تو ایسے

فخص کو آگ نہیں چھو سکتی یہاں تک کہ بارش کے قطرے آسمان کی طرف پلٹ جائیں، تو جس طرح بارش کے قطرے واپس آسمان کی طرف کبھی نہیں پلٹ سکتے، اسی طرح جو فخص اللہ کے خوف سے رو پڑے اُسے آگ کبھی نہیں چھو سکتی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:  
کوئی آنکھ اللہ کے فضل کے بغیر آنسو نہیں بہائی، اور کی فخص کی کی آنکھ اُس وقت تک آنسو نہیں بہاتی جب تک کہ ایک فرشتہ اسکے دل کو مچھو نہ لے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت یہ آیت پڑھتے، اسے دہراتے جاتے اور روتے جاتے:

﴿إِذَا الْغُلَّالُ فِي أَغْنَالِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ﴾ (المؤمن/۷۱)

”جب اگلی گردنوں میں طوق اور بیڑیاں ہوگی (جن میں جکڑ کر)“ وہ کہیٹے جاسینگے

تمیم داری رحمۃ اللہ علیہ بھی یہ آیت پڑھتے اور روتے تھے:

﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

الصَّالِحَاتِ سَوَاءَ مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ (الجمالیہ/۲۱)

”کیا جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کے مانند کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انکا جینا مرنا برابر ہے۔ بُرا ہے جو فیصلہ کرتے ہیں۔“

کتاب وسنت میں اللہ کے خوف سے رونے کی بہت ترغیب آئی ہے، اس حوالے سے ”ریاض الصالحین“ وغیرہ میں درج احادیث کی طرف رجوع کیجئے۔

عسلی علیہ السلام کے سامنے جب قیامت کا تذکرہ ہوتا تو خوف سے چیخ پڑتے اور پھر فرماتے: ابن مریم کے لائق نہیں کہ اسکے سامنے قیامت کا تذکرہ ہو اور وہ خاموش رہے۔

اور جب وہ کوئی نصیحت سنتے تو اسی طرح روتے جیسے وہ عورت روتی ہے جسکا بچہ گم ہو گیا ہو۔ اور آپ علیہ السلام فرماتے ہیں: جس طرح پانی اور آگ ایک برتن میں جمع نہیں ہو سکتے،

اسی طرح کسی مؤمن کے دل میں دنیا اور آخرت دونوں کی محبت جمع نہیں ہو سکتی۔  
 اور فرمایا: دنیا کی مٹھاس آخرت کی کڑواہٹ ہے، اور دنیا کی کڑواہٹ آخرت کی مٹھاس  
 ہے، اور اللہ کے خاص بندے تو نعمتوں میں مگن نہیں رہتے، میں تم سے حق بات کہتا ہوں:  
 تم میں سے بدترین شخص بھی جب تک اپنی خواہشات کو علم پر ترجیح نہ دے، یہ چاہتا ہے کہ  
 تمام لوگ اُس جیسے بن جائیں۔  
 ایک شاعر کہتا ہے:-

أَرْمِي رَجَالًا بِأَذْنَى الدِّينِ قَدْ فَبِعُوا	وَلَا أَرَاهُمْ رَحُومًا بِالْعَيْشِ الدُّنْوَ
فَاسْتَفْنِي بِالْدِّينِ عَنْ دُنْيَا الْمُلُوكِ	كَمَا اسْتَفْنَى الْمُلُوكُ بِالْدُّنْيَا عَنِ الدِّينِ

”میں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو کمتر دین پر قناعت کر لیتے ہیں لیکن میں انہیں دنیا میں کمتر  
 معیار زندگی پر راضی ہوتے نہیں دیکھتا (اے مخاطب) تو اپنا دین قحام کر بادشاہوں کی دُنیا  
 سے بے پرواہ ہو جا جس طرح بادشاہ اپنی دنیا کے پیچھے بڑا کر دین سے بے نیاز ہو چکے ہیں“  
 عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”مجھے تین اشخاص پر تعجب ہوتا ہے: دنیا کے طالب پر، جبکہ موت اُسکا پیچھا کر رہی ہے،  
 محلات تعمیر کرنے والے پر، حالانکہ قبر اُسکی منزل ہے، اور کھلکھلا کر ہنسنے پر، حالانکہ آگ  
 اُسکے سامنے ہے۔

اے آدم کے بیٹے! تیرا پیٹ نہ تو زیادہ پر بھرتا ہے، اور نہ ہی تو کم پر راضی ہوتا ہے، تو  
 اُن لوگوں کیلئے مال جمع کر رہا ہے جو اس پر تیری تعریف بھی نہیں کریں گے، اور تجھے اُس  
 رب کے سامنے پیش ہونا ہے جو تیرے ٹھوٹے عذر قبول نہ کریگا، تو اپنی خواہشات اور  
 پیٹ کا غلام ہے، تیرا پیٹ تو اُس وقت بھرے گا جب تو قبر میں داخل ہوگا، اور تیرا مال  
 دوسروں کی ملکیت میں چلا جائے گا۔

ایک مرتبہ آپ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم زمین کا نمک ہو، لہذا اگر تم ہی  
 بکڑ گئے تو پھر تمہارا کوئی علاج نہیں، اور تم میں دو جاہلانہ خصلتیں ہیں: تعجب خیز بات کے

بغیر ہنسنا، اور رات کو بیدار ہوئے بغیر صبح کرنا۔ (دیکھئے: البدلیۃ والنہایۃ ۸۱/۲)

بعض حکماء کہتے ہیں: عقلمند مومن کو چاہئے کہ پانچ باتوں پر غمگین ہو:

۱۔ سابقہ گناہوں پر غم کہ آیا وہ معاف ہوئے یا نہیں؟

۲۔ نیکیوں پر غم کہ وہ قبول بھی ہوئیں یا نہیں؟

۳۔ سابقہ زندگی پر غم، جبکہ آئندہ کا اُسے علم نہیں کہ وہ کیسی گزرے گی؟

۴۔ اس بات کا غم کہ اللہ نے دو گھنٹہ تیار کر رکھے ہیں، اور اسے معلوم نہیں کہ اس کا ٹھکانہ

کہاں ہے؟

۵۔ اس بات پر غم کہ اسے نہیں معلوم اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہے یا نہیں؟

ہر عقلمند شخص کو ان باتوں کا غم لاحق رہتا ہے، اور یہ ضروری بھی ہے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے:

”أَلَدَّ النَّاسِ فِي الدُّنْيَا أَشْلَهُمْ حُمَقًا“

”دنیا میں سب سے زیادہ موج مستی اور لذت کی زندگی وہ بسر کرتا ہے جو سب سے بڑا

حمق ہو۔“

اور جو شخص سب سے زیادہ عقلمند ہو، وہ سب سے زیادہ غمگین رہتا ہے۔

ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مومن کی ہنسی اُسکی غفلت کا نتیجہ ہے۔

یحییٰ بن معاذ الرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أُطْلُبُ فَرَحًا لَا حُزْنَ فِيهِ بِحُزْنٍ لَا فَرَحَ فِيهِ“

”میں (دنیا میں) ایسے غم کیساتھ جس میں کوئی خوشی نہیں، (آخرت میں) ایسی خوشی کا

طلبگار ہوں جس میں کوئی غم نہیں“

بعض حکماء کہتے ہیں: تین چیزیں دل کو سخت کر دیتی ہیں: عجیب بات کے بغیر ہنسنا،

بھوک کے بغیر کھانا، ضرورت کے بغیر بات کرنا۔

ابراہیم النخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بے شک ایک شخص اپنے ارد گرد بیٹھے لوگوں کو ہنسانے کیلئے ایک کلمہ کہتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ اُس پر ناراض ہو کر ایسی ناراضگی مسلط کرتا ہے جو اسکے ارد گرد بھی پھیل جاتی ہے، اور جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے کوئی کلمہ کہتا ہے تو اہل پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے جو اُسکے ارد گرد بھی عام ہو جاتی ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جو شخص زیادہ ہنسے، اُسکی ہیبت کم ہو جاتی ہے، اور جو زیادہ مزاح کرے اُسکا وقار ختم ہو جاتا ہے، اور جو شخص کثرت کیساتھ کوئی چیز کرے، وہی چیز اُسکی پہچان بن جاتی ہے، اور جو زیادہ کلام کرے وہ زیادہ غلطیاں بھی کرتا ہے، اور جو زیادہ غلطیاں کرے اُسکی حیا کم ہو جاتی ہے، اور جسکی حیا کم ہو جائے، اُسکی پرہیزگاری کم ہو جاتی ہے، اور جسکی پرہیزگاری کم ہو جائے اُسکا دل مردہ ہو جاتا ہے، اور جسکا دل مردہ ہو جائے تو آگ اُسکے زیادہ لائق ہے۔ بے جا ہنسی اور خوشی کے بہت سے نقصانات ہیں:

۱۔ علماء اور عقلاء آپکی مذمت کرتے ہیں

۲۔ بے وقوفوں کو آپ پر جرأت ملتی ہے

۳۔ گناہوں کی فراموشی کا باعث ہیں

۴۔ موت کو بھلانے کا سبب ہیں

۵۔ آئندہ گناہوں پر جرأت پیدا کرتے ہیں

۶۔ آپ جن لوگوں کو ہنساتے ہیں اُنکا گناہ بھی آپ پر ہوتا ہے

۷۔ اگر آپ جاہل ہیں، تو مزید جاہل ہو جاتے ہیں، اور عالم ہیں تو آپکے علم میں کمی

ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی عالم ہنستا ہے تو گویا علم کی کلی کرتا ہے۔

۸۔ یہ آخرت میں انسان کے رونے کا سبب ہے:

﴿ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا ﴾ (التوبة / ۸۲)

”چنانچہ انہیں چاہئے کہ وہ تھوڑا نہیں اور زیادہ روئیں“ (۱)  
خوشی، سرور اور ہنسی کا باعث آخرت فراموشی اور دل کی سختی ہوتی ہے، اسی طرح گھٹیا چیزوں میں مشغولیت اور اللہ تعالیٰ اور اسکے حقوق کی معرفت نہ ہونا بھی اسکا ایک سبب ہے، اور آج کل مسلمانوں پر مصائب و آلام کے جو پہاڑ توڑے جا رہے ہیں انکے باوجود ہنستے چلے جانا اس بات کی دلیل ہے ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں سے کوئی ہمدردی یا تعلق نہیں۔ واللہ المستعان۔

جبکہ اللہ تعالیٰ نے جنہیوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:  
﴿وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا ۝ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۝ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝﴾ (الانشقاق ۱۰/۱۳)  
اور جس شخص کو اسکا اعمال نامہ اسکی پیٹھ پیچھے دیا گیا، تو وہ ضرور موت کو پکارے گا، اور وہ بھڑکتی آگ میں جا پڑے گا، بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل و عیال میں بڑا خوش تھا“  
دنیا میں سرور تو کفار اور جنہیوں کے اعمال میں سے ہے۔  
اور اس سرور کا باعث دو چیزیں بنتی ہیں: (۱)۔ آخرت فراموشی  
(۲)۔ ”اللہ تعالیٰ ہر وقت بندوں کو دیکھ رہا ہے“۔ اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو بھلا دینا۔

(۱)۔ لفظی ترجمہ کیا گیا ہے، کیونکہ آیت میں امر کا صیغہ تحقق وقوع کیلئے استعمال کیا گیا ہے ورنہ اس میں خبر کا معنی ہے آیت کا آخری حصہ اس پر دلالت کرتا ہے: جِزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ، ان اعمال کے بدلہ جو یہ کماتے تھے“ یعنی مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں تھوڑا نہیں لیں (دنیا کا زیادہ بھی تھوڑا ہے)، جبکہ آخرت میں انہیں رونا ہوگا۔ اسی لیے بعض تراجم میں مقصودی ترجمہ بھی کیا گیا ہے، مثلاً فتح محمد جالندھری رحمہ اللہ نے یوں ترجمہ کیا ہے: یہ (دنیا میں) تھوڑا سا نہیں اور (آخرت میں) اُنکو ان اعمال کے بدلے جو کرتے رہے ہیں بہت سا رونا ہوگا“ (مترجم)

سابقہ آیات کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں اسباب بیان فرمائے ہیں، ایک تو فرمایا: ”إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَخُورَ“۔

بے شک اُس نے یہ سمجھا تھا کہ وہ ہرگز (اللہ کی طرف) لوٹ کر نہیں جائیگا یہ آخرت فراموشی ہے۔

اور اس کے بعد فرمایا: ﴿بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا﴾ (الانشقاق : ۱۴)۔

”کیوں نہیں! اس کا رب اسے دیکھ رہا تھا“

لیکن اسی شخص نے اس بات کو بھلائے رکھا اور اپنے کفر یا گناہوں کے باوجود خوش باش زندگی بسر کرتا رہا، اور انجام سے بے پرواہ ہو گیا۔

کیونکہ جسے انجام کی فکر ہو، اُسکی راتیں تو جاگتے گزرتی ہیں، اُسکی نیندیں تو اڑ جاتی ہیں، اور غم و حزن پڑھ جاتا ہے۔

حسن علیہ السلام فرماتے ہیں:

”مَا آمَنَ أَحَدٌ بِالْقُرْآنِ إِلَّا خَزَنَ، وَلَا ذَابَ وَلَا نَصَبَ وَلَا تَعَبَ“

”جو شخص بھی قرآن پر صحیح معنوں میں ایمان لے آئے وہ غمزدہ رہتا ہے، فکروں سے

پکھلنے لگتا ہے، عبادت میں بھٹ جاتا ہے، اور خود کو تھکا مارتا ہے“

دنیا کوئی خوشیوں کا گھر تو نہیں، یہ تو آخرت کیلئے زادِ راہ مہیا کرنے اور دکھوں و غموں کا گھر ہے، لہذا دنیا میں غمزدہ بن کر رہو، ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپکو ہمیشہ کی جنتوں میں خوشیاں نصیب فرمائے۔

اے اللہ! اے رب العالمین! اپنے فضل و کرم سے ہمیں الٰہی جنت میں شامل فرما۔ آمین

امام ابن قیم رحمہ اللہ سے اپنے مشہور قصیدے میں فرماتے ہیں:

يَا مُعْرِضًا عَمَّا يُرَادُ بِهِ وَلَقَدْ	جَلَدَ الْمَسِيرُ فَمُنْتَهَاهُ دَانِ
--	---------------------------------------

(اے رب تعالیٰ کی مراد سے اعراض کر نیوالے (بیدار ہو جا)! کیونکہ سفر (آخرت) تیز

تر ہو چکا اور منزل قریب ہے)

جَدَلَانِ يَضْحَكُ آمِنًا مُتَبَخِّرًا	فَكَأَنَّهُ قَدْ نَالَ عَقْدَ أَمَانٍ
--	---------------------------------------

»یہ اعراض کو نیوالا« شاداں و فرحاں بے غوفی و تکبر سے قہقہہ لگا رہا ہے، گویا آخرت کے حوالے سے اسے امان ٹامہل چکا ہو)

خَلَعَ السُّرُورُ عَلَيْهِ أَوْفَى حُلَّةٍ	طَرَدَتْ جَمِيعَ الْهَمِّ وَالْأَحْزَانِ
يَخْتَالُ فِي بُرْدِ الْمَسْرَةِ نَامِيًا	مَا بَعْدَهَا مِنْ حُلَّةٍ إِلَّا كُفَّانِ

(قاخرا نہ لباس پہنے اکڑ کر چل رہا ہے، اور اسکے بعد والا کفن کا جوڑا بھول چکا ہے)

مَا مَسْعِيَةٌ إِلَّا لِطَيْبِ الْعَيْشِ فِي	الدُّنْيَا وَلَوْ أَقْضَى إِلَى النَّيِّرَانِ
--	---

(اسکی تمام تر کوشش دنیاوی زندگی کی بہتری تک محدود ہے، اگرچہ یہ بات اسے جہنم کی آگ تک پہنچا دے)

قَدْ بَاعَ طَيْبَ الْعَيْشِ فِي دَارِ النُّعِيمِ	بِذَا الْحُطَامِ الْمُضْمَحِلِّ الْفَانِ
--	--

(تحقیق اس نے نعمتوں کے گھر (جنت) میں ملنے والی پاکیزہ و خوشحال زندگی کو دنیا کے مضحکہ اور فانی کوڑے کرکٹ کے عوض فروخت کر دیا ہے)





## ۶۔ چھٹا فائدہ

### دُعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟

بعض اوقات انسان بڑی آہ و زاری، اور خلوص و تواضع کیساتھ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتا ہے، اور ہدایت و توفیق طلب کرتا ہے، لیکن اسکے باوجود اسکی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، اور وہ اسی طرح اپنی بدعات و خرافات اور گمراہیوں میں مگن رہتا ہے۔ اسکی دو جوہات ہیں:

۱۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنے نفس پر اللہ کا حق نہ پہچانے، اور اسکی گرانقدر نعمتوں کا شکر گزار نہ ہو، جیسا کہ ایک اثر میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ایک شخص کے پاس سے گزرے جو انتہائی تضرع کیساتھ دعا مانگ رہا تھا، تو انہیں اُس شخص پر رحم آیا، اور کہا: اے میرے رب! اس پر رحم فرما، اس پر تو مجھے بھی رحم آگیا ہے، جبکہ تو ارحم الراحمین ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! اگر اسی طرح دعا کرتے کرتے اُسکے قویٰ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، تب بھی میں اسکی دعا قبول نہیں کروں گا، کیونکہ یہ اپنے نفس پر میرا کوئی حق جانتا ہی نہیں۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ہر مطلوبہ چیز کے حصول کیلئے کچھ اسباب و وسائل ظہرائے ہیں جنہیں اختیار کرنا ضروری ہے، اگر کوئی بندہ جان بوجھ کر ان اسباب کو چھوڑ دے تو اسکی دعا کا کوئی اعتبار نہیں۔

دعا تو اُس وقت فائدہ دیتی ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ صحیح اسباب کو اختیار کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَوْفُوا بِعَهْدِيْ اَوْفِ بِعَهْدِكُمْ﴾

”تم میرا عہد پورا کرو، میں تمہارا عہد پورا کروں گا“

لہذا پہلے اللہ کا عہد پروا کرنا ضروری ہے، پھر اللہ تعالیٰ بھی اپنا وعدہ پورا کریگا اور آپ کی دعائیں قبول کریگا۔

**اسکی مثالیں :**

۱۔ ایک شخص کفار کی شکست اور انکے خلاف امت مسلمہ کی کامیابی اور فتح کیلئے انتہائی عاجزی اور اخلاص و محبت کیساتھ کرتا ہے لیکن اللہ کے راستے میں جہاد و قتال نہیں کرتا بلکہ جہاد سے عناد رکھتا اور اسکی مخالفت کرتا ہے، اور کہتا ہے: یہ کامیابی کا راستہ نہیں ہے، کامیابی کا راستہ تو (اسکے ذمہ کے مطابق) اسکی صوفیانہ دعوت اور بدعی اعمال ہیں۔

بھلا بتائیے کہ اسکی دعائیں کیونکر قبول ہو سکتی ہیں؟

اگر ایسے شخص کے اعضاء اور گردن دعائیں مانگتے مانگتے ٹوٹ جائیں تب بھی اسکی دعائیں قبول نہیں ہو سکتیں۔

(مگر یہ کہ اللہ چاہے) کیونکہ اس نے کامیابی کے صحیح اسباب اختیار نہیں کیے۔

۲۔ ایک دوسرا شخص جو اپنے لیے ہدایت اور اتباع سنت کی دعا مانگتا ہے، جبکہ عملاً وہ بدعتی گمراہ اور حق کا دشمن ہے، اہل حق سے عناد رکھتا ہے، قرآن و حدیث کی طرف دعوت دینے والوں سے بغض رکھتا ہے، جب اُسے حق کی نصیحت کی جائے تو اُسے تسلیم کرنے کے بجائے مخالفانہ روش اختیار کرتا ہے، تو بھلا اسکی دعائیں اُسے کیا فائدہ دے سکتی ہیں؟

۳۔ اور ایک شخص اپنے دل کی اصلاح و ہدایت اور نور و تقویٰ کی دعائیں مانگتا ہے جبکہ وہ مسلسل ایسے گناہوں کا ارتکاب بھی جاری رکھتا ہے جو اسکے دل کو میلا کرنے، فردہ کرنے اور کمزور کرنے کا باعث ہیں، مثلاً جو حرام کھاتا ہے، زنا کرتا ہے، غیر محرم سے اپنی نگاہیں نیچی نہیں کرتا، لغویات اور ہنسی مزاح کی کثرت میں مبتلا ہے، اجنبی عورتوں سے گپ شپ لگانے، اور بے وقوفوں و احمقوں سے میل ملاقات سے باز نہیں آتا، تو ان امور کا ارتکاب

کرنے کیساتھ اسکے دل کی اصلاح کیسے ممکن ہے؟ جبکہ وہ ان گناہوں سے توبہ بھی نہیں کرتا۔

۴۔ اسی طرح ایک آدمی علم نافع اور عمل صالح کی دعا کرتا ہے، لیکن حصول علم کی کوشش نہیں کرتا، نہ کسی عالم کے پاس بیٹھتا ہے، نہ قرآن حکیم کا مطالعہ کرتا ہے، اور نہ غور و فکر کرتا ہے۔ تو کیا علم کیلئے اسکی دعا اسے کچھ نفع دے گی؟ کیا ایسے شخص کو لدنی علم دیا جائیگا؟ یا اس پر وحی اترے گی؟ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اس نے صحیح طریق کار اختیار نہیں کیا، اگر یہ حصول علم کے اسباب اختیار کرتا اور پھر دعا کرتا تو کبھی خائب و خاسر نہ ہوتا، اور اسکی دعا ضرور قبول ہوتی (ان شاء اللہ)

۵۔ اور ایک شخص رعایا کی فلاح و بہبود اور امن و استحکام کی دعائیں مانگتا ہے لیکن کتاب و سنت اور شریعت مطہرہ کا نفاذ نہیں کرتا بلکہ شریعت کی مخالفت کرتا اور اُسے حقیر جانتا ہے، کیا ایسے شخص کی دعا قبول کی جاسکتی ہے؟ یا یہ اللہ کی ناراضگی اور عذاب کا مستحق ہے؟

۶۔ اور ایک شخص حرم میں بھی اور حرم سے باہر بھی مسلسل حکمرانوں کی اصلاح کیلئے دعائیں مانگتا ہے، جبکہ ان حکمرانوں کی اکثریت اللہ تعالیٰ کی شریعت ترک کر چکی ہے، اور یہ حکمران امر کیوں اور مسلمانوں سے برسر پیکار دوسرے کفار کے حلیف و مددگار بن چکے ہیں۔

کیا یہ دعا بھی قبول ہوگی؟

بالکل نہیں! ہم چالیس سال سے یہ دعائیں سن رہے ہیں لیکن انکا کوئی اثر نہیں!

۷۔ اسی طرح ایک آدمی اسلام اور سنت کی نشر و اشاعت کی دعائیں مانگتا ہے، لیکن اپنی تقریر و تحریر، خط و کتابت اور قول و عمل کے ذریعے اسلام کی تبلیغ نہیں کرتا، تو کیا صرف دعاؤں سے ہی اسلام پھیل جائیگا؟

۸۔ اور ایک شخص اپنے مدرسے اور طلبہ کی اصلاح کی دعا کرتا اور اسکے لیے کوشاں رہتا ہے، لیکن اسکے باوجود طلبہ کی اکثریت بگاڑ کا شکار رہتی ہے، فسق و فجور کے آثار اُن پر نمایاں رہتے ہیں۔

اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس شخص نے مدرسہ کی اساس ہی دنیا طلبی پر رکھی ہے، یا مدرسے کا نظام ہی ایسا بنایا ہے کہ اس میں دُنیا کا عمل دخل ہے مثلاً ایسی ڈگریوں کا اجراء جو حکومتی مناصب اور غیر ملکی ویزوں کے حصول میں مددگار ہوں، تو ایسے جامعات میں داخل ہونے والے بہت سے طلبہ کی نیت حصول علم یا اصلاح نفس کی نہیں ہوتی، بلکہ دیگر اعراض و مقاصد اسکے پیش نظر ہوتے ہیں، تو طلبہ کی اصلاح کے حوالے سے اس مدرسہ کی دعائیں کیسے مستجاب ہوں؟ جبکہ مدرسے کی بنیاد ہی غلط استوار ہوتی ہے، اور طلبہ کی نیت میں فساد و خباثت ہے۔ اس بات پر خوب غور کیجئے! یہ ہمارے تجربے و مشاہدے کی بات ہے۔

۹۔ محسوسات میں اسکی مثال یہ ہے کہ ایک شخص اولاد کی دُعا مانگتا ہے لیکن شادی نہیں کرتا۔ اسکی دُعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔

اسی طرح کی اور بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

یہ ایک زبردست قاعدہ ہے جسے یاد رکھنا چاہیئے کیونکہ اسکے بہت سے فوائد ہیں۔ ہمارے ہاں بہت سے لوگ خصوصاً خواتین اور عوام بڑی بڑی دینی ضروریات بھی صرف دُعاؤں اور اذکار سے حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اسکے ضروری اسباب اختیار نہیں کرتے۔ اور پھر جب انکی دُعا ئیں قبول نہیں ہوتیں تو ان دُعاؤں، اذکار اور قرآن سے بدگمان ہو جاتے ہیں، بلکہ خود اللہ عز و جل پر براگمان کرتے ہیں کہ وہ ان کی دُعا ئیں نہیں سننا، حالانکہ مشروع اسباب ترک کر کے انہوں نے خود ہی اپنے اوپر قبولیت کا دروازہ بند کر لیا ہوتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ ہے۔

اس قاعدے کا اطلاق عموماً روحانی مطالب اور دینی مقاصد پر ہوتا ہے، کیونکہ ان میں مجاہدے کی شرط ہے، نہ کہ دنیاوی اموال میں۔

کیونکہ یہ تو بعض اوقات بغیر کسی سبب یا کوشش کے بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ علماء کرام کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اللہ ﷺ کی محبت امور کسبیہ میں سے ہے، اسکا تعلق صرف القاء کیساتھ نہیں، یعنی اسکے حصول کیلئے مجاہدہ شرط ہے۔ واللہ

تعالیٰ اعلم۔

لہذا ہر وہ شخص جو اپنی کسی ضرورت کیلئے اللہ سے دعا کرتا ہے، لیکن اُسکی دعا قبول نہیں ہوتی، اُسے چاہئے کہ قبولیت کے اسباب کی طرف رجوع کرے اور نئے عزم کیساتھ اللہ رب العزت کا دروازہ کھٹکھٹائے، ان شاء اللہ اُسکی دعائیں ضرور قبول ہوں گی۔  
یہ دو سبب جنکا ہم نے تذکرہ کیا، یہ بھی تب فائدہ دیتے ہیں جب دعا کو اُسکی دیگر بہت سی شروط کیساتھ مانگا جائے، ان شروط کا تذکرہ ہم نے اسی جلد کے اسم اعظم سے متعلقہ فائدے میں کیا ہے۔ (یوم الفطر شوال ۱۰/۱/۱۴۲۶ھ)



## ۷- ساتواں فائدہ

### دنیا و آخرت کے عذاب سے کیسے بچیں ؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہمیں بہت سے ایسے اسباب بتلائے ہیں جنہیں اختیار کر کے ہم اُسکے عذاب سے بچ سکتے ہیں:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی جگہ پر موجود ہونا۔  
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ (الأنفال/۳۳)

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی اور دلی محبت کرنا۔

یعنی ایسی محبت جو صرف دعویٰ تک محدود نہ ہو، بلکہ دل گہرائیوں میں جا گزیں ہو، اور عملی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات و سنن کی پیروی کی جائے، نہ کہ وہ نام نہاد محبت جس کا دعویٰ اہل بدعت کرتے نہیں تھکتے، جبکہ عملاً نہ صرف یہ کہ سنت کی مخالفت کرتے بلکہ اسکے خلاف محاذ آراء رہتے ہیں۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”فَإِذَا كَانَ وَجُودُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْكُفَّارِ مَانِعًا فَكَيْفَ بِمَحَبَّتِهِ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ، فَإِنَّهُ أَوْلَى وَأَخْرَجِي أَنْ لَا يُعَذِّبَهُ اللَّهُ تَعَالَى، وَهُوَ الْوَاقِعُ قَلْبًا وَشَرْعًا“ (بدائع التفسير)

”جب کفار کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود عذاب سے مانع تھا تو ایک مومن کے دل میں موجود آپ کی محبت مانع کیوں نہ ہوگی، بلکہ یقیناً یہ مومن اس بات کا زیادہ حقدار ہے

کہ اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہ دے، اور شرعاً و قدرائے واقع بھی یہی ہے۔“ (برآج التفسیر)  
۳۔ استغفار اور توبہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾  
”اور اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دینے والا نہیں، جبکہ وہ استغفار کرتے ہوں“ (لأنفال/۳۳)  
کتب تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

اللہ تعالیٰ اس امت میں دو امانیں رکھی تھیں کہ جب تک یہ دونوں انکے درمیان موجود رہیں گی، اُس وقت تک لوگ عذاب الہی کی پکڑ سے محفوظ رہیں گے: ایک امان تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف قبض فرمائی، جبکہ دوسری امان تمہارے پاس باقی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمُ الْآيَةَ“

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا:  
”أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيَّ آيَاتَيْنِ لِأَمْنَيْنِ: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ، وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ فَإِذَا مَضَتْ تَرَكْتُ فِيهِمْ أَلَا يَسْتَغْفِرُونَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ“ (ترمذی ابن کثیر ۴۰۴/۲)

اللہ تعالیٰ نے میری امت کیلئے مجھ پر دو امانیں نازل فرمائی ہیں: اور (اے نبی!) اللہ ایسا نہیں کہ انہیں عذاب دے، جبکہ آپ بھی انکے درمیان (موجود) ہوں، اور اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دینے والا نہیں، جبکہ وہ استغفار کرتے ہوں“ تو جب میں دنیا سے رخصت ہوؤں گا، تو قیامت تک کیلئے استغفار ان میں چھوڑ جاؤں گا“ (ترمذی، ابن کثیر ۴۰۴/۲)

۴۔ صحیح ایمان لانا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات پر شکر ادا کرنا۔

یہ دونوں صفات بھی عذاب کو دفع کرتی، اور معافی و عافیت کا باعث ہیں۔  
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ

هَٰكِرًا عَلَيْنَا ۝ (النساء/ ۱۳۷)

”اگر تم شکر کرو، اور ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دیکر کیا کریگا؟ اور اللہ بڑا قدر دان، خوب جاننے والا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اُسے کسی کو عذاب دینے کی کوئی ضرورت یا حاجت نہیں ہے، اور نہ ہی اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ رحمت الہی تو صرف اسی جگہ پر اترتی ہے جو اُسکے قابل ہو، اور وہ شکر گزار مومن ہے۔

تو جب کوئی رحمت الہی کے قابل ہی نہ ہو تو لامحالہ اس پر عذاب الہی نازل ہوتا ہے۔ لہذا جو شخص عذاب الہی سے بچتا چاہتا ہے، اس پر واجب ہے کہ ایمان و شکر گزاری سے خود کو مزین و مامون کر لے۔

۶۔ لوگوں کو فساد سے روکنا اور اصلاح کا کام کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۝ (هود/ ۱۱۶)

”پھر ان امتوں میں جو تم سے پہلے گذریں، ایسے عقل و بصیرت والے کیوں نہ ہوئے جو زمین میں (لوگوں کو) فساد سے روکتے، مگر تھوڑے ہی ان میں سے جنہیں ہم نے نجات دی“ نیز فرمایا: ﴿ أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ (الأعراف/ ۱۶۵)

”تم ہم نے اُن لوگوں کو نجات دی جو برے کاموں سے روکتے تھے، اور ہم نے اُن لوگوں کو بدترین عذاب کیساتھ پکڑ لیا جنہوں نے ظلم کیا تھا، اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے“ یہاں اللہ تعالیٰ نے نجات کو اُن لوگوں کیساتھ مختص کیا ہے، جو برائی سے روکتے تھے۔ اور فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهِلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ۝



(ہود/۱۱۷)

”اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کر دے جبکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں۔“

اصلاح کرنے والوں کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ علاقوں اور ان کے باشندوں کو آباد رکھتا ہے جب وہ لوگ جو ذاتی طور پر تو نیک اور صالح ہوتے ہیں لیکن اصلاح کا کام نہیں کرتے، وہ دنیاوی عذاب سے نجات نہیں پاتے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

”أَنْهَلَكَ وَفِينَا الصَّالِحُونَ؟ قَالَ: نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ“ (بخاری)

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے جبکہ ہمارے درمیان نیک لوگ بھی موجود ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، جب خباثت بڑھ جائیگی“

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

[إِنَّ اللَّهَ لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ حَتَّى إِذَا رَأَوْا الْمُنْكَرَ بَيْنَ ظَهْرَانِهِمْ وَهُمْ قَادِرُونَ عَلَى أَنْ يُنْكِرُوهُ فَلَا يُنْكِرُوهُ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَذَّبَ الْعَامَّةَ وَالْخَاصَّةَ]۔ (شرح السنة)

”بے شک اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے عمل کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں دیتا، یہاں تک کہ جب لوگ اپنے درمیان برائی ہوتے دیکھیں، اور اُس پر انکار کی قدرت رکھنے کے باوجود انکار نہ کریں، تو جب لوگوں کا یہ طرز عمل بن جائے تو پھر اللہ تعالیٰ عام و خاص تمام لوگوں کو عذاب سے دوچار کر دیتا ہے۔“

۷۔ انتہائی عاجزی کیساتھ گڑگڑاتے ہوئے اللہ سے نجات کی دُعا مانگنا۔



## ۸۔ آٹھواں فائدہ

### ایمان کیلئے تباہ کن چیزیں

ایک مومن اپنے دین اور ایمان کے حوالے سے بہت محتاط اور غیرت مند ہوتا ہے، اور ہمیشہ اُسے ایمان کی فکر لاحق رہتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی کتاب الایمان میں یہ باب قائم کیا ہے:

”خَوْفُ الْمُؤْمِنِ أَنْ يَخْبَطَ عَمَلَهُ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ“

(مومن کو اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ اُسکے اعمال برباد ہو جائیں اور اُسے شعور بھی نہ ہو)  
اس فائدے میں ہم اُس حوالے سے کتاب وسنت کے دلائل اور سلف صالحین کے اقوال پیش کریں گے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے فائدہ پہنچائے، اور نصیحت تو اہل ایمان کو فائدہ ہی دیتی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ، اُسکے رسول ﷺ، اُسکی کتاب، اور اُسکے دین کی بے ادبی کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (الحجرات/۲)

”اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور آپ سے اونچی آواز میں بات نہ کرو، جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں (بات) کرتے ہو، کہیں تمہارے عمل برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔“

یہ آیت کریمہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی تھی جبکہ انکی باہمی آوازیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بلند ہو گئی تھیں، یہاں تک کہ کہا گیا: كَذَّابُ الْخَيْرَانِ اَنْ يُّهْلِكََا دو بہترین شخص قریب تھے کہ ہلاک ہو جائیں (بخاری)  
تو جب اُس شخص کیلئے یہ وعید ہے جو بے ادبی کا ارادہ نہیں رکھتا تھا، تو جو قصداً بے ادبی کرے اُس کا معاملہ کیا ہوگا؟

۲۔ رسول اللہ ﷺ، یا اللہ تعالیٰ کی آیات، یا اُسکے دین کا مذاق اڑانا۔  
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَعُوْذُ وَلَلَّهِ وَلَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَرَسُولُهُ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِؤْنَ لَا تَعْلَمُونَ لَقَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ﴾ (التوبة ۶۵/۶۶)  
”اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو صرف مشغل کے طور پر باتیں اود دل لگی کرتے تھے“

کہہ دیجئے: کیا تم اللہ اور اُسکی آیتوں اور اُسکے رسول کے ساتھ مذاق کرتے تھے؟ (اب) بہانے مت بناؤ، یقیناً تم نے اپنے ایمان کے بعد کیا ہے۔

مفسرین کہتے ہیں: اہل نفاق نے کہا کہ ہم نے ان قراء (علماء صحابہ رضی اللہ عنہم) سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا جو پیٹ کے معاملے میں آگے آگے اور لڑائی میں سب سے بزدل ثابت ہو۔

اور کہا: اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھو، یہ شام کے محلات اور بَیْسِ الْأَضْفَرِ (رومیوں) کے قلعے فتح کرنے چلے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو انکی اس بات سے آگاہ کر دیا، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے استفسار کیا کہ تم نے یہ یہ کہا ہے۔ تو وہ قسمیں اٹھا کر کہتے گئے: ہم تو یونہی دل لگی اور مشغل کے طور پر یہ باتیں کر رہے تھے۔

تو فرمایا: تم اللہ، اور اُسکی آیتوں اور اُسکے رسول کیساتھ مذاق کرتے تھے؟ (قرطبی)  
کفر کے معاملے میں مذاق اور سنجیدگی برابر ہیں۔

۳۔ ایمان پر شکر بجا نہ لانا۔

۴۔ ایمان کے زوال کا خوف لاحق نہ ہونا۔

۵۔ مسلمانوں پر ظلم کرنا۔

ابو القاسم الحکیم رحمہ اللہ سے سوال ہوا: کیا کوئی ایسا گناہ بھی ہے جو بندے سے ایمان سلب کر لیتا ہو؟

تو فرمایا: ہاں تین چیزیں ایسی ہیں جو بندے سے ایمان سلب کر لیتی ہیں:

۱۔ اسلام پر شکر گزار نہ ہونا۔

۲۔ اسلام کے زوال کا خوف ترک کر دینا۔

۳۔ مسلمانوں پر ظلم کرنا۔ (المصنوعہ ۱/۴۰۹)

۶۔ اللہ کی حرمتیں پامال کرنا۔

ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لَا غَلَمَنَّ أَقْوَامًا مِنْ أُمَّتِي يَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِحَسَنَاتٍ أَمْثَالِ يَهُامَةَ، بَيْضَاءَ فَيَجْعَلُهَا اللَّهُ هَبَاءً مَنْثُورًا، قَالَ ثَوْبَانُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! صِفْهُمْ لَنَا جَلِيهِمْ لَنَا، أَنْ لَا نَكُونَ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَا نَعْلَمُ، قَالَ: أَمَّا إِنَّهُمْ إِخْوَانُكُمْ وَمِنْ جَلَدَتِكُمْ وَيَأْخُذُونَ مِنَ اللَّيْلِ كَمَا تَأْخُذُونَ، وَلَكِنَّهُمْ أَقْوَامٌ إِذَا خَلَوْا بِمَحَارِمِ اللَّهِ انْتَهَكُوهَا“

[رواہ بن ماجہ رقم (۴۲۴۵) باسناد صحیح (الصحيحہ ۲/۵۰۵، ۱۸)]

”میں اپنی امت میں سے ایسے لوگوں کو خوب جانتا ہوں جو قیامت کے دن تہامہ (یعنی

مکہ مکرمہ) کے برابر نیکیاں لائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ اسے اڑایا ہو اگر دو غبار بنا دے گا“

ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں انکی صفت بتلائیے، اور انکی

وضاحت کیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی اُن میں شامل ہو جائیں اور ہمیں خبر بھی نہ ہو۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تمہارے ہی بھائی اور تمہارے مشابہ ہونگے کہ، رات کو نمازیں پڑھیں گے جیسے تم پڑھتے ہو، لیکن یہ ایسے لوگ ہونگے کہ جب خلوت میں انہیں موقع ملے تو اللہ کی حرمتوں کو پا مال کریں گے۔“

(ابن ماجہ (۴۳۳۵) نے اسے صحیح سند کیساتھ روایت کیا دیکھئے الصحیحہ ۱۸/۲، (۵۰۵)

یہ حدیث انسان کے روٹے کھڑے کر دیتی ہے۔

اے اللہ! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں۔

۷۔ بلا وجہ مسلمانوں سے قتال کرنا۔

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں: سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ“ (متفق علیہ)  
”مسلمان سے گالی گلوچ کرنا فسق، اور اُس سے قتال کرنا کفر ہے“ (متفق علیہ)

اس حدیث کو امام بخاری نے بَابُ خَوْفِ الْمُؤْمِنِ أَنْ يَخْبَطَ عَمَلُهُ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ“ میں ذکر کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف قتال پر مُصر رہنا بعض اوقات انسان کو اسلام سے نکال کر کفر تک لے جاتا ہے۔

۸۔ ظاہری یا باطنی گناہوں پر مُصر رہنا۔

گناہوں پر مُصر اپنا انتہائی خطرناک بات ہے، کیونکہ اسکی پاداشی میں انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا مستحق ہو جاتا ہے، اور یہ سزا کبھی مال ضائع ہونے کی شکل میں ہوتی ہے، کبھی بدنی تکالیف کی صورت میں، کبھی اولاد اور محبوب لوگوں کی جدائی کا صدمہ دے جاتی ہے، اور کبھی انسان سے اُسکا ایمان اور دین ہی سلب کر لیا جاتا ہے۔

آپ علیہ السلام کا فرمان ہے:

”وَيَلُ لِّلْمُصْرِئِينَ الْدِّينُ يُصْرُونَ عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ“ (مسند أحمد

فتح الباری ۱/۹۲ وصححه الالبانی فی صحیح الادب المفرد للبخاری)

”ہلاکت ہے مُصر رہنے والوں کیلئے، جو اُن (گناہوں) پر مُصر رہتے ہیں جو اُنہوں نے

کئے، حالانکہ وہ جانتے ہیں“

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

توبہ نہ کرنے، اور باہمی قتال و تافرمائی پر اصرار کرنے سے خوف کا بیان۔

اور پھر متقین کی صفات سے متعلقہ آیت نقل فرمائی:

﴿وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (آل عمران/۱۳۵)

”اور وہ اپنے کئے پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے“ (آل عمران/۱۳۵)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے:

﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ (القف/۵)

”پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے انکے دل ٹیڑھے کر دیئے۔“

اور فرمایا: ﴿وَنَقَلْنَا قُلُوبَهُمْ وَآبَاسُوا لَهُمْ كَمَا كُنْهُمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ

وَنَذَرْنَاهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ (الانعام/۱۱۰)

”اور ہم انکے دلوں اور انکی آنکھوں کو پھیر دیں گے، جیسے وہ اس پر پہلی بار ایمان نہیں

لائے اور انہیں چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بسکتے پھریں“ (الانعام/۱۱۰)

اور فرمایا: ﴿أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ

أَصْبَحْنَاهُمْ بَدُلًا بَدَلَهُمْ وَلَطْبُ عَالِي قُلُوبِهِمْ فَلَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ﴾ (الأعراف/۱۰۰)

”کیا ان لوگوں پر واضح نہیں ہوا جو زمین پر (پہلے بسنے والوں کی ہلاکت کے بعد اسکے

وارث ہوئے کہ اگر ہم چاہیں تو انکے گناہوں کی وجہ سے انہیں سزا دیں، اور ہم انکے دلوں

پر مہر لگا دیتے ہیں، پھر وہ سن نہیں پاتے)۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کیجئے

﴿كَذَٰلِكَ زَاغَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (المطففين: ۴)

”ہرگز نہیں! بلکہ انکے دلوں پر انکے (برے) اعمال نے زنگ لگا دیا ہے۔“

اگر آپ مذکورہ بالا آیات اور ایسی دیگر آیات پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ فاسق

مسلمان جب اپنے ایمان کا پاس نہ رکھے، اور مسلسل گناہوں پر مُصر رہے، تو بعض اوقات اسکا ایمان ہی سلب ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

۹۔ مسلمانوں کیساتھ دوستی اور کفار کیساتھ دشمنی نہ رکھنا۔

ایک مسلمان کے عقیدے میں یہ بات شامل ہے کہ مسلمانوں سے دوستی اور کفار سے دشمنی رکھے جبکہ آجکل معاملہ اسکے برعکس ہے، مسلمانوں سے نہ صرف یہ کہ دوستی نہیں، بلکہ انکے خلاف معرکہ آرائی کا طوفان برپا ہے، اور کفار سے نہ صرف یہ کہ دشمنی نہیں، بلکہ دوستی میں اس حد تک آگے نکل گئے ہیں کہ انکی سُرروں میں سُر ملا کر اسلام اور مسلمانوں کے نیست و نابود کرنے کے درپے ہیں۔

بلکہ لوگوں کی اکثریت ولاء وبراء کے اس عقیدے سے ہی نااہل ہے، اور انکی دینی غیرت رخصت ہو چکی ہے، انکی دوستی دشمنی صرف اور صرف دنیا کی خاطر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِيَ اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ (المائدة/ ۵۴)

”اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ جلد ایسے لوگوں کو لایگا کہ وہ ان سے محبت کرتا ہوگا، اور وہ اس سے محبت کرتے ہوئے وہ مومنوں پر نرمی کرے گا اور کافروں پر سختی کرے گا۔“

اس آیت کریمہ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقین کا تذکرہ کیا ہے اور دوستی و دشمنی میں اُنکے غیر شرعی طرز عمل کی وجہ سے اُنکا ایمان سلب ہو جانے کا بیان ہے، لہذا یہاں تنبیہ کی گئی ہے کہ اس طرز عمل سے بچو، ورنہ ایمان سلب ہو جائیگا۔

اسی طرح فرمایا: ﴿اتَّبِعُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَكُونُوا عَلَى اللَّهِ مَلَكًا﴾ (النساء/ ۱۳۳)  
”کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف واضح حجت دے دو؟“

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے کفار کیساتھ دوستی سے منع فرمایا ہے، لہذا اس آیت سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اہل ایمان کو چھوڑ کر کفار سے دوستی کرنا واضح ارتداد ہے۔

۱۰۔ کفار کے لباس و اخلاق اور طور طریقوں سے متاثر ہونا اور انکی مشابہت اختیار کرنا۔

آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: ”لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَهَ بِغَيْرِنَا“ وہ ہم میں سے نہیں جو غیروں سے مشابہت اختیار کرے“ (۱)

(۱)۔ اس فائدے میں اُن کا ایمان بھی ہے جو لو اقص الایمان میں شامل ہیں، مثلاً جان بوجھ کر دین اسلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کرنا، اللہ اسکے رسول اور انکی آیات کا مذاق اڑانا اور مسلمانوں سے دشمنی اور کفار سے دلی دوستی رکھنا اور مسلمانوں کے خلاف انکی پشت پناہی کرنا۔

اور اس فائدے میں ان باتوں کا تذکرہ بھی ہے جنہیں کفر یا کفر کے قریب تو کہا گیا ہے لیکن وہ دائرہ اسلام سے خارج کرنے والی نہیں، مثلاً مسلمانوں سے بلا وجہ قتال، اور کفار سے مشابہت۔ یہ باتیں اگرچہ بعض اوقات اصلی کفر کا باعث بن جاتی ہیں لیکن بذات خود اسلام سے خارج کر دینے والا کفر نہیں جیسا کہ شیخ محترم نے اشارہ بھی کیا ہے۔

اور ایسے گناہوں کا تذکرہ بھی ہے جو صرف فسق و فجور کے زمرے میں آتے ہیں لیکن وہ انتہائی خطرناک ہیں، اور بعض اوقات انسان کو کفر کا مرکب بنا دیتے ہیں جس طرح ایک نیکی دوسری نیکی کا باعث ہوتی ہے، اسی طرح ایک گناہ دوسرے گناہ پر ابھارتا ہے اور شیطان اُس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک کہ انسان کفر اکبر کا ارتکاب کر کے جہنم میں اُسکا ہمیشہ کا ساتھی نہ بن جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ آل عمران آیت ۱۱۲ میں یہود کے یہاں تک جرائم (مثلاً اللہ کی آیات کا انکار اور انبیاء کرام کا قتل) کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا: ”ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَلُونَ“ یہ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے، اور حد سے بڑھ جاتے تھے“ اس فائدے میں مختلف باتیں جمع ہو گئی تھیں لہذا انکی وضاحت ضروری سمجھی گئی (مترجم)



## ۹۔ نوان فائدہ

### بری تقدیر اور برے انجام سے نجات دلانے والے چند امور

ہم نے ذوالقعدہ ۱۱/۱۲۲۶ھ بروز جمعرات، مشکوٰۃ کی تدریس کے دوران تقدیر کا باب پڑھا، اس دوران میرے دل میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب، بُری تقدیر اور بُرے انجام سے نجات چند امور کے ذریعے ممکن ہے، اگر انسان ان امور کو فراموش نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کبھی اُسے ضائع نہیں کرتا، کیونکہ تقدیر اللہ کے ہاتھ میں وہ امور درج ذیل ہیں:

۱۔ ہمیشہ دل کے خشوع اور توجہ کیساتھ اللہ کے سامنے آہ و زاری اور التجائیں کرنا، اور اپنی پیشانی اسکی چوکھٹ پر رکھ دینا۔  
کفر و ایمان، ہدایت و گمراہی اور تمام چیزیں اسی لیے مقدر کی گئی ہیں کہ انسان اللہ کی طرف تضرع اور عاجزی اختیار کرے، تاکہ وہ مہربان مالک اُسے بدبختی سے بچا کر خوشی بختی و عادت سے سرفراز کرے۔

اسی لیے حدیث میں آتا ہے: ”لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ“ (مشکوٰۃ)

”تقدیر کو دُعا کے سوا کوئی چیز نہیں کر سکتی“ (مشکوٰۃ)

ثابت ہوا کہ دُعاؤں کی کثرت اس حوالے سے انتہائی مفید ثابت ہوتی ہے۔  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے: بندوں کے دل رُحمن کی دوا لگیوں کے درمیان ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے انہیں پلٹتا ہے۔

پھر یہ دُعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ مُصَوِّرَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ“

”اے اللہ! اے دلوں کو پھرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے، اور کثرت کیساتھ یہ دُعا بھی کرتے:

”اَللّٰهُمَّ مَقْلَبَ الْقُلُوْبِ اَثْبَثْ قَلْبِيْ عَلٰی دِيْنِكَ“

”اے اللہ! اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا“

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے راسخین فی العلم کی دُعا کا تذکرہ فرمایا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾۔ (آل عمران/ ۸)

”اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا مت کر، اور اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی بے حد عطا کرنے والا ہے۔“

ان دُعاؤں میں اشارات بھی ہیں اور بشارات بھی۔

(۱)۔ اشارہ اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور تضرع و انکساری اس حوالے سے مفید ہے، اور بشارت اس بات کی کہ اسکے نتیجے میں انسان کی عبادات اور دُعاؤں میں حُسن پیدا ہوا جاتا ہے، اسکی وضاحت دوسرے امور سے ہوتی ہے:

(۲)۔ اللہ کے قریب کرنے سب سے قریب ترین راستہ اسکے حضور فقر و انکساری اور خشوع کا اظہار ہے، اور بندے اور اسکے رب کے درمیان سب سے بڑی رکاوٹ فقر و غرور اور بڑائی کے دعوے ہیں، لہذا جس نے اپنے نفس پر فقر و عاجزی کے دروازے کھول دیئے، اللہ تعالیٰ اُسکے لیے اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیگا۔

(۳)۔ اللہ کے عذاب اور ناراضگی سے ڈرتے رہنا۔

جو شخص اپنے دل کو اللہ کے خوف سے آباد رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے اُسے نجات عطا فرماتے ہے۔

اسکی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿قَالُوا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْ اَهْلِيْنَا مُشْفِقِيْنَ لِمَنْ اَللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَّانَا عَذَابَ

السُّمُومُ إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿۲۸﴾ (الطور/ ۲۶-۲۸)  
 وہ (اہل جنت) کہیں گے: بلاشبہ ہم (اس سے) پہلے اپنے اہل و عیال میں اللہ سے  
 ڈرتے رہتے تھے، پھر اللہ نے ہم پر احسان کیا اور اس نے ہمیں (تھکسا دینے والی) لُؤ کے  
 عذاب سے بچالیا، بلاشبہ ہم پہلے ہی اُس اللہ کو پکارا کرتے تھے، بے شک وہی خوب احسان  
 کرنا والا، بہت رحم کرنے والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اُسے پکارنا اہل جنت کی صفات  
 میں سے ہے۔

(۴)۔ حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا اور لوگوں کو نفع رسانی کے کام کرنا بھی اچھے انجام کا  
 مجرب نسخہ ہے، خصوصاً قریبی رشتہ داروں اور عام مسلمانوں سے حسن سلوک اس حوالے  
 سے انتہائی مفید ہے۔

ابن مبارک رحمہ اللہ اچھے اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”هُوَ بَذُلُ النَّدَى وَكَفُّ الْأَذَى وَطَلَقَةُ الْوَجْهِ“

”لوگوں کو نفع پہنچانا، ایذا رسانی سے باز رہنا، اور کشادہ چہرے سے ملنا اچھا اخلاق ہے“  
 اس لیے ہمیں چاہیے کہ لوگوں کیساتھ نرمی و اخلاق سے پیش آئیں، اگرچہ لوگ ہمیں  
 تکلیف پہنچائیں اور اعراض کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَخْوُمُ عَلَى النَّارِ أَوْ بِمَنْ تَعْوُمُ عَلَيْهِ النَّارُ؟ عَلَى كُلِّ  
 قَرِيبٍ هَتَيْنِ سَهْلٍ“ (الصحيحۃ (۹۲۸))

”کیا میں تمہیں اُس شخص کی خبر نہ دوں جو آگ پر حرام ہے، یا جس پر آگ حرام ہے؟ اُس  
 شخص پر جو لوگوں کے قریب رہتا ہے، جو انتہائی نرم خواہ اور با اخلاق ہے۔“

ہر با اخلاق اور نرم خو شخص پر جہنم کی آگ حرام ہے، لہذا ہمیں اس حوالے سے کوشش کرنی

چاہیے۔

اے اللہ! ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرما۔ آمین۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

”خَابَ عَبْدٌ وَخَسِرَ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ تَعَالَى فِي قَلْبِهِ رَحْمَةً لِلْبَشَرِ“

(الصحيحه (۴۵۶)

”وہ بندہ خائب و خاسر ہو گیا جسکے دل میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کیلئے رحمت نہیں رکھی۔“

نیز فرمایا: ”إِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمَكُم مِّنْ فِي السَّمَاءِ، الْوَارِثُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى“ (الصحيحه (۹۲۵)

”اہل زمیں پر رحم کرو، آسمان والا (رب تعالیٰ) تم پر مہربان ہوگا، رحم کرنے والوں پر رحمن تبارک و تعالیٰ بھی رحم فرماتا ہے“ (الصحيحه (۹۲۵)



## ۱۰۔ دسواں فائدہ

### نیکوں کا شوق کیسے پیدا ہو؟

تمام لوگوں کی زبان پر یہی بات ہوتی ہے کہ نیکوں کے بہت فوائد ہیں، لیکن عملی طور پر وہ نیکوں کی طرف نہیں لپکتے، نہ انکا شوق رکھتے ہیں، اور نہ انکے فوت ہو جانے پر کفِ افسوس ملتے ہیں، سوائے چند لوگوں کے جو اللہ کے خاص بندے ہیں۔

تو آئیے ہم آجکدہ اسباب بتلائیں جنہیں اختیار کر کے آپ اپنے دل میں نیکوں کا شوق پیدا کر سکتے ہیں، پہلی جلد کے فائدہ نمبر (۳) میں عمل صالح کی توفیق و تیسیر کے اسباب کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

ان اسباب میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر مت جائیے، بلکہ جو فی موقع ملے اُس پر عمل کر لیجئے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنَّ تَلْقَىٰ أَعْيَانَكَ بِوَجْهِ طَلِيقٍ“

(الصحيحۃ (۱۸۶۸))

”نیکی کے کسی کام کو حقیر ہرگز مت جانو، اگر چہ اپنے بھائی سے کشادہ، چہرے کیساتھ

ملاقات ہی کیوں نہ ہو۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يُقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا﴾. (الشوریٰ/۲۳)

”اور جو شخص کوئی نیکی کماتا ہے تو ہم اُسکے لیے اس میں بھلائی بڑھادیتے ہیں۔“

یعنی اُسے مزید نیکیوں کی توفیق دیتے ہیں، یا اُسکا اجر کئی گناہ بڑھا دیتے ہیں۔  
اور فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ﴾ (الشوریٰ/۲۰)  
”جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے، ہم اس کیلئے اسکی کھیتی میں اضافہ کرتے ہیں۔“

## ۲۔ تمام اقوال و احوال میں سچائی اپنانا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: سچ کو لازم پکڑو، کیونکہ سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اور نیکی جنت کی راہ دکھلاتی ہے، اور جب کوئی شخص مسلسل سچ بولتا ہے، اور ہمیشہ سچ کی جستجو میں رہتا ہے، تو اللہ کے ہاں صدیق (بہت سچا) لکھ دیا جاتا ہے، اور جھوٹ سے بچ کر کیونکہ جھوٹ گناہوں کی طرف لیکر جاتا ہے، اور گناہ جہنم کی طرف۔  
اور جب کوئی شخص مسلسل جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کی جستجو میں رہتا ہے تو اللہ کے ہاں اُسے کذاب (بہت جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے“ (بخاری و مسلم)  
لہذا آپ پر لازم ہے کہ اس پیاری خصلت سے خود کو مؤہن کریں۔

## ۳۔ نیک اعمال کے فضائل سننا

اعمال صالحہ کے فضائل سننے اور پڑھنے سے بھی نیکیوں کی رغبت پیدا ہوتی ہے، اسی لیے کتاب و سنت میں کثرت کیساتھ فضائل مذکور ہیں، یہ تجربے سے ثابت ہے کہ اعمال سے پہلے انکے فضائل سے آگاہی انسان کے دل میں انتہائی شوق اور رغبت پیدا کرنے کا باعث ہے۔

## ۴۔ وقت کی قدر و قیمت کو پہچاننا

ہمیں چاہیئے کہ اپنی زندگی اور اوقات کی قدر پہچانیں، اور دنیا میں لمبی لمبی امیدوں سے اپنا دامن بچائیں، کیونکہ لمبی امیدیں دل کو سخت کر دیتی، اور آخرت کو بھلا دیتی ہیں، اور انسان ان امیدوں کی خاطر اعمال صالحہ اور فکر آخرت چھوڑ بیٹھتا ہے۔

## ۱۱ - عجیب فائدہ

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

اللہ کی وسیع رحمت

اور یہ کن صفات سے حاصل ہوتی ہے؟

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر انکے ماں، باپ اور تمام دوستوں و احباب سے زیادہ مہربان ہے، کہتے ہیں کہ اللہ ستر ماؤں سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ کی رحمت تو تمام مخلوقات کی باہمی رحمت سے بھی عظیم تر ہے کیونکہ بخاری و مسلم کی صحیح حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے:

”إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى مِائَةَ رَحْمَةٍ أَنْزَلَ مِنْهَا وَاحِدَةً، وَبِهَا يَغْرَأُ خَلْقُ حَتَّى إِنْ الْفَرَسَ لَعَرَفُوعَ رَجُلَهَا مَخَافَةَ أَنْ تَطَأَ وَلَدَهَا، فَإِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْمَلَهَا بِتِسْعَةِ وَتِسْعِينَ رَحْمَةً“۔

”بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس سو رحمتیں ہیں، جن میں سے ایک اُس زمین پر اتاری ہے اسی ایک رحمت کی وجہ سے تمام مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے، یہاں تک کہ ایک گھوڑا صرف اس لیے اپنی ٹانگ اٹھائے رکھتا ہے کہ کہیں اپنے بچے کو نہ روند ڈالے، جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس ایک رحمت کو مزید ننانوے رحمتوں سے مکمل کر دیگا“

اس حدیث پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی سو رحمتوں میں سے صرف ایک رحمت کی بناء پر تمام مخلوق ایک دوسرے سے الفت و محبت اور رشتہ و پیوند میں بھجی ہوئی ہے تو اُسکی باقی رحمتوں کا کیا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور چند ماؤں کی ممتا اور پیار کو اللہ کے اپنے بندوں کیساتھ پیار

و محبت سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟

ہم نے تو زمین پر اللہ ارحم الراحمین کی ایسی ایسی رحمتوں کی مشاہدہ کیا ہے کہ قلم انکے بیان اور زبان اُنکے شمار سے عاجز ہے۔

لیکن اسکے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ عظیم و حکیم ذات ہے، وہ غیر مناسب جگہ پر اپنی رحمت کو ضائع نہیں فرماتا، اور اُس شخص کو اپنی رحمت سے نوازتا ہے جو اُسکی رحمت کا حقدار ہوتا ہے، اور حصول رحمت کے اسباب اپناتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کو اپنی بے پایاں رحمت سے نوازنا چاہتا ہے، اسی لئے اُس نے اپنے بندوں کو ایسے امور و اعمال بتلائے ہیں جنہیں اختیار کر کے وہ اللہ کی رحمت و خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔

لہذا جو بھی ان اسباب کو اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اُس پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے کیونکہ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا وعدہ ہے جو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَرَحِمَیْ وَمِعَتْ كُلُّ شَیْءٍ فَمَا کُتِبَہَا لِلذِّیْنِ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوٰۃَ وَالذِّیْنِ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ الذِّیْنِ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الَّذِیْ یَجِیْدُوْنَہٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَہُمْ﴾ (الاعراف/ ۱۵۶-۱۵۷)

اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے، چنانچہ جلد ہی میں اس (رحمت) کو اُن لوگوں کیلئے لکھ دوں گا جو پرہیزگار ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، (یعنی) وہ لوگ جو اس رسول (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو اُمی نبی ہے، جس کا ذکر وہ اپنے ہاں لکھا پاتے ہیں۔“

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واضح کر دیا ہے کہ جو شخص ان چار صفات کیساتھ متصف ہوگا، وہی اللہ کی رحمت کا حقدار ہے، اور وہ چار صفات ہیں: تقویٰ، زکوٰۃ کی ادائیگی، آیات پر ایمان، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی۔



ایک حدیث میں آتا ہے:

”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَضَعُ اللَّهُ رَحْمَتَهُ إِلَّا عَلَى رَحِيمٍ قَالُوا: كَلْنَا يَرْحَمُ، قَالَ: لَيْسَ بِرَحْمَةٍ أَحَدِكُمْ صَاحِبَةً، يَرْحَمُ النَّاسَ كَمَاةً“ (الصحيحہ (۸۴))

”اس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ صرف رحم کرنے والے پر ہی اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے، لوگوں نے کہا: ہم سب ہی رحم کرتے ہیں۔

تو فرمایا: اس سے مراد وہ مہربانی نہیں جو تم میں سے کوئی شخص اپنے ساتھی کیساتھ کرتا ہے، بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو تمام لوگوں پر مہربان ہو۔“

میں نے جب سورہ مریم پر غور و فکر کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بعض صفات کریمہ کی وجہ سے اپنے بندوں پر رحمتیں نازل فرماتا ہے، جو صفات ساٹھ سے زیادہ ہیں، کیونکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کا تذکرہ کیا ہے اور ان پر اپنی رحمت کے نزول کا ذکر فرمایا ہے اس میں اشارہ ہے کہ جو کوئی بھی ان صفات کو اپنائے گا، اُس پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں گی کیونکہ اللہ کی رحمت تو دائمی ہے، عارضی نہیں۔

اور عام ہے، کسی خاص گروہ کیساتھ مخصوص نہیں۔

### وہ صفات یہ ہیں:

- ۱۔ پاک و صاف اور خشیت سے معمور دل کیساتھ آہستہ آواز سے اللہ تعالیٰ کو پکارنا، اور اُسے اپنی عاجزی اور اُسکی مہربانی و شفقت کا واسطہ دینا۔
  - اور پھر اپنے رب کی رحمت کا انتظار کیجئے، یقیناً وہ نازل ہو کر رہے گی۔
  - ۲۔ صبح شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، اور اُسکی تسبیح و تقدیس بیان کرنا۔
  - کیونکہ ذکر کرنے والوں پر اللہ کی رحمت اترتی ہے۔
- حدیث میں آتا ہے: اللہ کے ذکر سے غافل مت رہو، کہ اللہ کی رحمت بھی تمہیں فراموش کر دے۔ (ابوداؤد)

- ۳۔ کتاب اللہ پڑھ لیں، اور اسکے ساتھ تعلق مضبوط کرنا۔

۴۔ اللہ کے بندوں کیساتھ مہربانی و شفقت کا مظاہرہ کرنا، کیونکہ جو شخص اللہ کے بندوں پر مہربان ہو، اللہ تعالیٰ بھی اُس پر مہربان ہوتا ہے۔

۵۔ اپنے نفس کو بُرے اخلاق سے پاک رکھنا۔

۶۔ تقویٰ اختیار کرنا۔

۷۔ والدین کیساتھ حسن سلوک کرنا، اور اپنے مال، جان اور علم و عمل کے ذریعے انکی زندگی میں بھی، اور موت کے بعد بھی اُنکی خدمت کرنا۔

۸۔ اللہ کے بندوں کیساتھ خُش روی اور تکبر و نخوت کا معاملہ نہ کرنا۔

۹۔ جس حد تک ممکن ہو، گناہوں سے اجتناب کرنا، کیونکہ اللہ کی رحمت گناہ گاروں اور متکبرین سے دور رہتی ہے۔ (والعیاذ باللہ)

۱۰۔ مستعار حکمت کی بجائے حقیقی حکمت کیساتھ اپنی گفتگو کو مزین کرنا، حقیقی حکمت وہ ہوتی ہے جو دل کی گہرائیوں سے نکلے، اور مستعار حکمت وہ ہے جو صرف زبان تک محدود ہو، اور ظاہر ہے جو بات صرف زبانی کلامی جمع خراج پر مشتمل ہو، وہ اثر سے خالی ہوتی ہے۔

اور ہر وہ بات حکمت ہے جو آپ کے لیے نصیحت کا باعث ہو، آپ کو برائی سے روک دے، یا آپ کو کسی فضیلت کی طرف دعوت دے۔ جیسا کہ ابن درید رحمہ اللہ نے کہا۔

۱۱۔ شریعت مطہرہ کی روشنی میں بعض اوقات اللہ کیساتھ خلوت اختیار کرنا، اور اُسکی عبادت بجالانا، اور اُسکے لوگوں سے دور چلے جانا، جیسا آپ ﷺ کیا کرتے تھے۔

شریح بن ہانئ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہو چھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بادیہ نشینی اختیار کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان ٹیلوں کی طرف نکل جاتے تھے۔

(الادب المفرد للبخاری۔ یہ حدیث صحیح ہے)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اُسکے ساتھ تعلق مضبوط کرنے، اور اس سے مناجات کیلئے بعض اوقات گوشہ نشینی بھی اختیار کرتے تھے۔

اور اسکی حلاوت و متحاس بھی وہی دل محسوس کر سکتے ہیں جو اللہ کی محبت اور اسکی طرف اتابیت سے سرشار ہوں لیکن آجکل سوائے چند گئے چٹے لوگوں کے باقی تمام لوگ اس سنت مبارکہ سے آگاہ ہی نہیں۔

حالانکہ یہ خلوت دلوں کو نرم کرتی ہے اور اچھے خوابوں اور کرامات کا باعث ہے۔  
اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ہمیں بھی اسکی توفیق بخشے۔ آمین۔

۱۲۔ احسان کے درجے پر اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت بجالانا، کیونکہ یہی وہ بنیادی مقصد ہے جسکے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پیدا فرمایا ہے۔

۱۳۔ کسی انسان کا بابرکت ہونا، وہ اس طرح کہ وہ جہاں بھی جائے اُسکے ذریعے خیر و بھلائی زمین پر پھیل جائے، یا وہ شخص جو نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے روکے۔  
۱۴۔ نماز پڑھنا۔

۱۵۔ موت تک ذکوۃ کی ادائیگی جاری رکھنا۔

۱۶۔ بدبختی و شقاوت کے اسباب ترک کر دینا، جو کہ ہم الگ باب میں ذکر کریں گے، ان شاء اللہ۔

۱۷۔ شرک سے باز آجانا۔

۱۸۔ گمراہی چھوڑ دینا۔

۱۹۔ غفلت سے کنارہ کشی اختیار کرنا۔

کیونکہ شرک و گمراہی اور غفلت اللہ کی ناراضگی کے اسباب ہیں، جبکہ انکی ضد اللہ کی رحمت کا باعث ہے۔

۲۰۔ اللہ کے وعدوں پر یقین کامل۔

۲۱۔ رد شرک۔

۲۲۔ مشرکین اور سرزمین شرک سے ہجرت۔

۲۳۔ عاجزی و انکساری کیساتھ دُعا میں اور عبادات بجالانا۔

۲۴۔ تمام مسلمانوں کی خیر خواہی۔

۲۵۔ وعدہ وفا کرنا۔

۲۶۔ تمام مسلمانوں کو عموماً اور اولاد و اہل خانہ کو خصوصاً نماز کا حکم دینا۔

۲۷۔ اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دینا۔

۲۸۔ اللہ تعالیٰ کی آیات سے متاثر ہونا۔

۲۹۔ اور رو پڑنا۔

۳۰۔ اور اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جانا۔

۳۱۔ سچی توبہ کرنا۔

۳۲۔ صحیح ایمان لانا۔

۳۳۔ نیکیوں پر دوام اختیار کرنا۔

۳۴۔ تقویٰ اختیار کرنا۔

۳۵۔ عبادت پر صبر کرنا، کیونکہ صبر کے بغیر اسکی ادائیگی ناممکن ہے۔

۳۶۔ رب العالمین کی خاطر شہوات ترک کر دینا۔

۳۷۔ نمازوں کی حفاظت کرنا۔

۳۸۔ باقی رہنے والی نیکیاں کرنا۔

۳۹۔ جن ایمان کیساتھ:

۴۰۔ عمل صالح لے بھی شامل ہے، ایسا کرنے والوں کو اللہ کی محبت نصیب ہوتی ہے۔

یہ تمام اور سورت مریم سے ماخوذ ہیں، لہذا اس سورت مبارکہ کی طرف رجوع کیجئے اور تذکرہ کیساتھ اسکی تلاوت کیجئے ان شاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگی۔

اس سورت میں رحمن، کا لفظ پندرہ مرتبہ، اور رحمت کا تذکرہ پانچ مرتبہ ہوا ہے، بلکہ ابتداء ہی لفظ رحمۃ سے کی گئی ہے، ﴿ذُكِرَتْ رَحْمَةُ رَبِّكَ﴾ لہذا اس میں اسباب رحمت کی طرف اشارہ ہے، جنہیں اختیار کر کے کوئی بھی بندہ اللہ کی رحمت کا حقدار بن سکتا ہے۔

علاوہ ازیں رحمت الہی کے حصول کے لیے دیگر اسباب بھی ہیں:

۳۱۔ انہیں اسباب میں سے ایک احسان کرنا بھی ہے۔ کیونکہ اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں سے قریب ہوتی ہے، مخلوق کیساتھ بھی احسان کرنا، اور اللہ کی عبادت میں بھی احسان کا درجہ اختیار کرنا، یعنی اس طرح اللہ کی عبادت کریں گویا کہ آپ اُسے دیکھ رہے ہیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم یہ احساس ضرور ہو کہ وہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔

۳۲۔ تقویٰ اور زکاۃ کی ادائیگی کیساتھ آیات پر ایمان لانا، اور

۳۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَسَأْتِجُهَا لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ  
الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأَمِينُ....﴾ (الاعراف/ ۱۵۶-۱۵۷)

”جلد ہیں میں اس (رحمت) کو ان لوگوں کیلئے لکھ دوں گا، جو پرہیزگار ہیں، اور زکاۃ دیتے ہیں، اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں (یعنی) وہ لوگ جو اس رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرتے ہیں جو امی نبی ہے۔“

۳۴۔ اللہ کی راہ میں شہادت۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس سے سرفراز فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَنَسْأَلَنَّهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُعْتَمِلًا مِّنْ فَضْلِهِ أَوْ لَمْ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ أَنِ يَجْعَلَ لَهُمْ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ، وَلَئِن مُّعْتَمِلًا لِّأَلِي اللَّهِ فَعَحْشَرُونَهُ﴾

(آل عمران/ ۱۵۷-۱۵۸)

”اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت ان چیزوں سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں، اور اگر جاؤ یا قتل کر دیئے جاؤ تو یقیناً تم اللہ ہی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے“

۳۵۔ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا۔  
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (آل عمران ۱۳۲)  
”اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

۳۶۔ خاموشی اور توجہ کیساتھ قرآن مجید کی تلاوت سننا۔

فرمایا: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾  
(الأعراف ۲۰۴)

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے (کان لگا کر) سُنو، اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

۳۷۔ استغفار کرنا۔

فرمایا: ﴿لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (النمل ۴۶)

تم اللہ سے استغفار کیوں نہیں کرتے، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

۳۸۔ اللہ تعالیٰ کے دنیوی و اخروی عذاب سے خوف۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الأعراف ۶۳)

”تاکہ وہ تمہیں ڈرائے، اور تاکہ ڈر جاؤ، اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے“ (الأعراف ۶۳)

اور فرمایا: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (یس ۴۵)

”اور جب انہیں کہا جاتا ہے: ایسے عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے (دنیا میں) اور جو تمہارے پیچھے (آخرت میں) ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

۳۹۔ اہل ایمان کے درمیان صلح کرنا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الحجرات ۱۰)

اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادو، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

۵۰۔ مصائب پر صبر کرنا۔

اللہ تعالیٰ مصائب پر صبر کرنے والوں کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَعَدُونَ﴾

(البقرة ۱۵۷)

”یہی لوگ ہیں جن کیلئے انکے رب کی طرف سے بخشش اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں“

صبر کرنے والوں پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اور اللہ کی مدد انکے شامل حال ہوتی ہے۔

۵۱۔ اللہ پر ایمان لانا اور اس کے ساتھ چٹ جانا۔

یعنی اُس پر توکل کرنا اور اس کے دین کو مضبوطی سے تھام لینا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيَدْلُوهُمْ فِي رَحْمَةِ مِنْهُ﴾ ①

(النساء/۱۷۵)

”پھر جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اُس (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو وہ ضرور انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔“

۵۲۔ ایمان کیساتھ جہاد فی سبیل اللہ کرنا۔

مجاہدین کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يُسِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَابٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُقِيمٌ﴾

(التوبة/۲۱)

”ان کا رب انہیں اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی اور ایسے باغوں کی خوشخبری سناتا

ہے، جن میں ان کیلئے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی۔“

۵۳۔ رسول پر ایمان اور تقویٰ۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (الحديد/ ۲۸)  
 ”اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اللہ تمہیں اپنی رحمت سے دو حصے (اجر) دے گا، اور تمہارے لیے ایسا نور بنائے گا کہ تم اس کی روشنی میں چلو گے اور وہ تمہیں بخش دے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

۵۴۔ مندرجہ ذیل دعائیں پڑھنا:

”رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ“

”اے میرے رب! (مجھے) بخش دے، اور رحم فرما، کیونکہ تو خیر الراحمین ہے“

﴿رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَبْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا﴾

”اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے اور ہمارے لیے ہمارے معاملے میں صحیح رہنمائی فرما“

”رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ“

”اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر، اور ہمیں

اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بیشک تو ہی بے حد عطا کرنے والا ہے“

یہ مستجاب دعائیں ہیں، لہذا ہمیں انکا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔

۵۵۔ مریض کی عیادت کرنا۔

حدیث میں آتا ہے: ”مَنْ عَادَ مَرِيضًا لَمْ يَزَلْ يَخْوُضُ فِي الرُّحْمَةِ حَتَّى يَرْجِعَ

لِذَا جَلَسَ اغْتَمَسَ فِيهَا“ (مسند احمد ۳/۳۰۴)

”جو شخص کسی مریض کی عیادت کیلئے گیا، وہ واپسی تک مسلسل رحمت الہی میں رہتا ہے،

اور جب وہ مریض کے پاس بیٹھتا ہے، تو گویا اُس رحمت میں ڈوب جاتا ہے۔“

۵۶۔ قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کیلئے جمع ہونا۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَيَتَدَارَسُونَ فِيهَا بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمْ الرَّحْمَةُ وَخَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ وَمَنْ بَطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ“ (مسلم)

”جو لوگ بھی اللہ کے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، اور اُسے آپس میں پڑھتے پڑھاتے ہیں، اُن پر سکینت نازل ہوتی ہے، رحمت الہی انہیں ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجود فرشتوں میں انکا تذکرہ کرتا ہے، اور جس شخص کا عمل اُسے پیچھے کر دے، اُس کا نسب اُسے آگے نہیں کر سکتا“

۵۷۔ مساجد میں بیٹھنا۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے: بعض لوگ گویا مساجد کے باسی ہوتے ہیں انکے ہم نشین فرشتے ہوتے ہیں، اگر وہ مسجد سے غائب ہوں تو انہیں تلاش کرتے ہیں، مریض ہوں تو عیادت کرتے ہیں، اور اگر وہ کسی ضرورت میں ہوں تو اُنکی مدد کرتے ہیں اور فرمایا: مسجد میں بیٹھنے والا تین حالتوں میں سے کسی حالت پر ہوتا ہے: یا تو اسے کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے، یا حکمت کی بات سنتا ہے، یا اللہ کی رحمت کا منظر ہوتا ہے“

(الصحيحۃ (۱/۳۴۰)

۵۸۔ ماہ رمضان کا سایہ لگن ہو جانا۔

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ جب رمضان کا پہلا دن آتا ہے تو رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

۵۹۔ عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھنا۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے:

رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا صَلَّى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا“ (ابوداؤد)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بلا شک و شبہ مقبول ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾. (النور/۶۳)

۶۰۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ہجرت کے دوران کہا: اے میرے رب! مجھے وصیت کیجئے۔ فرمایا: میرے بالقابل کسی اور کو مجھ پر ترجیح نہ دینا، کیونکہ ایسا کرنے والے کو نہ تو میں پاک کرتا ہوں اور نہ اُس پر رحم کرتا ہوں۔ (الزهد ص ۸۷)۔



## ۱۲۔ بارہواں فائدہ

### لوگوں میں رزق اور اخلاق کی تقسیم

جس طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا رزق تقسیم کیا ہے، اسی طرح اپنے لطف و کرم سے لوگوں کے درمیان اخلاق و عادات بھی تقسیم کر دی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے مختلف لوگوں پر مختلف اعمال کے دروازے کھولے ہیں، بعض لوگوں پر عبادت کا دروازہ کھولا ہے، بعض پر جہاد کا دروازہ کھولا ہے، بعض پر علم اور دعوت و تبلیغ کا دروازہ کھولا ہے، اور بعض پر تزکیہ نفس کا دروازہ کھولا ہے۔

ایک مؤمن ان تمام دروازوں میں داخلے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ جیسے دیگر افراد اسکے لیے کوشاں رہے تھے۔ ایک مرتبہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا کوئی شخص جنت کے تمام دروازوں سے بھی بلایا جائے گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اور مجھے امید ہے کہ تم بھی انہی میں سے ہو گے۔ (بخاری)

لیکن ایک شخص اگر ایک دروازے سے داخل ہو، جبکہ جنت کی طرف جانے والے دیگر دروازوں سے بیر نہ رکھتا ہو، تو ایسا شخص بھی کامیاب ہے۔ والحمد للہ۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک پاکیزہ حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

[مَنْ أُنْفِقَ رُوحَيْنِ مِنْ شَيْءٍ مِنَ الْأَشْيَاءِ دُعِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، وَلِلْجَنَّةِ أَبْوَابٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ

الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ، دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرِّيَاقِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا عَلَيَّ مَنْ دُعِيَ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ مِنْ ضَرُورَةٍ، فَهَلْ يُدْعَى أَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ كُلِّهَا؟ قَالَ: نَعَمْ وَأَرْجُوا أَنْ تَكُونُ مِنْهُمْ“ (متفق علیہ)

”جس نے کسی بھی چیز کا جوڑا اللہ کی راہ میں خرچ کیا اُسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائیگا۔“ جنت کے کئی دروازے ہیں، تو جو شخص (کثرت کیساتھ) نماز پڑھنے والوں میں سے ہوگا اُسے باب صلوٰۃ سے بلایا جائیگا، اور جو اہل صدقہ میں سے ہوگا اُسے باب صدقہ سے بلایا جائے گا، اور جو روزے درواں میں سے ہوگا اُسے ”باب رِیَاق“ (سیراب کر دینے والے دروازے) سے بلایا جائے گا، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: جو شخص لازمی طور پر ان تمام دروازوں سے بلایا گیا وہ تو بڑا ہی خوش نصیب ہے، تو کیا کوئی شخص جنت کے تمام دروازوں سے بھی بلایا جائیگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم بھی انہی میں سے ہو گے“ (متفق علیہ)

اس حدیث میں اشارہ ہے کہ ان خصلتوں میں ایک خصلت بھی اگر کسی شخص پر غالب ہو تو وہ جنتی ہے، لیکن یہ اس صورت میں جبکہ وہ دیگر خصلتوں کے خلاف نہ ہو، اور نہ ہی انہیں کمتر سمجھتا ہو۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے: ”إِنَّ اللَّهَ قَسَمَ اخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ أَرْزَاقَكُمْ“  
”بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اخلاق بھی اسی طرح تقسیم کیے ہیں جس طرح تمہارے رزق تقسیم کیے ہیں“

اور یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے مطابق ہوتی ہے، جسکے اسرار اسکے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس بات کی مزید وضاحت مؤرخین کی نقل کردہ ایک روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ عبد اللہ بن عبد العزیز العمری العابد نے امام مالک رحمہ اللہ کو خط لکھا، اور اس میں انہیں تعلیم و تعلم کی مصروفیات سے کٹ کر عمل و عبادت اور خلوت اختیار کرنے کی ترغیب دلائی۔

امام مالک رحمہ اللہ نے انہیں جوابی خط میں لکھا: بیشک جس طرح اللہ تعالیٰ نے رزق تقسیم کیا ہے اسی طرح اعمال بھی تقسیم کیے ہیں، کئی لوگوں پر نماز کا باب کھلتا ہے لیکن روزے کا باب نہیں کھلتا، بعض کو صدقہ دینے کی توفیق ملتی ہے لیکن روزوں کی توفیق نہیں ملتی، جبکہ بعض لوگوں پر جہاد کی راہیں کھلتی ہیں لیکن اُن پر نماز (لوافل وغیرہ) کا دروازہ نہیں کھلتا۔

اور میں جس علم کی نشر و اشاعت اور تعلیم میں مصروف ہوں، اس میں مشغولیت تمام اعمال صالحہ میں سب سے افضل و اشرف ہے، لہذا اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے جو دروازہ مجھ پر کھولا ہے میں اُس پر راضی ہوں، میں اپنی مصروفیت کو آپکی مصروفیت سے کمتر نہیں سمجھتا، اور مجھے امید ہے کہ ہم دونوں ہی خیر اور نیکی پر ہیں اور ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنی قسمت پر راضی رہے، والسلام۔

یہ ایک فقیہ عالم کا کلام ہے، اور یہی حقیقی فقہ و دانائی ہے۔

جنت کے آٹھ دروازے ہیں: ﴿

نماز کا دروازہ، صدقے کا دروازہ، جہاد کا دروازہ، روزے و روازاں کیلئے باب ریان، توبہ کا دروازہ، غصہ پی جانے والوں کا دروازہ، تقدیر پر راضی رہنے والوں کا دروازہ و انہیں ہاتھ والا دروازہ جس کے ذریعے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو گئے اور ان میں سے ہر ہزار کیساتھ ستر ہزار اور بھی ہو گئے۔

ایک روایت کے مطابق ہر شخص کیساتھ ستر ہزار دیگر افراد بھی ہو گئے۔ (اسے حافظ فتح الباری میں ذکر کیا)

ان تمام دروازوں کے یہ نام امام نوویؒ نے شرح مسلم میں ذکر کیے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اشراق کی نماز پڑھنے والوں کیلئے باب الضحیٰ (اشراق کا دروازہ) ہوگا، جیسا کہ سیوطی نے الحاوی (۴۳/۱) میں لکھا، دیکھئے (۲۱۵۲۱)

اور ابو درداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دروازہ اُن لوگوں کیلئے بھی ہے جو کثرت کیساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، ایسے لوگ جنت میں داخل ہو گئے۔

(الزهد للأمام أحمد (۱۶۹))

اس حوالے سے تفصیل کیلئے دیکھئے راقم کی شرح مشکوٰۃ ((الحق الصریح)) (۷۰۲/۱)۔  
 اور اس پر ہمارے بھائی ابو زہیر سیف اللہ حفظہ اللہ کے اضافات و حواشی کا مطالعہ کیجئے۔  
 ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے: وہ فرماتے ہیں:  
 جنت کے آٹھ دروازے ہیں: نماز پڑھنے والوں کا دروازہ، روزے درواں کا دروازہ، حج  
 کرنیوالوں کا دروازہ، عمرہ کرنے والوں کا دروازہ، مجاہدین کا دروازہ، ذکر کرنے والوں کا  
 دروازہ، صبر کو نیوالوں کا دروازہ اور شکر کرنیوالوں کا دروازہ۔ (المجاوی ۱۰۶/۲)  
 میرے خیال میں ان دروازوں میں سے بعض دروازے بعض میں داخل ہو سکتے ہیں  
 واللہ اعلم۔  
 (مثلاً ممکن ہے، صبر و شکر اور حج و عمرے کیلئے الگ الگ کی بجائے ایک ہی دروازہ ہو۔

(مترجم)



## ۱۳ - فائدہ

## افضل ترین اعمال اور اللہ کے ہاں محبوب ترین اعمال

افضل ترین لوگوں، اور اعمال کی معرفت

اس فائدے میں اُن اعمال کا بیان ہے جنہیں افضل ترین یا اللہ کے ہاں محبوب ترین قرار دیا گیا ہے، اسی طرح اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے افضل اور محبوب ترین ہیں۔

اس فائدے سے وہی لوگ لذت یاب ہو سکتے ہیں جو نور ایمان کے حامل اور اعمال صالحہ سے محبت رکھنے والے ہیں۔

۱۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ شَيْئًا أَفْضَلَ مِنَ الصَّلَاةِ، وَصَلَحِ ذَاتِ الْبَيْنِ وَخُلِقِ حَسَنٌ“ (الصحيحۃ (۱۴۴۸)

”ابن آدم نے کوئی بھی ایسا عمل نہیں کیا جو نماز، آپس کی اصلاح، اور حسن اخلاق سے افضل ہو“

۲۔ سفیان بن عیینہ سے روایت ہے، وہ ابن المنکدر سے روایت کرتے ہیں، اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مِنْ أَفْضَلِ الْأَعْمَالِ إِدْخَالُ السُّرُورِ عَلَى الْمُؤْمِنِ، تَقْضِي عَنْهُ دَيْنًا، تَقْضِي لَهُ حَاجَةً، تَنْفُسُ لَهُ ثُكْرَةً“

”کسی مؤمن کو خوش پہنچانا افضل ترین اعمال میں سے ہے، وہ اس طرح کہ آپ اُسکا

قرض ادا کرویں، اُسکی کوئی ضرورت پوری کر دیں، یا اُسکی کوئی پریشانی دور کر دیں، سفیان نے ابن المنکدر سے پوچھا: کیا کوئی ایسی چیز باقی ہے جسکے ذریعے انسان لذت پاسکے؟ تو انہوں نے جواب دیا: بھائیوں پر بھلائیاں نچھاؤں کرنا۔

(شعب الایمان للبیہقی الصحیحہ (۲۲۹۱))

۳۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کونسا شخص اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اور کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ، وَأَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ سُرُورٌ يُدْخِلُهُ عَلَى مُسْلِمٍ، أَوْ يُكْشِفُ عَنْهُ كُرْبَةً، أَوْ يَقْضِي عَنْهُ دَيْنًا، أَوْ تَطْرُدَ عَنْهُ جُوعًا وَلَآنَ أُمِّسَى فِي أَخٍ فِي حَاجَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتَكِفَ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ شَهْرًا“

”اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو لوگوں کیلئے سب سے زیادہ نفع مند ہو، اور اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل وہ خوشی ہے جو کوئی کسی مسلمان کو خوشی پہنچائے، یا اُسکی پریشانی دور کرتا ہے، یا اُسکا قرض ادا کرتا ہے، یا اُسکی بُھوک۔ اپنے کسی بھائی کی ضرورت پوری کرنے کیلئے چلنا مجھے اس مسجد (مسجد نبوی) میں ایک ماہ اعتکاف بیٹھنے سے زیادہ محبوب ہے“

(المعجم الكبير الطبرانی ۲۰۹/۳، یہ مکمل حدیث پہلی جلد ص نمبر پر گزر چکی ہے)

اور ابن ابی الدنیا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ أَنْ تُدْخِلَ عَلَى أَخِيكَ الْمُؤْمِنِ سُرُورًا، أَوْ تُقْضَى عَنْهُ دَيْنًا، أَوْ تُطْعَمَ خُبْزًا“ (صحيح الجامع (۱۰۹۶))

”افضل ترین عمل یہ ہے کہ تم اپنے کسی مؤمن بھائی کو خوشی پہنچاؤ، یا اُسکا قرض ادا کر دو، یا اُسے روٹی کھلا دو“ (صحیح الجامع (۱۰۹۶))



۴۔ ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
**”أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللَّهِ، وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ“**

(ابوداؤد، بخاری معلقاً)

”اللہ کیلئے محبت کرنا، اور اللہ کی خاطر نفرت کرنا افضل ترین عمل ہے“

○ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ایمان کی کوئی کڑی سب سے مضبوط ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

فرمایا: اللہ کیلئے دوستی، اور اللہ کیلئے دشمنی، اللہ کی خاطر محبت اور اللہ کی خاطر نفرت کرنا۔ (مسند احمد)

۵۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار ہوا:  
 اے اللہ کے رسول! تمام لوگوں سے افضل کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
**”كُلُّ مَخْمُومٍ الْقَلْبِ، صَدُوقِ اللِّسَانِ“** ہر وہ شخص جو مخموم (پاک صاف) دل، اور  
 سچی زبان رکھتا ہو۔ لوگوں نے کہا: زبان کے سچے سے تو ہم آگاہ ہیں یہ مَخْمُومُ الْقَلْبِ  
 کیا ہے؟ فرمایا: **الْتَّقَى لَا إِلَهَ فِيهِ وَلَا بَغْيَ، وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ** اللہ سے ڈرنے والا  
 پاک و صاف دل جس میں کوئی گناہ، بغاوت کینہ اور حسد نہ ہو۔ لوگوں نے پوچھا: اسکے بعد  
 کس کا درجہ ہے؟ فرمایا: **”الَّذِي يَشْنَأُ الدُّنْيَا وَيُحِبُّ الْآخِرَةَ“** وہ شخص جو دنیا سے  
 نفرت اور آخرت سے محبت کرتا ہے۔ لوگوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد  
 کردہ غلام ابورافع کے علاوہ ہم کسی کو ایسا نہیں جانتے۔

پھر لوگوں نے پوچھا: اسکے بعد کس کا درجہ ہے؟ فرمایا: **”مُؤْمِنٌ فِي خُلُقِي حَسَنٍ“** وہ  
 مومن جو اچھے اخلاق کا مالک ہے“ (ابن ماجہ ۴۲۱۶)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے: **”أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الدُّعَاءُ“**  
**”دُعا افضل ترین عبادت ہے“**

(مستدرک حاکم، صحیح الجامع (۱۱۲۲) الصحیحہ (۱۵۷۹)

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

”أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَخِدَّةُ، ثُمَّ الْجِهَادُ ثُمَّ حَجَّةُ بَرَّةٍ تَفْضُلُ سَائِرَ الْأَعْمَالِ كَمَا بَيَّنَّ مَطْلَعُ الشَّمْسِ إِلَى مَغْرِبِهَا“

(طبرانی عن ماعز، صحیح الجامع (۱۰۹۱))

”اکیلے اللہ پر ایمان لانا افضل ترین عمل ہے، پھر جہاد، اور اسکے بعد حج مبرور افضل ترین اعمال ہیں باقی اعمال کے مقابلے میں انکی فضیلت ایسے ہی ہے جیسے مشرق و مغرب کا درمیانی فاصلہ“

(طبرانی نے اسے ماغررضی اللہ عنہ سے روایت کیا، دیکھئے صحیح الجامع (۱۰۹۱))

○ ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نماز کو اُسکے وقت پر پڑھنا“ میں نے کہا: پھر کونسا؟ فرمایا: والدین کیساتھ حسن سلوک کرنا“ میں نے کہا: پھر کونسا؟ فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔

ابو مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ باتیں بتلائیں، اور اگر میں مزید پوچھتا تو آپ مزید بتلاتے۔ (متفق علیہ)

جبکہ ترمذی میں، نماز کو اول وقت پر پڑھنے“ کے الفاظ ہیں، جنہیں اَلْبَانِی رحمہ اللہ نے صحیح الجامع میں صحیح قرار دیا ہے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:

”أَفْضَلُ عِبَادِ اللَّهِ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْعَمَادُونَ“

”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سب سے افضل وہ ہونگے جو کثرت کیساتھ اُسکی حمد بیان کرتے ہیں“ (طبرانی)

اور مسند احمد میں یہ حدیث کچھ ان الفاظ کیساتھ منقول ہے:

”إِغْلَمْ أَنَّ خَيْرَ عِبَادِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْحَمَّادُونَ“

”جان لو! بیشک قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہونگے جو کثرت کیساتھ اسکی حمد (تعریف) بیان کرتے ہیں“

(مسند احمد (۴/۴۳۴)، دیکھئے الصحیحہ (۱۵۸۴))

○ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سوال کیا: تمام لوگوں سے افضل کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آدمی جو اپنی جان اور مال کیساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے، پھر اسکے بعد وہ مؤمن جو کسی گھائی میں اپنے رب کی عبادت بجالاتا ہے، اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھتا ہے“ (صحیح بخاری، الصحیحہ (۱۵۳۱))

ہم نے پہلی جلد کے فائدہ نمبر (۱۵) میں اُن اشخاص کا تذکرہ کیا ہے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین بندے قرار دیا ہے، مثلاً وہ شخص جس سے خیر و بھلائی کی امید کی جائے، اور لوگ اُسکے شر سے خود کو محفوظ سمجھیں، اور وہ شخص جسے دیکھنے سے اللہ یاد آجائے، اور وہ شخص جسکے کان اللہ تعالیٰ لوگوں کی تعریف سے بھر دے، اور وہ شخص جسکے ساتھ لوگ بلا کسی مالی مفاد کے محبت رکھتے ہوں۔

اسکی تفصیل کیلئے سابقہ جلد کے مذکورہ فائدے کی طرف رجوع کیجئے۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: اللہ پر ایمان لانا، اُسکی تصدیق کرنا، اور اُسکی راہ میں جہاد کرنا، اُس شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس سے آسان عمل پوچھنا چاہتا ہوں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبر اور سخاوت کا مظاہرہ کرنا۔

اُس شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اس سے بھی آسان عمل پوچھنا چاہتا ہوں۔

فرمایا: ”اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے متعلق جس چیز کا بھی فیصلہ کر دے اس میں اللہ تعالیٰ کو

الزام مت دو“ (مسند احمد (۳۱۸/۵) اسکی سند صحیح ہے، دیکھئے الصحیحہ (۳۳۳۳))

ایک اور صحیح حدیث میں ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
 [أَلَا أُتْبِعُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ وَأَرْكَائِهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ وَأَرْفَعَهَا لِي ذَرَجَاتِيكُمْ  
 وَخَيْرَ لَكُمْ مِنْ إِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَدِيقِ، وَخَيْرُ لَكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوًّا  
 فَتَضْرِبُوا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوا أَعْنَاقَكُمْ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ أَقَالَ: ذِكْرُ  
 اللَّهِ“ (رواہ مالک وابن ماجہ (۳۷۹۰) وصححه الشيخ)

”کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتلاؤ جو تمہارے اعمال میں سب سے بہتر، تمہارے لیے بادشاہ  
 (اللہ تعالیٰ) کے نزدیک سب سے پاکیزہ، تمہارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرے اور  
 اور تمہارے لیے سونا چاندے خرچ کرنے سے بھی بہتر ہے، اور اس سے بھی بہتر ہے کہ تم  
 دشمن سے لکڑاؤ اور پھر اُنکی گردنیں اڑاؤ اور وہ تمہاری گردنیں اڑائیں؟“

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: جی ہاں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ضرور بتلائے آپ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا ذکر“

(موطا امام مالک، ابن ماجہ (۳۷۹۰) شیخ الکبانی نے اسے صحیح قرار دیا)

عبد اللہ بن ہبسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے ارشاد فرمایا: ”طُوبَى لِمَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ“  
 ”اس شخص کیلئے خوشخبری ہے جسکی عمر لمبی اور عمل اچھا ہو“

پھر اُس نے کہا: اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کونسا عمل افضل ہے؟  
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أَنْ تَفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانَكَ رَطْبٌ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ].

”تم اس حال میں دنیا کو خیر باد کہو کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو“  
 (مسند احمد، ترمذی، یہ حدیث صحیح ہے)

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کونسا مسلمان سب سے بہتر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ“

”جو کسی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں“ (متفق علیہ)

○ ابو دردآء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں اُس عمل کی خبر نہ دوں جو روزے، صدقے اور نماز سے بھی افضل ہے؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ“

”باہمی تعلقات کی اصلاح کرنا، اور آپس کا بگاڑ تو (دین کو) موٹھ دینے والی چیز ہے“ (ترمذی ابوداؤد، مشکوٰۃ یہ حدیث صحیح ہے)

ایک حدیث میں آتا ہے: [عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْخُلُقِ وَطَوْلِ الصُّمْتِ، قَوْلِ الدِّيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا] (أبو يعلىٰ باسناد صحيح)

”اچھے اخلاق اور طویل خاموشی کو لازم پکڑو، اُس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میرے جان ہے! ان دونوں اعمال جیسا عمل تمام مخلوق نہیں کیا“

○ علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا، اور منافق سے دشمنی رکھنا افضل ترین عمل ہے“ (التمہیہ ۱/۹۷)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی، اور ابتدا کرتے ہوئے آپ کا ہاتھ تھام لیا، اور کہا: اے اللہ کے رسول! نجات کیسے ممکن ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[ يَا عَقْبَةُ! اخْوَسْ لِسَانَكَ وَلْيَسَعَكَ بَيْعُكَ وَابْنُكَ عَلَى خَطِيئَتِكَ ]

اے عقبہ! اپنی زبان کو گئی کرلو، اپنے گھر کو اپنے لیے وسیع سمجھو، اور اپنی غلطیوں پر

آنسو بہاؤ پھر ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ملے تو آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا، اور فرمایا: اے عقبہ! کیا میں تمہیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن عظیم میں نازل ہونے والی تین بہترین سورتیں نہ سکھاؤں؟ کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کر لے۔ (ضرور سکھائیے)

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ تیس سورتیں پڑھائیں :

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔

پھر فرمایا: اے عقبہ! انہیں مت بھلانا، اور کوئی رات انہیں پڑھے بغیر مت گزارنا۔

عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کہی تب سے میں انہیں نہیں بھولا، اور میں نے کبھی کوئی رات انہیں پڑھے بغیر نہیں گذاری۔

پھر ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا، اور ابتدا کرتے ہوئے میں نے آپکا ہاتھ تھام لیا، اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے فضیلت والے اعمال کی خبر دیجئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَأَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ وَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ ظَلَمَكَ“

”جو تم سے قطع تعلق کرے تم اُس سے تعلق جوڑو، جو تمہیں محروم رکھے تم اُسے عطا کرو، اور جو تم پر ظلم کرے اُس سے اعراض کرو۔“

(مسند احمد، تفسیر ابن کثیر (۴/۷۳۹)، اسکی سند صحیح ہے)

ایک حدیث میں آتا ہے:

”لَيْسَ شَيْءٌ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ اللَّهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ وَالتَّوْبَتَيْنِ: قَطْرَةٌ دُمُوعٍ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ

وَقَطْرَةٌ دَمٍ تُهْرَاقُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَأَمَّا الْاَلْتَرَانِ فَالتَّوْبَةُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالتَّوْبَةُ

فَرِيضَةٌ مِنْ فَرَائِضِ اللَّهِ تَعَالَى“

[رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ: حَدِيثٌ حَسَنٌ وَهُوَ كَذَلِكَ وَذَكَرَهُ النَّوَوِيُّ فِي رِيَاضِ

الصَّالِحِينَ)

ترجمہ: اللہ کے ہاں دو بارشوں اور دو نشانوں سے زیادہ محبوب ترین چیز کوئی نہیں ایک بارش تو وہ جو خشیت الہی سے آنسوؤں کی صورت میں اترتی ہے اور دوسری بارش خون کی صورت جو اللہ کے راستے میں بہہ جائے۔ ایسے ہی دو نشانات میں ایک وہ جو اللہ کے راستے میں (جسم پر) لگ گیا اور دوسرا وہ جو اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضہ کی بجا آوری کرتے ہوئے لگا (مثلاً سخت سردی میں ٹھنڈی پانی سے وضو کرنا اس نشان کا سبب بنا، یا گرم جگہ پر سجدہ کرنے سے پیشانی جل جائے اور نشان بن جائے یا کوئی دوسری تکلیف جو فرائض کی ادائیگی کے دوران اپنا اثر چھوٹ جائے وغیرہ)

ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا اور اسکے راستے میں جہاد کرنا۔ میں نے کہا: کونسا غلام آزاد کرنا سب سے افضل ہے؟ فرمایا: جو اپنے مالکوں کو زیادہ پسند ہو اور جسکی قیمت زیادہ ہو۔ میں نے کہا: اگر میں ایسا نہ کر سکوں؟ فرمایا: کسی کام کر نیوالے کی مدد کر دو، یا جسے کام کرنا ہی نہیں آتا اُسے کام کر دو، میں نے کہا: مجھے بتلائیے کہ اگر میں کوئی عمل کرنے سے در ماندہ ہو جاؤں تو پھر؟ فرمایا: لوگوں کو اپنے شر سے بچاؤ، یہ تمہارا خود اپنے اوپر صدقہ ہوگا۔ (متفق علیہ)

اس حوالے سے اور بھی بہت سی احادیث ہیں تفصیل کیلئے ریاض الصالحین مشکوٰۃ اور شعب الایمان کی طرف مراجعت کیجئے۔



## ۱۴ - فائدہ

## کم وقت میں زیادہ نیکیاں سمیٹیں

اگر آپ کم وقت میں زیادہ نیکیاں سمیٹنا، اور قیامت کے دن نیکیوں کے حوالے سے امیر ترین بننا چاہتے ہیں تو مندرجہ ذیل اعمال کو اپنائیے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، یہ ایسا فائدہ ہے جسکا مزہ صرف زندہ اور روشن دل رکھنے والے احباب ہی محسوس کر سکتے ہیں۔

لہذا اگر آپ بھی روشن اور زندہ دل رکھتے ہیں تو مندرجہ ذیل اعمال کو اپنی ڈاڑھوں کیساتھ مضبوطی سے تمام لیں:

۱۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مَنْ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ حَسَنَةً“ (صحیح الجامع (۶۰۲۶) وسندہ حسن)

”جو شخص مومن مردوں اور مومن عورتوں کیلئے استغفار کرے، اللہ تعالیٰ پر مومن اور مومنہ کے بدلے اُسکے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے“

(صحیح الجامع (۶۰۲۶)، اسکی سند حسن ہے)

اب اندازہ لگائیے کہ جو شخص تمام زندہ فوت شدہ مومنین و مومنات کیلئے استغفار کرے، وہ کتنی نیکیاں کمالے گا؟ اربوں نیکیاں یا اس سے بھی زیادہ؟

۲۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص بازار میں داخل ہوا، اور اور یہ کلمات کہے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ



وَهُوَ حَتَّى لَا يَمُوتَ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“

(اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہ، اکیلا ہے اُسکا کوئی شریک نہیں، اسی کیلئے حقیقی بادشاہت اور اُسی کیلئے تمام تعریفیں ہیں، وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے، اور وہ زندہ ہے اُسے کبھی موت نہ آئیگی، اُس کے ہاتھ میں تمام بھلائیاں ہیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) جو یہ کلمات کہے اُسکے لیے اللہ تعالیٰ دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے، اور اُس سے دس لاکھ گناہ مٹا دیتا ہے، اور اُسکے دس لاکھ درجے بلند کرتا ہے، اور اُسکے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیا جاتا ہے۔ (مستدرک حاکم، مسند احمد، صحیح الجامع (۲۰۹۳/۲))

اسکی سند حسن ہے، اور جس نے اسے ضعیف قرار دیا ہے انکی بات درست نہیں، جبکہ امام شوکانی نے تحفۃ الذاکرین، اور مہا کپوری نے مرعاة (۱۸۳/۸) میں اسے حسن قرار دیا) ○ محمد بن واسع رحمہ اللہ نے تہیہ رحمہ اللہ سے کہا: میں تمہارے لیے ایک تحفہ لایا ہوں، اور پھر انہیں یہ حدیث سنائی، اور وہ قافلے کیساتھ سوار ہو کر بازار سے دروازے پر جاتے اور یہ کلمات پڑھ کر واپس آ جاتے۔ (مستدرک حاکم ۵۳۸/۱) سلف صالحین کا طرز عمل دیکھئے کہ انہیں نیکیاں کمانے کا کس قدر شوق ہوا کرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے انکے حوالے سے کیسی سچی بات فرمائی ہے:

﴿رَجَالٌ لَا تُلْهِهُمُ بَيْعَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾ (النور/۳۷)

”وہ لوگ جنہیں اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ کوئی تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت، وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں (خوف و گھبراہٹ کے سبب) اُلٹ جائیں گی۔“

لہذا جب بھی آپ کسی بازار میں جائیں تو یہ دُعا ضرور پڑھیں، کتنے ہی لوگ اس عظیم نعمت سے غافل رہتے ہیں۔

اے اللہ! ہماری کوتاہیاں بخش دیجئے۔!

۳۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہونٹ ہلاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا: اے ابو امامہ! کیا پڑھ رہے ہو؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اللہ کا ذکر کر رہا ہوں۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ ذکر نہ بتلاؤں جو تمہارے دن و رات کے تمام ذکر اذکار سے افضل اور زیادہ ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بتلائیے۔

(اور ایک روایت میں یوں ہے: کیا میں تجھے وہ چیز نہ بتلاؤں کہ اگر تم اُسے پڑھ لو تو پورے دن و رات میں دیگر اذکار کے ذریعے اُسکے مقام کو حاصل نہیں کر سکتے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اور اسی کے مثل مُبَحَّانُ اللہ کا ذکر کیا کرو، یہ دو کلمے خود بھی سیکھو، اور اپنے بعد اپنی آل و اولاد کو بھی سکھاؤ۔

(المعجم الكبير للطبرانی (۳۳۸/۸)، ابن حبان (۱۱۲/۳) اسکی سند صحیح ہے) یہ چھوٹا سا عمل ہے لیکن پورے دن و رات کے ذکر سے بہتر ہے، تمام تعریفیں اُس کیلئے ہیں جس نے اپنے بندوں کیلئے آسانیاں پیدا فرمائی ہیں۔

۴۔ قرآن مجید کی قرأت کرنا بھی بہت زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اُسکے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ اَلتَمَ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، اور میم ایک حرف ہے، اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے“ (اسے اہل سنن نے روایت کیا)

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

”اِقْرَؤُوا الْقُرْآنَ فَاِنَّكُمْ تُوْجَرُونَ عَلَيْهِ اَمَّا اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ (اَلَمْ) حَرْفٌ وَلٰكِنْ اَلِفٌ عَشْرٌ وَّلَامٌ عَشْرٌ، وَمِمَّنْ عَشْرٌ فَبِلَکَ ثَلَاثُونَ“

(صحیح الجامع (۱۶۴))

”قرآن مجید کی قراءت کیا کرو، کیونکہ اس پر تمہیں اجر دیا جاتا ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ (الم) ایک حرف ہے، بلکہ الف دس (نیکوں کے مساوی) ہے، اور لام دس (نیکوں کے مساوی) ہے، اور میم دس (نیکوں کے مساوی) ہے لہذا یہ تمہیں (نیکیاں) ہو گئیں“

مثلاً جو شخص پوری سورۃ آل عمران پڑھے اسکے لیے ایک لاکھ پینتالیس ہزار دو سو نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، کیونکہ اس سورت میں چودہ ہزار پانچ سو بیس حروف ہیں۔

۵۔ ام ہانسی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں بوڑھی اور کمزور ہو چکی ہوں لہذا مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیں جو میں بیٹھے بیٹھے کر سکوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سو مرتبہ **سُبْحَانَ اللَّهِ** کہو، یہ تمہارے لیے اولاد و اسماعیل میں سے سوغلام آزاد کرنے کے برابر ہوگا، اور سو مرتبہ **اَلْحَمْدُ لِلَّهِ** کہو، یہ تمہارے لیے زین اور لگام سمیت سو گھوڑوں پر آئندہ کی راہ میں (مجاہدین کو) سوار کرانے کے مساوی ہوگا، اور سو مرتبہ **اللَّهُ أَكْبَرُ** کہو، یہ تمہارے لیے قلاوہ پہنائی ہوئی سو مقبول اونٹنیوں کی قربانی کے برابر ہوگا، اور سو مرتبہ **لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہو۔

(ابن خلف کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں آپ نے فرمایا) یہ کہنے سے آسمان وزمین کی درمیان وسعت نیکوں سے بھر جائیگی، اور اس دن کسی کا عمل بھی تم سے زیادہ بہتر و برتر نہ ہوگا، سوائے اُس شخص کے جو تمہاری طرح یہ کلمات پڑھے“

(مسند احمد (۶/۳۳۴) الصحیحۃ (۳/۳۰۳))۔

۶۔ عمرو بن شعیب اپنے والد سے، اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح و شام سو سو مرتبہ سبحان اللہ کہا، گویا اُس نے سو حج کیے، اور جس نے صبح و شام سو سو مرتبہ **اَلْحَمْدُ لِلَّهِ** کہا، گویا اُس نے اللہ کے راستے میں سو گھوڑوں پر سوار کرایا، یا فرمایا: سو غزوات میں حصہ لیا، اور جس نے صبح و شام سو سو مرتبہ **لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہا، گویا اُس نے اولاد و اسماعیل میں سے سوغلام آزاد کیے، اور جس نے صبح

وشام سو سو مرتبہ اللہ اکبر کہو، تو اس دن اس شخص سے زیادہ عمل کوئی نہ لاسکے گا، سوائے اس شخص کے جس نے اسکی طرح یہ کلمات کہے، یا اس سے بڑھ کر یہ کلمات کہے۔“

(ترمذی ۳۷۱۸ ۲) امام ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا، اسکی سند میں ضحاک بن حمزہ نامی راوی ہے، جسے ابن حبان، ابن شاہین، اسحاق اور ترمذی رحمہ اللہ نے ثقہ قرار دیا، اور امام دارقطنی نے قابل اعتبار کہا، جبکہ دیگر محدثین مثلاً امام بخاری، نسائی، ابن حجر، ابن معین اور ذہبی رحمہم اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا، اور ابن عدی نے کہا کہ اسکی احادیث حسن غریب ہوتی ہیں ”الکامل (۱۶۱۶)“، اور البانی نے ”الضعیفہ (۱۶۱۵)“ میں اسے ضعیف قرار دیا، لیکن اس میں انہوں نے بہت کم تحقیق کی ہے، یہ حدیث صاحب مشکوٰۃ (۲۰۲۱) نے بھی ذکر کی ہے، مبارکپوری مرعاۃ میں کہتے ہیں: اس حدیث میں ضحاک ہے جس پر کلام کیا گیا ہے میں کہتا ہوں: اس حدیث کی سند اگرچہ محقق علماء کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن ترمذی، الطحطاوی، ابن راہویہ، اور ابن شاہین کے ہاں حسن ہے، اور اسکی عمومی تائید سابقہ حدیث سے بھی ہوتی ہے، غور کیجئے۔

۷- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ فَيَوْمَ مِائَةِ مَرَّةٍ، كَانَتْ لَهُ عِدَّةُ عَشْرِ رِقَابٍ، وَكُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ، وَمُحِيتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ وَكَانَتْ لَهُ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَ ذَلِكَ حَتَّى يُمْسِيَ، وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِالْفَضْلِ مِمَّا جَاءَ بِهِ، إِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْهُ“ (متفق علیہ)۔

”جس شخص نے سو مرتبہ یہ کہا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ اُسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، اور اسکے لیے سو نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، اور سو گناہ معاف دیئے جاتے ہیں، اور یہ دُعا اسکے لیے صبح سے شام تک پورا دن شیطان سے بچاؤ کا باعث بن جاتی ہے، اور کوئی شخص بھی اس

سے زیادہ افضل عمل نہیں لاسکتا، سوائے اُس شخص کے جو اس سے زیادہ عمل کرے۔

یہ بھی اگرچہ چھوٹا سا عمل ہے لیکن اجر کے اعتبار سے بہت بڑا اور افضل ترین عمل ہے۔

۸۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا: ”کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ روزانہ ایک ہزار نیکیاں کمائے؟ تو آپ کے ساتھ بیٹھے ساتھیوں میں سے کس نے پوچھا: ہم میں سے کوئی شخص ہزار نیکیاں کیونکر کما سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سومرتبہ سبحان اللہ کہے، تو اُسکے لیے ایک ہزار نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، اور ایک ہزار گناہ معاف ہو جاتے ہیں“ (صحیح مسلم، بعض روایت میں، واؤ) اور بعض میں ”اُو“ آتا ہے، یعنی ایک ہزار گناہ معاف ہو جانے سے پہلے اور بھی ہے، اور بعض روایتوں میں ”یا“ بھی ہے، اللہ کا فضل بہت وسیع ہے)۔

یعنی آپ صرف پانچ منٹ میں اللہ کی توفیق سے ایک ہزار نیکیاں کما سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، ”وَلَدِ شَكَرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ“ اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے، یعنی باقی اعمال صالحہ سے بھی بڑا ہے۔

۹۔ اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس نے جمعے کے دن اپنے جسم کو دھویا اور غسل کیا، سویرے گھر سے نکلا اور جلدی کی، اور پیدل چل کر مسجد آیا سوار نہیں ہوا، امام کے قریب بیٹھا اور توجہ سے (خطبہ) سنا اور (خطبہ) و نماز کے دوران (کوئی لغو کام نہیں کیا، تو اُسکے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزوں اور ایک سال کی راتوں کے قیام کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے“

صحیح ابی داؤد ۷۰۱ (۳۴۵)۔

۱۰۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جس نے صبح و شام سومرتبہ ”سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ“ کہا، قیامت کے دن اُس سے افضل عمل کوئی بھی نہیں لایگا، سوائے اُس شخص کے جس نے اسکے مثل یا اس سے زیادہ یہ

کلمات پڑھے۔ متفق علیہ۔

۱۱۔ ابو داؤد نے ایک صحیح حدیث روایت کی ہے کہ جس شخص نے ہر فرض نماز کے بعد دس دفعہ سُبْحَانَ اللہ، دس دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، دس دفعہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا، اور سوتے وقت تینتیس ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللہ، اور اتنی ہی دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، اور چونتیس ۳۴ دفعہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا، اُسکے لیے اڑھائی ہزار نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں (مشکوٰۃ ۱-۲۱۱)۔

۱۲۔ نماز اشراق کے دور کعتیں تین سو ساٹھ نیکیوں کے برابر ہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے، دیکھئے (مشکوٰۃ ۱-۱۱۶)۔

۱۳۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جس شخص نے ایمان کے حالات میں اللہ سے اجر کی امید پر کسی مسلمان کے جنازے کی پیروی کی یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھ کر اُسے دفن دیا گیا تو اُسکے لیے دو قیراط ثواب ہے، اور جو نماز پڑھ کر لوٹ آیا اُس کیلئے ایک قیراط ثواب ہے، اور ایک احد پہاڑ کے برابر ہے“ (صحیح بخاری)۔

یہ عظیم ترین اجر صرف تھوڑے سے عمل کا بدلہ ہے، اسی لیے جب ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث سنی تو فرمایا: ”ہم نے تو بہت سے قیراط ضائع کر دیئے“ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نیکیوں کے کس قدر حریص تھے۔

۱۴۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللَّهُ إِلَّا الطَّيِّبَ فَإِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُهَا بِمِثْنَيْهِ ثُمَّ يُرَبِّئُهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّئُ أَحَدَكُمْ فَلَوْهَ حَتَّى تَكُونَ أَعْظَمَ مِنَ الْجَبَلِ“ (متفق علیہ)۔

(جس شخص نے اپنی پاکیزہ کمائی میں سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا۔ اور اللہ تو صرف پاک چیزیں قبول کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس صدقے کو اپنے دائیں ہاتھ سے قبول کرتا ہے، اور اسے اسی پیار و محبت سے پالتا اور بڑھاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے

بچے کو پالتا ہے، یہاں تک کہ وہ صدقہ بڑھ بڑھ کر پہاڑ سے بھی بڑا ہو جاتا ہے)۔  
غور کیجئے کہ مجھوروں کا ایک پہاڑ کتنے درہم و دینار کے مساوی ہوگا، اگر کوئی اسے شمار کرنا  
چاہے تو کئی ماہ و سال میں بھی شمار نہیں کر سکتا۔ لہذا ہر مسلمان جو نیکیوں کی رغبت رکھتا ہے،  
اُسے چاہیئے کہ روزانہ کچھ نہ کچھ صدقہ ضرور کرے۔

بعض سلف صالحین روزانہ صدقہ کیا کرتے تھے اگرچہ ایک ایک ہی کیوں نہ ہو، تا کہ وہ  
اس عظیم اجر کے مستحق بن سکیں۔ (احیاء العلوم)۔

۱۵۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”صَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ“  
(مسجد الحرام میں ایک نماز باقی مساجد میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے)۔

اور صحیحین کی ایک حدیث میں آتا ہے:

صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا بِأَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔  
(میری اس مسجد میں ایک نماز دیگر مساجد کی ہزار نمازوں کے برابر ہے، سوائے مسجد  
الحرام کے)۔

لہذا مکہ و مدینہ کے باشندوں یا وہاں قیام پذیر لوگوں یا زائرین کو اس عظیم نعمت سے فائدہ  
اُٹھانا چاہیئے، کیونکہ یوں تو انسان پوری عمر میں بھی ایک لاکھ نمازیں شاذ و نادر ہی پڑھ سکتا  
ہوگا، جبکہ وہاں تو ایک دن بلکہ ایک نماز میں ہی یہ عظیم ثواب حاصل کر سکتا ہے اور اگر کوئی  
فحش مسجد الحرام میں سو نمازیں پڑھ لے تو گویا اُس نے ایک کروڑ نمازیں پڑھ لی ہیں۔ اللہ  
اکبر۔ لیکن کتنے ہی لوگ اس حوالے سے کوتاہی اور غفلت کا شکار ہیں حالانکہ نماز پوری دنیا  
اور اہل و عیال سے بھی ایک مؤمن کیلئے تو زیادہ قیمتی اور محبوب چیز ہوتی ہے۔

لیکن ہم جیسے لوگوں میں کہاں ایمان؟ اور کہاں احسان؟ اے اللہ ہمیں بخش دے اور معاف فرما۔

۱۶۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَ احْسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ“ (بخاری)۔

(جس نے ایمان کی حالت میں اجر کی نیت سے رمضان کا قیام کیا اسکے تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں)۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾۔  
(شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے)۔

لہذا جو شخص نماز، تلاوت، ذکر اذکار و دعاؤں اور صدقہ وغیرہ کے ذریعے شب قدر میں اللہ کی عبادت کرتا ہے، تو گویا اُس نے چوراسی سال اللہ کی عبادت کی، کیونکہ ہزار مہینے تقریباً ۸۴ سال کے مساوی ہیں، لہذا اس رات کو ضائع نہ کیجئے۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق آپ محرومین میں شمار ہو گئے، اور اگر آپ پوری رات بیدار رہنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو کم از کم کچھ حصہ ضرور بیدار رہیں۔

۱۷۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تم وضو کرو تو بسم اللہ والحمد للہ کہو، اس صورت میں فرشتے مسلسل اُس وقت تک تمہارے لیے نیکیاں لکھتے رہیں گے جب تک کہ تم اس وضو سے با وضو نہ ہو جاؤ“ (مجمع الزوائد ۲۲۰/۱ امام بیہقی نے اسکی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے الصغیر (۷۳) اور الأوسط میں روایت کیا ہے اور ان شاء اللہ اسکی سند حسن کے درجے پر پہنچتی ہے، کیونکہ اس میں عمرو بن ابی سلمہ راوی ہے، جو اگرچہ سچا ہے لیکن کچھ وہم کرتا ہے) ۱۸۔ پر مسلمان کو سلام کرنا خواہ آپ اُسے پہچانتے ہوں یا نہ پہچانتے ہوں، کیونکہ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ کہنے سے تمیں نیکیاں ملتی ہیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما اسی مقصد کیلئے بازار جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ طفیل بن ابی بن کعب نے اُن سے کہا ہمارے پاس ہی بیٹھے رہیے، ہم یہیں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں، کیونکہ بازار میں نہ آپ کچھ فروخت کرتے ہیں اور نہ ہی کچھ خریدتے ہیں۔

تو انہوں نے جواب دیا: اے ابوطن! ہم تو صرف سلام کرنے کیلئے بازار جاتے ہیں۔  
(الأذکار للنووی)



یہ مفت کی نیکیاں ہیں جو بلا کسی مشقت و کلفت کے حاصل کی جاسکتی ہیں، بخیل ترین شخص وہ ہے جو سلام میں بخل کرے، بعض مغرب و یورپ کے دلدادہ لوگوں کا یہ حال ہے کہ سلام کرنے کی بجائے دانت نکال کر ہیلو ہائے پر اکتفا کرتے، اور جو اباً دوسری طرف سے بھی دانتوں کی نمائش ہوتی ہے، گویا ایک کتا دوسرے کتے سے ملا ہو، اور اپنے نوکیلے دانت اُسے دکھا رہا ہو۔ (واللہ المستعان)

۱۹۔ انہی اعمال میں سے ایک جہاد بھی ہے، کیونکہ راہ جہاد میں ہر قدم پر نیکیاں ہی نیکیاں ہیں۔

۲۰۔ علم طلب کرنا بھی انہی اعمال کا حصہ ہے۔

۲۱۔ دعوت دین کا کام بھی نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔

۲۲۔ اور اگر آپ اپنے بستر پر لیٹے لیٹے ہی سابقین سے بھی آگے بڑھنا چاہیں، تو رخصت جل جلالہ کی محبت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں۔

۲۳۔ نماز بھی نیکیوں کی کثرت کا باعث ہے، کیونکہ جب کوئی بندہ نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو رحمت الہی سے اُس پر نیکیوں کا نزول ہوتا ہے۔

۲۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود شریف پڑھنا بھی بہت زیادہ نیکیوں اور بھلائیوں کا ایک سبب ہے، اور دُرود شریف کے چالیس سے زیادہ فوائد ہیں۔



## ۱۵ - فائدہ

## اللہ تعالیٰ کی لاتعداد نعمتیں اور ان کی شکر کا بیان

اللہ تعالیٰ کی ہم پر بے حد و حساب احسانات اور لاتعداد نعمتیں ہیں، اور عنقریب ہم سے ان نعمتوں کے متعلق سوال بھی ہوگا: ﴿ثُمَّ لَنَسْأَلَنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ (التكاثر/۸) پھر اس دن تم سے نعمتوں کی بابت ضرور سوال کیا جائیگا۔

لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ان نعمتوں کا شکر ادا کر کے اس سوال کا جواب تیار کر لے، لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ شکر کی حقیقت کیا ہے؟ اور ایک بندہ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر سکتا ہے، خصوصاً جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کتاب و حکمت سے نوازا ہو۔ اُسے تو سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ لہذا اس فائدے میں شکر کی حقیقت اور اسکے عمل طریق کار پر بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنْ اشْكُرْ لِلَّهِ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ (لقمان/۱۲)

(اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی کہ اللہ کا شکر کرو، اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کیلئے شکر کرتا ہے، اور جو ناشکری کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ بھی بے پروا اور سزاوارحرم (وٹا) ہے۔)

اس آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر عموماً اور حکمت پر خصوصاً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے، اور سب سے بڑی حکمت اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، کیونکہ وہ سب

سے بڑے حکیم و دانا اللہ رب العزت کی طرف سے نازل شدہ ہے۔  
شکر کے سات ارکان ہیں:

- (۱) شکر گزار کا مشکور سے دلی محبت کرنا۔
- (۲) - اسکی نعمتوں پر ہر وقت اسکی تعریف و توصیف کرنا۔
- (۳) - اسکی نعمتوں کا اعتراف کرنا۔
- (۴) - ان نعمتوں کو اسکی رضامندی کے کاموں میں استعمال کرنا۔
- (۵) - اسکی عبادت و خدمت کرنا۔
- (۶) - شاکر کو مشکور کیلئے خضوع و انکساری اختیار کرنا۔
- (۷) - ان نعمتوں کو اسکے ناپسندیدہ کاموں میں استعمال نہ کرنا۔

(محاسن التاویل للقاسمی، عدة الصابرين لابن قیم (۱۴۹)

قرآنی آیات، احادیث نبوی اور آثار سلف سے ان تمام امور کی وضاحت ہوتی ہے، لہذا ہم انکی روشنی میں مندرجہ بالا امور کی قدرے وضاحت کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ (ابراہیم/۷)

(اگر تم شکر کرو گے تو یقیناً میں تمہیں مزید دوں گا، اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا

عذاب بہت شدید ہے۔)

سورہ ابراہیم میں اس بات کے اشارے موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرنا ہی اسکا شکر ادا کرنا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾ (بنی اسرائیل/۳)

(اے اُن لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے نوح کیساتھ (کشتی میں) سوار کیا! بے شک وہ

بہت شکر گزار بندہ تھا)۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نوح علیہ السلام جب بھی کچھ کھاتے اللہ کی تعریف کرتے، جب بھی کچھ پیتے اللہ کی حمد کرتے، اور جب بھی کچھ پکڑتے تو اللہ کی حمد بیان کرتے، لہذا اللہ تعالیٰ نے انکی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾ بے شک وہ بہت شکر گزار بندہ تھا، لہذا ہمیں بھی ہر موقع پر اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنۢ أَرَادَ أَنۡ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا﴾ (الفرقان/۶۲)

(اور وہی (اللہ) ہے جس نے ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے رات اور دن بتائے اس شخص کی نصیحت کیلئے جو نصیحت پکڑنا چاہے یا شکر کرنا چاہے)۔

یہاں شکر سے مراد عبادت ہے۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام رات کو اس قدر طویل قیام فرماتے کہ آپ کے پاؤں مبارک سورج جاتے، اور جب ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں پھر بھی آپ اس قدر مشقت اٹھاتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟۔ (متفق علیہ)

ایک حدیث میں آتا ہے:

«دو خصلتیں جس میں پائی جائیں اللہ تعالیٰ اُسے صابر و شاکر لکھ دیتا ہے، اور جس میں نہ پائیں جائیں اُسے صابر و شاکر نہیں لکھتا: جو شخص اپنے دین کے حوالے سے خود سے بہتر شخص کو دیکھتا اور اُسکی قدا کرتا ہے اور اپنی دنیا کے حوالے سے خود سے کمتر شخص کو دیکھتا اور اللہ تعالیٰ نے اُسے اُس شخص پر جو برتری دی ہے، اس پر اللہ کی حمد بیان کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے صابر و شاکر لکھ دیتا ہے، اور جو شخص دین میں خود سے کمتر اور دنیا میں خود سے برتر کی طرف دیکھتا ہے اور اپنی دنیاوی کمتری پر افسوس کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے صابر و شاکر نہیں لکھتا»۔

(اس حدیث کی سند پر مُفَسِّی بنُ صَبَّاح کی وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے اور ابن مبارکؒ نے اسے اسی سند سے روایت کیا ہے، دیکھئے ”غَدَّةُ الصَّابِرِینَ“ (۱۳۶)۔)

بخاری و مسلم کی ایک حدیث ہمیں سابقہ حدیث سے مستغنی کر دیتی ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَنْظُرُوا اِلٰی مَنْ هُوَ اَسْفَلُ مِنْكُمْ، وَلَا تَنْظُرُوا اِلٰی مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، لِئَلَّا اُجْدَرُ اَنْ لَا تَزْدَرُوا بِعَمَّةِ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ﴾

(دنیاوی طور پر) اپنے سے کمتر کی طرف دیکھو، اور خود سے برتر لوگوں کی طرف مت دیکھو، یہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تم اُن نعمتوں کو حقیر نہ سمجھنے لگو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھیں ہیں۔

نیز صحیح مسلم اور ترمذی کی ایک حدیث میں آتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَیَرُضٰی عَنِ الْعَبْدِ اَنْ یَّكُلَ الْاُكْلَةَ فِیْحَمْدَهُ عَلَیْهِ وَیَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فِیْحَمْدَهُ عَلَیْهَا﴾

(بے شک اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی یہ بات پسند ہے کہ وہ ایک لقمہ کھائے تو اُس پر بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے، اور ایک گھونٹ پیئے تو اُس پر بھی اللہ کی تعریف کرے)۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر کوئی نعمت نچھاور کرتا ہے، اور وہ بندہ یہ لیتا ہے کہ یہ نعمت اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کیلئے اُس نعمت کا شکر لکھ دیتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا کوئی بندہ گناہ پر نادم ہے تو استغفار کرنے سے پہلے ہی اُسے معاف فرما دیتا ہے، اور جب کوئی شخص ایک دینار کے عوض کوئی لباس خریدتا ہے، اور اُسے پہننے وقت کی تعریف کرتا ہے، تو وہ لباس اسے گھٹنوں تک پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اُسے بخش دیتا ہے (کتاب الشکر لابن ابی الدنیا، اسکی سند پر اعتراض ہے)

حسن بصریؒ فرماتے ہیں :

”ان نعمتوں کا کثرت کیسا تھ تذکرہ کیا کرو، کیونکہ ان کا ذکر کرنا بھی شکر ہے۔“

اور کئی احادیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر کوئی نعمت

فرماتا ہے تو اُس پر اُسکا اثر بھی دیکھنا چاہتا ہے، گویا یہ لسانِ حال کیساتھ اللہ کا شکر ہے۔

قاضی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو شخص دلی طور پر اللہ کی نعمتوں کو پہنچانے، اور زبان سے اسکی تعریف کرے، تو خاموش ہونے سے پہلے ہی وہ ان نعمتوں میں اضافہ ہوتا دیکھے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾

اگر تم شکر کرو گے تو یقیناً میں تمہیں مزید دوں گا۔

اور فرمایا: ”ان نعمتوں کو بیان کرنا بھی انکا شکر ادا کرنے کی ایک قسم ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ﴾ (العادیات: ۶)

”بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے“ (العادیات: ۶)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

انسان کی ناشکری یہ ہے کہ نعمتوں کو فراموش کر دیتا ہے اور مصیبتوں کو شمار کرتا رہتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جہنم میں عورتوں کی اکثریت ہوگی اور اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں، جب تم کسی عورت پر احسان کرتے رہو اور پھر تمہاری ایک بات بھی اُسے بُری لگے تو وہ کہے گی: میں نے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں پائی۔

تو جب خاوند کی ناشکری اتنا سنگین جرم ہے تو اُس شخص کے متعلق کیا کہیے گا جو مسلسل اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہو؟۔

عبد اللہ بن سلام رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

اے میرے پروردگار! وہ شکر کیا ہے جو تیری شان کے لائق ہو؟ فرمایا: تمہاری زبان ہمیشہ میرے ذکر سے تر رہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کیساتھ ابوالخلد سے روایت کرتے ہیں، ابوالخلد کہتے ہیں کہ میں نے داؤد علیہ السلام کے سوالوں میں یہ سوال بھی پڑھا: اے میرے پروردگار! میں تیرا شکر کیونکہ ادا کر سکتا ہوں، کیونکہ تیرے شکر کی توفیق بھی تو میری ہی نعمت ہے؟ تو انکے پاس

وحی آئی: اے داؤد! کیا تم یہ نہیں جانتے کہ تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں وہ میری طرف سے ہیں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، اے میرے پروردگار! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہاری طرف سے بطور شکر اس بات پر راضی ہوں۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

”اَلْتَحَدَّثُ بِالنِّعْمَةِ شُكْرًا وَتَرُكُهَا كُفْرًا وَمَنْ لَا يَشْكُرِ الْقَلِيلَ لَا يَشْكُرِ الْكَثِيرَ، وَمَنْ لَا يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ وَالْجَمَاعَةُ بَرَكَةٌ وَالْفُرْقَةُ عَذَابٌ“ (آخر جہ ابن ابی الدنیا باسناد صحیح)۔

نعمت کا تذکرہ بھی شکر ہے، اور تذکرہ نہ کرنا ناشکری، اور جو شخص کم پر شکر یہ نہیں کرتا وہ زیادہ پر بھی نہیں کر سکتا، اور جو لوگوں کا شکر ادا کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا، جماعت باعث برکت اور دھڑے بندی عذاب ہے۔

(ابن ابی الدنیا نے اسے صحیح سند کیساتھ نقل کیا)۔

مسعر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے آل داؤد سے فرمایا:

إِعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا“ (سبا/۱۳)

اے آل داؤد! شکرانے کے طور پر (نیک) عمل کرو۔

تو اسکے بعد ہر وقت اُن میں سے کوئی نہ کوئی نماز پڑھ رہا ہوتا تھا۔

ایک حدیث میں آتا ہے: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اسکے اہل، مال یا اولاد کے حوالے سے کسی نعمت سے نوازے، اور وہ بندہ ”مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ کہے، تو وہ موت کے سوا ان میں کوئی آفت نہیں دیکھے گا۔

(اسے ابو یعلیٰ اور ابن کثیر نے روایت کیا (۱۱۵/۳)، اور اسکی سند کمزور ہے، دیکھئے:

ضعیف الجامع (۵۰۲۸)، عمل الیوم واللیلۃ لابن اسنی (۳۵۷)۔

داؤد علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا: اے میرے پروردگار! میں تیرا شکر کیونکر ادا کر سکتا ہوں، کیونکہ تو ہی مجھے نعمتیں عطا فرماتا ہے، اور پھر تو ہی مجھے ان پر شکر کی توفیق دیتا

ہے، اور پھر ایک نعمت کے بعد (شکر کے نتیجے میں) دوسری نعمت سے نوازا تا ہے، نعمت بھی تیری طرف سے ہے اور شکر بھی، پھر بھلا میں تیرا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد! اب تم نے مجھے پہچان لیا ہے (الزهد للإمام أحمد رحمہ اللہ)۔

○ ابو الخلد رحمہ اللہ کہتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! میں تیرا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں، جبکہ میرے تمام اعمال بھی تیری چھوٹی سے چھوٹی نعمت کا بدل نہیں ہو سکتے؟ تو اُن پر وحی اتری: اے موسیٰ! اب تم نے میرا شکر ادا کیا ہے۔

عبد الملك بن مروان کا قول ہے:

کسی بندے نے ایسے کلمات نہ کہے ہونگے جو اللہ کے نزدیک ان کلمات سے زیادہ محبوب اور شکر گزاری والے ہوں:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْعَمَ عَلَيْنَا وَهَدَانَا لِلْإِسْلَامِ:

تمام تعریفیں اُس اللہ کیلئے ہیں جس نے ہم پر انعام کیا اور اسلام کی طرف ہماری رہنمائی کی۔  
حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! آدم تیری ان نعمتوں کا شکر کیونکہ ادا کر سکتا ہے کہ تو نے اپنے ہاتھ سے اُسے تخلیق کیا، اپنی روح سے اُس میں روح پھونکی، اپنی جنت میں اُسے بسایا، اور فرشتوں سے اُسے سجدہ کروایا؟ م تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! اُس نے جن لیا تھا کہ یہ سب کچھ میری طرف سے ہے، اور اُس نے ان نعمتوں پر میری تعریف، کی لہذا اُسکی یہی بات میری نعمتوں کا شکرانہ بن گئی۔

○ مخلد بن حسین رحمہ اللہ کہتے ہیں:

کہا جاتا ہے کہ گناہ چھوڑ دینا بھی شکر میں شامل ہے۔

○ ابو حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”كُلُّ نِعْمَةٍ لَا تَقْرُبُ مِنَ اللَّهِ فَهِيَ بَلِيَّةٌ“

ہر وہ نعمت جو انسان کو اللہ کے قریب نہ کر دے، ایک مصیبت ہے۔

○ زاذان رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے: ہر صاحبِ نعمت پر واجب ہے کہ اُس نعمت کے



ذریعے اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

میرے ہاں مومن کیلئے خیر ہی خیر ہے، وہ اُس وقت بھی میری تعریف کرتا ہے جب میں اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان سے اُسکی رُوح قبض کر رہا ہوتا ہوں۔

○ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے امید ہے کہ دو چیزوں کے درمیان کوئی بندہ ہلاک نہ ہوگا: وہ نعمت جس پر وہ اللہ کی تعریف کرے، اور وہ گناہ جس پر استغفار کرے۔

ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں: مجھے بعض علماء سے یہ بات پہنچی ہے، وہ فرماتے ہیں: ”يُنْبِئُنِي لِلْعَالِمِ أَنْ يُحَمِّدَ اللَّهَ عَلَى مَا زَوَى عَنْهُ مِنْ شَهَوَاتِ الدُّنْيَا كَمَا يَحْمَدُهُ عَلَى أَعْطَاهُ، وَأَيُّنَ يَقَعُ مَا أَعْطَاهُ اللَّهُ وَالْحِسَابَ يَأْتِ مَا عَافَاهُ اللَّهُ وَلَمْ يَسْخَلْ بِهِ فَيَسْغُلْ قَلْبُهُ وَيَتَعَبُ جَوَارِحُهُ فَيَشْكُرُ اللَّهَ عَلَى سُكُونِ قَلْبِهِ وَجَمْعِ هَمِّهِ“

”ایک عالم کو چاہیے کہ جس طرح وہ دنیاوی نعمتوں پر اللہ کی تعریف کرتا ہے اسی طرح جو شہوات دنیا اللہ تعالیٰ نے اُس سے سمیٹ لی ہیں اُن پر بھی اللہ کی حمد کرے، کیونکہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اُسے دی ہیں اور کل انکا حساب بھی ہوتا ہے، انکی اُس عافیت کے مقابلے میں کیا حیثیت ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے دے رکھی ہے، اور اُسے اُن خواہشات میں لگن ہونے سے بچالیا ہے جو اسکے دل کو مشغول اور اعضاء کو تھکا دینے والی ہیں؟ لہذا اسے اپنے دل کے پرسکون ہونے اور خیالات کے مجتمع ہونے پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے“

ابو حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انسان کی دونوں آنکھوں، کانوں، ہاتھوں، پاؤں، پیٹ اور شرمگاہ پر شکر واجب ہے۔ آنکھوں کا شکریہ ہے کہ اگر ان کے ذریعے بھلائی دیکھو تو اُسکا اعلان کرو، اور برائی دیکھو تو اُسے چھپا دو، اور کانوں کا شکریہ ہے کہ اگر اُن سے خیر و بھلائی کی بات سُنو تو اُسے یاد رکھو، اور اگر کوئی بیہودہ و بُری بات سُنو تو اُسے دفع کر دو، ہاتھوں کا شکریہ ہے کہ انکے ذریعے کوئی ناجائز چیز نہ پکڑو، اور ان میں اللہ کا حق نہ روکو، پیٹ کا شکریہ ہے کہ اُسکے نیچے کھانا اور اوپر علم

ہو، شرمگاہ کا شکریہ ہے کہ بیوی اور لونڈی کے علاوہ سے اسکی حفاظت کی جائے، اور قدموں کا شکریہ ہے کہ اگر تم کسی قابل رشک میت کو جان لو تو اس جیسے اعمال میں انہیں استعمال کرو، اور اگر کسی میت پر تم ناراض ہو تو اس جیسے اعمال سے بچو (۱)۔

اگر مذکورہ اعمال بجالاؤ گے تو تم شکر گزار ہو، اور وہ شخص جو زبانی کلامی تو شکر کرتا ہے لیکن اپنے تمام اعضاء کے ذریعے شکر بجا نہیں لاتا اسکی مثال اُس شخص کی سی ہے جسکے پاس ایک چادر ہے، لیکن اُس نے اُسے اوڑھنے کی بجائے اسے مارہ پکڑ رکھا ہے، تو کیا صرف کنارہ پکڑنے سے وہ سردی، گرمی، بارش اور برف باری سے بچ سکتا ہے؟“

○ نجاشی ایک دن بوسیدہ لباس پہن کر زمین پر بیٹھ گئے تو جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں اپنے نبی کی نصرت فرمائی ہے، جبکہ عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے یہ بات نازل فرمائی: اللہ اللہ کے بندوں پر یہ بات حق ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ انہیں کوئی نئی نعمت عطا فرمائے تو وہ اللہ کی خاطر مزید تواضع پیدا کریں، لہذا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی نصرت فرمائی تو میں نے اللہ کی خاطر یہ تواضع کیا۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی خوشخبری آتی تو اللہ عز و جل کا شکر بجالاتے ہوئے فوراً سجدے میں گر جاتے۔ (مسند احمد)

(۱) کیونکہ زبان طلق نفاذ خدا ہوتی ہے، لوگ جس پر رشک کریں وہ اچھا آدمی اور لوگ جسے بُرا سمجھیں وہ برا ہے، اس معنی کی احادیث اور انکی وضاحت گذشتہ صفحات پر گذر چکی ہیں، البتہ یہاں یہ سوال ہے کہ زعمہ اور میت میں کیوں فرق کیا گیا؟ شاید اس لے کہ زعموں کی خوبیاں بعض اوقات رقابت کی وجہ سے تسلیم نہیں کی جاتیں، بلکہ زعم کی اور موجودگی بھی شاید ایک عیب ہے انسان کے جانے کے بعد ہی اسکی قدر معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ کسی نے کہا درجائے تو بدھ جاتی ہے انسان کی قیمت زعمہ رہے تو جینے کی سزا دیتی ہے دنیا (مترجم)

نئی نعمت حاصل ہونے پر سجدہ شکر کی متعدد احادیث آتی ہیں جنکا تذکرہ ہم نے فتاویٰ الدین الخالص کی پانچویں جلد میں کیا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے ”عدة الصائرين“ میں دائمی نعمتوں کی بجائے نئی نعمتوں پر سجدہ شکر کی حکمت بیان فرمائی ہے، لہذا اسکی طرف رجوع کیجئے، ”عدة الصائرين“ (۱۳۷) اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ بعض کتابوں میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا: میرے مؤمن بندے کو خوشیاں پہنچاؤ، تو جب بھی اُسے کوئی خوشی پہنچتی تو الحمد للہ ماشاء اللہ، کہتا۔

پھر اللہ تعالیٰ حکم دیا: میرے مؤمن بندے کو مصائب و کالیف کے ذریعے پچھاڑ دو، تو جب بھی اُس پر کوئی ناپسندیدہ بات ظاہر ہوتی تو وہ الحمد للہ الحمد للہ ہی کہتا۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: جس طرح میرا بندہ خوشیاں پہنچانے پر میرے تعریف کرتا تھا اس طرح دکھوں اور مصائب پر بھی میری تعریف میں رطب اللسان ہے، لہذا ہر حال میں میری تعریف کرنے پر میرے بندے کو میرے عزت والے گھر میں داخل کر دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! افضل ترین شکر کیا ہے فرمایا: افضل ترین شکر یہ ہے کہ تم ہر حال میں میرا شکر ادا کرو۔

○ بکر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

میں نے اپنے ایک بھائی سے کہا: مجھے وصیت کیجئے! تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا کہوں سوائے اسکے کہ اس بندے کو حمد و استغفار سے ہرگز نہیں اکتانا چاہئے کیونکہ ابن آدم ہمیشہ گناہ اور نعمت کے درمیان ہوتا ہے، اور نعمت حمد و شکر کے بغیر درست نہیں ہوتی، جبکہ گناہ کی اصلاح استغفار و توبہ کے بغیر نہیں ہوتی۔

بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

انہوں نے اس نصیحت کے ذریعے میرے علم میں بے انتہا اضافہ فرمایا۔

○ سہم بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھ سے کسی نے بیان کیا ہے کہ جب کوئی شخص

کھانے کے آغاز میں بسم اللہ پڑھے اور اللہ کا ذکر کرے، اور اختتام پر اللہ کی حمد بیان کرے، تو اس کھانے کی نعمت پر اس سے سوال نہیں ہوگا۔

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دُعا یاد کی:  
 ”اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي أَكْثَرَ شُكْرِكَ وَأَكْثَرَ ذِكْرِكَ وَاتَّبِعْ نَصِيحَتِكَ وَأَحْفَظْ وَصِيَّتَكَ“

(اے اللہ! مجھے ایسا بنادے کہ میں تیرا بہت زیادہ شکر کروں، اور کثرت کیساتھ تیرا ذکر کروں، تیری نصیحت کی پیروی کروں، اور تیری وصیت کی حفاظت کروں) (مشکوٰۃ ۱/۲۲۰)  
 اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: بیدار ہو کر زندگی بسر کرو، اپنے لیے اچھے دوست تلاش کرو، ہر وہ دوست جو میری خوشی کے کاموں پر تمہاری موافقت نہ کرے اُسکے ساتھ مت رہو، کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہے جو تمہارے دل کو سخت کرنا چاہتا ہے، اور کثرت کیساتھ میرا ذکر کرو یہاں تک کہ شکر کرے مستحق اور مزید نعمتوں کے حقدار بن جاؤ۔

(الزهد للإمام أحمد)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص صبح کو یہ دُعا پڑھے:

”اللَّهُمَّ مَا أَصْبَحَ بِي مِنْ نِعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ فَالْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ“

(اے اللہ! میں نے اور تیری مخلوق میں سے کسی نے بھی جن نعمتوں کیساتھ صبح کی ہے، وہ تمام تجھ اکیلے کی طرف سے ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، لہذا تیرے لئے ہی تمام تعریفیں، اور تیرے لیے ہی تمام تر شکر ہے)

تو یہ دُعا پڑھنے والے نے اُس دن کا شکر ادا کر دیا، اور جس نے شام کو یہ دُعا پڑھی اُس نے اُس رات کا شکر ادا کر دیا“ (یہ روایت مشکوٰۃ میں ہے اور اسکی سند میں تھوڑا کلام ہے)

اور صحیح الجامع (۵۵۶۲) میں اس روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

مَا أُنْعَمَ اللَّهُ عَلَى عَبْدٍ نِعْمَةً فَحَمْدُ اللَّهِ عَلَيْهَا إِلَّا كَانَ ذَلِكَ الْحَمْدُ أَفْضَلَ

”مِنْ بِلَکَ النِّعْمَةِ“ جب بھی اللہ تعالیٰ کسی بندے پر کوئی نعمت فرماتا ہے اور وہ بندہ اس پر اللہ کی تعریف کرتا ہے، تو اُسکی یہ تعریف اُس نعمت سے افضل ہوتی ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

مَا أُنْعَمَ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى عَبْدٍ نِعْمَةً فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ، إِلَّا كَانَ الَّذِي أُعْطِيَ أَفْضَلَ مِمَّا أَخَذَ

(جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کوئی نعمت عطا فرمائے اور بندہ الحمد للہ کہے، تو اُس بندے نے جو چیز دی، وہ اُس سے افضل تھی جو اُس نے لی۔)

(ابن السنی وغیرہ نے اسے روایت کیا اور یہ حدیث صحیح ہے)

وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تمام نعمتوں کا سرچشمہ تین نعمتیں ہیں: سب سے پہلی نعمت اسلام ہے جسکے بغیر کوئی نعمت نعمت نہیں، اور دوسری نعمت عافیت ہے جسکے بغیر زندگی میں کوئی راحت نہیں، اور تیسری نعمت غنی ہے جسکے بغیر زندگی کا لطف مکمل نہیں ہوتا۔

سعید الجریوی رحمہ اللہ جب سیرج سے لوٹے تو کہنے لگے: اللہ تعالیٰ نے اس سفر میں ہم پر فلاں فلاں نعمتیں ہیں، اور پھر فرمایا: نعمتوں کو شمار کرنا بھی انکار شکر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب آپ آئینہ دیکھتے تو فرماتے:

”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَنِي فَأُحْسِنُ خُلُقِي وَخَلَقَنِي وَزَانَ مِثْقَالَ مِثْقَالٍ مِنْ

غَيْرِي“

(تمام تعریفیں اُس اللہ کیلئے جس نے مجھے پیدا فرمایا، اور میرا اخلاق اور شکل و صورت اچھی بنائی، اور مجھے اُن چیزوں میں خوبصورتی سے نوازا جن میں دوسروں کو بدصورتی دی۔) (اسے بیہقی اور ابن ابی الدیانا نے روایت کیا، اور اسکی سند میں مقال ہے، لیکن آئینے کے

ذکر کے بغیر یہ حدیث صحیح ہے دیکھئے الارواء)۔

○ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص کسی جتلے مصیبت شخص کو دیکھے اور یہ دعا پڑھے ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَالَمَانِیْ  
مِمَّا ابْتَلَاکَ بِهِ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا“

(تمام تعریفیں اُس اللہ کیلئے ہیں جس نے اُس آزمائش سے عافیت دی جس میں تجھے جتلا  
کیا، اور مجھے اپنی مخلوق میں سے بہت سے لوگوں پر فضیلت دی تو اس موقع پر یہ دعا پڑھنے  
والے نے اس نعمت کا شکر ادا کر دیا)

(اسے بیہقی اور طبرانی نے روایت کیا دیکھئے مجمع الزوائد (۱۳۸/۱۰) اور ہیثمی نے  
اسے حسن قرار دیا، اسی سند میں ”العمری“ ہے جو اگرچہ سچا ہے لیکن اسکا حافظہ کمزور ہے)  
اس سے زیادہ صحیح حدیث ترمذی کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ ”اس شخص پر وہ آزمائش نہیں  
آئیگی خواہ کیسی ہی ہو“ (البانی رحمہ اللہ اسے صحیح قرار دیا)

کسی عالم کا قول ہے: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی نعمتوں کے ادراک سے تقصیر کو ہی  
بطور شکر قبول فرمایا، اگر تم اسکی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے، اور پاک ہے وہ  
ذات جس نے اپنی معرفت سے تقصیر کو ہی ایمان قرار دیا۔

○ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جس شخص میں تین خصلتیں ہوں، اللہ تعالیٰ اُسکے لئے جنت میں ایک گھریا کر دیتا ہے:  
جس شخص کی پناہ کاہ ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ ہو، اور جب اُسے کوئی مصیبت پہنچے تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا  
اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ“ پڑھے، اور جب اُسے کچھ عطا کیا جائے تو ”الحمد للہ“ کہے، اور جب  
گناہ کرے تو ”اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ“ کہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بندوں پر اللہ تعالیٰ کے دو قسم کے حقوق ہیں جو کبھی اُن سے جدا نہیں ہوتے: اللہ تعالیٰ کے  
اوامر و نواہی کہ جو بندوں پر اللہ کا حق ہیں اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرنا۔  
اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے یہی دو چیزیں چاہتا ہے کہ وہ اسکی نعمتوں پر شکر ادا کرے، اور  
اُسکے احکامات کی تعمیل کرے۔

اور احساس رکھنے والے پر واجب ہے کہ ہمیشہ اپنی کمی و کوتاہی کا احساس کرے اور یہ بات جان لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مغفرت کا محتاج ہے اور اگر وہ بندہ اپنی کوتاہیوں پر اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے ذریعے انکا تدارک نہ کرے تو وہ ہلاک ہو جائیگا، اور جب بھی کوئی شخص اللہ کے دین کو صحیح معنی میں سمجھتا ہے اور جس قدر اسکی فہمیت بڑھتی ہے تو اس قدر اسکے دل میں واجبات اور اپنی کوتاہی کا احساس بڑھتا چلا جاتا ہے، دین صرف اس بات کا نام نہیں ہے کہ ظاہری محرمات کو ترک کر دیا جائے، بلکہ اسکے ساتھ اُن اور کو بجالانا بھی ضروری ہے جو اللہ کو محبوب ہیں مثلاً جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اور اللہ، اسکے رسول، اسکے کتاب اور اسکے دین کی سچی خیر خواہی وغیرہ۔

لیکن عمل تو دور کی بات ہے ہمارے بہت سے دین داروں کے وہم و گمان میں یہ خیال تک نہیں آتا کہ یہ کام بھی کرنے ہیں، یاد رکھئے کہ جو شخص مذکورہ واجبات کو ترک کر دے وہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور سب سے کم دیندار سمجھا جاتا ہے اگرچہ وہ اتنا بڑا زاہد ہو کہ پوری دنیا ترک کر دے، اور دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جنکا چہرہ اللہ کی خاطر غصے سے سُرخ ہو جائے..... آھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مشاہدہ کرنے سے انسان کے دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے اعمال ان نعمتوں کے مقابلے میں کچھ نہیں لہذا انسان اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے اور ہمیشہ اللہ کے حقوق کا احساس رکھتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں (یعنی نعمتوں کا مشاہدہ اور واجبات کا احساس) جب کسی بندے کو حاصل ہو جائیں تو وہ اللہ کی رحمت کے انتہائی قریب ہو جاتا ہے۔

سابقہ احادیث و اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل چیزیں شکر میں شامل ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرنا، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ﴾ (النحل ۵۳)

(اور تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے)

۲۔ ان پر اللہ کی تعریف کرنا

- ۳۔ کثرت سجدہ، نماز اور دیگر اعمال صالحہ کے ذریعے اللہ کی عبادت کرنا بھی شکر ہے۔
- ۴۔ نعمت کو اللہ کی رضا جوئی میں استعمال کرنا، اور اسکے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرنا۔
- ۵۔ ہمیشہ اللہ کا ذکر کرنا۔
- ۶۔ ہر نئی نعمت پر اللہ کیلئے تواضع اختیار کرنا۔
- ۷۔ اگر وہ نعمت لوگوں کے ذریعے سے ملی ہے تو لوگوں کا شکر ادا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے شکر میں داخل ہے۔
- ۸۔ دین کے معاملے میں اپنے سے برتر اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے کمتر کی طرف دیکھنا بھی شکر ہے۔
- ۹۔ نعمت کا اظہار کرنا، اور اس کا تذکرہ کرنا
- ۱۰۔ نعمتوں کو شمار کرنا۔
- ۱۱۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نعمتوں کو پہنچانے میں کوتاہی کا اعتراف کرنا۔
- ۱۲۔ اس بات کا اعتراف کرنا کہ یہ تمام نعمتیں محض اللہ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہیں، ورنہ یہ بندہ تو انتہائی کمزور و ناتواں اور حقیر و ذلیل ہے، یہ بھلا ان نعمتوں کا حقدار کیونکر ہو سکتا تھا۔ جب تک کوئی بندہ اس بات کا اعتراف نہ کرے، وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہیں ہو سکتا۔
- ۱۳۔ اللہ تعالیٰ سے کامل اور شدید محبت کرنا، کیونکہ اسکے بغیر شکر مکمل نہیں ہوتا۔
- ۱۴۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہنا، اور اس کی طرف سے آنے والی آزمائشوں پر اعتراض نہ کرنا، کیونکہ اعتراض کرنے والے کو ناشکر کہا گیا ہے۔
- ۱۵۔ ان تمام نعمتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا، خواہ کسی کے ذریعے سے ملی ہوں، یا بلا واسطہ، کیونکہ جو شخص کسی نعمت کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے وہ شاکر نہیں بلکہ وہ تو ضعیف الیقین ہے۔
- اسی لیے بعض سلف صالحین فرماتے ہیں: شکر یہ ہے کہ عاجزی و انکساری کیساتھ اللہ تعالیٰ



کی نعمتوں کا اعتراف کیا جائے۔

جبکہ بعض کہتے ہیں: بحسن کی تعریف کرتے ہوئے اُسکے احسانات کا تذکرہ کرنا شکر ہے۔  
بعض کا کہنا ہے: ہمیشہ بحسن کی حرمت کا پاس رکھنا اور اسکی نعمتوں کا احساس کرنا شکر ہے۔  
جنید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: شکر یہ ہے کہ آپ اپنے نفس کو اُس نعمت کا اہل نہ سمجھو۔

(الاحیاء ۳/۷۳)

کسی دانا کا قول ہے: جس نے نعمت کو چھپایا اُس نے اُسکی ناشکری کی، اور جس نے اُسے ظاہر کیا، اُس نے اسکا شکر ادا کیا۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شکر کی حقیقت یہ ہے کہ بندے کی زبان پر اللہ کی تعریف، دل میں نعمتوں کا اعتراف و احساس، اور اعضاء کے ذریعے مکمل اطاعت و انقیاد ہو، اور جس طرح محبوب چیزوں پر شکر کیا جاتا ہے، اسی طرح ناپسندیدہ چیزوں پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، وہ اس طرح ناپسندیدہ چیزوں پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، وہ اس طرح کہ ان چیزوں کو اللہ کا حکم سمجھ کر اُن پر راضی ہے اور پھر ان پر اللہ کا شکر بھی ادا کرے۔

(مدارج السالکین ۲/۲۴۴)

لہذا ہر مومن کو چاہئے کہ اپنے حقیقی کو پہنچانے اور اسکا شکر ادا کرنے کی سعی کرے، کیونکہ شکر ایمان کے اعلیٰ ترین مقامات میں سے ہے، بلکہ شکر تو نصف ایمان ہے، اور ایمان کی تقویت کا باعث بھی ہے، جبیر کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ“ (النساء/۱۴۷)

”اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دیکر کیا کرے گا“

یہاں اللہ تعالیٰ نے شکر کا تذکرہ ایمان سے پہلے کیا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی ظاہری و باطنی نعمتوں پر غور و فکر کرتا ہے، تو اسکے دل میں اللہ تعالیٰ کیلئے شکر گزاری پیدا ہوتی ہے، اور شکر کرنے سے ایمان پیدا ہوتا ہے، اور انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی

معرفت و محبت سے سرشار ہو جاتا ہے۔

کتاب اللہ پر غور و فکر کیجئے، اس میں آپکو ہر بیماری کی شفا مل جائیگی۔

”اللَّهُمَّ اعْنِي عَلَيَّ ذِكْرَكَ وَشُكْرَكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ“

اے اللہ! اپنے ذکر و شکر اور اچھی عبادت پر میری مدد فرما۔“

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ بِعَمَلِكَ الْيُسَى الْعَمْتُ عَلَى وَعَلَى وَالِدَيَّ، وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ، وَأَصْلِحْ لِي فِي دِينِي إِلَى تَبْتَ إِلَيْكَ وَإِلَى مِنَ الْمُسْلِمِينَ“

(اے میرے رب! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جو تو پسند کرے اور تو میرے لے میری اولاد میں اصلاح کر، بیشک میں نے تیرے طرف توبہ کی اور بلاشبہ میں مسلمانوں میں سے ہوں) اس قرآنی دعا میں اشارہ ہے کہ عمل صالح بھی شکر میں شامل ہے۔



## ۱۶ - فائدہ

## خوش بختی و بد بختی کی علامات

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور محیط علم کی بنیاد پر تمام بندوں کی تقدیر لکھ دی ہے، اور یہ تقدیر ”اُمُّ الْكِتَاب“ میں لکھی جا چکی ہے، اور پھر ماں کے پیٹ میں دوبارہ لکھی جاتی ہے، جیسا کہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں ہر بچے کے اعمال، عمر، رزق، بد بختی اور خوش بختی لکھ دی جاتی ہے..... الحدیث۔

لیکن ایک بات طے ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے، وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ ہی اپنے بندوں پر احسان فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وَمَارَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ“ (حم سجدہ/ ۴۶)  
 ”اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں“

اور اللہ تعالیٰ نے اگر کسی بندے کیلئے بد بختی لکھ دی ہے تو اس کا سبب بھی بندے ہی کے بُرے اعمال ہوتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ازل سے باخبر ہے، لہذا اس میں اللہ پر کوئی الزام نہیں، اول تا آخر بندہ خود ہی اس کا ذمہ دار ہے، اگر کوئی بندہ بد بختی کے اسباب اختیار نہ کرے اور اپنے رب کی طرف رجوع و انابت کرے، دُعا و التجا اور عاجزی و انکساری اپنائے، اور جلوت و خلوت میں اللہ کی عبادت اور اس کی رضا جوئی کا متلاشی ہو، تو یہ بات اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رحمت بے کراں سے بعید ہے کہ اسکے باوجود اس بندے کو بد بخت اور سوا کرے۔

یہاں خوش بختی و بد بختی کے اسباب تحریر کیے جا رہے ہیں، تاکہ آپ اس میزان میں اپنے

آپ کو قول کر اندازہ لگائیں کہ آپ کے قدم خوش بختی کی طرف اُٹھ رہے ہیں یا بد بختی کی طرف؟ اللہ تعالیٰ ہمیں بد بختی سے بچائے۔ آمین۔

۱۔ آنکھوں کا جمود، یعنی اللہ کے خوف سے آنسو نہ بہانا۔

۲۔ دل کی بختی، یعنی اللہ کے ذکر اور اس کی کتاب کیلئے نرم نہ ہونا۔

۳۔ لمبی لمبی امیدیں۔

۴۔ دنیا کی حرص۔

یہ چاروں چیزیں بد بختی و شقاوت کا سبب ہیں، اس حوالے سے ایک حدیث بھی ہے جسے مندری نے، ترغیب، میں ضعیف سند کیساتھ ذکر کیا ہے، دیکھئے

[الضعیفہ ۴/ ۱۵۲۲]

ایک دانا کا قول ہے: گیارہ خصلتیں بد بختی کی علامت ہیں۔

۱۔ مال جمع کرنے کا حریص ہونا۔

۲۔ دنیاوی لذات و خواہشات کا شوقین ہونا۔

۳۔ بیہودہ گواہ اور باتونی ہونا۔

۴۔ نمازوں میں سست ہونا۔

۵۔ بُرے لوگوں کی صحبت اختیار کرنا اور حرام و مشتبہ چیزیں کھانا۔

۶۔ بد اخلاق ہونا۔

۷۔ متکبر و مغرور ہونا۔

۸۔ اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ نہ پہنچانا۔

۹۔ مسلمانوں پر مہربان نہ ہونا۔

۱۰۔ بخیل ہونا۔

۱۱۔ موت کو فراموش کر دینا۔ دیکھئے (التنبیہ ۱/ ۲۰۸)

○ سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ابن آدم کیلئے اللہ نے جو فیصلے کیے ہیں، اُن پر راضی ہو جانا اُسکی خوش بختی و سعادت ہے، اور ابن آدم کی بد بختی میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اللہ سے استخارہ کرنا چھوڑ دے، اور اللہ کے فیصلوں پر اُس سے ناراضی ہونا بھی بد بختی و شقاوت ہے“  
(اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا، اسکی سند میں محمد بن ابی حمید ہے جس پر کچھ اعتراض ہے، لیکن حافظ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا دیکھئے: [الضعیفہ ۱۹۰۶])

ایک حدیث میں آتا ہے:

”چار چیزیں خوش بختی کی علامت ہیں: نیک بیوی، کشادہ گھر، اچھا پڑوس، اور آرام دہ سواری، اور چار چیزیں بد بختی کی علامت ہیں: بُرا پڑوس، بُری بیوی، تنگ گھر، (روایت یہاں تک ہی ہے، شاید راوی چوتھی چیز کا تذکرہ کرنا بھول گیا جو کہ ست واژیل سواری ہو سکتی ہے)

ابن حبان نے اسے روایت کیا، دیکھئے: (الصحيحۃ ۲۸۲/۱)  
کسی دانا کا قول ہے: گیارہ خصلتیں خوش بختی کی علامت ہیں:

۱۔ دنیا سے بے رغبت اور آخرت میں راغب ہونا۔

۲۔ عبادت اور تلاوت قرآن کا شوقین ہونا۔

۳۔ بلا ضرورت زیادہ بات چیت نہ کرنا۔

۴۔ نمازوں کی حفاظت کرنا۔

۵۔ چھوٹی بڑی تمام چیزوں میں حرام سے پرہیز کرنا۔

۶۔ صالحین کی صحبت اختیار کرنا۔

۷۔ تواضع و انکساری اپنانا۔

۸۔ سخاوت و فیاضی کا مظاہرہ کرنا۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر مہربان ہونا۔

۱۰۔ لوگوں کو نفع پہنچانا۔

۱۱۔ موت کو یاد رکھنا۔

بعض سلف صالحین فرماتے ہیں:

”چار باتیں کسی شخص کیلئے خوشی بخشتی کی علامت ہیں: اسکی بیوی نیک ہو، اولادِ حسن سلوک کرنے والی ہو، دوست اچھے ہوں، اور اسکا رزق اسکے اپنے شہر میں ہو۔“  
(اس قول کو بعض نے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے لیکن وہ سخت ضعیف ہے)

(الضعیفہ ۷۵۹/۲)

اہل حق کا مذاق اڑانا، اور انکے نیک اعمال پر استہزاء کرنا بھی بد بخشتی اور ایمان و ہدایت سے تہی دستی کا ایک قوی سبب ہے، سورہ المؤمنون میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر ہنسنے اور انکا مذاق اڑانے والوں کا تذکرہ کیا ہے کہ جب وہ جہنم میں جائیں گے تو کہیں گے: ”زَيْنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا مَقِشَتُوْنَا“ (اے ہمارے رب! ہماری بد بخشتی ہم پر غالب آگئی) (دیکھئے سورہ المؤمنون آیت نمبر ۱۰۶ تا آیت نمبر ۱۱۰)

کتاب اللہ کیساتھ ہنسنے تعلق بھی سعادت کا ایک بڑا سبب ہے، فرمایا:

﴿ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ ﴾ (طلہ / ۲)

(ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مصیبت میں پڑ جائیں)

﴿ فَمَنِ اتَّبَعَ هٰذَاى فَلَآ يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴾ (طلہ / ۱۲۳)

(تو جس نے میرے ہدایت کی پیروی کی، تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ بد بخشتی میں پڑے گا)

○ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”جس نے کتاب اللہ کی تعلیم حاصل کی، اور پھر اسکے احکامات کی پیروی کی، وہ نہ تودنیا

میں گمراہ ہوگا اور نہ ہی آخرت میں بد بخت۔“ (مشکوٰۃ)

کسی شخص کا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اسکی طرف اتنا بت میں مشغول رہنا بھی سعادت و خوش بخشتی کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَدْعُوا رَبِّي عَسَىٰ أَنْ لَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا﴾ (مریم ۴۸)

”(ابراہیم علیہ السلام نے کہا) اور میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں، امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ رہوں گا“

اللہ تعالیٰ کی آیات اور قرآن نصیحتوں سے اعراض کرنا، اور انہیں توجہ نہ دینا بھی بہت بڑی بد بختی اور کم نصیبی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى﴾ (الأعلى ۱۱۱-۱۲)

(اور انتہائی بد بخت ہی اس سے دور رہے گا جو بہت بڑی آگ میں جایگا)

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کے بے حرمتی بھی بد بختی کا باعث ہے۔ ”إِذِ الْبُعْثَ أَشْقَاهَا“ (الشمس)

(یہ صالح علیہ السلام کی قوم کا بد بخت تھا جس نے اللہ کی اونٹنی کو قتل کیا)

جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

”کسی شخص کی خوش بختی ہے کہ اسکی عمر طویل ہو، اور اللہ تعالیٰ اُسے انا بت کی توفیق بخشے“

(مسند أحمد (۳۳۲/۳) متدرک حاکم (۱۲۵/۳))

○ ایوب سختیانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کسی نو مسلم اور عجمی کی خوش بختی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اہل سنت میں سے کسی صالح آدمی کے صحبت نصیب فرمائے۔

حدیث میں آتا ہے: اچھا اخلاق انسان کیلئے سعادت اور بُرا اخلاق و شقاوت کا پیش خیمہ ہے (الکنز (۵۰، ۳۷)، مسند الشہاب (۱۹۹/۲))۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے: کسی شخص کے خوش بخت ہونے کیلئے یہ بات کافی ہے کہ وہ

اپنے دین کے معاملے میں قابل اعتماد ہو (مسند الشہاب: ۳۰۵/۲)۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ”اپنے دین و دنیا کے معاملے میں قابل اعتماد ہو“ (الکنز

(۴۳۴۷۰))۔

○ علیؑ کا بیان ہے: رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق سوال ہوا: ﴿يَمْنَحُو اللَّهَ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ﴾ (الرعد ۳۹)۔  
(اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، اور (جو چاہے) ثابت رکھتا ہے، اور ان کے پاس اصل کتاب ہے)۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں تجھے انتہائی خوش کر دینے والی بات بتاتا ہوں: تم میرے بعد میری امت کو بھی یہ خوشخبری سنا دیتا: درست جگہ پر صدقہ دینا، والدین کیساتھ حسن سلوک کرنا اور بھلائی کے کام کرنا بد بختی کو خوش بختی سے بدل دیتا ہے، اور عمر میں اضافے کا باعث ہے“ (کنز العمال (۴۴۴۳)، (۴۴۴۵)۔

اس حدیث کی کئی اسانید ہیں جن میں سے صحیح ترین وہ ہے جس کو ابو نعیم نے (الحلیہ ۱۳۵/۶) میں روایت کیا ہے، اسکی سند میں أوزاعی کا شاگرد ابراہیم ہے، جو اہل شام سے ایک بزرگ ہیں، اور کہا گیا ہے کہ وہ مجہول ہیں)۔

ایک حدیث میں آتا ہے: ”إِنَّ الْفَاقَةَ لِأَصْحَابِي سَعَادَةٌ، وَإِنَّ الْغِنَى لِلْمُؤْمِنِ فِي آخِرِ الزَّمَانِ سَعَادَةٌ“ (الکنز (۶۳۳۸)۔

”میرے صحابہ کیلئے فقر و فاقہ باعث سعادت ہے، اور آخری زمانے کے ایک مومن کیلئے غنا و توکری باعث سعادت ہوگی“

○ ذوالنون المصریؒ فرماتے ہیں: کسی شخص کی سعادت و خوش بختی کا کمال سات باتوں میں مضمر ہے: ”خالص و شفاف توحید، پختہ عقل، کامل تخلیق، حسن اخلاق، لطیف روح، اچھی جائے پیدائش، اور تواضع و انکساری“

(شعب الإيمان ۷/۲۹۷)۔

حدیث میں آتا ہے: ”إِنَّ السَّعِيدَ لَمَنْ جُنِبَ الْفِتْنُ وَلَمْ يَأْتِلْيَ لَصَبْرَ قَوَاهَا“ (رواہ ابو داؤد باسناد صحیح)۔

(یقیناً وہ شخص بڑا ہی خوش قسمت ہے جسے آزمائشوں سے دور رکھا گیا، اور جسے آزمائشوں



سے دو چار کیا گیا، اور اُس نے صبر کیا، اُسے تو کیا کہنے۔  
(اسے ابو داؤد نے صحیح سند کیساتھ روایت کیا)

ایک حدیث میں آتا ہے: ”تین امور باعثِ سعادت اور تین باعثِ شقاوت ہیں۔ سعادت مندی کے امور میں سے ایک تو نیک بیوی ہے، جب تم اُسے دیکھو تو تمہیں خوش کرے، اُس سے غائب ہو تو تم اُسے اسکے نفس اور تمہارا مال پر امین سمجھو، دوسری چیز ہموار سواری ہے جو تمہیں تمہارے ساتھیوں تک پہنچائے، اور تیسری چیز بہت سی سہولیات سے آراستہ کشادہ گھر۔

اور بدبختی کے امور میں سے ایک ایسی بیوی ہے کہ جب تم اُسے دیکھو تو وہ تمہیں ناخوش کرے، اور تمہارے ساتھ زبان درازی کرے، اور اگر تم اس سے غائب ہو، تو اُسے اسکے نفس اور اپنے مال پر امین نہ سمجھو، دوسری ست سواری ہے، کہ اگر تم اُسے مارو تو وہ تمہیں تھکا دے، اور چھوڑ دو تو تمہارے ساتھیوں تک نہ پہنچائے، اور کم سہولیات والا تنگ گھر“  
(اسے حاکم (۲۷۳۱) نے سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، اور اسکی سند قوی اور صحیح ہے:

صحیح الجامع الصغیر رقم: ۵۳۶۷ و صحیح الترغیب بسند حسن)۔

اور ایک حدیث میں آتا ہے: ”لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ“

”رحمت و مہربانی کی صفت تو صرف بد بخت سے ہی سلب کی جاتی ہے“ (اسے ترمذی اور

احمد وغیرہ نے حسن سند کیساتھ روایت کیا، دیکھیے صحیح الترمذی (۱۸۰/۲)۔

اللہ کے بندوں کیساتھ مہربانی اور رحمت کا معاملہ کرنا سعادت و خوش بختی کا ایک بڑا سبب ہے، بلکہ یہ تو خود ہی ایک سعادت ہے، اور اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں میں سے انہی پر رحم و کرم فرماتا ہے جو اُسکے بندوں پر مہربان ہوں۔

اور سعید وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے۔ جیسا کہ مسلم نے ”باب القدر“ میں اور ابن ماجہ (۴۷) نے روایت کیا۔

بدبختی کے اہم ترین اور بڑے اسباب یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ سے اعراض اور غیر اللہ کی طرف توجہ کرنا، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا پروردگار تمام قوتوں کا مالک، انتہائی مہربان و مشفق، اپنے بندوں کے قریب اور انکی دعائیں سننے والا ہے، جبکہ دوسرے تمام لوگ تو ہم سے انتہائی دور ہیں، انتہائی کمزور و عاجز۔ اور ہماری طرح اللہ کے محتاج و فقیر دنیا و آخرت میں سب سے بڑا بدبخت مشرک ہوتا ہے، نہ اسکی عبادت میں کوئی لذت ہوتی ہے نہ اعمال میں کوئی مزہ۔ اور نہ ہی اسکے لیے آخرت میں کوئی جزا و ثواب ہے، کیونکہ وہ اپنے پروردگار اپنے مالک اپنے معبود برحق سے اعراض کرتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿عَسَىٰ أَنْ لَا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا﴾ (مریم/۳۸)۔

(امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ رہوں گا)۔

لہذا اللہ تعالیٰ کیساتھ مضبوط تعلق، اسکی عبادت اور اسکے لیے اخلاص میں ہی تمام تر سعادت مضمر ہے۔

۲۔ اللہ، اسکے ذکر، اسکی عبادت اور اسکے دین کی تعلیم و تعلم سے بے پروائی اختیار کرنا، آپ بہت سے لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ نہ اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں، نہ اسکی عبادت بجالاتے ہیں، نہ ہی دینی مسائل معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ لوگ اتنے بے پرواہ ہو چکے ہیں کہ انکے محلے کی مسجد میں موجود عالم دین سے بھی استفادہ نہیں کرتے اور انکے قیمتی دروس میں شرکت ہی نہیں کرتے، ایسے لوگ دلی طور پر اللہ تعالیٰ سے بے پرواہ ہو چکے ہوتے ہیں، حالانکہ انسان تو ہر وقت اللہ کا محتاج ہوتا ہے، یہ بھی اللہ کا محتاج و فقیر ہے لیکن نہیں جانتے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ، وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ﴾

(اللیل/۸-۱۰)۔

(اور جس نے بخل کیا اور بے پروا رہا، اور سب سے اچھی بات کو جھٹلادیا، تو ہم اُسے مشکل راستے کیلئے سہولت دیں گے)۔

بھلا کوئی بندہ اپنے مالک سے بے پرواہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اُس سے بے پروا ہو کر وہ اُسکا منظور نظر کیونکر بن سکتا ہے؟ لہذا ہمیں چاہیے کہ اپنی روش کو تبدیل کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حلقے میں بیٹھے تھے کہ تین اشخاص نمودار ہوئے، ایک تو حلقے میں جگہ پا کر بیٹھ گیا، دوسرا حلقے کے پیچھے بیٹھ گیا، اور تیسرا اعراض کر کے چلا گیا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”کیا میں تمہیں ان تینوں افراد کے بارے میں نہ بتاؤں؟“ ان میں سے ایک نے اللہ کی طرف جگہ پڑی لہذا اللہ نے اُسے جگہ دے دی، اور دوسرا (واپس جانے) سے شرمنا کر بیٹھ گیا تو اللہ نے بھی اُس سے اعراض کیا۔ (البخاری)۔

لہذا جو شخص درس قرآن اور مجالس وعظ سے بلا کسی عذر اعراض کرتا ہے، اُسکی یہ ہے کہ اُنکار بھی اُس سے اعراض کر لیتا ہے (واللہ المستعان)۔

### ۳۔ بد بختی کا سب سے بڑا سبب تکبر ہے

متکبر انسان کبھی حق کے سامنے نہیں جھکتا۔ لہذا وہ ہدایت، ایمان اور تمام بھلائی کے کاموں سے محروم ہی رہتا ہے، اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم کہتا ہے:

﴿سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِنْ يَرَوْا  
كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِنْ يَرَوْا  
سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا﴾ (الآیۃ) (الأعراف / ۱۴۶)

میں اپنی آیات سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تو بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے، اور اگر وہ ہدایت کی راہ دیکھ لیں تو

اسے اختیار نہیں کریں گے، اور اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اُسے اختیار کر لیں گے۔ ”الآیۃ۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے دل میں تکبر ہو، اللہ تعالیٰ اُسے اپنی آیات اور ایمان و ہدایت سے محروم کر دیتا ہے، اور حدیث کے مطابق تکبر یہ ہے کہ انسان حق بات کو جھٹلا دے، اور لوگوں کو حقیر جانے۔ لہذا علماء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا قریب ترین راستہ اُسے حضور عاجزی و فقر کا اظہار اور سنت کا التزام ہے، اور اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان سب سے بڑا حجاب دعوے ہیں، کیونکہ یہ تکبر پر دلالت کرتے ہیں۔

خوش بخت اور سعید وہ شخص ہے جس نے علمی و عملی پر توحید کو پہچانا اور اسکی تصدیق کی، اور ایک نقطے اور چھلکے میں بھی سنت نبی کی پیروی کی، جو ہمیشہ اپنے رب کو یاد رکھے، عاجزی و انکساری کیساتھ اپنی پیشانی اپنے رب کی چوکھٹ پر رکھ دے اور اپنے مہربان مالک کو پکارتا اور اس سے التجائیں کرتا رہے، تو اللہ تعالیٰ کبھی اُسے خائب و خاسر اور بد قسمت نہ بنائیگا (ان شاء اللہ) کیونکہ جو کسی معزز کا دروازہ کھٹکھٹھائے، اسکے لیے دروازہ کھولا جاتا ہے، اور اسکے ساتھ ساتھ عبودیت کے آداب بجالائے کیونکہ بے ادب کیلئے کہیں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ واللہ المستعان۔ نیز اللہ کے بندوں کیساتھ احسان، رحمدلی اور خیر خواہی کا معاملہ کرے، یقین جائیے کہ خوش قسمتی اور سعادت اسی میں پنہاں ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بندے کی دنیوی و اخروی سعادت کی بنیاد دو چیزوں پر ہے:

(۱) خبر کے تصدیق (۲) امر (حکم) کی اطاعت۔

اور یہ دو باتیں دو مزید چیزوں کا تقاضا کرتی ہیں:

(۱) شبہات کو دفع کرنا (۲) شہوات کو ترک کرنا۔

کیونکہ شبہات تصدیق سے مانع ہیں اور شہوات امر کی اطاعت میں رکاوٹ۔ اور اگر کوئی ان

دو اصولوں کو نہیں اپناتا تو اسکی بد بختی و شقاوت میں کوئی شک نہیں۔

(ملخصاً از مفتاح دار السعادة ۱/۵۳)۔

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: سعادت کی علامت یہ ہے کہ بندہ اپنی نیکیوں کو پس پشت ڈال دے، اور اپنی برائیاں اور گناہ اپنی نظروں کے سامنے رکھے، اور شقاوت کی علامت یہ ہے کہ اسکی نیکیاں تو اسکے پیش نظر رہیں لیکن برائیاں اور خامیاں یکسر نظر انداز کر دے (مفتاح دار السعادة ۱/۳۷)۔

مزید فرمایا: اگر کوئی بندہ اس بات کا مشاہدہ کرے کہ اُس نے اپنے رب کیساتھ کیسا رویہ اپنا رکھا ہے؟ اُس کا مہربان رب تو شب و روز اس پر احسانات و مہربانیاں نچھاور کر رہا ہے، اور وہ ہر وقت اپنے مالک کے حقوق میں کوتاہی اور غلطیاں کیے جا رہا ہے حالانکہ یہ بندہ ایک ایک سانس کیلئے اللہ کا محتاج ہے۔ جب ایک بندے کا اپنے رب کیساتھ یہ معاملہ ہے تو وہ یہ توقع کیوں رکھتا ہے کہ لوگ اُسکے ساتھ محض احسان کا معاملہ کریں؟ وہ یہ امید کیوں رکھتا ہے کہ اُسکے غلام اور بیوی بچے اُسکی ہر بات مانیں، اُسکی نافرمانی نہ کریں، اور اُسکے حقوق ادا کریں، حالانکہ وہ خود اپنے رب کے حقوق ادا نہیں کر رہا؟ کیا اسکا فرض نہیں بنتا کہ وہ بھی اپنے خادموں اور اہل خانہ کیساتھ مسامحت اور نرمی کا رویہ اپنائے، اُنکی خطاؤں پر درگزر کرے، اور ترشی کیساتھ اپنے تمام حقوق کا مطالبہ نہ کرے؟ (مفتاح دار السعادة ۱/۳۷)۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ مہربان مالک ہماری کوتاہیوں پر درگزر فرمائے، اور ہمیں سعادت و کامرانی سے نوازے۔



## ۱۷ - فائدہ

## اپنے قیمتی وقت کی قدر کیجئے

آپ اپنے قیمتی وقت کی حفاظت کیسے کر سکتے ہیں؟ اور وقت کا بہترین مصرف کیا ہے؟  
اس فائدے میں اسی سوال کا جواب تلاش کیا گیا ہے۔  
وقت کے حوالے سے یہاں چار امور پر بحث ہوگی۔  
۱۔ وقت کی قدر و قیمت سے متعلقہ آیات و آثار۔

۲۔ سلف صالحین کے واقعات کا بیان کہ انہوں نے کس طرح اپنے وقت کے حفاظت کی۔  
۳۔ آپ نے اپنے اوقات کی حفاظت کیسے کریں؟ اسکے اسباب و وسائل کا بیان۔  
۴۔ آپ کے قیمتی وقت کا مصرف کیا ہو؟۔

۱۔ اگر آپ اس فائدے کو بھرپور توجہ اور اطمینان سے پڑھیں گے، تو ان شاء اللہ آپ کو  
بہت زیادہ فائدہ حاصل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وَالْعَصْرُ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكُفْرٌ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ.....الآیۃ“۔

’قسم ہے زمانے کی! یقیناً انسان خسرے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے،  
اور نیک عمل کیے.....الآیۃ“۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے ملاقات کے موقع پر سورۃ العصر پڑھا کرتے  
تھے، کیونکہ یہ سورت انتہائی مختصر اور جامع و پر مغز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر  
لوگ اس سورت پر غور و فکر کر لیں تو یہ سورت ہی انہیں کافی ہو جائے۔ اس قول سے معلوم

ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اس سورت مبارکہ کی حقیقی معرفت رکھتے تھے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم اٹھائی ہے، اور انسان کی عمر اور وقت ہی زمانہ ہے، لہذا اس قسم سے وقت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی اہم اور قیمتی چیز کی ہی قسم اٹھاتے ہیں۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ انسان کا اصل مرض خسارہ ہے، جس کا سبب عمر اور وقت کا ضیاع ہے، اور اس کا علاج چار چیزوں کے ذریعے ممکن ہے، وقت کی قدر و قیمت اور اہمیت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے بہت سی سورتوں میں سکی قسم اٹھائی ہے:

جیسے فرمایا: ”وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ۝“ (الفجر/۴-۱)

”قسم ہے فجر کی!، اور دس راتوں کی، اور جفت اور طاق کی اور رات کی جبکہ وہ بیت ربی ہو“۔

اور فرمایا: ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ۝ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاوَا ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّوَا ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا ۝﴾ (الشمس/۱-۴)۔

”سورج اور اُسکی دھوپ چڑھنے کی قسم! اور چاند کی جب وہ اسکے پیچھے آتا ہے، اور دن کی جب وہ سورج کا جلوہ دکھاتا ہے اور رات کی جب اسے ڈھانپ لیتی ہے“۔

اور فرمایا: ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ۝﴾ (اللیل/۱-۲)۔

(رات کی قسم جب وہ چھا جائے! اور دن کی جب وہ روشن ہوا)۔

اور فرمایا: ﴿وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝﴾ (الضحیٰ/۱-۲)۔

(دھوپ چڑھنے کے وقت کی قسم! اور رات کی جب وہ چھا جائے!)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر وقت کی اہمیت سے آگاہ کیا ہے، ایک موقع پر فرمایا: ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ (ابراہیم/۳۳)۔

”اور اُس نے تمہارے لیے رات اور دن کو مخر کیا“۔

ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾۔ (القصاص/۷۳)۔

(اور اُس نے اپنی رحمت ہی سے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم اس (رات) میں آرام کرو، اور تاکہ تم (دن میں) اسکا کچھ فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر کرو)۔

یہاں شکر کا معنی یہ ہے کہ دن اور رات کے لمحات میں اللہ کی عبادت کرو، اور اسکا قرب حاصل کرو۔

اسی طرح جہنم میں کفار کو ان الفاظ کیساتھ ڈانٹ پلائی جائیگی:

﴿أَوَلَمْ نُعْظِمْكُمْ مَا يَنْذَرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمْ النَّذِيرُ﴾ (فاطر/۳۷)۔  
(کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کر لیتا؟ اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تھا)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آگاہ فرمایا ہے کہ عمر ایک بہت بڑی نعمت ہے جسکے صحیح استعمال سے انسان جہنم سے خلاصی حاصل کر سکتا ہے، اور یہ عمر انسان کے لیے جنت کے اعلیٰ درجات حاصل کرنے کا باعث ہوتی ہے۔

نیز فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾ (المومنون/۳)۔

(اور وہ لوگ جو بے کار کاموں سے اعراض کرنے والے ہیں)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ لوگ اپنے رب کے احکامات کی تعمیل میں اس قدر مصروف رہتے ہیں کہ فالتو کاموں کیلئے کوئی وقت ہی نہیں بچتا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هَذَا مَا تُوَعَّدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيفٍ﴾ (ق/۳۲)۔

(یہ ہے وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا خوب رجوع کرنیوالے حفاظت کرنیوالے ہر شخص

سے)۔

یہاں حفیظ سے مراد حدود اللہ کی حفاظت کرنیوالا بھی ہے اور اپنے اوقات کو فضول کاموں



میں ضائع نہ کرنے والا بھی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا** ﴿الفرقان/۶۲﴾۔

(اور وہی (اللہ) ہے جس نے ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے رات اور دن بتائے اس شخص کی (نصیحت) کیلئے جو نصیحت پکڑنا چاہے یا شکر کرنا چاہے)۔

اسی طرح فرمایا: ﴿وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ (الاحزاب/۴۲) اور صبح و شام اُس (اللہ) کی تسبیح بیان کرو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ راتوں کو اللہ کی عبادت سے معمور کرنا بھی اللہ کی طرف راہ پکڑنے میں مددگار ہے: سورہ مزمل میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ، فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَسِيرًا﴾ (المزمل/۱۹)۔  
(یہ (قرآن) تو نصیحت ہے، پھر جو کوئی چاہے اپنے رب کی راہ پکڑ لے) اور اسکے فوراً بعد فرمایا:

﴿إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ.....﴾ ﴿الایۃ﴾  
(یقیناً آپ کے رب کو علم ہے کہ آپ قریباً دو تہائی رات یا نصف رات یا ایک تہائی رات قیام کرتے ہیں.....)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو توبہ و انابت کی ترغیب دلائی اور پھر فرمایا: ﴿أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَحْسَرُنِي عَلَىٰ مَا ضَلَّْتُ فِيْ جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّاجِدِينَ﴾ (الزمر/۵۶)

(کہیں ایسا نہ ہو) کہ کوئی شخص کہے: ہائے افسوس! اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کی جناب میں کی، اور بے شک میں تو مذاق اڑانے والوں میں شامل رہا“ نیز فرمایا: ”كُلُّوْا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ“ (اہل جنت سے کہا جائیگا: (مزے سے کھاؤ اور

پیو، ان (اعمال) کے بدلے جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجے“

○ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”أَعْذَرَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَىٰ أَمْرِئٍ أُخِرَ عُمْرُهُ حَتَّىٰ بَلَغَهُ سِتِّينَ مَسْنَةً“ (بخاری)

(اللہ تعالیٰ جس شخص کی عمر دراز کرتے ہوئے اُسے ساٹھ سال کی عمر تک پہنچا دے، تو گویا اللہ تعالیٰ نے اُس کا عذر ختم کر دیا)۔

کیونکہ کسی شخص کیلئے ساٹھ سال عمر کافی ہوتی ہے، اور اس دوران وہ بچپن، جوانی بڑھاپا، اور صحت و بیماری، غربت و خوشحالی، غرض ہر قسم کے حالات سے گزر چکا ہوتا ہے، اگر اسکے باوجود وہ خواب غفلت سے بیدار نہیں ہوتا، موت کو سامنے دیکھ کر بھی نہیں جاگتا تو اُسے جہنم کی آگ ہی جگا سکتی ہے۔ العیاذ باللہ۔

○ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لِنِعْمَتَانِ مَفْهُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ : الصَّحَّةُ وَالْفَرَاغُ“ (بخاری)

(دو نعمتیں ایسی ہے جنکے حوالے سے بہت سے لوگ خسارے کا شکار ہے: ایک صحت اور دوسری فراغت)

اس حدیث سے صحت و فارغ اوقات کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے، اگرچہ ان سے فائدہ اٹھانے والے لوگ بہت کم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اُن میں شامل فرمائے۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے:

قیامت کے دن پانچ سوالوں کا جواب دینے سے پہلے کوئی بندہ اپنے قدموں کو بھی نہ دے سکے گا: عمر کے متعلق سوال ہوگا کہ کن کاموں میں صرف کی؟ جوانی کے بارے میں سوال ہوگا کہ کن کاموں میں بوسیدہ کی؟ مال کے حوالے سے سوال ہوگا کہ کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ اور علم کے متعلق پوچھا جائیگا کہ اس پر کتنا عمل کیا؟ (اصحاب السنن)

یہ حدیث دلوں کو جھنجھوڑ دینے والی ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے عمر کے متعلق سوال ہوگا، اور اس میں بھی خصوصیت کے ساتھ جوانی کے بارے میں

پوچھا جائیگا، کیونکہ دراصل یہی کسی انسان کیلئے قوت و قدرت اور عمل کا زمانہ ہوتا ہے۔  
اے نیک بھائی! ذرا سوچئے کہ اگر آپ سے یہ سوال ہوا کہ آپ نے اپنی زندگی کی سانسیں  
کن کاموں میں بتائی ہیں؟ تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا؟ علاوہ ازیں آپ ﷺ کا فرمان  
ہے: ”مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَوْتَى قِرْكُهُ مَا لَا يَغْنِيهِ“ (ترمذی)  
(کسی شخص کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی امور کو ترک کر دے)۔  
لہذا ایک کامل مومن اپنے اوقات نہ تو گناہوں میں ضائع کرتا ہے، نہ لایعنی کاموں میں  
، اور نہ ہی غفلت و سستی میں۔

آپ علیہ السلام کا فرمان ہے:

”إِغْنِيْمُ خُمْسًا قَبْلَ خُمْسٍ : شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ  
وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَخَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ“

(رواہ ترمذی باسناد صحیح)

(پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو: اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، اپنی  
صحت کو بیماری سے پہلے، اپنی تو نگری کو فخر سے پہلے، اپنی فراغت کو مصروفیت سے پہلے، اور  
اپنی زندگی کو موت سے پہلے)۔ (اسے ترمذی نے صحیح سند کیساتھ روایت کیا)  
حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں نے ایسے لوگوں کو بھی پایا ہے کہ جتنے تم لوگ اپنے درہم و دینار پر حریص ہوتے ہو، وہ  
لوگ اس سے بڑھ کر اپنے اوقات پر حریص تھے۔

(ارشاد العباد (۳۳)، راس مالک الوقت (۱۲))

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے صوفیوں کی صحبت بھی اختیار کی لیکن دو کلمات  
سے زیادہ اُن سے استفادہ نہیں کیا: ایک کلمہ تو یہ ہے:

”الْوَلْتُ سَيْفٌ إِنْ قَطَعْتَهُ وَإِلَّا قَطَعَكَ“

(وقت بھی ایک تلوار ہے، اگر تم نے اسے کاٹ دیا تو ٹھیک، ورنہ وہ تمہیں کاٹ دے)

اور دوسرا کلمہ یہ ہے: ”نَفْسَكَ إِن شَغَلَتْهَا بِالْحَقِّ وَإِلَّا شَغَلَتْكَ بِالْبَاطِلِ“  
(اگر تم نے اپنے نفس کو حق کیساتھ مشغول رکھا تو ٹھیک، ورنہ وہ تمہیں باطل میں مصروف کر دیگا) (الجواب الکافی)، مدارج السالکین۔

ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب ”مدارج السالکین“ میں غیرت کی قدر و منزلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: گزرے ہوئے وقت پر غیرت بھی اس میں شامل ہے، اور یہ ایسی غیرت ہے جو سالکین کیلئے قاتل (تکلیف دہ) ثابت ہوتی ہے، کیونکہ وقت انتہائی تیزی کیساتھ پہلو بچا کر گزر جاتا ہے، اور پھر گزرا وقت کبھی واپس نہیں آتا، ایک عابد کیلئے وقت کا بہترین مصرف عبادت و اذکار ہوتے ہیں، اور ایک مرد کے ہاں وقت کا مصرف اللہ کی طرف توجہ اور مکمل قلبی انہماک ہوتا ہے، بہر حال وقت قیمتی ترین چیز ہے، اور اگر یہ فضول کاموں میں مصروف ہو تو ایک سالک کو اس پر انتہائی غیرت آتی ہے، کیونکہ وہ کبھی اس کا استدراک نہیں کر سکتا ہے۔ اھ

ایک عبادت گزار تابعی عامر بن عبد قیس سے منقول ہے کہ ایک شخص نے اُن سے کہا: میرے ساتھ تو بات چیت کیجئے! تو اُنہوں نے جواب دیا: ”أَمْسِكِ الشَّمْسَ حَتَّى أَكْمِلَ مَلَكٌ“ ذرا سورج کو پکڑ لو تا کہ میں تمہارے ساتھ بات کروں۔

○ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”مَا نَلِمْتُ عَلَى شَيْءٍ لَدِمْنِي عَلَى يَوْمِ غَرَبَتْ شَمْسُهُ نَقَصَ فِيهِ أَجَلِي وَلَمْ يَزِدْ فِيهِ عَمَلِي“۔

”مجھے کسی چیز پر اس قدر ندامت نہیں ہوتی جتنی اس دن پر ہوتی ہے جس کا سورج اس حال میں غروب ہو کہ میری عمر تو کم ہو جائے لیکن میرے عمل میں اضافہ نہ ہو“

عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”رات اور دن تم میں عمل کرتے ہیں، لہذا تم بھی اُن میں عمل کرو“۔

○ حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! تیری ذات دلوں کیساتھ ہی

وابستہ ہے، جب ایک دن گزرتا ہے تو تیرا ایک حصہ گزر جاتا ہے۔

○ حماد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے اوقات کے نیک اعمال میں اس قدر مصروف اور مرتب رکھتے کہ انکے بارے میں یہاں تک کہا گیا کہ اگر ان سے کہا جائے: تم کل فوت ہو جاؤ گے، تو وہ اپنے عمل میں کچھ بھی اضافہ نہ کر سکیں گے۔

موسى بن اسماعيل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اگر میں تم سے کہوں کہ میں نے حماد بن مسلمہ کو کبھی ہتے ہوئے نہیں دیکھا، تو میری بات سچ ہی ہوگی، کیونکہ وہ ہر وقت مصروف رہتے تھے، یا حدیث بیان کر رہے ہوتے، یا کچھ پڑھ رہے ہوتے، یا تسبیحات میں مگن ہوتے، یا عبادت میں منہمک، انہوں نے پورے دن کو ان تمام کاموں پر تقسیم کر رکھا تھا، اور جب وہ فوت ہوئے تو نماز کی حالت میں تھے۔

خلیل بن احمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کھانے کا وقت مجھ پر سب سے بھاری گزرتا ہے۔ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کاش کہ میرا کھانا کنکریوں کی صورت میں ہوتا، کیونکہ مجھے بار بار خلاء کی طرف جاتے ہوئے اپنے رب سے شرم آتی ہے (حلیۃ الاولیاء)

اسی طرح محمود بن عبدالرحمن بن أحمد رحمہ اللہ کھانے سے پرہیز کرتے تھے، کیونکہ اسکے نتیجے میں زیادہ پینا پڑتا ہے، جسکی وجہ سے کثرت کیساتھ بیت الخلاء جانا پڑتا، اور اس سے وقت ضائع ہو جاتا ہے۔  
www.KitaboSunnat.com

ابو البرکات ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے تو یہاں تک منقول ہے کہ جب وہ بیت الخلاء میں داخل ہوئے تو اپنے شاگرد کو اونچی آواز سے کچھ پڑھنے کیلئے کہتے تاکہ اس دوران وہ اس آواز کو سنتے ہیں، اور انکا وقت ضائع نہ ہو (نیل الاوطار)۔

ابن نافع سے پوچھا گیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے گھر میں کیا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: ہر نماز کیلئے وضو کرتے ہیں، اور دونوں کے درمیان قرآن مجید پڑھتے ہیں۔

(الوقت عمار أو دمار (۹۴))

سلف صالحین کہا کرتے تھے کہ وقت کا ضیاع اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی علامت ہے، اسی

طرح سلف صالحین بہتر سے بہتر کاموں میں اپنا وقت صرف کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ بعض نے یہ بھی فرمایا کہ جسکا آج اُسکے کل کی طرح ہے وہ خسارے کا شکار ہے، اور جسکا آج اُسکے کل سے بدتر ہے وہ ملعون ہے، اور وہ لوگ اپنے ایک ایک دن کا حساب رکھتے تھے، دن کے بعض حصوں اور لمحات کو بھی شمار کرتے تھے، اور اس بات کے شدید حریص رہتے تھے کہ اپنے وقت کو عظیم نافع، عمل صالح، مجاہدہ نفس اور دوسروں کی بھلائی اور نفع کے کاموں میں صرف کریں۔

ایک زاهد کہتے ہیں: میں جنت اور جہنم پر ایمان رکھنے والے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس پر ایک گھڑی بھی ایسی گزری ہو جس میں وہ ذکر اذکار، نماز، قراءت یا احسان کے ذریعے اللہ کی اطاعت میں مشغول نہ ہو، ایک شخص نے کہا: میں بہت روتا ہوں، تو انہوں نے جواب دیا: اگر تم ہنسو اور اپنی خطاؤں کا اقرار کرو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم روؤ اور اپنے اعمال جلاؤ، کیونکہ جتانے والے کا عمل اُسکے سر سے اوپر نہیں جاتا، اُس شخص نے کہا: مجھے وصیت کیجئے! تو انہوں نے کہا: دنیا کو اہل دنیا کیلئے چھوڑ دو، اور دنیا میں ہمد کی کھسی کی طرح رہو، اگر وہ کچھ کھاتی ہے تو پاک کھاتی ہے، کچھ کھلاتی ہے تو پاک کھلاتی ہے، اور اگر کسی شاخ پر بیٹھے تو نہ اُسے توڑتی ہے نہ مسکتی ہے (الوقت عمار او دمار (۷۷))

ایک دانا کا قول ہے: جس شخص نے اپنی عمر میں سے کوئی ایک دن ایسا گزارا کہ اس میں نہ کوئی حق ادا کیا، نہ فرض پورا کیا، نہ عزت کمائی، نہ تعریف حاصل کی، نہ کوئی بھلائی کی، اور نہ ہی کسی علم کا اقتباس کیا تو ایسے شخص نے اپنا وہ دن باندھ کر دیا اور اپنے نفس پر ظلم کیا۔

(الوقت فی حیاة المسلم (۹۵))

ایک شاعر نے کہا ہے:

إِذَا مَرَّ بِیْ یَوْمٌ وَلَمْ أَتَقَبَّسْ هَلْدَى	وَلَمْ أُسْتَفِدْ عِلْمًا فَمَا ذَاكَ مِنْ عُمْرِیْ
--	---

”جب مجھ پر کوئی ایسا دن گزرے کہ جس میں نہ تو میں کوئی ہدایت حاصل کر سکوں، اور نہ ہی کسی علم کا استفادہ کر سکوں، تو میں اُس دن کو اپنی عمر میں شمار نہیں کرتا“

○ ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”میرے لیے حلال نہیں کہ میں اپنی عمر کا ایک لمحہ بھی ضائع کروں، یہاں تک کہ جب میری زبان مذاکرے یا مباحثے سے تھک جاتی ہے، اور میری آنکھیں مطالع سے عاجز آ جاتی ہیں، تو میں دورانِ استراحت اپنی فکر استعمال کرتا ہوں، پھر جب اٹھتا ہوں تو کوئی نہ کوئی خیال میرے ذہن میں آچکا ہوتا ہے جسے احاطہ تحریر میں لاتا ہوں، اور اب جبکہ میں اسی سال کا ہو چکا ہوں تو اب میں اپنے دل میں علم کی جتنی حرص پاتا ہوں، اتنی حرص تو اُس وقت بھی نہ تھی جب میں بیس سال کا تھا، عقلاء کے نزدیک سب سے قیمتی چیز وقت ہے، لہذا وقت کو غنیمت جان کر اسے صحیح استعمال کرنا چاہیے، خصوصاً جبکہ انسان کی ذمہ داریاں بھی بہت زیادہ ہیں، اور میں اپنے کھانے کے اوقات کو کم سے کم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔“

(ملخص از قيمة الزمن (۳۵))

○ عباس بن حسن العلوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: آپکو معلوم ہوتا چاہیے کہ آپ کا ذہن تمام علوم کا احاطہ نہیں کر سکتا، لہذا اسے اہم ترین علوم میں معروف رکھیے، اور آپ کا مال تمام لوگوں کو کفایت نہیں کر سکتا، لہذا اہل حق کو نوازیے، اور یقیناً آپ کا اثر و رسوخ تمام لوگوں کے مسائل حل کرنے سے قاصر ہے، لہذا خصوصاً اصحابِ فضل کی پریشانیاں دور کیجئے۔

اور اگر آپ پورا دن مصروف رہیں تب بھی آپکی ضروریات ختم نہیں ہو سکتیں، لہذا کچھ ضروریات کو منتخب کیجئے اور باقی کو چھوڑ دیجئے۔

ایک مرتبہ شریح رحمۃ اللہ علیہ عید کے روز کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو کہ کھیل رہے تھے، تو انہوں نے پوچھا: تم کیوں کھیل رہے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا: ہم فارغ ہیں اس لیے کھیل رہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا: کیا فراغت میں تمہیں یہی حکم دی گیا ہے؟ اور پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان انہیں سنایا:

”فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ“ (الم نشرح / ۸۰۷)

(تو جب آپ فارغ ہو جائیں تو محنت کیجئے، اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کیجئے)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حجاج کی ایک بات نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا، میں نے اسی منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا: جس شخص کی عمر کی کوئی ساعت ایسے کام میں گزری جس کیلئے اُسے پیدا نہ کیا گیا تھا، وہ اس بات کے لائق ہے کہ قیامت کے دن اُسکی حسرت طویل ہو جائے۔

اسکی یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے مشابہ ہے:

”لَيْسَ يَتَحَسَّرُ أَهْلُ الْجَنَّةِ عَلَى شَيْءٍ إِلَّا عَلَى سَاعَةٍ مَرَّتْ بِهِمْ لَمْ يَذْكُرُوا اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ فِيهَا“ (صحیح الجامع: ۵۴۴۶)

”اہل جنت کسی چیز پر حسرت نہ کریں گے سوائے اُس ساعت کے جس میں وہ اللہ عزوجل کا ذکر نہ کر سکے ہوں“

جب اہل جنت کہ جو اپنے اوقات کو اعمالِ صالحہ سے معمور رکھتے ہیں اور عموماً فضول کاموں سے پرہیز کرتے ہیں جب یہ لوگ حسرت کریں گے، تو اُن لوگوں کا کیا ہوگا جو اپنے تمام اوقات فضول کاموں میں ضائع کرتے ہیں، کیا یہ حسرت و افسوس میں مبتلا نہ ہونگے؟

○ معاویہ بن قرة رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: قیامت والے دن تمام لوگوں سے زیادہ سخت حساب اُن لوگوں کا ہوگا جو صحت مند اور فارغ ہیں (اقتضاء العمل للخطیب (۱۷۵) اسے مرفوعاً بھی روایت کیا گیا ہے لیکن اسکی سند ضعیف ہے)

○ ابو درداء رضی اللہ عنہ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو لکھا: اے میرے بھائی! اپنی صحت و فراغت کو غنیمت جانو، اس سے پہلے کہ آپ کسی ایسی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ کہ پھر دنیا کا کوئی شخص بھی آپکو اس عظیم نعمت سے ہمکنار نہ کر سکے“ (الاقتضاء (۱۷۶))

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ عطاء نے کہا: ”ہم یہاں بیٹھے ہیں جبکہ دن اپنا کام کر رہا ہے“ سفیان کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ان شاء اللہ میں خیر و بھلائی پر ہوں، تو انہوں نے کہا: ٹھیک ہے، لیکن یہاں تو مقابلہ درپوش ہے..... ۱ھ (الاقتضاء (۱۷۸))



ابن سماء رحمہ اللہ ابو بکر النہشلی کے پاس گئے جبکہ وہ عالم نزع میں تھے، اور سر کے اشارے سے نماز پڑھ رہے تھے، تو انہوں نے کہا: سبحان اللہ! اس حالت میں بھی آپ نماز پڑھ رہے ہیں، تو انہوں نے کہا: اے ابن سماء! میں نامہ اعمال لیٹے جانے سے پہلے جلدی جلدی کچھ عمل کرنا چاہتا ہوں۔ (لا اقتضاء)

○ سلمان بن خلف الدلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب میں یقینی طور پر یہ جانتا ہوں کہ میری ساری زندگی ایک گھڑی کی طرح ہے، تو میں اس ایک گھڑی پر حریص کیوں نہ بنوں، اور اسے بھلائی اور اطاعت میں کیوں نہ گزاروں؟ (لا اقتضاء)

عبد اللہ بن معتمر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ممکنہ فرصت سے فائدہ اٹھاؤ، اور کل کا انتظار مت کرو، کیونکہ کل کے متعلق کون یہ ضمانت دے سکتا ہے کہ کل کوئی حادثہ پیش نہیں آئے گا۔ علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: روزانہ کوئی ایسا عمل کرو جو تمہارے لیے رشد و ہدایت کا باعث ہو۔ (الإقتضاء للخطیب)

ابو الجلد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ بے شک ”مَوَف“ (عنقریب) کا لفظ ابلیس کے لشکروں میں سے ہے۔ (لا اقتضاء)

س: آپ اپنے اوقات کی حفاظت کیسے کریں؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وقت کی حفاظت کے بہت سے طریقے ہیں جنہیں اختیار کر کے آپ اپنا قیمتی وقت ضائع ہونے سے بچا سکتے ہیں۔

۱۔ صحیح نیت۔

ہر عمل خواہ وہ عبادت ہو یا عادت، جلوت میں ہو یا خلوت میں حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے، کوئی دنیاوی مشغل ہو یا کھانے، پینے اور سونے جیسی نفسانی ضروریات۔

اگر آپ ان تمام امور اپنی نیت کو خالص کرتے ہوئے اللہ کی رضا جوئی کا ارادہ رکھیں، اور ان تمام امور میں حکم شرعی کو ملحوظ رکھیں تو اللہ کے حکم سے یہ تمام امور عبادت بن سکتے ہیں، اور اس طرح آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ محفوظ اور باعث اجر بن جائیگا۔

اس لیے علماء کرام رحمہم اللہ حدیث: ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس حدیث کا دوسرا جملہ (یعنی: ”وَأِنَّمَا لِلْثَلَاثِ خَلْفٌ مَا يُؤْتِي“ ہر شخص کیلئے وہی کچھ ہے جسکی اُس نے نیت کی) اُن اعمال سے متعلق ہے جو مباح ہیں کیونکہ یہ بھی درست نیت کی بناء پر عبادت بن جاتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص سونے کیلئے بستر پر لیٹتا ہے لیکن اُسکی نیت یہ ہے کہ نیند کے ذریعے وہ اپنی صحت بحال رکھے اور آرام لینے کے بعد مزید نشاط کیساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، تو اُسکی نیند بھی عبادت بن جائیگی۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ سابقین اور ابرار کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ انکے مباح اعمال بھی حسن نیت کی بناء پر انکے حق میں عبادت بن جاتے ہیں۔“  
(مدراج، طریق الحجرتین)

لیکن یہاں ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ نیت کوئی جامد اور غیر مہذب چیز نہیں، اور نہ ہی زبان سے کوئی بات کہہ دینا نیت کی صحیح کافی ہوتا ہے، بلکہ نیت تو دل کے جذبے کا نام ہے، ہر عمل سے پہلے اپنے دل سے پوچھیں کہ اس عمل کا محرک کیا ہے؟ اور اس حوالے سے ٹھنڈی تاویلات کے ذریعے خود کو دھوکہ مت دیجئے، کیونکہ بعض لوگ سیر سپاٹے کی نیت سے نکلتے ہیں اور اسے دعوت الی اللہ کا نام دیتے ہیں۔

بعض لوگوں کو باتیں کرنے کی عادت ہوتی ہے اور وہ اسے دعوت یا علمی مباحثے کا نام دیتے ہیں، جبکہ بعض نے اسلامی مدارس کے نام پر تجارتی دکانیں کھول رکھی ہوتی ہیں یاد رکھیے! آپ لوگوں کو دھوکہ دے سکتے ہیں، لیکن اللہ جو عالم الغیب اور دلوں کے بھیدوں وے واقف ہے، اُس اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

لہذا آپ اپنی نیت کو خالص اور درست کر کے اپنے تمام اوقات و ایام کو عبادت سے معمور

کر سکتے ہیں، اسی حوالے سے ایک صحیح حدیث میں آتا ہے: جو شخص قیام اللیل کا ارادہ کرے اور پھر اس پر نیند غالب آجائے، تو اللہ تعالیٰ اُسکے لیے قیام اللیل کا ثواب لکھ دیتا ہے، اور وہ نیند اُس کیلئے اللہ کی طرف سے صدقہ بن جاتی ہے۔  
(ابوداؤد اور نسائی نے اسے صحیح سند کیساتھ روایت کیا)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يُخْرِجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾. (النساء / ۱۰۰)  
(اور جو شخص اللہ اور اسکی رسول کی طرف ہجرت کرنے کی خاطر اپنے گھر سے نکلے، پھر اسے راستے میں موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا، اور اللہ نہایت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے)

دیکھیے! اس شخص نے ہجرت کا عزم مصمم کیا، اور اسکی خاطر اپنے گھر سے بھی نکلا لیکن اپنی مراد تک پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا، تو اسکی صحیح نیت پر اللہ تعالیٰ اسے اجر سے محروم نہ کریگا۔ کہ وہ بہت مہربان ہے۔  
اسی طرح جو شخص جہاد کی نیت کرے لیکن اسے جہاد میں شرکت کا موقع نہ ملے، تو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے اُسے بھی منافقین کے زمرے سے خارج کر دیتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُعَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ بِنَاقٍ“ (مسلم)

”جس شخص کو اس حال پر موت آئی کہ نہ اُس نے کبھی جہاد میں شرکت کی، اور نہ ہی دل میں ارادہ کیا، تو اُسکی موت نفاق کے ایک شعبے پر ہوئی“

۲۔ چھوٹی امیدیں اور نیکیوں کی طرف سبقت۔

اوقات کی حفاظت کیلئے یہ تیر بہدف نسخہ ہے، جب دنیا کے حوالے سے آپکی امیدیں کم ہوگئی تو آپکی محنتیں آخرت کیلئے فارغ ہوگئی، اور جب آپ نیکیوں کیلئے مسابقت کا جذبہ پیدا کریں گے، تو ان شاء اللہ تھوڑی عمر اور کم وقت میں زیادہ نیکیاں کمالیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (آل عمران/۱۳۳)

(اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جسکی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے)

اور فرمایا: ﴿سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ (الحديد/۲۱)

(تم اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے مثل ہے)

نیز فرمایا: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ (البقرة/۱۲۸)

(لہذا تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو)

نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا معنی یہ ہے کہ جلدی جلدی انکی طرف لپکا جائے، اور نیکیوں میں سے بھی اہم ترین اور زیادہ ثواب والی نیکیوں کا انتخاب کیا جائے اور پھر احسن طریقے سے انہیں ادا کیا جائے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں مونڈھوں سے پکڑ کر فرمایا: [كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِدٌ مُّبْتَلٍ] (دنیا میں یوں رہو گویا کہ تم اجنبی یا راہ گزر ہو)

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار مت کرو، اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار مت کرو، بیماری سے پہلے اپنی صحت سے، اور موت سے پہلے اپنی زندگی سے فائدہ اٹھا لو۔ (بخاری)

○ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے وصیت کیجئے! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کرو گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو، اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرو“ ہر شجر و حجر کے پاس اللہ کا ذکر کرو، اگر جب کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھو اس کے ساتھ کوئی نیکی بھی کر، پوشیدہ برائی کے بدلے پوشیدہ نیکی، اور اعلانیہ برائی کے بدلے اعلانیہ نیکی۔“  
(اسے طبرانی نے جید سند کیساتھ روایت کیا: کمافی الترغیب) اور البانی رحمہ اللہ نے الصحیحہ میں صحیح قرار دیا)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتْنًا كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا وَيُتَمَسِّى كَافِرًا، وَيُتَمَسِّى مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا“ (مسلم)

”جلدی جلدی نیک اعمال کر لو اس سے پہلے کہ وہ فتنے آجائیں جو تاریک رات کے ٹکڑوں (مختلف حصوں) کی طرح ہوں گے، ان میں صبح کو آدمی مؤمن ہوگا تو شام کو کافر ہو چکا ہوگا، اور شام کو مؤمن ہوگا تو صبح کو کافر ہو چکا ہوگا، دنیا کے حقیر سامان کے بدلے اپنا دین بیچ دیا“

اس طرح نیک اعمال میں مسابقت اور جلدی کے نتیجے میں انسان فتنوں سے بھی محفوظ رہتا ہے، کیونکہ فارغ آدمی فتنوں کا گھر ہوتا ہے، اور نیکیوں میں مصروف شخص کے پاس فتنوں کیلئے کوئی وقت نہیں ہوتا۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے: سمجھدار وہ شخص ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے، اور موت کے بعد والی زندگی کیلئے عمل کرے، اور عاجز وہ شخص ہے جو خواہشات کی پیروی کرے اور اللہ پر جموٹی تمنائیں باندھے۔ (ابن ماجہ، ترمذی، اسکی سند ضعیف ہے)

بعض سلف صالحین کا قول ہے: اے آدم کے بیٹے! تیری عمر صرف تین دن ہے،

ایک دن تو گذر چکا ہے جو کبھی پلٹ کر نہیں آئیگا، اور کل کے متعلق تجھے علم نہیں کہ تجھ پر کل کل ہوگی یا نہیں، اور تیسرا وہ دن ہے جس میں ثواب ہے، یہی تیری عمر ہے، لہذا اسے ضائع مت کر۔

بقول اقبال: کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا

فقط امروز ہے تیرا زمانہ

ہمیں چاہیے کہ اس بات کو پلے باندھ لیں، اور آج سے ہی اپنے اوقات کا محاسبہ اور انکا صحیح استعمال شروع کر دیں۔ اسکے ساتھ ساتھ ہمیں سابقین فی الخیرات کو ملنے والے عظیم ثواب کا تصور کرتے ہوئے یہ جائزہ لینا چاہیے کہ ہم کیوں اس قدر کوتاہی کا شکار ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ کے یہ فرامین ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھنے چاہئیں: ”هٰنَالِكَ تَبْلُو كُلَّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ“ (یونس/۳۰)

(وہاں ہر شخص جانچ لے گا جو کچھ اُس نے پہلے (دنیا میں) کیا تھا)

﴿أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يٰحَسْرَتِيْ عَلٰى مَا فَرَّطْتُ فِىْ جَنْبِ اللّٰهِ﴾ (الزمر/۵۶) “  
(کہیں ایسا نہ ہو) کہ کوئی شخص کہے: ہائے افسوس! اس کو تا ہی پر جو میں نے اللہ کی جانب

میں کی)

”﴿وَأَلْدَرٰهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِىْ غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾“ (مریم/۳۹)

(اور آپ انہیں روزِ حسرت سے ڈرائیں جب ہر معاملے کا فیصلہ کیا جائے گا جبکہ (آج) وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، اور وہ ایمان نہیں لاتے)

لہذا اپنے آج کو نیک اعمال سے معمور کیجئے اور دنیا میں چھوٹی امیدیں اپنائیے اللہ کے فضل سے آپکے اوقات ضائع ہونے سے بچ جائیں گے۔

۳۔ تعلقات میں کمی۔

لوگوں کیساتھ تعلقات میں کمی بھی اوقات کو محفوظ اور ثمر آور بنانے میں مدد دیتی ہے، کیونکہ جو شخص بہت سے لوگوں کیساتھ تعلقات رکھے، اُسکا بہت سا وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے شریعت میں ضروری کاموں کے علاوہ لوگوں سے الگ رہنے کی بہت سی ترغیبات وارد ہوئی ہیں۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نجات کیونکر ممکن ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”أَمَلِكُ عَلَىكَ لِسَانَكَ وَلَيْسَعُفَكَ بَيْنَكَ وَابْنِكَ عَلَى خَطِيئَتِكَ“

(اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھو، اپنے گھر کو اپنے لیے وسیع سمجھو، اور اپنی خطاؤں پر آنسو بہاؤ) (ترمذی)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا﴾ (الکہف/ ۲۸)

(اور اس شخص کی بات نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور اُس نے اپنی خواہش کی پیروی کی، اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے)۔

اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے کہ ان صفات کے حامل شخص سے تعلق نہ رکھا جائے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی نے کہا: اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کونسا شخص سب سے بہتر ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”رَجُلٌ يُجَاهِدُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ وَرَجُلٌ لَمْ يَلِدْ مِنْ الشَّعْبِ يَغْبُذُ رَبَّهُ وَيَدْعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ“

(وہ آدمی جو اپنی جان اور مال کیساتھ جہاد کرے، اور وہ آدمی جو کسی گھائی میں رہ کر اپنے رب کی عبادت کرے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے) (متفق: ایہ)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تم علم کے چشمے، راتوں کے چراغ اور گھروں کے ٹاٹ بن جاؤ، لباس خواہ پُرانا پہنو لیکن دلوں کو نیا اور تازہ رکھو، آسمان والوں میں پہچانے جاؤ اور

زمین والوں پر مخفی رہو (مختصر منهاج القاصدين (۱۳۵)

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کا کم تعلقات والا ہونا قابل رشک بات ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”إِنْ أُغْبِطَ أَوْلِيَايَ عِنْدِي لَمُؤْمِنٍ خَفِيفُ الْحَاذِ وَكَانَ غَامِضًا فِي النَّاسِ لَا يُشَارُ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ، وَكَانَ رِزْقُهُ كَغَفَا فَصَبَرَ عَلَى ذَلِكَ، ثُمَّ نَقَرَ بِيَدِهِ فَقَالَ: عَجَلْتُ مَنِيَّتَهُ، قُلْ تَرَأْتَهُ قُلْتُ بَوَاكِئِهِ“

(رواہ الترمذی بإسناد صحیح)

(بے شک میرے نزدیک اولیاء میں سب سے زیادہ قابل شک وہ مؤمن ہے جو کم حال رکھتا ہے (یعنی مالی طور پر مضبوط نہیں)۔“ کثرت کیساتھ نمازیں پڑھتا ہے، اچھے طریقے سے اپنے رب کی عبادت کرتا ہے، خلوت میں اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے، لوگوں میں گمنام ہو کر رہتا ہے، انگلیوں کیساتھ اس کی طرف اشارے نہیں کیے جاتے، جسے بقدر ضرورت رزق ملتا ہے اور وہ اس پر صبر بھی کرتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے زمین پر کچھ نشان لگایا اور فرمایا: اس کی موت بھی جلدی آتی ہے، اس کا ورثہ بھی کم ہوتا ہے، اس پر رونے والیاں بھی تھوڑی ہوتی ہیں)۔ (اسے ترمذی نے صحیح سند کیساتھ روایات کیا)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی انسان کا مشہور و معروف ہونا عموماً اُس کے لیے باعث ضرر ہوتا ہے، جبکہ کم تعلقات اور گمنامی سے انسان کا وقت بھی بچ جاتا ہے۔ جسے وہ اپنے رب کی یاد اور عبادت سے آباد رکھتا ہے۔

### ۴۔ گمنام اور غیر معروف ہونا

کیونکہ شہرت کی وجہ سے بلا فائدہ لوگوں سے میل جول اور مہمانوں کی آمد و رفت بڑھ جاتی ہے، اور یہ چیز انسان کے دل، وقت، مال اور بدن کیلئے بگاڑ اور ضیاع کا باعث ہے، سابقہ حدیث اس حوالے سے نص کی حیثیت رکھتی ہے۔



علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ“ (مسلم)

(بے شک اللہ اُس بندے سے محبت کرتا ہے جو متقی، لوگوں سے بے پرواہ، اور پوشیدہ ہو) لوگوں سے زیادہ میل جول کے بہت سے نقصانات ہیں، اس لیے علماء کرام نے لوگوں کو چار اقسام پر منقسم کیا ہے۔

(۱)۔ بعض لوگ تو غذا کی حیثیت رکھتے ہیں، اور کوئی انسان ایک دن یارات کیلئے بھی اُن سے مستغنی نہیں ہو سکتا، اور وہ اپنے علم پر عمل کرنیوالے علماء ہیں جو اللہ، اسکے دین، اسکی کتاب اور اسکے رسول کیلئے خیر خواہ ہوں، ان کیساتھ میل جول سراسر فائدے کا باعث ہے۔

(۲) دوسرے وہ لوگ جو دوا کی حیثیت رکھتے ہیں، جسکی ضرورت بیماری کے وقت پڑتی ہے، جب تک آپ صحیح ہوں تو ان سے ملنے کی ضرورت نہیں، یہ معاش اور کسب والے لوگ ہیں۔

(۳) تیسرے وہ لوگ جن سے ملنا بیماری کی مترادف ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کیساتھ میل جول میں کوئی دینی یا دنیوی نقصان ہو۔

(۴) چوتھے وہ لوگ ہیں جن کیساتھ میل جول زہر قاتل اور ہلاکت و بربادی کا باعث ہے، یہ مشرک، بدعتی اور گمراہ لوگ ہیں جو دوسروں کو بھی اپنا خرافات کی دعوت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں زیادہ نہ کرے!۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”بندے کو پہنچنے والی ہر آفت کا سبب دل کا ضیاع ہے، اور اسکا سبب اللہ تعالیٰ کے حق کا ضیاع ہے، اسی لیے بعض شیوخ نے وصیت کی ہے کہ جس شخص کیساتھ میل جول وقت کے ضیاع کا باعث ہو، اس سے میل جول نہ رکھو، کیونکہ اسکے نتیجے میں دل بھی ضیاع اور بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے اور دل اور رقت کے ضائع ہونے سے تمام امور ضائع ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُطْعَمَنَّ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا﴾

(الکھف/ ۲۸)

(اور اُس شخص کی بات نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا، اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے)

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹا! اللہ کا ذکر کرنیوالے لوگوں کے ہمراہ بیٹھا کرو، اگر تم کامل ہو گے تو تمہارا عمل تمہیں فائدہ دے گا، اور اگر جاہل ہو گے تو وہ تمہیں تعلیم دیں گے، اور اگر اُن پر رحمت یا رزق نازل ہو گا تو تم بھی اُس میں شریک ہو جاؤ گے، اے بیٹا! اُن لوگوں کیساتھ مت بیٹھو جو اللہ کا ذکر نہیں کرتے، کیونکہ اگر تم جاہل ہوئے تو وہ تمہاری جہالت میں اضافے کا باعث ہو گئے، اور اگر تم عالم ہوئے تو تمہارا علم تمہیں کچھ فائدہ نہ دے سکے گا، اور اگر اُن پر اللہ کی لعنت و پھٹکار نازل ہوئی تو تم بھی اس میں شریک ہو جاؤ گے۔ (ایقاظ ہمم اولی الأبصار)

بعض علماء کہا کرتے تھے: جب میں رات کو آتا ہوا دیکھتا ہوں تو خوش ہو جاتا ہوں، اور کہتا ہوں: اب میں خلوت میں اپنے رب سے ملاقات کروں گا، اور جب صبح کو دیکھتا ہوں تو مجھے ایسے لوگوں کیساتھ ملاقات سے وحشت ہوتی ہے کہ جو مجھے میرے رب سے غافل کر دیں۔ (ایقاظ)

## ۵۔ دنیاوی مصروفیات میں کمی

کیونکہ جس شخص کی مصروفیات زیادہ ہوں، تو یقیناً اسکے اوقات بھی ضرور ضائع ہو گئے، جبکہ حدیث میں آتا ہے: "مَنْ جَعَلَ الْهُمُومَ هِمًّا وَاجِدًا هَمَّ آخِرَتِهِ كَفَاهُ اللَّهُ هَمَّ دُنْيَاهُ وَمَنْ تَشَقَّبَتْ بِهِ الْهُمُومُ فِي أَحْوَالِ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللَّهُ فِي أَمْرِ أَوْ دِينِهِ هَلْكَ" (ابن ماجہ ۴۱۰۶، حدیث حسن)

(جس شخص نے تمام فکروں کی ایک ہی فکر بنالی، یعنی آخرت کی فکر۔ تو اللہ تعالیٰ اُسے

دنیاوی فکروں سے کافی ہو جاتا ہے، اور جس نے بہت سی فکریں اور غم پالے، تو اللہ تعالیٰ کو اُنکی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ کسی وادی میں جا رہے)

مثلاً ایک شخص کی دس دکانیں ہیں تو وہ اس شخص سے زیادہ مصروف ہو گا جسکی ایک دکان ہے، اسی طرح زمیں، گاڑیاں، بیویاں، ٹیلی فون، موبائلز، کمپیوٹرز، اخبارات و جرائد وغیرہ کی تعداد جس قدر بڑھتی جائیگی، لامحالہ انسان کی مصروفیت بھی اسی قدر بڑھتی چلی جائیگی۔ تجربہ اس بات کا بہترین شاہد ہے، لہذا اگر آپ اپنا وقت بچانا چاہتے ہیں تو دنیاوی مصروفیات کو جس قدر کم کر سکتے ہیں، کم کر دیجئے! اور جو وقت بچے اُسے آخرت سے متعلق اہم ترین کاموں میں صرف کیجئے۔

## ۶۔ گھر یا مسجد میں زیادہ وقت گزارنا

بلا ضرورت اپنے گھر سے باہر نہ نکلے، کیونکہ عموماً باہر نکلنے سے وقت ضائع ہوتا ہے، اس لیے ایک صحیح حدیث میں آتا ہے: عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! نجات کیونکر ممکن ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھو، اپنے گھر کو اپنے لیے وسیع سمجھو، (یعنی بلا ضرورت گھر سے نہ نکلو)، اور اپنی خطاؤں پر آنسو بہاؤ“ (ترمذی)

اس حدیث پر غور کیجئے۔

نیز ایک اور حدیث میں آتا ہے:

”أَبْقِضِ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ أَسْوَاقُهَا وَأَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ مَسَاجِدُهَا“ (مسلم)

(اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ بازار ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب

سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب جگہ مسجد ہیں)۔

بازار اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند اس لیے ہیں کہ وہاں عموماً دھوکہ دہی، جھوٹ، خباثت، اور نظر بازی جیسے گناہ ہوتے ہیں، کیونکہ بازار ابلیس کا اڈا ہے، جو شخص بھی بازار میں جائے اسے

ان چیزوں میں سے کسی نہ کسی کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے سوائے اُس شخص کے جسے اللہ اپنے فضل سے محفوظ رکھے، اگر آپ کو یقین نہ آئے تو تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔ لہذا حتی الامکان بازار جانے سے بچئے۔

جبکہ مسجد اور گھر ایک مؤمن بندے کیلئے عبادت و ریاضت کی جگہیں ہیں، مسجد میں بیٹھنا بھی باعثِ اجر ہے، اسی طرح مسجد کے افعال مثلاً نماز، تلاوت، تعلیم و تعلم وغیرہ میں خیر ہی خیر ہے، اسی طرح گھر میں رہ کر انسان بہت سے گناہوں اور شر سے محفوظ رہتا ہے، غیبت، چغلی، نظر بازی اور دیگر فتنوں سے بچ جاتا ہے، اپنے شر سے بھی دوسروں کو بچاتا ہے، اور عبادت کیلئے فارغ ہوتا ہے۔

۷۔ نیند اور کھانے پینے کی کثرت سے پرہیز

انسان کو چاہئے کہ زیادہ نیند اور آرام سے بھی بچے، اسی طرح زیادہ کھانے پینے اور بولنے سے بھی پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ اسکی وجہ سے بہت سا وقت ضائع ہو جاتا ہے، بلکہ ہمارے زمانے میں تو خواتین کی تمام عمر ہی کھانے پکانے، نیند اور ملاقاتوں میں بیت جاتی ہے۔ (واللہ المستعان)۔

ایک خاتون جب فجر میں بیدار ہوتی ہیں تو فجر کے فوری بعد چائے ناشتے میں مصروف ہو جاتی ہے، یا فجر کے بعد دوبارہ سو جانے کی صورت میں اُٹھنے کے فوری بعد ناشتے کی مصروفیت، پھر دوپہر کے کھانے کی تیاری، پھر چائے کا سلسلہ، پھر برتنوں کی دھلائی وغیرہ، اور پھر دوبارہ رات کے کھانے کی تیاری اور اس دوران اگر موقع مل جائے تو میل ملاقات اور بازاروں کے چکر اور پھر انہی گول دائروں کے چکر میں زندگی بیت جاتی ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے: کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے دو مرتبہ کھانا کھایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: آپکی تمام فکر پیٹ سے متعلق نہیں ہونی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ

يَذْكُرْ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٦٢﴾ (الفرقان/ ۶۲)

(اور وہی (اللہ) ہے جس نے ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے رات اور دن بنائے، اس شخص کیلئے جو نصیحت پکڑنا چاہے، یا شکر کرنا چاہے) بہت سے لوگوں کو اللہ کے بنائے ہوئے نظام کے الٹ طریقہ عمل اختیار کر رکھا ہے، رات اللہ تعالیٰ نے آرام کیلئے بنائی ہے لیکن وہ لوگ رات کو دیر تک جاگتے رہتے ہیں جسکے نتیجے میں قیام اللیل سے محروم رہتے ہیں، اور فجر کی نماز بھی ضائع کر دیتے ہیں، اور اگر پڑھیں بھی تو غفلت، سستی اور نیند کی حالت میں پڑھتے ہیں، اور پھر دن کے دس گیارہ بجے تک سوئے پڑے رہتے ہیں۔

## ۸۔ دعوتوں کی کثرت بھی وقت کے ضیاع کا سبب ہے

خصوصاً علماء کرام اور اصحاب عقل، زہد و تقویٰ کیلئے دعوتوں کی کثرت وقت کے ضیاع کا سبب بنتی ہے، کیونکہ لوگ انہیں مختلف دعوتوں پر بلا تے ہیں، کبھی ویسے کی دعوت، کبھی عقیقہ کی، کبھی صدقے، اور کبھی اظہار محبت کیلئے انہیں دعوت پر بلا تے ہیں۔ اور ان تمام دعوتوں میں شرکت کے نتیجے میں انکا قیمتی وقت یونہی چلا جاتا ہے، اور بعض اوقات تو ان دعوتوں میں شرکت کیلئے انہیں طویل سفر کرنے پڑتے ہیں، اور چند لمحوں کے سبب عمر کا ایک بڑا حصہ برباد ہو جاتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تکلفات میں نہیں پڑتے تھے۔

عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شادی بھی کر لی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ قرب و محبت کے باوجود نہ آپ کو بتایا، نہ بتایا، اسی طرح جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بھی اگر چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ قریبی تعلق اور حد درجہ محبت رکھتے تھے لیکن وہ بھی شادی کر لیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تک نہیں ہوتا۔

کیونکہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تکلفات سے منع فرمایا تھا، صحابہ

کہتے ہیں: ”لَهَيْتَنَا عَنِ التَّكْلِيفِ“ ہم تکلف سے منع کیے گئے ہیں۔

(الصحيحۃ (۲۳۹۲)

لہذا عام مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے علماء اور اصحاب فضل کے اوقات کو فضول اور معمولی کاموں میں ضائع ہونے سے بچائیں، اور علماء کو بھی چاہئے کہ لوگوں کو ایسی باتیں بتلائیں۔

### ۹۔ اللہ سے دُعا کیجئے

دُعا بھی اس حوالے سے مفید ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجئے کہ اللہ آپ کے وقت میں برکت دے اور اسے ضائع ہونے سے بچائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں، اور دُعا ہر بیماری کیلئے دوا ہے، لہذا دنیا و آخرت سے متعلق تمام امور میں اللہ سے مدد مانگیے۔

### ۱۰۔ تقویٰ اختیار کیجئے

تقویٰ تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کی عمر اور وقت کو فضول ضائع ہونے سے بچاتا ہے، اور اپنی عبادت کے کاموں میں استعمال کرتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے: ”جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کیساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے استعمال کرتا ہے“ کسی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ اُسے کیسے استعمال کرتا ہے؟ فرمایا: ”اُسے موت سے پہلے پہلے عمل صالح کی توفیق دے دیتا ہے“ (ترمذی)

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾ (الطلاق/۲)

(اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کیلئے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا)

۱۱۔ فرض نمازوں اور نوافل کے اوقات کی حفاظت کرنا۔

جو شخص فرض نمازوں اور نوافل کے وقت کا اہتمام کرے، اللہ اسکی پوری عمر کی حفاظت کریگا۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان اوقات میں بڑے اسرار رکھے ہیں۔ مثلاً جو شخص رات کے آخر پہر اٹھ کر دو رکعتیں پڑھے، تو اللہ تعالیٰ اُسے غافلین میں نہیں لکھتا، اور رات کا قیام دن میں گناہوں سے باز رکھتا ہے، عشاء کو جماعت سے پڑھنا آدمی رات کے قیام، اور اسکے ساتھ فجر بھی جماعت کیساتھ پڑھنا پوری رات کے قیام کے مترادف ہے، اسی طرح صبح کے اذکار میں بہت فوائد ہیں، لہذا ایک دن بھی انہیں ترک نہ کریں صرف ٹوٹل پورا کرنے کی بجائے انہیں پڑھتے وقت خشوع اور تضرع اختیار کریں، اور انکے معانی پر غور کریں۔

اسی طرح ایک عقلمند مؤمن کو نماز فجر کے بعد سونا نہیں چاہیے، کیونکہ فجر کے بعد سونا انتہائی نقصان دہ ہے، حدیث میں آتا ہے: اگر میں نماز فجر کی بعد سورج طلوع ہونے تک اللہ کا ذکر کرنے والوں کیساتھ بیٹھا رہوں تو یہ مجھے اولاد، اسماعیل میں سے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے، اور اگر میں نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک اللہ کا ذکر کرنے والوں کیساتھ بیٹھوں تو یہ مجھے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے (ترمذی، صحیح الترغیب والترہیب)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر پڑھنے کے بعد چار زانو ہو کر بیٹھ جاتے یہاں تک کہ سورج اچھی طرح طلوع ہو جاتا۔ (ابوداؤد)

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریق کار تھا، تو کیا آپکے طریقے کو اپنانا ہمارے لیے بہتر نہ ہوگا؟

مسند احمد میں سہل بن معاذ سے روایت ہے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز فجر کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھا رہا، یہاں تک کہ اشراق کی دو رکعتیں پڑھ لیں، اور اس دوران بھلائی کی بات کے علاوہ کوئی بات نہ کی، میں اسکے گناہ معاف کر دوں گا اگرچہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔ (ابویعلیٰ کی

روایت میں ہے اسکے لیے جنت واجب ہوگئی حافظ ابن حجر کہتے ہیں: اس حدیث کو ابو داؤد ترمذی اور نسائی نے حسن سند کیساتھ روایت کیا)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا جو کامیابی کیساتھ بہت جلدی پلٹ آیا اور بہت سال مال غنیمت بھی لایا۔

ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم: ہم نے کوئی لشکر ایسا نہیں دیکھا جس نے اس قدر جلدی حملہ کیا ہو اور ان سے زیادہ غنیمت سمیٹ لایا ہو۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں اُس شخص کی خبر نہ دوں جو ان سے زیادہ تیزی کیساتھ حملہ کرتا ہے۔ اور ان سے زیادہ غنیمت لاتا ہے؟ وہ آدمی جو اچھی طرح وضو کرے، پھر مسجد کی طرف جائے، فجر کی نماز پڑھے اور پھر اسکے بعد اشراق کی نماز بھی پڑھے، تو اس نے جلدی حملہ کیا، اور بہت غنیمت پائی۔

(صحیح الترغیب والترہیب اللالبانی)

لہذا اگر آپ اس سنت مبارکہ پر عمل پیرا ہوں، تو میل کچیل اور گناہوں کی آلودگی سے پاک صاف ہو کر اپنے کاموں کا رخ کریں گے، آپکے آنکھیں ٹھنڈی اور عمل میں نشاط پیدا ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کیلئے دُعا بھی فرمائی ہے کہ ”اے اللہ! میری امت کیلئے صبح کے وقت میں برکت عطا فرما“۔

جو لوگ اس وقت سوتے ہیں، وہ اس قیمتی برکت سے محروم ہو جاتے ہیں، بلکہ تجربے سے ثابت ہے کہ جو شخص صبح کا وقت ضائع کر دے اُس کا پورا دن ضائع ہو جاتا ہے، اور جو نماز فجر میں سستی اور غفلت کا مظاہرہ کرے اُسکی عمر وغیرہ کی نماز بھی ضائع ہو جاتی ہے۔

فجر کے بعد بیٹھنے کے اہم ترین فوائد یہاں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے والوں کے پورے دن اور وقت میں برکت دیتا ہے۔



۲۔ اللہ کیلئے چار غلام آزاد کرنے اور حج و عمرے کا ثواب ملتا ہے۔

۳۔ اسکے ذریعے صبح کے اذکار بھی جلد بازی کی بجائے حضور قلب اور خشوع کیساتھ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

۴۔ جب تک کوئی شخص نماز کے بعد وضوء کی حالت میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہے تو فرشتے اُسکے لیے دعائے رحمت کرتے اور بخشش مانگتے رہتے ہیں۔ (جیسا کہ بخاری کی حدیث سے ثابت ہے)

۵۔ اشراق کی نماز پڑھنے کا موقع ملتا ہے، جسکی دو رکعتیں تین سو ساٹھ جوڑوں کا صدقہ بن جاتی ہیں، اور اگر چار رکعات پڑھی جائیں تو پورے دن کیلئے کافی ہو جاتی ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! دن کی ابتدا میرے لیے چار رکعات پڑھ لے، میں دن کے آخر تک تجھے کافی ہو جاؤں گا۔

(سنن أبویہ)

۶۔ ہر دو ہفتوں یا ایک ماہ میں قرآن مجید کی قراءت مکمل کی جاسکتی ہے، اور خصوصاً حفظ کرنے اور دُہرائی کیلئے تو یہ وقت بیش بہا نعمت ہے۔

۷۔ وقت منظم ہو جاتا ہے، اور انسان صبح جلدی اپنے کام کا آغاز کرتا ہے، اور اسکے عمل میں نشاط، قوت اور اللہ پر اعتماد جھلکتا ہوا نظر آتا ہے (تفصیل کیلئے دیکھئے "إِغْنَامُ الْأَجْرِ فِي الْمَكْتُبِ فِي الْمُصَلِّي بَعْدَ الْفَجْرِ")

۸۔ سنت کی پیروی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کے بعد بیٹھا کرتے تھے۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کا موقع ملتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورج طلوع ہونے سے پہلے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔

۱۰۔ رزق میں برکت ہوتی ہے۔

۱۱۔ اخلاق پر اچھا اثر پڑتا ہے، کیونکہ جو لوگ اس وقت سونے کی عادی ہوتے ہیں انکار اخلاق بگڑ جاتا ہے۔

۱۲۔ لوگوں کے اس وقت سونے پر زمین بھی اللہ سے شکوہ کرتی ہے، اور ایسے ہی کئی فوائد ہیں جو فجر کے بعد جاگتے رہنے سے حاصل ہو سکتے ہیں، پھر اسکے بعد ظہر کی نماز کیلئے مستعد رہنا چاہئے اور ظہر سے پہلے کی سنتیں بھی پڑھی جائیں کیونکہ اس وقت آسمان کے دروازے کھلتے ہیں (کما فی الحدیث) اسی طرح ایک متقی مسلمان کو قیلولہ (دوپہر کا آرام) بھی کرنا چاہئے، اسکے بہت سے فوائد ہیں: اس سے عقل بڑھتی ہے، قیام اللیل میں مدد ملتی ہے، اور شیاطین کی مخالفت ہے کیونکہ شیطان قیلولہ نہیں کرتے۔

پھر اسکے بعد عصر کی نماز جلدی پڑھنے کیلئے تیار رہے، کیونکہ عصر کی نماز میں تاخیر کرنا منافقین کا کام ہے، اور ہمارے ہاں تھلید جامد کا شکار لوگ ایسا کرتے ہیں، یہ وقت انتہائی اہم ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں نماز عصر جلدی پڑھنے کیلئے کہا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی قسم اٹھائی ہے، اور اگر آپ عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھیں تو آپ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوگی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے والوں کو رحمت کی دُعا دی ہے (ابوداؤد)

پھر عصر کے بعد غروب آفتاب تک قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر اذکار کیجئے، یا کسی کی عیادت یا نماز جنازہ میں شرکت کیلئے جائے یا تعلیم و تدریس کے کسی حلقے میں بیٹھیے، لیکن شام کے اذکار پڑھنا مت بھولیے۔

پھر مغرب کی نماز اور نماز کے بعد نوافل کا اہتمام کیجئے، یہ وقت بھی اہم ہے اس لیے اس وقت دُعا کرنے کا حکم ہے۔

پھر عشاء کی نماز پڑھیے اور اسکے فوراً بعد با وضو حالت میں سو جائیے۔ عشاء کے بعد فضول گپ شپ کرنے یا ٹیلی وژن دیکھنے میں اپنا وقت ضائع مت کیجئے، یہ آپکے لیے انتہائی نقصان دہ ہے، ایسا کرنے سے دل سخت ہو جاتا ہے، عبادات کا نور ختم ہو جاتا ہے، تہجد سے محرومی، اور بعض اوقات فجر کی نماز باجماعت پڑھنے سے بھی قاصر رہتے ہیں۔

اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد بات چیت کو ناپسند کرتے تھے، سوائے علمی

مباحثے، اہل خانہ یا مہمان کیساتھ گفتگو، یا مسلمانوں کے امور میں مشاورت کے لوگوں نے آجکل تمام معاملات کی طرح وقت کا اسلامی نظام بھی اُلٹے کر رکھا ہے، آپ دیکھیں گے کہ کوئی شخص رات ایک بجے سے پہلے سوتا ہی نہیں، تو پھر بھلا تہجد یا نماز فجر کیلئے کیسے اٹھ سکتا ہے؟ یہ بری عادت ہمارے معاشرے میں کفار کی طرف سے آئی ہے، اور بجلی اور دنیاوی فتنوں کا نتیجہ ہے۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے، جو مسلمانوں با وضو ہو کر سوئے اور رات کو آنکھ کھلنے پر اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی کسی بھلائی کا سوال کرے، تو اللہ تعالیٰ وہی بھلائی اُسے عطا فرمادیتا ہے (صحیح الترغیب ۱/۱۳۵)

لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے اوقات کی حفاظت کرے، خصوصاً اپنے رب کی عبادت کی اوقات کا خیال رکھے تو اللہ تعالیٰ اُسکی تمام عمر کو محفوظ اور مفید بنا دیتا ہے۔

۱۲۔ وقت کو منظم کرنا اور اسے نیک اعمال پر تقسیم کرنا بھی وقت کی حفاظت میں

مدد دیتا ہے۔

اگر آپ اپنے اوقات کو کسی ناظمِ ٹیبل کے ذریعے منظم اور منقسم نہیں کرتے تو یقیناً آپ کا بہت سا وقت ضائع اور بے کار چلا جائیگا۔ ہر بندے کو چاہیئے کہ وہ پہلے یہ دیکھے کہ کس وقت میں کونسا عمل زیادہ موزوں ہے، اور پھر اس وقت کیساتھ اس عمل کو مختص کر کے احسن طریقے سے ادا کرے۔ پھر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بندہ کس قسم کے حالات سے گذرتا ہے:

نعمت، آزمائش، اطاعت، معصیتِ نعت کے وقت شکر کرنا چاہیئے، آزمائش کے موقع پر صبر کرنا چاہیئے، گناہ ہو جائے تو توبہ و استغفار کے ذریعے اُسکی تلافی کرنی چاہیئے، اور اطاعت کے وقت عبودیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے احسن طریقے سے بجالائے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عابدِ فحش کو دیکھا، پوچھا:

اے اللہ کے بندے! تو لوگوں کیساتھ کیوں بیٹھتا؟ اُس نے جواب دیا: میں نے

کافی عرصے سے لوگوں کیساتھ بیٹھنا چھوڑ دیا ہے، حسن بصری نے پھر پوچھا: تم حسن کے پاس کیوں نہیں جاتے؟ اُس نے کہا: میں حسن کے پاس جانے کا وقت نہیں پاتا۔ حسن بصری نے پوچھا: تمہیں کس چیز نے مصروف کر رکھا ہے؟ اُس نے کہا: میں صبح شام گناہ اور نعمت کے درمیان ہوتا ہوں، لہذا یا تو گناہ سے استغفار میں مشغول رہتا ہوں یا پھر نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں لگن رہتا ہوں، تو حسن بصری نے اُس سے کہا: میرے نزدیک تم حسن سے بڑے فقیہ ہو۔ (ارشاد العباد (۱۰۷)۔

لہذا آپ کا کوئی وقت بھی فارغ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ تمام اوقات اعمالِ صالحہ سے معمور اور اُن میں مصروف ہوں۔

## ۴۔ مندرجہ ذیل کاموں میں آپ کا وقت صرف ہونا چاہیے

- ۱۔ علم شرعی کی طلب
- ۲۔ عبادت کی مختلف انواع
- ۳۔ غور و فکر
- ۴۔ حقوق کی خدمت اور ان کیساتھ احسان کا معاملہ
- ۵۔ ایمان میں اضافے کی کوشش
- ۶۔ رحمن کی طرف دعوت
- ۷۔ نفس کا محاسبہ
- ۸۔ اعلیٰ اوصاف و اخلاق کو سیکھنا اور اپنانا
- ۹۔ اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضروریات پوری کرنا
- ۱۰۔ اپنے نفس کو برائیوں سے روکے رکھنا
- ۱۱۔ اللہ کیساتھ خلوت اختیار کرنا
- ۱۲۔ بعض اوقات غیر آباد جگہوں کی طرف نکل جانا

۱۔ جہاں تک علم شرعی کا معاملہ ہے تو اس حوالے سے آپ پر لازم ہے کہ جو علم جس قدر زیادہ نفع مند ہے سب سے پہلے اُسی پر توجہ مرکوز رکھیں، اور اسی ترتیب سے علوم سیکھتے جائیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے ابو دوداء رضی اللہ عنہ کو لکھا: میرے لیے علم کے بارے میں کچھ لکھیں۔ تو انہوں نے جواب دیا: یقیناً علم تو بہت سے زیادہ ہے اور وقت انتہائی کم۔ لہذا جو زیادہ مفید علم ہیں وہ حاصل کرو۔

(جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبد البر، حیاة الصحابة)۔

تمام شرعی علوم میں سب سے افضل قرآن پر تدبر ہے، پھر سنت نبوی اور احکام شرعی کا علم، اسکے بعد خشوع، اللہ تعالیٰ کی اسماء و صفات، سزا اور جزا، اور اسرار شریعت کا علم ہے، شرعی علوم بھی بہت زیادہ ہیں۔

لہذا جو علم زیادہ نافع ہو اُسے پہلے اختیار کیجئے، اور اپنے اوقات گھنیا علوم کی تحصیل میں ضائع نہ کیجئے، مثلاً ریاضی، منطق، فلسفہ اور انگریزی زبان کی تعلیم وغیرہ، کیونکہ انکا فائدہ بہت کم ہے، اور بعض اوقات تو نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔

۲۔ عبادات کا میدان بھی بہت وسیع ہے، اور ہمیں پیدا بھی عبادت کیلئے ہی کیا گیا ہے، علم تو اسکا وسیلہ ہے، اہم ترین عبادت فرائض کی ادائیگی ہے، اسکے بعد قرآن کی تلاوت، شرعی اذکار، طویل سجود، اور نوافل کا اہتمام اہم ترین ہیں خصوصاً سنن رواتب کی بہت اہمیت ہیں، اور یہ ایک خاص اثر رکھتی ہیں، حدیث میں آتا ہے:

”يَا ابْنَ آدَمَ اَتَفَرِّغُ لِعِبَادَتِي اَمْ لَأَصْلَا صَلَاتُكَ غِنَى وَ اَسْلَفْتُكَ، وَ اِلَّا تَفْعَلْ اَمْ لَأَيِّدُكَ شُغْلًا وَ لَمْ اَسْلَفْتُكَ“ (مسند احمد)

”اے ابن آدم! میری عبادت کیلئے فارغ ہو جا، میں تیرا سینہ غنا سے بھر دوں گا اور تیرا فقر دور کر دوں گا، اور اگر تو نے ایسا نہ کیا، تو تیرا ہاتھ مصروفیت سے بھر دوں گا، اور تیرا فقر بھی دور نہ کروں گا“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو طویل نمازیں پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے قدم

مبارک سوچ جاتے، جبکہ ہمارا طرز عمل اس حوالے سے کیا ہے؟  
 اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ البقرہ کے برابر طویل سجدے کیا کرتے تھے، کیا ہم  
 نے بھی طویل سجدوں کی یہ لذت چکھی ہے۔  
 عبادت کیلئے بہت وقت درکار ہے، پھر انسان کے پاس لوگوں کیساتھ میل جول اور کھیل  
 کو دکیلئے وقت ہی نہیں بچتا!!  
 ۳۔ غور و فکر کرنا بھی ایک مستقل اور اہم عبادت ہے، اسکے بہت سے فوائد ہیں جنکا  
 تذکرہ ہم ایک مستقل فائدے میں کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔  
 البتہ یہاں اتنا ضرور کہیں گے کہ ہر انسان کو چاہیئے کہ کچھ وقت نکال کر مندرجہ ذیل باتوں پر  
 غور و فکر کرے :

(۱) اللہ رب العزت کی عظمت و بڑائی

(۲) اللہ تعالیٰ کی وسیع و عریض کائنات

(۳) موت اور موت کے بعد والے حالات

(۴) اللہ تعالیٰ کے افعال اور حوادثِ زمانہ

(۵) قرآن مجید اور احکامِ الہیہ

(۶) گناہ اور انکے اثرات

(۷) اعمال کی درستی

(۸) حقوق کی ادائیگی

۳۔ خدمتِ خلق

اس میں مریض کی عیادت، جنازوں میں شرکت، راستوں کی رہنمائی، مظلوم کی حمایت  
 اور مجبور کی مدد جیسی باتیں شامل ہیں۔

۵۔ ایمان میں اضافے کی کوشش

یہ بہت نادر چیز ہے! اور بہت سے لوگوں کو اس پر سوچنے کی بھی توفیق نہیں ملتی، بلکہ بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان پہاڑ کی طرح ہے، ہزار آندھیاں چلیں، طوفان آئیں، لیکن ایمان اپنی جگہ پر برقرار رہتا ہے، اس میں کوئی تبدیلی، تغیر یا کمی و زیادتی نہیں ہوتی، ان مسکینوں کو یہ معلوم نہیں کہ گناہ تو درکنار صرف غفلتوں اور لغویات کی بناء پر بھی ایمان میں کمی ہو جاتی ہے، اور ایمان میں زیادتی کا معنی یہ ہے کہ جب ہم اللہ کا ذکر، اسکی تسبیح و تحمید بیان کرتے ہیں تو ہمارے دلوں میں جو اللہ کی خشیت و عظمت کا احساس پیدا ہوتا ہے یہ ایمان کی زیادتی ہے، اور ان امور سے غفلت ایمان میں کمی کا باعث ہے، اسکی تفصیل کیلئے پہلی جلد کا فائدہ نمبر (۴۷) دیکھئے۔

## ۶۔ دعوت الی اللہ

اللہ کی طرف دعوت دینا ایک اہم دینی فریضہ اور ایمان کا عظیم شعبہ ہے، اور بنی نوع انسان میں سے صرف کامل لوگ ہی اسکی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہیں، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے کامیاب قرار دیا ہے، اور اسی طرح انہیں بات کے لحاظ سے تمام لوگوں سے بہتر کہا گیا ہے، فرمایا: ”وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ“ (حم السجدة / ۳۳)

(اور بات کے اعتبار سے اس سے اچھا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ بے شک میں فرمانبرداروں میں سے ہوں)

دعوت کی ذمہ داری وہی شخص اٹھا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پہچان لے، گناہوں کی قباحت اور اعمال صالحہ کے حسن سے آگاہ ہو، جو اطاعت کی مٹھاس اور نافرمانی کی تلخی و کڑواہٹ کو چکھ چکا ہو، لہذا ضروری ہے کہ آپ اپنا قیمتی وقت اس اہم ترین ذمہ داری اور اسکے لوازمات کے حصول میں صرف کریں۔

۷۔ نفس کا محاسبہ۔

یہ بھی ایک مومن کیلئے انتہائی ضروری ہے، کیونکہ اگر وہ اپنے نفس کا محاسبہ نہیں کریگا تو اس کا وقت یونہی ضائع ہوتا چلا جائیگا، اور اسکے اعلیٰ مقاصد حاصل نہ ہو جائیں گے۔

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”آل داؤد کی حکمت میں یہ بات لکھی ہے: ہر عقلمند پر حق ہے کہ چار ساعتوں سے غافل نہ ہو: ایک ایسی ساعت جس میں وہ اپنے رب کیساتھ مناجات کرے، اور ایک ایسی گھڑی جس میں وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور ایک ایسی ساعت جس میں وہ اپنے بھائیوں کیساتھ صلہ رحمی میں ملے جو اُسے اسکے عیوب سے ٹھیک ٹھیک آگاہ کریں، اور ایک ایسی ساعت بھی ضرور ہو جس میں وہ اپنی جائز خواہشات اور لذات کو پورا کرے، کیونکہ ایسا کرنے سے باقی ساعتوں کے حوالے سے مدد ملے گی اور دل کو راحت حاصل ہوگی، اسی طرح ہر عاقل کی ذمہ داری ہے کہ اپنے زمانے سے آگاہ، اپنی زبان کا محافظ، اور اپنے کام پر متوجہ ہو (ابن حبان الترغیب والترہیب)۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک مومن اپنے نفس کا نگران ہوتا ہے اور اللہ کی خاطر اس کا محاسبہ کرتا رہتا ہے، جو لوگ دنیا میں اپنے نفسوں کا محاسبہ کرتے ہیں، قیامت کے دن انہی کے حساب میں تخفیف ہوگی، اور جو دنیا میں اپنا محاسبہ نہیں کرتے قیامت والے دن ان کا سخت حساب ہوگا۔

ایک دانہ کا قول ہے: جو چیز کل تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہو اسکے سوا کسی چیز پر غم نہ کرو، اور جو چیز کل (قیامت کے دن) تمہارے لیے باعثِ مسرت نہ ہو اُس پر خوش مت ہوؤ، سب سے زیادہ فائدہ مند خوف وہ ہے جو تمہیں گناہوں سے روک دے، اللہ کی اطاعت سے محرومی پر طویل غم اور افسوس کیا کرو، اور ہمیشہ باقی عمر کی فکر میں رہا کرو۔ (الإیقاظ)

ایک عبادت گذار شخص رورہے تھے، کسی نہ وجہ پوچھی تو کہا: میں اس بات پر رورہا ہوں کہ روزہ دار تو روزے رکھ رہے ہیں لیکن میں اُن میں سے نہیں، اللہ کو یاد کرنے والے اُسے یاد



کر رہے ہیں لیکن میرا شمار اُن میں بھی نہیں، اور نمازیں پڑھے والے لوگ نمازیں پڑھتے جا رہے ہیں لیکن میں اُن میں بھی شامل نہیں میمون بن مہران فرماتے ہیں: کوئی آدمی اُس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جب تک وہ ایک شریک (حصہ دار) کے دوسرے شریک سے بڑھ کر اپنے نفس کا محاسبہ نہ کرنے لگ جائے۔

حسان بن سنان کا گذر ایک بازار جانے کے پاس سے ہوا تو انہوں نے پوچھا: یہ کب بنا ہے؟ اور پھر اپنے نفس کے طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے: تو اُس چیز کے متعلق سوال کرتا ہے جو تجھ سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتی! میں تجھے ایک سال کے روزوں کے سزا دوں گا، اور پھر انہوں نے ایک سال کے روزے رکھے (مختصر منہاج القاصدین)

### محاسبہ کا طریقہ

سب سے پہلے انسان کو فرائض پر اپنا محاسبہ کرنا چاہیے، اور ان میں کوئی کمی ہو تو قضاء یا اصلاح کے ذریعے اُس کا تدارک کرے، پھر حرام چیزوں کے ارتکاب پر اپنا مواخذہ کرے اور توبہ و استغفار کے ذریعے اسکا علاج کرے، پھر غفلتوں پر اپنا محاسبہ کرے اور ذکرِ الہی و اِنَابَتِ اِلٰی اللہ کے ذریعے اسکی تلافی کرے۔

انسان کو چاہیے کہ اپنی ہر بات، ہر قدم اور ہر چیز کا محاسبہ کرے اور خود سے پوچھے کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ کس مقصد کے تحت کیا؟ کس کیلئے کیا؟ کیسے کیا؟ (آخری سوال کا تعلق متابعت سے ہے، اور پہلے سوالات کا تعلق اخلاص کیساتھ)۔

### محاسبہ نفس کے دو اقسام ہیں:

۱۔ عمل سے پہلے محاسبہ۔

یعنی جب بھی انسان کوئی ارادہ کرے تو اُس پر عمل پیدا ہونے سے پہلے اس بات کا اطمینان حاصل کرے کہ اُسے کرنا نہ کرنے سے بہتر ہے۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اُس بندے پر رحمتیں نازل فرمائے جو عمل سے پہلے ٹھہر کر سوچتا ہے، پھر اگر وہ عمل اللہ کی رضا جوئی کیلئے ہو تو کر گذرتا ہے اور اگر غیر اللہ کیلئے ہو تو رُک جاتا ہے۔

۲۔ عمل کے بعد محاسبہ

اسکی تین انواع ہیں:

۱۔ نیکوں میں پائی جانے والی کوتاہی کا محاسبہ

۲۔ اس فعل پر محاسبہ جسے نہ کرنا بہتر تھا

۳۔ اپنی عادات اور مباح امور کا محاسبہ کرنا اور اس بات کا جائزہ لینا کہ ان میں نیت کیا

تھی؟ صرف دنیاوی خواہشات یا اللہ کی رضا مندی؟

اس حوالے سے ہم ایک مستقل فائدہ تحریر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

۸۔ اعلیٰ اوصاف و اخلاق کو سیکھنا اور اپنانا انتہائی ضروری ہے، مثلاً صبر، سخاوت، وقار،

خشوع، خاموشی، تواضع اور ان جیسے دیگر اوصاف جنہیں سیکھنے کیلئے ایک عمر درکار ہے جبکہ

لوگ ان سے غافل ہیں۔

۹۔ ضروریات زندگی کو پورا کئے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں، کیونکہ انسانی جان بھی دیگر مخلوقات

کی طرح انکی محتاج ہے، اور انسانی بدن کی مثال اُس سواری کی طرح ہے جسے اچھی غذا دی

جائے تو فائدہ پہنچاتی ہے، اور اگر غذا نہ ملے تو اڑیل ہو جاتی ہے، لہذا خصوصاً آجکل کے

زمانے میں انسان کو چاہیے کہ بعض جائز خواہشات پر پابندی نہ لگائے، نفس کے بعض

مطالبات شرعی حدود میں رہتے ہوئے مان لے، اور پھر اللہ کی عبادت سے متعلق اپنے

مطالبات بھی اُس سے منوائے، اگر آپ نفس کی جائز خواہشات بھی چھڑوانا چاہیں گے تو

آپکا نفس یا تو مرجائے گا یا پھر بدک کر بے قابو ہو جائے گا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اپنے

دلوں کو راحت پہنچاؤ، اگر زیادہ سختی کرو گے تو وہ اندھے ہو جائیں گے۔

۱۰۔ انسانی دل کی اصلاح اور غور و فکر کیلئے اللہ کیساتھ خلوت اختیار کرنا بھی ضروری ہے،

اور اسکے بہت زیادہ فوائد ہیں۔

۱۱۔ اپنے نفس کو برائیوں سے روک لینا بھی ایک طرح کا صدقہ ہے، جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔

۱۲۔ بعض اوقات بے آباد جگہوں کی طرف بھی جانا چاہیئے، کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب ”الادب المفرد“ میں شریح بن حانی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے آباد جگہوں کی طرف جاتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان نیکیوں کی طرف جاتے تھے۔

(یہ صحیح حدیث ہے، اسے ابوداؤد رحمہ اللہ بھی باب الحجۃ میں درج کیا ہے) اسکا معنی سیر سپاٹے کیلئے غیر آباد جگہوں پر جانا نہیں، بلکہ لوگوں سے الگ ہو کر اللہ سے مناجات اور اپنے دل کی صفائی کرنا ہے۔

ان تمام امور کی تفصیل اور وضاحت کیلئے ایک پوری جدول درکار ہے لیکن یہاں صرف اشارات پر اکتفا کیا گیا ہے، کیونکہ دیگر متفرق فوائد میں اسکی تفصیل درج ہے۔



## ۱۸ - فائدہ

## شیطان انسانوں پر کیوں مسلط کیا گیا ہے؟

اسکی بہت سے حکمتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ اسکے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں یا اسکے دشمن کی؟ اس طرح کھرے کھوٹے میں تمیز ہوتی ہے۔

۲۔ تاکہ انسان اپنے خالق و مالک کی طرف لپکے اور اسکی پناہ حاصل کرے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہی چاہتا ہے قرآن پاک میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کھلے دشمن سے اللہ کی پناہ حاصل کرنے کا حکم دیا ہے جبکہ بہت سے لوگ اس پوشیدہ جسم والے لیکن کھلے دشمن سے اللہ کی پناہ نہیں مانگتے بلکہ اسے دشمن ہی نہیں جانتے۔

۳۔ تاکہ لوگ اُن اسباب کو اختیار کریں جو اللہ تعالیٰ نے شیطان سے بچاؤ کیلئے مقدر فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا﴾ (فاطر ۶)

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، لہذا تم اسے دشمن ہی جانو۔

بعض اہل علم سے پوچھا گیا: ہم شیطان سے کس طرح دشمنی رکھیں؟ اور اس سے بچاؤ کیونکہ ممکن ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ ہر مومن کیلئے سات بتائے ہیں جنکے ذریعے وہ اپنا بچاؤ کر سکتا ہے:

۱۔ ایک قلعہ سونے کا ہے۔ اور وہ ہے اللہ کی معرفت۔

۲۔ اسکے گرد ایک اور قلعہ ہے جو چاندی کا ہے، اور وہ ہے اللہ پر ایمان لانا۔

۳۔ اسکے گرد ایک اور قلعہ ہے، جو لوہے کا ہے، اور وہ ہے اللہ عز و جل پر توکل۔

۴۔ ایک پتھر کا قلعہ ہے، جسے شکر و رضا کہتے ہیں۔

۵۔ ایک مضبوط مٹی کا قلعہ ہے، جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کہلاتا ہے۔

۶۔ ایک زمر کا قلعہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کیلئے صدق و اخلاص پر مبنی ہے۔

۷۔ ایک آب دار موتی کا قلعہ ہے، جسے ادب نفس کہا جاتا ہے۔

ایک مؤمن جب ان قلعوں میں داخل ہو جاتا ہے تو شیطان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور باہر کھڑا ہو کر یونہی بھونکتا رہتا ہے، جبکہ مؤمن کیونکہ قلعہ بند ہو چکا ہوتا ہے لہذا اُسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی، ایک مؤمن کو چاہیئے کہ ادب نفس کو حرز جان بنائے رکھے۔ کیونکہ اللہ کی جناب میں بے ادبی کی وجہ سے انسان کو دھکے دیکر ان قلعوں سے نکالا جاسکتا ہے۔

ابلیس ہمیشہ اس بات کیلئے کوشاں رہتا ہے کہ بندہ مؤمن کو ان قلعوں سے بے دخل کر دے، یا تو تمام قلعے جھین کر کفر تک پہنچا دے، یا کم از کم بعض قلعے جھین لے اور فسق و فجور کی طرف لے جائے۔

ہمارے خیال میں ایک مضبوط قلعہ اور بھی ہے:

۸۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑنا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس دو مضبوط قلعے ہوں تو اللہ کے حکم سے شیطان اُس پر کبھی

مسلط نہیں ہو سکتا :

۱۔ ایمان صحیح

۲۔ توکل کامل

اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ، إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ۝ ﴾

(النحل/ ۹۹-۱۰۰)۔

(بے شک اُن لوگوں پر اُس (شیطان) کا کوئی زور نہیں چلتا جو ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، اسکا زور تو صرف اُن لوگوں پر چلتا ہے جو اُسے دوست بناتے ہیں اور جو اللہ کیساتھ شریک ٹھہراتے ہیں)۔

ایمان کے قلعے میں مذکورہ تمام قلعے شامل ہیں، کیونکہ مطلق ایمان میں مذکورہ تمام اعمال شامل ہیں (دیکھئے حیاۃ المؤمن باللہ میری (۳۰۶/۱)۔

نیز یہ بات یاد رکھیے کہ ادب سب سے پہلا قلعہ ہے جس پر شیطان نقب لگاتا ہے لہذا اسکی حفاظت انتہائی ضروری ہے، علاوہ ازیں دیگر قلعے بھی ہیں مثلاً گناہوں کا ترک، قرآن حکیم پر تدبر اور ایمان کو قوی کرنے والے اسباب، جنکی تعداد بیس ہے جیسا کہ پہلی جلد میں الکا تذکرہ ہو چکا ہے، انکی طرف مراجعت کیجئے وہ بھی شیطان کے خلاف مضبوط و محفوظ قلعے ہیں۔



## ۱۹- فائدہ

## عبادت کی لذت پائیے!

اگر آپ عبادت کی لذت اور اطاعت کا نور پانا چاہتے ہیں تو چند امور محفوظ رکھیے !  
۱۔ سب سے پہلے اپنے نفس کو تمام مذموم اخلاق اور بُری صفات سے پاک کیجئے، مثلاً جھوٹ، جھٹلی، بھل، لالچ، لمبی امیدیں، کثرتِ کلام، جلد بازی، بے وقاری، حرص، تکبر، خود پسندی، ریا کاری، ضد اور ان جیسی دیگر بری صفات ان تمام صفات سے بھی توبہ کیجئے اور اپنے نفس کو یہ بری صفات چھوڑ دینے کا عادی بنائیے، کیونکہ گناہوں کی گندگی اور عبادت کی لذت کا اجتماع ناممکن ہے۔

۲۔ نماز، ذکر اذکار، قرآن کی قراءت، حج و عمرہ، روزوں اور صدقہ خیرات وغیرہ جیسے اعمال کے ذریعے اللہ کی عبادت کیجئے۔

۳۔ نیز اسکے ساتھ ساتھ تمام ظاہری و باطنی امور میں سنت نبوی کا اہتمام کیجئے: ان شاء اللہ اس کا آپکی عبادت پر ایک عجیب اثر ہوگا، اور آپ اپنے دل کی کیفیت میں خوشگوار تبدیلی محسوس کریں گے۔

ان تمام امور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ أَلَمَحَ مَنْ تَزَكَّى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى﴾ (الأعلى/ ۱۴-۱۵)

(یقیناً فلاں پا گیا وہ شخص جس نے اپنا تزکیہ کیا، اور اپنے رب کا نام یاد کیا اور نماز پڑھی)

نیز فرمایا: ﴿إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَمَنْ تَزَكَّى فَإِنَّمَا يَتَزَكَّى لِنَفْسِهِ﴾ (فاطر/ ۱۸)

تو (صرف) تنذیر کرنے والے ہیں جن کو اللہ کے غیب میں ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو تزکیہ کرتے ہیں وہ اپنے آپ کے لیے کرتے ہیں۔

(بس آپ تو انہی لوگوں کو ڈراتے ہیں جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ نماز قائم کرتے ہیں، اور جو شخص پاک ہوتا ہے اپنے ہی لیے پاک ہوتا ہے) جو شخص آخرت کا خوف دل میں رکھتا ہو، اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دے اسی کیلئے ان تمام امور پر عمل کرنا ممکن ہے اور اگر آخرت کو فراموش کر دیا جائے تو ان امور پر عمل تو درکنار انکی معرفت بھی ممکن نہیں۔ واللہ المستعان۔





## ۲۰۔ فائدہ

## حسن اخلاق

یہ ایک انتہائی خوبصورت اور مفید فائدہ ہے، جسکے دیکھنا آنکھوں کیلئے باعث راحت، جسے سننا کانوں کیلئے باعث لذت، اور جسے سمجھنا دلوں کیلئے باعث سکون ہے۔  
دین و دنیا دونوں کیلئے اس میں فائدہ ہے، لہذا اسکا مطالعہ کرنا، اسے جاننا، اور اس پر عمل پیرا ہونا از حد ضروری ہے۔

## حسن اخلاق کے فضائل

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (القلم/۴)  
(اور) (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) یقیناً آپ خلاق کے عظیم درجے پر فائز ہیں۔  
اس آیت مبارکہ میں نبی کریم ﷺ زبردست مدح و تعریف کی گئی ہے، جو شخص بھی اخلاق و کردار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے اسکے لیے بھی اس تعریف میں حصہ ہے۔  
نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ (الأعراف/۱۹۹)  
(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ درگزر کیجئے، اور نیکی کا حکم دیجئے، اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کیجئے)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مکارم اخلاق کے حوالے سے یہ قرآن مجید کی جامع ترین آیت ہے، اور پورا قرآن حکیم ہی اخلاق کا بیان ہے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

فرماتی ہیں: ”كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق قرآن ہی تو تھا۔“ (مسلم)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ“

(مجھے تو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں)

ایک اور روایت میں مکارم کی جگہ صالح اخلاق (اچھے اخلاق) کے الفاظ آتے ہیں،  
دیکھیے (الصحيحہ (۴۵) عن أبي هريرة رضي الله عنه)

ابو درد آء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[أَتَمَّلُ شَيْءٍ فِي الْمِيزَانِ الْخُلُقِ الْحَسَنِ]

(نیکوں کے ترازو میں سب سے بھاری چیز اچھا اخلاق ہوگا۔) (الصحيحہ (۸۷۶)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا:

لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”أَحْسَنُهُمْ أَخْلَاقًا“

”جو سب سے اچھے اخلاق کا مالک ہے“ (الصحيحہ (۱۸۳۷)

اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں

یوں بیٹھے تھے گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، اور ہم میں سے کوئی بھی بات نہیں کر

رہا تھا کہ اچانک کچھ لوگ آئے اور انہوں نے پوچھا: اللہ کے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ کو

سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جَوَانٌ مِّنْ سَبِّ“

اچھے اخلاق والا ہے“ (طبرانی، الصحيحہ (۴۳۲)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[أَكْمَلَ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ أَخْلَاقًا، الْمُؤَطَّوُونَ أَكْثَلًا، الَّذِينَ

يَأْتُونَ وَيُؤْتُونَ وَلَا خَيْرَ لِمَنْ لَا يَأْتُ وَلَا يُؤْتُ] (الصحيحہ (۷۵۱)

(اہل ایمان میں کامل ترین ایمان والے وہ لوگ ہیں جو سب سے اچھے اخلاق والے

ہیں، جو انتہائی ملنسار ہوتے ہیں، خود بھی لوگوں کیساتھ پیار و محبت سے مل جل کر رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی ایک دوسرے سے ملاتے ہیں، اُس شخص میں کوئی خیر نہیں جو نہ تو خود لوگوں کیساتھ محبت سے رہتا ہے اور نہ ہی دوسروں کو باہم ملاتا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اُكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنَهُمْ أَخْلَاقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِهِمْ“

(احمد، ترمذی، الصحیحہ (۲۸۴)

(اہل ایمان میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جسکا اخلاق سب سے اچھا ہے، اور تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کیلئے بہتر ہیں)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ أَوْ بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ؟ عَلَى كُلِّ قَرِيبٍ هَتِّينَ سَهْلٍ] (مسلم، الصحیحہ (۹۳۸)

(کیا میں تمہیں اُس شخص کی خبر نہ دوں جو آگ پر حرام ہے، یا جس پر آگ حرام ہے؟ ہر اُس شخص پر جو لوگوں کے قریب ہے، نرم مزاج، اور سہل اخلاق کا مالک ہے۔)

ایک حدیث میں آتا ہے:

”إِنَّ اُكْمَلَ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَإِنْ حُسْنَ الْخُلُقِ لَيَبْلُغَ دَرَجَةً الصُّومِ وَالصَّلَاةِ“ (الصحیحہ (۱۵۹۰)

(بے شک اہل ایمان میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جسکا اخلاق سب سے اچھا ہے، اور بے شک اچھا اخلاق انسان کو روزوں اور نماز کے درجے تک پہنچا دیتا ہے)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”إِنَّ الرَّجُلَ لَيَذُرُّكَ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَاتٍ لَّيْلِمَ اللَّيْلِ صَالِمِ النَّهَارِ“

(بے شک ایک آدمی اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے رات کو قیام اور دن کو روزہ رکھنے والوں کے درجات کو پالتا ہے)

اور ایک روایت کے الفاظ میں ”راتوں کو جاگنے اور دو پہروں کو پیا سارہنے والوں کے درجات پالنے کا بیان ہے۔ (ابوداؤد (۳۷۹۸)“، ابن حبان (۱۹۲۷)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تہو کا آپ کے وضو کا پانی اپنے ہاتھوں میں لیکر جسم پر مل لیا کرتے تھے، آپ علیہ السلام نے اُن سے دریافت کیا؟ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کی محبت میں ایسا کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ بھی ہمیں محبوب بنالے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کا رسول تم سے محبت کریں تو تین خصلتوں پر دوام اختیار کرو: ہمیشہ سچ بولو، امانت ادا کرو، اور پڑوسیوں کیساتھ اچھا برتاؤ کرو، کیونکہ پڑوسی کو تکلیف دینا نیکیوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے سورج برف کو مٹو کر دیتا ہے۔

(اسے خلعی نے ”الفوائد“ اور طبرانی نے ”اوسط“ میں صحیح سند کیساتھ روایت کیا، دیکھئے الصحیحۃ (۲۹۹۸)۔

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَ أَقْرَبَكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا وَإِنْ مِنْ أَبْغَضِكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الشَّرَّارُونَ وَالْمُتَشَلِّقُونَ وَالْمُتَفَيِّقُونَ قَالُوا: قَدْ عَلِمْنَا الشَّرَّارُونَ وَالْمُتَشَلِّقُونَ فَمَا الْمُتَفَيِّقُونَ؟ قَالَ: الْمُتَكَبِّرُونَ“ (رواہ الترمذی باسناد صحیح)

(بے شک تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن میری مجلس کے قریب تر وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں سب سے اچھے ہیں، اور تم میں سے مجھے سب سے زیادہ ناپسند اور قیامت کے دن میری مجلس سے بعید تر وہ لوگ ہیں جو وہابی تباہی بکنے والے، باچیس کھول کر گفتگو کرنے والے، اور فخر سے پھیلنے والے ہیں، صحابہ کرام نے عرض کیا: ”شَرَّارُونَ“ اور ”مُتَشَلِّقُونَ“ کو تم ہم جانتے ہیں، یہ ”مُتَفَيِّقُونَ“ کون لوگ ہیں؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”یہ تکبر کرنے والے ہیں“  
(ترمذی نے اسے صحیح سند کیساتھ روایت کیا)

ہاشمی ؓ نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی چیز جنت کی موجب ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْكَلَامِ وَبَذْلِ الطَّعَامِ“  
(ہمیشہ اچھی بات کرو، اور لوگوں کو کھانا کھلانے کی عادت بناؤ۔)

(اسے ابن ابی الدنیا کتاب الصمت میں روایت کیا اور اسکی سند صحیح ہے)  
ابو ذر ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے ابو ذر! کیا میں تجھے دوائی خصلتیں نہ بتلاؤں جو پیٹھ پر اٹھائی ہلکی اور میزان میں باقی خصلتوں کی نسبت زیادہ، بھاری ہیں؟ ابو ذر ؓ نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! ضرور بتلائیے، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْخُلُقِ وَ طَوْلِ الصَّمْتِ، فَوَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا عَمِلَ الْخَلْقُ بِمِثْلِهِمَا“  
(اچھے اخلاق اور لمبی خاموشی کو لازم پکڑو، اُس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے! ان دونوں اعمال جیسا عمل کسی مخلوق نے نہیں کیا)

(مسند ابی یعلیٰ، الصمت لابن ابی الدنیا اسکی سند صحیح ہے)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے اُن سے فرمایا:  
”بَلَا شَيْءَ جَسْ فَخْصٍ كَوْنِي فِي سَعَةِ حَضْرَتِهِ لِكَيْ تَأْتِيَ دُنْيَا وَآخِرَتِ كِي بَهْلَايُوكِ مِنْ نَوَازٍ دِيَا كِيَا، نِيْزَ صِلْ رَحْمِي، حَسَنَ اخْلَاقٍ، اَوْرَ بَرْ دَسِيْوِي كِيَا تَهْ اُجْهًا بَر تَاوْ كَرْنِي سَ عِلَاقِي اَبَادِ هَوْتِي هِي، اَوْرَ عَمْرِي اِضَافَهْ هَوْتَا هِي“ (مسند احمد، یہ حدیث صحیح ہے)

○ ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں: کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کوئی چیز سب سے زیادہ جنت میں داخلے کا باعث ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

”تَقْوَى اللَّهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ، وَ اتَّقُوا مَا يُدْخِلُ النَّارَ الْفَمَ وَالْفَرْجَ“

(اللہ کا خوف اور اچھا اخلاق جبکہ زیادہ تر جہنم میں داخلے کا سبب منہ اور شرمگاہ ہے)

(ترمذی اور احمد (۲/۲۶۱) نے اسے صحیح سند کیساتھ روایت کیا)

○ عمرو بن حبیب نے سعید بن خالد سے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”خَابَ عَبْدٌ وَخَسِرَ مَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ تَعَالَى فِي قَلْبِهِ رَحْمَةً لِلْبَشَرِ“

وہ بندہ خائب و خاسر ہو گیا جسکے دل میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کیلئے رحمت نہیں ڈالی“  
(دولابی نے اسے روایت کیا، دیکھئے الصحیحہ (۳۵۶)

اسی طرح آپ ﷺ نے ایک مرتبہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

”إِذَا فُقِيَ لِبَانُ الرَّفْقِ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا رَانَةٌ وَلَا نَزْعٌ مِنْ شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا شَانَةٌ“

(نری برتو، کیونکہ نری جب بھی کسی چیز میں پائی جائے تو اُسے مزین کر دیتی ہے، اور جب کبھی کسی چیز سے سلب کر لی جائے تو اُسے معیوب کر دیتی ہے)۔  
(اسے ابوداؤد نے صحیح سند کیساتھ روایت کیا)

ایک حدیث میں آتا ہے:

”وَمَا أُعْطِيَ أَهْلُ بَيْتِ الرَّفْقِ إِلَّا نَفْعُهُمْ وَلَا مُعْوَهُ إِلَّا ضَرُّهُمْ“

(جب کسی گھرانے کو نری سے نواز دیا جائے، تو نری انہیں فائدہ دیتی ہے، اور جب کسی گھرانے کو نری سے محروم رکھا جائے تو انہیں نقصان ہوتا ہے)  
ایک اور حدیث میں آتا ہے:

”لَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يُضَيَّفُ“ (المعجم الكبير الطبرانی)

(اُس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو مہمان نوازی نہیں کرتا) (الصحیحہ (۲۴۳۴)

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتِ فِي رِبَاضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا وَبَيْتِ فِي وَسْطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكُذْبَ وَإِنْ كَانَ مَارِحًا وَبَيْتِ فِي أَعْلَى الْجَنَّةِ

لِمَنْ حَسُنَ خُلُقُهُ“

(میں اُس شخص کو جنت کے کنارے میں ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں جو جھگڑا ترک کر دے اگرچہ حق پر ہی کیوں نہ ہو، اور اُس شخص کو جنت کے وسط میں ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں جو جھوٹ چھوڑ دے خواہ مزاح میں ہی کیوں نہ ہو، اور میں اُس شخص کیلئے جنت کے اعلیٰ ترین حصے میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس کا اخلاق اچھا ہو)۔

(ابوداؤد نے اسے صحیح سند کیساتھ روایت کیا)

ایک حدیث میں آتا ہے:

”الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِيمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يُطْلَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ“ (مسلم عن النّوأس رضی اللہ عنہ)

(نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے، اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھلے اور تمہیں لوگوں کا اُس پر مطلع ہونا ناگوار لگے)

ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”قیامت کے دن مومن کے میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ کوئی بھاری چیز نہ ہوگی، اور بے شک اللہ تعالیٰ بد اخلاق اور بے ہودہ کو شخص سے نفرت کرتا ہے“

(اسے ترمذی نے صحیح سند کیساتھ روایت کیا)

أحنف بن قیس فرماتے ہیں: کیا میں تمہیں سب سے بدترین بیماری کی خبر نہ دوں؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں: گھٹیا اخلاق اور بے ہودہ زبان۔ (أدب الدینا)۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقویٰ اور حسن اخلاق کو ایک جگہ جمع فرمایا ہے، کیونکہ تقویٰ کے ذریعے بندے اور اسکے رب کا تعلق بنتا ہے، اور حسن اخلاق کی وجہ سے لوگوں کیساتھ تعلقات میں بہتری آتی ہے، لہذا تقویٰ سے اللہ کی محبت اور اچھے اخلاق سے لوگوں کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ اہ

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں بھی اس عظیم الشان خصلت سے نوازے۔ آمین۔

## حسن اخلاق کے ارکان

- ۱۔ لوگوں کو فائدہ پہنچانا۔
- ۲۔ لوگوں کو ایذا نہ دینا۔ یعنی اپنی زبان اور ہاتھ سے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچانا۔
- ۳۔ ہر مومن کیساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا، البتہ بدعتی اور فاجر کیلئے یہ حکم نہیں۔
- ۴۔ لوگوں کی تکالیف کو برداشت کرنا اور ان پر صبر کرنا۔
- ۵۔ ایمان کی عمومی خصلتوں کا پایا جانا، مثلاً صبر، شکر، بردباری، احسان، عبادت، خدمت، تواضع، وقار، سبکدوشی اور غصے پر قابو پانا وغیرہ۔
- ۶۔ یہ تمام کام صرف اللہ کی خوشنودی کیلئے کرنا نہ کہ لوگوں کو دکھانے اور ان سے تعریف چاہنے کیلئے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اچھا اخلاق تین خصلتوں میں منحصر ہے: حرام کاموں سے اجتناب، حلال کی طلب، اور اہل و عیال پر دریا دہلی سے خرچ کرنا۔“ (الإحیاء، نضرة النعیم ۵/۵۱۸۴)

حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”لوگوں کا اکرام کرنا، ان پر خرچ کرنا، اور ان کی تکلیفیں برداشت کرنا حسن اخلاق ہے۔“ (جامع العلوم والحکم (۱۶۰))

ابن مبارک رضی اللہ عنہ حسن اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کشادہ چہرے سے ملنا، لوگوں کو فائدہ پہنچانا، اور ایذا رسانی سے باز رہنا حسن اخلاق ہے۔

(جامع العلوم والحکم (۱۶۰))

ابن مبارک رضی اللہ عنہ کا ہی ایک قول ہے: حسن اخلاق یہ ہے کہ آپ لوگوں کی پہنچائی ہوئی تکالیف کو برداشت کریں۔

امام احمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”حسن اخلاق یہ ہے کہ آپ کسی پر غصہ نہ ہوں اور کسی کے خلاف کینہ نہ رکھیں۔“ (جامع العلوم والحکم (۱۶۰))



محمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کا کہنا ہے:

حسنِ اخلاق یہ ہے کہ آپ اللہ کیلئے غصہ پی جائیں، بدعتی اور فاجر کے سوا ہر مومن کیساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئیں، غلطی کرنے والوں کو معاف کر دیں سوائے حدود اللہ کی اقامت اور رادہ سی سزا دینے کے، اور مسلمان معاہدہ کو ایذا نہ پہنچائیں، البتہ منکرات سے روکنے سے اور انہیں مٹانے کیلئے سختی کی جاسکتی ہے، نیز یہ کہ مظلوم کو بغیر پریشان کئے اس کا حق دلوائیں۔ (جامع العلوم والحکم ۱۶)

بعض علماء کہتے ہیں: اچھے اخلاق والا شخص خود بھی راحت میں رہتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس سے خوش اور محفوظ رہتے ہیں، جبکہ بُرے اخلاق والا دوسروں کو بھی پریشان رکھتا ہے، اور خود بھی پریشانی میں مبتلا رہتا ہے۔ (ادب الدنیا والدین ص ۱۳۶)

بعض کتابوں مثلاً: ”الزواج“ ”احیاء العلوم“ اور ”نصرة النعمیم“ وغیرہ میں حسنِ اخلاق کی علامات جمع کی گئی ہیں، جو کچھ یوں ہیں: اچھے اخلاق والا وہ شخص ہے جو باحیا ہو، لوگوں کو تکلیف نہ پہنچائے، اصلاح پسند ہو، راست گو اور کم باتیں کرنے والا ہو، زیادہ عمل کرنے والا ہو، جسکی غلطیاں کم ہیں، فضولیات سے پرہیز کرے، لوگوں کیساتھ اچھا سلوک اور صلہ رحمی کرنیوالا ہو، باوقار اور صابر و شاکر ہو، رضائے الہی پر راضی رہے، بردبار، نرم مزاج، پاک دامن، اور مہربان و شفیق ہو، لوگوں کو لعنت ملامت نہ کرے گالی گلوچ، چغلیخوری اور غیبت کرنیوالا نہ ہو، جلد باز، کینہ پرور، بخیل اور حاسد بھی نہ ہو، ہشاش بشاش رہنے والا ہو، اللہ کیلئے محبت اور اللہ کیلئے ہی نفرت رکھے، اللہ کیلئے راضی اور اللہ کیلئے ناراض ہو، یہ تمام صفات حسنِ اخلاق میں شامل ہیں۔ اھ

حسنِ اخلاق کی ایک بڑی علامت یہ بھی ہے کہ جب آپ لوگوں سے جد اہوں، اور کسی دوسرے علاقے میں منتقل ہو جائیں تو لوگ آپکو یاد کریں اور آپکی جدائی اُن پر شاق ہو۔  
تو فرعون کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَمَّا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ﴾۔ (الدخان/۲۹)

(پھر ان پر آسمان اور زمین نہ روئے)

ایک حدیث میں آتا ہے: ہر مومن کے دو دروازے ہوتے ہیں: ایک سے اس کا عمل چڑھتا ہے، اور دوسرے سے اس کا رزق اترتا ہے، پھر جب مومن فوت ہو جاتا ہے تو دونوں دروازے اُس پر روتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ”فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ“ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ (ترمذی، مشکوٰۃ ۱۵۱/۱)

اس طرح یہ بھی اچھے اخلاق کی علامت ہے کہ کسی مسلمان کی عیب جوئی نہ کرے، کسی سے کینہ و بغض نہ رکھے، اور کسی کو حقیر نہ جانے، کیونکہ ایک مسلمان کی تحقیر بہت عظیم گناہ ہے، اس طرح کسی کا مذاق نہ اڑائے، چیخنے چلانے اور بازاروں میں سیٹیاں بجانے سے احتراز کرے، اور باادب رویہ اپنائے۔

امام قزوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حسن اخلاق کا معنی یہ ہے کہ انسانی نفس افعال محمودہ کی طرف ترقی پاتا چلا جائے، اس کا تعلق کبھی اللہ تعالیٰ کیساتھ ہوتا ہے اور کبھی اللہ کے بندوں کیساتھ، جو اخلاقیات اللہ تعالیٰ سے متعلق ہیں وہ یہ کہ بندہ شرح صدر کیساتھ اللہ تعالیٰ کی اوامروں کو اپنی بجالائے، محبت و انکساری اور میلان قلب کیساتھ اللہ کی طرف ٹھٹھکتا چلا جائے، حرام کاموں سے اجتناب کرے، زچ ہونے کی بجائے اللہ پر راضی رہے، خیر و بھلائی کے کاموں میں رغبت رکھے، اور جن مباح امور کو ترک کر دینا اسکے خیال میں عبودیت کیلئے بہتر ہو، اللہ کی رضا جوئی کیلئے ایسے بہت سے امور ترک، اور ایسا بغیر کسی دلی تنگی کے خوش خوشی کرے۔

اور لوگوں کیساتھ معاملات میں اخلاق یہ ہے کہ انسان اپنے حقوق کے معاملے میں فراخ دل ہو، دوسروں سے اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کرے، جبکہ دوسروں کے پورے حقوق ادا کرے، اگر یہ بیمار ہو اور اسکی عیادت نہ کی جائے، یا سفر سے لوٹے اور اسکی زیارت نہ کی جائے، سلام کرے اور جواب نہ پائے کہیں مہمان ہو اور اکرام نہ کیا جائے، سفارش کرے اور قبول نہ کی جائے، احسان کرے اور شکر گزاری نہ ہو، کہیں جانے کی کوشش کرے لیکن

اُسے داخل نہ ہونے دیا جائے بات کرے تو خاموشی سے نہ سنی جائے، اجازت چاہے تو اجازت نہ ملے، رشتے کا پیغام بھیجے تو قبول نہ کیا جائے، قرض میں مہلت کا تقاضا کرے تو مہلت نہ دی جائے، یا قرض میں کمی کا مطالبہ کرے تو قرض میں کمی نہ کی جائے، اور ان جیسی تمام باتوں پر ناراض نہ ہو، نہ بدلے لے اور نہ ہی اپنے رویے میں کوئی تبدیلی لائے، اور اپنے دل میں یہ احساس بھی پیدا نہ کرے کہ اُس کیساتھ زیادتی ہوئی ہے، بلکہ ان تمام باتوں کو یکسر فراموش کرتے ہوئے برائی کا بدلہ اچھائی سے دے اگر اسکا مسلمان بھائی پیار ہو تو اُسکی عیادت کرے، سفارش کیلئے آئے تو اُسکی سفارش قبول کرے، قرض میں مہلت کا مطالبہ ہو تو منظور کر لے، اور اسکا بھائی اُسکی مدد کا محتاج ہو تو اُسکی مدد کرے، خرید و فروخت میں بھی فراخ دلی کا مظاہرہ کرے اس بات کی طرف نہ دیکھے کہ سامنے والے نے اسکے ساتھ ماضی میں کیا سلوک روا رکھا تھا۔

(مختصر شعب الایمان (۱۱۶) دیکھئے نضرۃ النعیم ۱/۱۵۷)

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اچھا اخلاق یہ ہے کہ انسان نرم مزاج کا حامل ہو، کشادہ چہرے کیساتھ لوگوں سے ملاقات کرے، اڑیل نہ ہو، اور بات چیت کے دوران پاکیزہ اور اچھے کلمات کا انتخاب کرے۔ ادب الدنیاص (۲۳۷)۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تہذیب السنن (۱۳۰/۱۳) میں بعض علماء سے نقل کرتے ہیں کہ حسن اخلاق کی دو اقسام ہیں:

ایک تو اللہ کے جناب میں اخلاق کا مظاہرہ کرنا، اسکا طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام معاملات و افعال کو معیوب جانے اور ان پر معذرت کا رویہ اپنائے! اور اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں پر شکر کو واجب جانے، ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مشاہدہ کرتا رہے اور اللہ کا شکر گزار ہو، اور اپنے نفس اور اعمال کے عیوب پر غور کرے اور ان پر معذرت خواہ ہو۔

دوسرے لوگوں کیساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا، اسکا حاصل دو چیزیں ہیں: اپنے قول و فعل کے ذریعے بھلائیاں بائٹنا، اور ایذا رسانی سے بچنا۔ پھر اسکے پانچ ارکان ہیں: علم، سخاوت،

صبر، پاکیزہ، عادات اور صحیح اسلام۔ اسلام کی صحت اخلاقی حسنہ کی صحت کو متضمن ہے، کیونکہ جس قدر انسان کا ایمان مضبوط ہوگا، اور جتنا اُسے اللہ کے وعدوں پر یقین ہوگا اتنا ہی اچھے اخلاق کو اپنانا اور اسکی خاطر مشقت اٹھانا اُس پر آسان ہوگا۔ (انتہی مُلخصاً)۔

اس طرح اچھے اخلاق کے دیگر کئی ارکان بھی ہیں: مثلاً، ادب، اچھی ظاہری ہیئت، حسن ظن، حسن معاملہ، تواضع، پاکیزہ گفتگو، نگاہیں نیچی رکھنا، محبت والفت سے پیش آنا، اور نفرت و عداوت، چغل خوری، اشتہاد، حد خیانت، دھوکہ دہی، بدسلوکی، اور بے ہودہ گوئی سے اجتناب کرنا۔

## حسن اخلاق کا حصول کیونکر ممکن ہے؟

اسکے کئی طریقے ہیں:

۱۔ اسکے حصول کیلئے مخلصانہ جدوجہد کرنا، کیونکہ صرف علم اور پہچان سے کسی چیز کا حصول ممکن نہیں۔ بلکہ علم و معرفت کے بعد اسکے حصول کیلئے محنت ضروری ہے، بہت سے لوگ اس فرق کو نہیں سمجھتے اور صرف علم و معرفت پر سارا زور خرچ کرتے ہیں عمل کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، لہذا ضروری ہے کہ ہم اس فرق کو سمجھیں اور علم کے ساتھ ساتھ عمل پر بھی بھرپور توجہ دیں۔

### ۲۔ رِقْبَتِ قَلْب۔

جب کسی انسان کا دل نرم ہو تو اسکا اخلاق بھی بہتر ہوتا ہے، اور جب دل ہی سختی اور قساوت کا شکار ہو جائے تو اخلاق بھی بگڑ جاتا ہے، دل کی نرمی کیلئے ذکر الہی، دُعا، تلاوت، خلوت، غور و فکر اور دیگر عبادات اپنائیں، یقین جانئے! اگر آپ کا دل نرم ہو گیا تو آپ کے اخلاق و اعمال میں انتہائی خوشگوار تبدیلی آ جائیگی، ہماری بات پر یقین نہ آئے تو تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔

۳۔ اخلاقِ حسنہ کو حاصل کرنے کا سب سے بہترین اور عظیم طریقہ یہ ہے کہ اپنے تمام

ظاہری و باطنی امور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کیجئے، کیونکہ آپ ﷺ ہی ہر شے کیلئے میزان اکبر ہیں، کسی بھی چیز کی قدر و قیمت کو متعین کرنے کیلئے اُسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر پیش کیجئے، اگر اس کے مطابق ہو تو عند اللہ مقبول اور اگر مخالف ہو تو مسترد اور بے کار، خواہ ظاہری طور پر کتنی خوشنما اور معاشرے میں رائج ہی کیوں نہ ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اور اپنے گھروالوں کی خدمت کیا کرتے تھے، غلام اور لونڈی تک کی دعوت قبول کرتے، تحفہ قبول کرتے اگرچہ معمولی ہو اور اسکا بہترین بدلہ دیتے، جب نماز کا وقت آجاتا تو تمام کام چھوڑ کر نماز کی طرف لپکتے۔

اسی طرح آپ علیہ السلام اپنے اہل خانہ سے اچھا سلوک کرتے، اور اکثر مسکراتے تھے، البتہ تہقہ لگا کر نہیں ہنستے تھے۔

اسی طرح آپ کو کسی ساتھی کے سامنے ٹانگیں پھیلا کر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ اور آپ جب کسی سے مصافحہ کرتے تو اپنا ہاتھ مبارک نہیں چھڑواتے تھے، یہاں تک کہ سامنے والا خود ہی آپکا ہاتھ چھوڑ دیتا۔

مریض کی عیادت کرتے، جنازے پر جاتے، مہمان نوازی کرتے اور اپنے ساتھیوں اور تمام لوگوں کیساتھ مہربانی اور شفقت کا مظاہرہ کرتے۔  
۱۰ اکثر اوقات اللہ کے خوف سے رویا کرتے تھے۔

جب کوئی بات کر رہا ہوتا تو اُسکی بات نہیں کاٹتے تھے، اور بچوں کو بھی سلام کہا کرتے تھے۔ سلام میں پہل کرتے، جلدی جلدی بات نہیں کرتے تھے، بلکہ ہر کلمہ الگ الگ کر کے بولتے، تاکہ سننے والے کو پوری بات اچھی طرح سمجھ آئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاک صاف رہا کرتے تھے۔

بعض اوقات بچوں کیساتھ مزاح بھی کرتے تھے، اور بہت احسن انداز میں لوگوں کو تعلیم دیتے تھے، نہ کسی پر ناراض ہوتے نہ کسی کو ڈانٹتے اور نہ ہی بال کی کھال اتارتے۔  
یہاں تک کہ جب کوئی بچہ آپ پر پیشاب کر دیتا تو نہ اس پر غصے کا اظہار کرتے اور نہ نفرت

کا بلکہ معاف کر دیتے۔

کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے تھے۔

نیز انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے دس برس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، اور آپ نے کبھی مجھے اف تک نہ کہا، اور نہ ہی کسی کام پر یہ کہا کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ یا ایسا کیوں نہیں کہا۔

اور آپ ﷺ بچوں کو پیار کرتے اور انہیں چومتے تھے۔

پردہ دار کنواری لڑکی سے بھی زیادہ باحیا تھے، اور جب کسی بات کو نا پسند کرتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے چہرہ مبارک سے اندازہ لگا لیا کرتے تھے کہ آپ کو یہ کام پسند نہیں۔ براہ راست کسی کو ملامت نہ کرتے تھے، البتہ کبھی کبھار مصلحت کی خاطر براہ راست بھی ملامت کی نوبت آ جاتی تھی۔

ایک دیہاتی شخص نے ایک مرتبہ آپ کو پکڑ کر زور سے کھینچا۔

لیکن آپ نے مسکراتے ہوئے اُسے مال سے نوازا۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی کھانے کو معیوب نہ کہتے، اگر پسند ہوتا تو کھا لیتے اور پسند نہ آتا تو چھوڑ دیتے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں خادموں اور ساتھیوں کو کبھی نہیں مارتے تھے سوائے اُس صورت میں جب اللہ کی حدود کا معاملہ ہو۔

جب کسی کی بات سنتے تو دائیں بائیں نہیں دیکھتے تھے۔

جب چلتے تو کندھے جھکا کر چلتے، اور جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے۔

دنیا سے بے رغبت تو اضع کے پیکر اور خاموشی کے خوگر تھے۔

اتنے وفا شعار کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اُنکی سہیلیوں تک کو گوشت بھیجا کرتے تھے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو یہ حکم دیا کرتے کہ جب تین اشخاص بیٹھے ہوں تو دو

لوگ آپس میں سرکشی نہ کریں یہاں تک کہ وہ تین سے زیادہ ہو جائیں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشجع عبد القیس ؓ سے فرمایا:

تم میں دو ایسی خصلتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے: بُرد باری اور ٹھہراؤ۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: کوئی کسی پر فخر اور سرکشی نہ کرے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک لوگوں کیساتھ، ہمشینی کی ترغیب دلائی اور برے لوگوں کیساتھ اٹھنے بیٹھنے سے منع فرمایا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

”تُحِبُّ الْعَفْوَ وَ تُؤْمَرُ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ“ (الأعراف/ ۱۹۹)

(آپ (ان سے) درگزر کیجئے، اور نیکی کا حکم دیجئے، اور جاہلوں سے کنارہ کشی ہو جائیے)

اسکی تفسیر میں فرماتے ہیں: جو تم سے رشتہ داری توڑے، تم اس سے جوڑو، جو تم پر ظلم کرے تم اُسے معاف کر دو، اور جو تمہیں محروم رکھے تم اسے نوازو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلہ رحمی کرتے، بوجھ والوں کا بوجھ اٹھاتے، محتاجوں کو کما کر کھلاتے، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے، اور قدرتی آفات زدہ لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے۔

لوگوں کو نرمی اور آسانی پیدا کرنے کا حکم دیتے، بدکلامی، سختی، شدت، اور لوگوں کیلئے مشکلات پیدا کرنے سے روکتے تھے۔

نیک اعمال کا حکم دیتے، بُرے اعمال اور شر پسندی سے منع کرتے تھے، اور آپ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو خوشی پہنچانا افضل ترین عمل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام مکارم اخلاق کا حکم دیتے تھے اور آپکی زندگی اخلاقِ حسنہ کا جامع اور مکمل ترین نمونہ تھی، لہذا جو شخص بااخلاق بننا چاہتا ہے اُس پر لازم ہے کہ اپنے تمام احوال و معاملات، ظاہر و باطن، سفر و حضر اور حرکات و سکنات تک میں سنتِ نبوی کی پیروی کرے۔ (واللہ المستعان)۔

۴۔ اور یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب اللہ کی مدد شامل حال ہو، لہذا اخلاقِ حسنہ کے

حصول کیلئے اللہ کی بارگاہ میں دُعا اور التجا کیجئے، یہ انتہائی ضروری ہے، ”اے اللہ! ہم فاسد اخلاق، بُرے اعمال اور غلط خواہشات سے تیری پناہ پکڑتے ہیں“

”اے اللہ! اچھے اعمال و اخلاق کی طرف ہماری رہنمائی فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی بھی انکی طرف رہنمائی نہیں کر سکتا، اور ہمیں برے اعمال و اخلاق سے بچا، کہ تیرے سوا کوئی بھی ان سے نہیں بچا سکتا۔

اے اللہ! ہمارے قلم کی سیاہی کو دل کی روشنی کا باعث بنادے، اور ان لکھی ہوئی چند سطروں کو ہمارے حال کا آئینہ دار بنادے۔ آمین یا رب العلمین۔

۵۔ یہاں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے، جو سنت سے ثابت ہے، وہ یہ کہ طیش اور غضب کی حالت میں آپ کسی مسلمان بھائی سے ملاقات نہ کریں، اسی طرح جب آپ کسی اہم معاملے میں فکرمند ہوں تب بھی کسی بھائی کا سامنا کرنے سے گریز کریں، کیونکہ ممکن ہے کہ اس حالت میں نہ چاہتے ہوئے بھی کوئی ناشائستہ بات آپکی زبان سے نکل جائے جس پر بعد میں آپکو پچھتانا پڑے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس آتے تو رات مدینے سے باہر گزارتے، تاکہ اہل خانہ سے اچانک ملاقات نہ ہو اور آپ بھی استراحت کی حالت میں گھر جائیں، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں پر غصہ ہوتے تو کسی کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دیتے، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں پر ناراض ہوئے، اور عمر رضی اللہ عنہ نے آپکے پاس آنے کی اجازت مانگی تو آپ نے انہیں تین مرتبہ اجازت مانگنے کے بعد اجازت دی، اور غصے میں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے کسی کو تکلیف پہنچتی تو فوراً اسکی تلافی کرتے، اور اگر کسی پر غصہ ہو جاتے تو اُسکی مجلس سے اُٹھ جاتے تھے جیسا کہ ایک مرتبہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ کی محفل سے اُٹھ گئے تھے، اور جب کسی پر ناراض ہوتے تو خاموش رہتے، یہاں تک کہ ناراضی اور غصے کا اثر چہرے پر ظاہر ہو جاتا اور سامنے والے کو آپکے غصے کا اندازہ ہو جاتا، اور غصے کے موقع پر آپ نے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ



الرجیم پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ لہذا آپکو چاہیے کہ غم و غصے کے موقع پر حتیٰ الامکان لوگوں کیساتھ ملاقات کرنے سے گریز کریں تاکہ بھائیوں کے سامنے کوئی ناگوار بات سرزد نہ ہو۔



## ۲۱- فائدہ

## راہِ حق لوگوں پر کیوں مخفی رہتی ہے؟

راہِ حق دن کی طرح روشن اور واضح ہے، لیکن اسکے باوجود بہت سے لوگوں پر مخفی رہتی ہے، اسکی وجہ کیا ہے؟ یہاں ہم اسی سوال کا جواب تلاش کریں گے، لیکن اس سے پہلے یہ بتلاتے چلیں کہ راہیں دو ہی ہیں: ایک حق، دوسری باطل لہذا حق کو تلاش کرنا اور اپنانا از حد ضروری ہے، ورنہ انسان باطل کا شکار ہو کر دنیا و آخرت کے خسارے سے دوچار ہو سکتا ہے، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

”إِنَّمَا قُلْتُ مَوَازِينَ مَنْ قُلْتُ بِإِتِّبَاعِهِمُ الْحَقُّ وَحَقُّ لِمِيزَانٍ يُوضَعُ فِيهِ الْحَقُّ أَنْ يَنْقُلَ، وَإِنَّمَا خَفْتُ مَوَازِينَ مَنْ خَفْتُ بِإِتِّبَاعِهِمُ الْبَاطِلُ وَحَقُّ لِمِيزَانٍ يُوضَعُ فِيهِ الْبَاطِلُ أَنْ يَخِفَّ“

(جتنے نیکوں کے پلڑے بھاری ہونگے اسکی وجہ یہ ہوگی کہ انہوں نے حق کی پیروی کی ہوگی کیونکہ جس ترازو میں حق رکھا جائے اُس کا حق ہے کہ بھاری ہو جائے، اور جتنے نیکوں کے پلڑے ہلکے ہونگے، اسکی وجہ بھی یہی ہوگی کہ انہوں نے باطل کی پیروی کی ہوگی، کیونکہ جس ترازو میں باطل رکھا جائے اُس کا حق ہے کہ ہلکا اور بے وزن ہو جائے)۔

(معالم التنزیل للہغوی، سورة الاعراف آیت ۹۰۸)

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی انسان پر اللہ تعالیٰ کی افضل ترین نعمت یہ ہے کہ اسے طبعی طور پر عدل و انصاف کی محبت اور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت سے نوازدے۔

(مداوۃ النفوس (۳۱))

حق کو پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی اصل فطرت کی طرف رجوع کرے (اگر وہ مکمل طور پر مسخ نہ ہو چکی ہو) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَطَرَتْ اللَّهُ الْإِنْسَانَ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾ (الروم/۳۰)  
 (اللہ کی فطرت (اختیار کرو) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہی سیدھا دین ہے)

علماء کرام کہتے ہیں کہ اگر نفوس اپنی فطرت پر باقی رہیں تو وہ حق کے سوا کسی چیز پر راضی نہیں ہوتے، جبکہ حق بالکل واضح ہے اس میں کوئی ابہام نہیں  
 معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”لَبَّيْنَا عَلَى الْحَقِّ نُورًا“ حق پر ایک نور ہوتا ہے“  
 (متدرک حاکم ۴/۳۶۰)

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:  
 انسانی فطرت میں حق کی محبت رکھ دی گئی ہے لہذا باطل کے مقابلے میں حق فطری طور پر عزیز اور لذیذ تر ہوتا ہے، جبکہ باطل کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔  
 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿رَبَّنَا آتِنَا الدِّينَ أَغْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ﴾  
 (موسیٰ نے کہا) ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اسکی شکل و صورت دی، پھر ہدایت دی) یہاں ہدایت سے مراد فطری ہدایت ہے۔

ہدایت کی معرفت اور اُسکے حصول کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و اتابیت بھی ضروری ہے۔  
 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ﴾ (الشوریٰ/۱۳)  
 اور اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت دیتا ہے جو اسکی طرف رجوع کرے۔“

اس طرح دُعا بھی معرفتِ حق کیلئے مددگار ہے، اور ہمیشہ ہر معاملے میں قرآن مجید اور سنتِ صحیحہ کی طرف رجوع بھی معرفتِ حق کی کنجی ہے۔

**حق سے روکنے والی چیزیں**

بہت سے چیزیں حق سے روکنے کا باعث ہیں، ذیل میں ایسے چند اسباب کا بیان ہے:

۱۔ جہالت

یہ بہت بڑی بیماری ہے جو حق کے راستے کا سب سے بڑا روڑا ہے۔  
اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ”

﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ لَهُمْ مَعْرَضُونَ﴾ (الانبیاء ۲۴)

(بلکہ ان میں سے اکثر حق کا عمل نہیں رکھتے، لہذا وہ (اس سے) منہ پھیر لیتے ہیں)۔  
جو شخص حق سے ناواقف ہو، وہی حق کا دشمن ہوتا ہے، علماء کرام کہتے ہیں: باطل انہی لوگوں میں رواج پاتا ہے جو کتاب و سنت کی نصوص اور صحابہ و سلف صالحین کے اقوال کا علم نہیں رکھتے، اور نہ ہی انہیں کتاب و سنت یا اقوال سلف کا کوئی پاس یا لحاظ ہوتا ہے۔  
شیخ الإسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”علمی و عملی طور پر اجماع سنت میں نقص کی بناء پر ہی کوئی شخص کسی بدعت میں مبتلا ہوتا ہے“ (شرح حدیث لایزنی الزانی ص ۳۵)  
کیونکہ جو شخص سنت سے واقف اور اس پر عامل ہو، اُسے بدعات سے کیا لینا دینا؟ بدعتوں کا شکار عموماً وہی لوگ ہوتے ہیں جو سنت سے جا مل ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعَلَمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ﴾ (یونس/۳۹)

(بلکہ انہوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جس کا وہ اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے اور ابھی تک اسکی حقیقت بھی اُن پر نہیں کھلی تھی)

ایک اور مقام پر فرمایا: ”﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ وَقَالَ أَكْذَبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمْ آذًا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾“ (النمل ۸۳)

(حتیٰ کہ جب وہ سب (میدانِ محشر میں) آپہنچیں گے تو اللہ فرمائے گا: کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا تھا، جبکہ تم نے علم سے انکا احاطہ نہ کیا تھا، یا تم کیا کرتے رہے تھے؟)

علاوہ ازیں پوری سورہ نمل اس بات کی دلیل ہے کہ جہالت انسان کیلئے حق سے رکاوٹ کا باعث ہے۔

## ۲۔ حق کو مشکل اور پیچیدہ سمجھنا

بہت سے لوگ حق کو انتہائی مشکل اور پیچیدہ سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف مجتہد مطلق ہی حق کو پہچان سکتا ہے، اور پھر اجتہاد مطلق کیلئے ایسی ایسی شرائط بیان کرتے ہیں جو باقی صحابہ کرام تو درکنار شاید ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما میں بھی نہ پائی جاتی ہوں، لہذا ایسے لوگ حق کو پہچاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے، حالانکہ حق بالکل واضح ہے اور خصوصاً ہمارے موجودہ زمانے میں تو اجتہاد کے اسباب بھی میسر ہیں اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ اَكْمُتٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ فِىْ اٰذَانِنَا وَقُلُوْا مِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَلَا عَمَلٌ اِنَّا عَامِلُوْنَ“ (حکم السعدہ/ ۵)

(اور کہتے کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ (یعنی بہرا پن) ہے اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک پردہ ہے، لہذا تو (اپنا) کام کر، بلاشبہ ہم (اپنا) کام کر رہے ہیں۔)

یہ کہنا کہ حق پیچیدہ اور پوشیدہ ہے اسے تمام لوگ نہیں جان سکتے، یہ تو مشرکین کی بات ہے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حق سننے کے بعد کہی، آجکل کے مقلدین بھی یہی کہتے ہیں کہ حق کو پہچاننا عام لوگوں کیلئے بہت مشکل ہے، صرف مجتہد مطلق ہی اسے سمجھ سکتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ“ (القمر/ ۱۷)

(اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت کیلئے آسان بنا دیا ہے)

اگر قرآن حکیم کو سمجھنا مشکل ہے تو اس سے نصیحت کرنا کیونکر آسان ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے اس خیالی شے کی بنیاد پر بہت سے لوگوں کو حق سے دور کر رکھا ہے۔

### ۳۔ حق کی طلب اور تلاش میں کوتاہی

بہت سے لوگ اپنے حال میں مست رہتے ہیں اور تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھتے، بعض اوقات اُنکے کانوں میں مخالفین کی آواز بھی پڑتی ہے کہ بھائی! آپ حق پر نہیں لیکن وہ اُس سے مس نہیں ہوتے اور اپنے احوال و عقائد کا جائزہ نہیں لیتے، حالانکہ عین ممکن ہے کہ مخالف کی بات درست ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلَمَّا يَلَيْنٰكُمْ مِّنۡى هٰذِى لَمَنِ اتَّبَعَ هٰذِىٰ فَلَا يَصِلُ وَلَا يَشْفِىٰ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنۡ ذِكْرِىۡ فَلَاۤ اَنۡ لَّهٗ مَعِيشَةٌۭ ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهُۥ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىۡ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا قَالَ كَذٰلِكَ اَتٰتَكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الۡيَوْمَ تُنۡسٰى﴾ . (طہ / ۱۲۳-۱۲۶)

(پھر جب تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مشقت میں پڑے گا، اور جس نے میرے ذکر سے منہ موڑا تو بلاشبہ اُسکی زندگی تنگ ہوگی اور روزِ قیامت ہم اُسے اندھا کر کے اٹھائیں گے، وہ کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ جبکہ میں تو (دنیا میں) خوب دیکھنے والا تھا ارشاد ہوگا: اسی طرح حیرے پاس ہماری آیات آئیں، تو تو نے انہیں بھلا دیا اور اس طرح آج تجھے بھی بھلا دیا جائیگا)

انہی آیات کی بنیاد پر ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جو شخص قرآن مجید پڑھے اور اس پر عمل پیرا ہو، اللہ تعالیٰ دُنیا میں اسے گمراہی سے بچا کر ہدایت اور آخرت میں بدبختی سے نجات دیکر سعادت سے سرفراز فرمائے گا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں تحقیق کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ”فَلْيَبۡتَغُوا“ (المحجرات)  
”تو تحقیق کر لیا کرو“

ایک حدیث میں آتا ہے: جو شخص قرآن کے سوا کسی اور چیز میں ہدایت تلاش کریگا، اللہ تعالیٰ

اُسے گمراہ کر دے گا۔

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَعَامَّةُ مَنْ ضَلَّ فِي هَذَا الْبَابِ فَإِنَّمَا هُوَ لِيَتَفَرِّطَ أَوْ عَجَزَ عَنْ مَعْرِفَةِ الْحَقِّ فِي إِتِّبَاعِ مَا جَاءَ بِهِ الرَّسُولُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَوَكَّلَ النَّظَرَ وَالْإِسْتِدْلَالَ الْمُؤَصِّلَ إِلَى مَعْرِفَتِهِ وَلَمَّا أَعْرَضُوا عَنْ كِتَابِ اللَّهِ ضَلُّوا“ (درء تعارض العقل والنقل ۵۴/۱)

(عام طور پر اس حوالے سے لوگوں کی گمراہی کا سبب اُنکی کوتاہی ہے، یا پھر اسکی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین حق کی معرفت سے عاجز ہونا، غور و فکر اور استدلال کی خداداد صلاحیتوں کو استعمال نہ کرنا بھی ہو سکتی ہے کہ جبکہ نتیجے میں انسان حق کی معرفت حاصل کر سکتا ہے، تو کیونکر انہوں نے کتاب اللہ سے اعراض کیا، لہذا گمراہی انکا مقدر بنی)

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جو شخص پانچ اوصاف کا حامل ہو، وہ حق کو پالتا ہے: ان میں اہم ترین اخلاق، صحیح فہم اور انصاف ہیں، جبکہ چوتھا وصف جو بہت کم ہی کسی میں پایا جاتا ہے، وہ ہے معرفت کی حرص اور شدت کیساتھ حق کی طرف دعوت دینا۔ اھ

آپ ایک یہودی یا عیسائی کو دیکھیں گے کہ حق واضح ہونے کے باوجود وہ دلائل حق پر غور و فکر نہیں کرتا، اور عام طور پر بدعتی، گمراہ اور مقلد لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے، یہ لوگ بھی حق کی طرف نظر التفات ڈالنا کوار نہیں کرتے اور تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھتے، حالانکہ اگر یہ لوگ کوشش کرتے تو ضرورت حق کو پالتے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَلُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾

(العنکبوت/۶۹)

(اور جن لوگوں نے ہمارے بارے میں پوری کوشش کی، ہم ضرور ہی انہیں اپنے راستے

دکھادیں گے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ محسنین کیساتھ ہے)

### ۳۔ لوگوں کا خوف

یہ بھی راہِ حق کی بہت بڑی رکاوٹ ہے کیونکہ بہت سے لوگ کو پہچاننے کے باوجود اسکی بیروی صرف اس لیے نہیں کرتے کہ انہیں اپنی جال و مال یا دنیاوی شان و شوکت کے زائل ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے، یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حق کو قبول کرنے پر اہل باطل انہیں بُرا بھلا کہیں گے یا ان سے لڑائی جھگڑا کریں گے۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿الْيَوْمَ يَنْسَى الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي﴾

(المائدہ/۳)

(آج وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تمہارے دین سے مایوس ہو گئے، تو تم اُن سے نہ ڈرو اور

مجھ سے ڈرو)

نیز فرمایا: ﴿لَمَّا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِنْ قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَن يَفْتِنَهُمْ﴾ (الآیہ) “(یونس/۸۳)

(چنانچہ موسیٰ پر اس کی قوم کے چند نوجوانوں کے سوا کوئی بھی ایمان نہ لایا، فرعون اور ان کے سرداروں کے خوف کہ باوجود کہ وہ انہیں آزمائش میں ڈال دے گا)

پھر جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں قبولیتِ حق کا داعیہ پیدا ہوا اور بہت سے لوگ ایمان لے آئے۔

روم کے بادشاہ ہرقل نے بھی حق دریافت کر لیا تھا لیکن رومیوں کے خوف نے اُسے حق قبول کرنے سے باز رکھا، جیسا کہ بخاری (۵/۱) میں مذکور ہے۔

اس رکاوٹ کا علاج یہ ہے کہ انسان رب تعالیٰ پر توکل کرے اور یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ راہِ حق پر اسکی مدد فرمائے گا، اور یہ سوچے کہ جب اللہ تعالیٰ نے باطل پر رہتے ہوئے بھی



اُسے ضائع نہیں کیا تو حق پر گامزن ہونے کے بعد کیونکر ضائع اور رسوا کر سکتا ہے، اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”

﴿وَقَالُوا إِن تَبِيعَ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُنْخِطُفُ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا﴾ (القصص/۵۷)

(وہ) (مشرکین مکہ) کہتے ہیں: اگر ہم نے تیرے ساتھ ہدایت کی پیروی کی تو ہمیں ہماری زمین سے اچک لیا جائیگا، کیا ہم نے انہیں پر امن حرم میں جگہ نہیں دی) یعنی جب انکے کفر کے باوجود ہم نے انہیں پر امن جگہ اور پھلوں سے نوازا تو اگر وہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائیں گے تو کیا میں انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دوں گا؟

### ۵۔ جاہ و منصب کے محبت

آپ دیکھیں گے بہت سے علماء اور عہدہ و منصب کے حاملین حق کو پہچاننے کے باوجود اسے تسلیم نہیں کرتے، تاکہ انکے مناصب برقرار رہیں، بلکہ حق قبول کرنا تو در کفار یہ لوگ حق کی مخالفت کرتے اور اس سے بغض رکھتے ہیں کیونکہ حق انکی خواہشات کی راہ میں حائل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَشْعُرُوا بِآيَاتِنَا ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ (البقرہ ۴۱)

”اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت میں مت بیچو“

مفسرین فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے احبار و رہبان کیلئے لوگوں کے ہاں ماہانے، سالانے، اور نذرانے مقرر تھے لہذا اگر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے تو انہیں ان سے محرومی کا حد شبہ تھا۔

یہود کہتے تھے: ہم تو قیادت کے منصب پر فائز تھے، تو کیا اب ہم دُ میں بن جائیں؟ (یعنی تابع)۔

سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ابو جہل اور اس جیسے دیگر متکبرین حق سے آگاہ تھے لیکن صرف اپنی سرداری کو پہچاننے کیلئے وہ حق کے خلاف نبرد آزما ہوئے، ابو جہل نے ایک موقع

پر کہا تھا کہ ہم اور بنو ہاشم تو ہم رتبہ تھے، اب وہ کہتے ہیں کہ ہم میں ایک نبی مبعوث ہو گیا ہے جسکی طرف وحی کی جاتی ہے بھلا اس بات کا مقابلہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ لہذا ہم اس پر ایمان لانے کے نہیں، ان جاہلوں کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ تمام تر عزت اور دنیا و آخرت کی سرداری اتباع حق میں مضمر ہے۔

### ۶۔ تقلید

تقلید ایک موذی بیماری ہے جو بہت سے لوگوں کیلئے حق اور ہدایت سے رکاوٹ بنتی ہے، بلکہ عموماً کفار کو اسلام سے دور رکھنے والی چیز تقلید ہی ہے۔

اور فقہی مذاہب کو ماننے والے بھی بہت سے مسائل میں تقلید ہی کی وجہ سے حق سے دور رہتے ہیں اگر آپ تعصب کی عینک اتار کر تدبیر سے کام لیں تو یہ حقیقت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَسْأَلُ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتَرَفُّوهَُا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ﴾ (الزحرف/ ۲۲-۲۳)

(بلکہ انہوں نے کہا: بلاشبہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا، اور بے شک ہم انہی کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں، اور اسی طرح آپ سے پہلے ہم نے جس بستی میں بھی کوئی ڈرانے والا بھیجا تو انکے خوشحال لوگوں نے یہی کہا: بلاشبہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا اور ہم تو انہی کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں)۔

یہ لوگ باپ دادا کی تقلید کو ہدایت قرار دیتے تھے اور حق کو ترک کر چکے تھے جسکی پاداش میں اللہ عزوجل نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

سلف نے مقلد کو ”اِمَّعَهُ“ (بلا سوچے سمجھے ہر ایک کی رائے کو قبول کرنے والا) قرار دیا ہے جب کوئی مقلد تمام مسائل میں ایک خاص شخصیت کی تقلید کرتا ہے تو گویا لاشعوری طور پر

وہ اُسے معصوم قرار دے چکا ہوتا ہے، حالانکہ حق تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر منحصر ہے۔ اور کسی کا یہ مقام کہاں؟

مجتہد پر تو ہر مسئلے میں خطا اور صواب دونوں باتوں کا احتمال ہوتا ہے۔

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الْمُقَلِّدُ رَاضٍ أَنْ يُغَيَّرَ عَقْلُهُ“  
”مقلد اپنی عقل کو کند کرنے پر راضی ہوتا ہے“

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لِأَنَّ التَّقْلِيدَ لَا يُؤَدِّثُ إِلَّا بَلَادَةً“ (منہاج السنۃ ۵/۲۸۱)

”تقلید کے نتیجے میں کم عقلی ہی جنم لیتی ہے“

مقلد کے بارے میں ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ مقلد اپنی عقل و بصیرت سے فائدہ نہیں اٹھاتا لہذا اسکی عقل زائل ہو جاتی ہے، نور بصیرت بجھ جاتا ہے، وہ اپنے نفس کو بھی فراموش کر دیتا ہے اور راہ حق کو اپنانے کی بجائے پیٹھ پیچھے پھینک دیتا ہے۔

راہ حق کی سب سے بڑی رکاوٹ تقلید ہے

اگر یقین نہ آئے تو تجربے کے طور پر متاخرین احناف کی کتب کا مطالعہ کیجئے کہ وہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو پیوند لگانے کیلئے کس کس طرح قرآن و حدیث کی نصوص میں تحریف کرتے ہیں، حالانکہ روز قیامت ابو حنیفہ رحمہ اللہ انہیں نفع پہنچانے پر قادر ہونگے نہ نقصان۔

وزیر بن ہبیرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شیطان کی چالوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ معنوی بت کھڑے کرتا ہے جنہیں اللہ کے سوا پوجا جاتا ہے، مثلاً ایک شخص حق واضح ہو جانے کے باوجود کہتا ہے کہ یہ ہمارے مذہب کے مطابق نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی کسی بڑی شخصیت کی تقلید میں گرفتار ہوتا ہے، اور اُس کے قول کو حق پر ترجیح دیتا ہے (لوامع الأنوار ۲/۴۶۵)

عبد القادر بن بدران الدمشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تقلید لوگوں کو حق سے دور کرتی اور باطل کو رواج دیتی ہے۔ (المدخل/۴۹۵)  
یاد رہے کہ کسی عالم کے فہم اور علم سے مدد لینا الگ چیز ہے اور تقلید ایک مختلف چیز لیکن  
مقلدین نہیں جانتے۔

۷۔ خود پسندی کا شکار ہو جانا

خود پسندی کا معنی یہ ہے کہ انسان خود کو بڑی چیز سمجھے اور حق کی ضرورت نہ سمجھتے ہوئے  
اپنے پاس موجود کھوٹے سکوں پر اتارنے لگے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَرُّوا بِمَا عِنْدَهُمْ  
مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِؤْنَ﴾ (حم المؤمن ۸۳)

(پس جب کبھی ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تو یہ اپنے پاس کے  
علم پر اتارنے لگے، بالآخر جس چیز کو مذاق میں اڑا رہے تھے وہی ان پر الٹ پڑی)  
حدیث میں آتا ہے: ”إِذَا رَأَيْتَ هَوًى مُتَّبِعًا وَ شُحًا مُطَاعًا وَ ذُنُوبًا مُؤَكَّرَةً  
وَ اعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ لَعَلَّكَ بِعَاصِيَةِ نَفْسِكَ“

(أخرجہ أبو داؤد و الترمذی و الحکم و صححہ و وافقہ الذہبی)  
”جب تم دیکھو کہ خواہشات نفس کی پیروی ہو رہی ہے، حرص کی اطاعت ہو رہی ہے، دنیا کو  
ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر رائے رکھنے والا اپنی اپنی رائے پر خود پسندی کا شکار ہے تو خاص  
اپنے نفس کو بچانے کی فکر کرنا“

(ابوداؤد، ترمذی، حاکم، امام حاکم نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے موافقت کی)۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لَوْ أَنَّ الْمُتَّبِعَ تَوَاضَعَ لِكِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ لَا اتَّبَعَ وَمَا ابْتَدَعَ وَلَكِنَّهُ  
أَعْجَبَ بِرَأْيِهِ فَاتَّخَذَ بِمَا اخْتَرَعَ“ (التذكرة فی الوعظ/۹۷)

”اگر بدعتی شخص اللہ کی کتاب اور اسکے نبی کی سنت کیلئے تواضع اختیار کرتا تو انکی پیروی کرتا

بدعتوں میں نہ پڑتا، لیکن اس نے اپنی رائے کو بہتر سمجھا لہذا اپنی اختراعات کی اقتدا کی“  
ابن حبان اپنی کتاب ”روضة العقلاء“ میں فرماتے ہیں: کوئی شخص اُس وقت تک تکبر  
میں مبتلا نہیں ہوتا جب تک کہ وہ خود پسندی کا شکار نہ ہو اور خود کو دوسروں سے بہتر سمجھنے لگے۔  
ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی دل جہالت اور ظلم سے بھر جانے کے نتیجے میں خود  
پسندی اور سرکشی کا شکار ہو جائے تو اُس سے تکبر ظاہر ہوتا ہے اور عبودیت و بندگی رخصت  
ہو جاتی ہے۔ (الروح ۲/۷۰۳)

## ۸۔ تکبر

یہ بھی راہِ حق سے رکاوٹ بن جاتا ہے، بلکہ حق سے عناد رکھنے والے تمام لوگ ہی تکبر میں  
مبتلا ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ“  
(میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں، جس کا  
ان کو کوئی حق حاصل نہیں) (الاعراف: ۱۳۶)  
یہی ان کا عذاب ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَلِهَذَا تَجِدُ الْيَهُودَ يُصَمِّمُونَ وَيُبْصِرُونَ عَلَىٰ بَاطِلِهِمْ لِمَا فِي نَفْسِهِمْ مِنَ  
الْكِبَرِ وَالْحَسَدِ وَالْقَسْوَةِ“ (نقض النطق/ ۳۷)  
(اور اس لیے آپ یہود کو اپنے باطل پر پکا اور مُصر پائیں گے، کیونکہ ان کے دلوں میں تکبر،  
حسد اور قساوت ہوتی ہے)۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں تکبر کی دو علامات بتلائی گئی ہیں:

حق کو جھٹلا دینا۔ اور لوگوں کو حقیر جاننا۔

راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مشہور ہے کہ حق کڑوا ہوتا ہے، لیکن یہ اس شخص کیلئے ہے جو اپنے نفس کا ترکہ نہیں کر چکا ہوتا، کیونکہ جو شخص کامل ہو جائے تو حق میں لطف پاتا ہے اگرچہ وہ بوجھل اور ثقیل ہی کیوں نہ ہو۔

### ۹۔ حسد

یہی وہ پہلا گناہ ہے جسکے ذریعے آسمان وزمین پر اللہ تعالیٰ کی پہلی نافرمانی کی گئی اور یہی یہود کا اصل مرض ہے جسکی وجہ سے وہ حق کو پہچاننے اور محمد کرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی جاننے کے باوجود ایمان نہیں لاتے، اس مرض نے بہت لوگوں کو تباہ کیا ہے، سورہ یوسف کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک مہلک بیماری ہے جو شخص اس میں مبتلا ہو اسے حسد سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

یہ ایک بدترین اخلاق ہے جو اکثر اوقات طالب علموں اور علماء سوء کے درمیان پایا جاتا ہے۔

### ۱۰۔ گروہ بندی، تنظیم سازی اور تنظیموں کی طرف نسبت رکھنا

موجودہ تنظیمیں بھی حق سے روکنے کا ایک ذریعہ ہیں، بلکہ ہر وہ حق جو تنظیم کی ترجیحات میں شامل نہ ہو، وہ انکے نزدیک مردود ہوتا ہے، یا اسکی تاویل کی جاتی ہے، یا پھر اسے منسوخ قرار دیکر فراموش کر دیا جاتا ہے (۱)، تنظیم سازی اور گروہ بندی کے بہت بُرے اثرات ہیں اور لوگوں میں ہم انکا مشاہدہ اور تجربہ کر چکے ہیں اور اسکی تردید بھی بارہا کر چکے ہیں۔  
والحمد للہ۔

(تفصیل کیلئے دیکھئے ہمارا فتاویٰ الدین الخالص جلد نمبر (۶))

(۱) یا اسکے بارے میں مجرمانہ خاموشی برتی جاتی ہے، شریعت کے بڑے بڑے حقائق اگر تنظیم نے فراموش کر رکھے ہیں تو اسکا اصرار ہوتا ہے کہ ہمارے کارکن بھی اُن سے دور ہیں، یعنی لوگوں کو اللہ کی راہ

## ۱۱۔ گناہ

گناہوں کی بڑی نحوست ہوتی ہے، انکی وجہ سے دل پر زنگ لگ جاتا ہے، عقل اور بصیرت کمزور ہو جاتی ہے اور دل مردہ ہوتا ہے جسکی وجہ سے انسان حق سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿سَكَلًا بَلَّ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾. (المطففين/ ۴۱)

(ہرگز نہیں! بلکہ انکے دلوں پر انکے (برے) اعمال نے زنگ لگا دیا ہے)۔

نیز فرمایا: ﴿أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ

أَصْبَحْنَاهُمْ بِلُتُوبِهِمْ وَنَطَعِ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ﴾ الاعراف (۱۱۰)

(اور کیا ان لوگوں کو جو زمین کے وارث ہوئے وہاں کے لوگوں کی ہلاکت کے بعد (ان

واقعات مذکورہ نے) یہ بات نہیں بتلائی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے جرائم کے سبب ان کو

ہلاک کر ڈالیں اور ہم ان کے دلوں پر بند لگا دیں، پس وہ نہ سن سکیں)۔

اسی وجہ سے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ بہت سے لوگ جو دینی کتاب کا ذوق اور علوم شریعہ کا

علم بھی رکھتے ہیں لیکن حق سے عناد رکھتے ہیں، اسکا سبب کیا ہے؟ اسکا سبب یہی ہے کہ

مسلسل گناہوں کے ارتکاب سے انکے دل آلودہ اور سخت ہو چکے ہوتے ہیں، علاقہ ازیں یہ

سے روکتے ہیں، اور ایک چھوٹی سی چیز، یا جزدی بات اگر انکے عمل کا حصہ ہے تو سارا ذرا سی پر خرچ ہوتا

ہے (واللہ المستعان)۔

لیکن اگر کوئی تنظیم خود کو الجماعۃ قرار نہیں دیتی، حق کو اپنے اندر ہی منحصر نہیں سمجھتی، اپنے کارکنوں کو دیگر

افراد و جماعتوں کیساتھ نیکی کے کاموں سے نہیں روکتی، تنظیم کو محبت و نفرت کا معیار قرار نہیں دیتی۔

اور ایسی دیگر شروط کا خیال رکھتی ہے اور اپنے کارکنوں کی ان تمام باتوں پر تربیت کرتی ہے تو یقیناً ایسی

تنظیم میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ہمارے ہاں عموماً ان شروط کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا اس وجہ سے شیخ محترم نے

جاہجا تنظیموں کو مذمت کی ہے۔ (مترجم)۔

لوگ تکبر میں بھی مبتلا ہوتے ہیں۔ والہیا ذی اللہ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلَمَّا رَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ (القف/۵)

(پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے انکے دل ٹیڑھے کر دیئے)

۱۲۔ اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعائیں نہ کرنا

بہت سے لوگوں کی گمراہی کا سبب یہ ہے کہ وہ اپنی عقل پر اعتماد کرتے ہوئے خود کو ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہدایت نہیں مانگتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں ہر نماز میں ہدایت مانگنے کا سبق دیا ہے۔

فرمایا: ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ (الفاتحہ/۶)

”اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا“

ایک حدیث قدسی میں آتا ہے:

”يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ فَأَسْتَهْدِيهِ أَهْدِيَكُمْ“

(اے میرے بندو! تم سب گمراہ سوائے اُسکے جسے میں ہدایت دوں، لہذا مجھ سے ہدایت طلب کرو، میں تمہیں ہدایت دوں گا)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز میں یہ دعا پڑھتے تھے:

”إِهْدِنِي لِمَا اخْتَلَفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ“

”(اے اللہ!) تو اپنے حکم سے مجھے حق کی اُن باتوں میں ہدایت نصیب فرما جن میں

لوگ اختلاف کرتے ہیں“

لہذا حق کے طالب کو چاہیے کہ کثرت کیساتھ ہدایت کی دعا مانگے۔

۱۳۔ حق کی تبلیغ نہ کرنا

جب کوئی شخص لوگوں کو حق کی طرف نہیں بلاتا تو بعض اوقات وہ خود بھی حق سے محروم ہو جاتا



ہے، لہذا جو شخص بھی حق آگاہ ہو اس پر فرض ہے کہ وہ دوسروں تک بھی کی دعوت پہنچائے۔  
یہ بھی یہود کا اخلاق ہے کہ وہ علم کا بخل کرتے تھے، انکے حق میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”﴿الَّذِينَ يَسْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبَخْلِ﴾“ (النساء/۳۷)

وہ لوگ جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں“

ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مَنْ بَخِلَ بِالْعِلْمِ ابْتُلِيَ بِفَلَاحٍ : إِمَّا أَنْ يَمُوتَ فَيَنْهَبَ عِلْمُهُ، أَوْ يَنْسَاهُ أَوْ

يَتَّبِعَ سُلْطَانًا“ (الحاکم فی تاریخہ، الآداب الشرعیۃ ۱/۱۸۶)

”جو شخص علم پر بخل کرے وہ تین باتوں میں مبتلا ہوتا ہے: یا تو مر جاتا ہے اور اس کا عمل بھی اُسکے ساتھ ہی رخصت ہو جاتا ہے، یا وہ اس علم کو بھول جاتا ہے یا پھر وہ بادشاہ کا دم چھلا بن جاتا ہے“

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص اپنے علم کو ذخیرہ کر کے رکھتا ہے، نہ تو اُسے نشر کرتا ہے اور نہ کسی کو تعلیم دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی ”جیسا عمل ویسا بدلہ“ کے تحت اُسے وہ علم بھلا دیتا ہے۔ جس اور وجود اس بات پر شاہد ہیں۔“

اور جو شخص دوسروں کی خیر خواہی اور ہدایت کیلئے کو شان رہے اور اپنا علم دوسروں کو سکھائے تو اسکے لیے ہدایت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور حادی و مہدی (لوگوں کو ہدایت دینے والا اور خود ہدایت یافتہ) بن جاتا ہے۔

۱۴۔ فہم کی قلت اور ادراک کا ضعف

بعض اوقات کم فہمی کی وجہ سے بھی انسان حق سے دور رہتا ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جب کسی طالب علم کی عقل مکمل نہ ہو تو وہ بصیرت کا اندھا ہوتا ہے جو آنکھوں کے اندھے کے برابر ہے، اسکے علم میں وزن پیدا ہونے کی کوئی سبیل نہیں۔ (الذریعۃ/۲۶۳)

فہم کے اعتبار سے لوگ مختلف درجات پر ہوتے ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”إِلَّا فَهَمًا أَوْ يَبَةً رَجُلٌ فِي كِتَابِ اللَّهِ“

(میرے پاس کوئی خصوصی علم نہیں) سوائے اُس فہم کے جو کسی آدمی کو کتاب اللہ میں عطاء ہوتی ہے)

آپ علیہ السلام نے ایک موقع پر ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ دعادی:

”اَللّٰهُمَّ عَلِّمْنِي الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ“

”اے اللہ! اسے کتاب اور حکم سکھا“

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بندے کا ذکر کیا جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں اختیار دیا تو اُس بندے نے اُس چیز کو چُن لیا جو اللہ کے پاس ہے۔

یہ سن کر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے (کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ آپ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونا کا وقت آ گیا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ) ابو بکر ہم میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ (اس معنی کی روایت بخاری میں مذکور ہے)

اگر آپ یہ کہیں کہ بہت سے ذہین و فطین لوگ بھی حق سے دور رہتے اور گمراہی کو اختیار کرتے ہیں اسکی کیا وجہ ہے؟

اسکے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ انکے دلوں میں موجود خبث و عناد اور تکبر نے انہیں راہ حق سے محروم کر کے شر و فساد کی راہ پر گامزن کر دیا ہے۔

حصولِ علم اور ادارک کی صلاحیت ایک بہترین خوبی ہے لیکن اُس شخص کیلئے جو اسے خواہشاتِ نفس سے طوٹ نہ کرے۔

بلکہ صرف علم کا حاصل ہو جانا بھی ہدایت کو مستلزم نہیں۔

اسی وجہ سے بہت سے علماء بھی ہدایت سے کوسوں دور رہتے ہیں، کیونکہ ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جو صرف انا بت اور رجوع کرنے والوں کو ملتی ہے۔

## ۱۵۔ ماحول اور عادات کی اسیری

عموماً انسان اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہے اور اسکے علاقے اور قوم کے لوگوں کا طرز عمل اُسکے لیے باعث کشش ہوتا ہے اور یہی بات اکثر اوقات حق سے رکاوٹ بن جاتی ہے کیونکہ لوگوں کی عادات اور رسوم و رواج تو مختلف ہوتی ہیں جبکہ حق صرف ایک ہے جو لوگوں کی خواہشات کا پابند نہیں بلکہ لوگوں کو اپنا پابند دیکھنا چاہتا ہے۔  
لوگ تو پرندوں کی ڈار کی مانند ہوتے ہیں کہ ایک پرندہ جس طرف اڑا باتی بھی اُسکے پیچھے اڑتے ہیں۔

ملکہ سبا بلیقہس اگرچہ بڑی عقلمند تھی لیکن اپنی قوم کی دیکھا داکھی وہ بھی سورج کی پرستش کرتی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَصَلَّحَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ﴾

(النمل ۴۳)

”اور اسے (عبادت الہی) سے اس چیز نے روک رکھا تھا جسکی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتی تھی، کیونکہ وہ کافر قوم میں سے تھی“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”كُلُّ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَاہِ أَوْ يُنَصِّرَاہِ أَوْ يُمَجِّسَاہِ“

(ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اُسکے ماں باپ اسے یہودی نصرانی اور مجوسی بنادیتے ہیں)

یعنی اپنے ماحول کے پیش نظر وہ بچہ بڑا ہو کر عادات کافر ہو جاتا ہے عادت بھی انسان کی طبیعت ثانیہ ہوتی ہے لہذا اسے ترک کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے مگر اُسکے لیے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے۔

قبیلے کی تبدیلی پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا:

﴿وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ﴾ (البقرة/۱۴۳)  
 ”اور یقیناً یہ (تبدیلی) بہت بھاری ہے مگر اُن لوگوں پر (بھاری نہیں) جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی“

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”الشَّيْخُ لَا يَكْذِبُ يُسَلِّمُ وَالشَّبَابُ أَقْرَبُ إِلَى الْإِسْلَامِ“ (المغنی ۲/۴۷۷)  
 (بوز حافض بمشکل ہی مسلمان ہوتا ہے جبکہ نوجوان اسلام کے زیادہ قریب ہوتے ہیں)  
 عبد الرحمن المعلمی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

جو شخص ایک مدت تک کسی فقہی مذہب پر عمل پیرا رہے اور اسی پر اُس نے پرورش پائی ہو تو ایسا شخص حتمی طور پر اپنے مذہب کو صحیح اور مخالف کو باطل قرار دیتا ہے۔

۱۶۔ حق کی بعض باتیں رد کر دینا اور بعض شرعی امور کو ترک کر دینا

اہل تقلید اور تنظیموں کے افراد کا عمومی رویہ یہی ہوتا ہے۔

اور یہ حق سے محرومی کا ایک بڑا سبب ہے۔

ایک بندہ بقدر استطاعت پوری شریعت کے التزام کا مکلف ہے اور اللہ کی بندگی کی حقیقت بھی یہی ہے کہ انسان ظاہری و باطنی طور پر احکامات الہی کا پابند ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (البقرة ۲۰۸)  
 ”اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ“

نیز فرمایا: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾  
 (الحشر/۷)

”اور جو کچھ تمہیں اللہ کا رسول دے تو وہ لے لو، اور جس سے منع کرے اس سے باز آ جاؤ“  
 ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ

اَلَيْسَ ۞ (النور/۶۳)

(لہذا اُن لوگوں کو جو ان (اللہ کے رسول ﷺ) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ انہیں کوئی فتنہ آ پہنچے، یا انہیں دردناک عذاب آ لے)

تمام اعمال و افعال میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور پیروی سے ہی انسان کو گمراہی سے نجات اور ہدایت کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکمل حق کی پیروی کیا کرتے تھے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”إِنِّي أَخْشَىٰ أَنْ تَرَكْتُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَزِيغَ“

(بخاری)

مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے آپ ﷺ کے احکام میں سے ایک چیز بھی ترک کر دی تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔

اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی یہ صفت تلائی گئی ہے کہ وہ کتاب اللہ پر یکسر ٹھہر جاتے تھے۔ (یعنی قرآن کی آیت سامنے آ جاتی ہے تو فوراً اُس پر ٹھہر جاتے اور اسکے مقابلے میں اپنی رائے کو یکسر نظر انداز کر دیتے) (بخاری)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ (الصف/۵)

(پھر جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو اللہ انکے دل ٹیڑھے کر دیئے)

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لَعَلَّه إِذَا رَدَّ بَعْضُ قَوْلِهِ أَنْ يَقَعَ فِي قَلْبِهِ شَيْءٌ مِنَ الزَّيْغِ، فَيَزِيغَ اللَّهُ قَلْبَهُ“

(تیسیر العزیز الحمید ص (۵۴۵))

(ممکن ہے کہ جب کوئی شخص دین کی کوئی بات رد کر دے تو اسکے دل میں کچھ ٹیڑھ پیدا ہو جائے اور پھر اللہ تعالیٰ اُسکے دل کو (کمل) ٹیڑھا کر کے اُسے سپردِ ہلاکت کر دے)

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی ایک صفت یہ بھی بتلائی ہے: ﴿وَالَّذِينَ إِذَا دُكِرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا﴾ (الفرقان/۷۳)  
 ”اور وہ لوگ جب انہیں انکے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے“

اس بحث سے آپ کو ان لوگوں کی گمراہی معلوم ہوگی جو شریعت پر حاکم بنے بیٹھے ہیں اگر کوئی بات انکے مذہب اور تنظیم کے موافق ہو تو اسکا التزام کرتے ہیں، اور اگر شریعت کا کائی حکم اسکے برعکس ہو تو اُسے فراموش کر دیتے ہیں، یا پھر اُسے تاویل کی کسوٹی پر کتے ہیں، یا منسوخ قرار دیتے ہیں۔ (واللہ المستعان)۔

بلاشبک وشبہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں انکا بھی حصہ ہے:

﴿اَقْرَأْ مِنْهُنَّ بَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ﴾ (البقرة/۸۵)

(کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو؟)  
 مقلدین جب دیکھتے ہیں کہ کوئی آیت یا حدیث انکے مذہب کے موافق ہے تو اسکی بہت تعظیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ ہماری دلیل ہے، اگر وہ حدیث ضعیف ہو تو اُسے صحیح قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، اور جب کوئی ایسی دلیل انکے سامنے آئے جو قول امام کے خلاف ہو تو اسکے خلاف تاویل، تحریف اور تردید کے ہتھیار استعمال کرتے ہیں گویا نعوذ باللہ کسی درندے نے اُن پر حملہ کر دیا ہو۔ (واللہ المستعان)۔

## ۱۷۔ کثرت مباحات

مباحات میں زیادہ مشغولیت بھی بعض اوقات حق سے روک دیتی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿زَيْنَ لِّلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْخَرْبِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ

الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ (آل عمران ۱۴)

(لوگوں کیلئے خواہشات نفس کی محبت مَدینِ کردی گئی ہے، (یعنی) عورتوں سے، بیٹوں سے، سونے اور چاندی کے جمع شدہ خزانوں سے، نشان لگے (عمدہ) گھوڑوں سے، موشیوں سے اور کھیتی سے یہ سب دنیاوی زندگی کا سامان ہے، اور اچھا ٹھکانہ اللہ ہی کے پاس ہے)

اس آیت میں اشارہ ہے کہ یہ مباحات اکثر اوقات انسان کو اچھے ٹھکانے سے دور کر دیتی ہیں۔

حدیث میں آتا ہے: ”مَا مَلَأَ ابْنُ آدَمَ وَغَاءَ شَرًّا مِنْ بَطْنٍ“ (احمد)  
 ”ابنِ آدم نے پیٹ سے بُرا کوئی برتن نہیں بھرا۔“

یَعْلٰی بن عبید کا بیان ہے کہ ہم ابنِ سوقہ پر داخل ہوئے تو انہوں نے فرمایا: اے بھتیجے! میں تمہیں ایک ایسی بات کہوں جس نے مجھے فائدہ دیا ہے، ممکن ہے تمہیں بھی پہنچائے، عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے ہم سے فرمایا تھا: بے شک تم سے پہلے لوگوں پر اُس بات کو جو اللہ کی کتاب، اور بالمعروف و نہی عن المنکر، اور ضروری معاشی گفتگو کے علاوہ ہو، اُسے فضولِ کلام میں شمار کرتے تھے، کسی بھی مباح کام میں ضرورت سے زیادتی اگر انسان کو شر میں مبتلا نہ کرے تب بھی خیر سے محروم ضرور کر دیتی ہے۔

۱۸۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حق کہنے والا خود بھی بعض گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے لہذا لوگ بجائے اسکی صحیح بات کو قبول کرنے کے اُلٹا یہ کہتے ہیں: اس نے اپنی اصلاح تو کی نہیں، اور ہمیں حق کی تلقین کرنے چلا آیا ہے، یہ انتہائی جہالت کی بات ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”مِنَ الْكَبَائِرِ أَنْ يُقَالَ لِلرَّجُلِ الْفَعْلُ كَذَا وَكَذَا، فَيَقُولُ: عَلَيْكَ بِنَفْسِكَ“

”یہ بات کبیرہ گناہوں میں سے ہے کہ کسی شخص سے جب یہ کہا جائے کہ فلاں اور فلاں (نیکی کا) کام کرو، تو وہ جواب میں کہے: اپنے آپ کو ٹھیک کرو“

بلکہ یہی بات ایک مرفوع حدیث میں بھی وارد ہوئی ہے جسے البانی رحمہ اللہ نے ”الصحيحہ“ میں نقل کیا ہے۔

یہ فرعون کا طرزِ عمل ہے، کیونکہ اُس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: تو مجھے کیونکہ حق کی دعوت دیتا ہے، جبکہ تو نے ناشکری کرتے ہوئے جو کام کیا تھا وہ تجھے یاد نہیں؟ (قبلی کے نقل کی طرف اشارہ ہے)۔

ممکن ہے کہ جب امام مہدی کا ظہور ہو تو بہت سے لوگ انکے سابقہ احوال کی بنیاد پر انکی پیروی سے انکار کر دیں، کیونکہ انکے متعلق حدیث میں آتا ہے:

”اللہ تعالیٰ ایک رات میں انکی اصلاح فرمائے گا“ (الصحيحہ ۴۸۲/۵)

انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کون ہے گناہوں سے بچ سکے؟  
علاوہ ازیں یہ بات بھی آپکے علم میں ہونی چاہیئے کہ شاذ و نادر کسی گناہ یا غلطی کا صادر ہونا کسی شخص کو غیر عادل نہیں بناتا۔

امام ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگوں کی یہی عادت چلی آئی ہے کہ وہ کسی عادل کی تعدیل اُسکے غالب احوال و افعال کی بنیاد پر کرتے ہیں اگرچہ بعض اوقات اُس سے برائی بھی سرزد ہو جائے۔ اور اسی طرح فاسق کو بھی اُسکے غالب افعال کی وجہ سے فاسق قرار دیتے ہیں اگرچہ کبھی وہ بھلائی کا کام بھی کرے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ (النساء/ ۳۱)

(اگر تم بڑے گناہوں سے بچو گے، جن سے تمہیں روکا جاتا ہے تو ہم تمہاری چھوٹی چھوٹی برائیاں تم سے دور کر دیں گے)

حدیث میں آتا ہے: [أَقْبِلُوا ذَوِي الْهَيْئَاتِ غَضَرِہُمْ]

(ابو داؤد (۴۳۷۵) عن عائشة رضی اللہ عنہا مرفوعاً)

(معزز لوگوں کو بھول چوک درگزر کر لیا کرو)



علاوہ ازیں سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ نے فاسق کی خبر کو بھی ملقا رد کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ تحقیق کرنے کو کہا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ﴾ (القارعة/۶-۷)

”پھر جس شخص کے (نیکوں کے) پلڑے بھاری ہو گئے تو وہ اپنی من پسند زندگی میں ہوگا“  
اس فرمان الہی سے بھی معلوم ہوا کہ غالب کی بنیاد پر حکم لگتا ہے۔

ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ حق بات کہنے والے کا معصوم عن الخطا ہونا ضروری نہیں، اور اگر داعی بعض گناہوں میں مبتلا ہو تو اس بنیاد پر اس کی حق بات کو مسترد کرنا بھی جائز نہیں۔

۱۹۔ باطل میں تھوڑے بہت حق کی آمیزش کی وجہ سے بھی بعض لوگ گمراہ

ہو جاتے ہیں، کیونکہ انکی نظریں تو حق پر ٹکی ہوتی ہیں، جبکہ حق کے پردے میں چھپ کر باطل انکی نگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے اضافی بدعات لوگوں میں رواج پکڑ لیتی ہیں کیونکہ اصلاً وہ کام شروع ہوتے ہیں لیکن اپنی کیفیت اور وصف کی وجہ سے بدعت بن جاتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تلبیس سے منع فرمایا ہے۔

فرمان الہی ہے: ”لَمْ تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَانْتُمْ تَعْلَمُونَ“ (آل عمران ۷۵)

”تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں غلط ملط کرتے ہو؟ اور تم جانتے ہو جتے حق کو چھپاتے ہو“  
اس لیے آپ باطل پرستوں کو دیکھیں گے کہ حق و باطل کی آمیزش کر کے حق ظاہر کریں گے اور باطل کو چھپائیں گے تاکہ اپنی جہالت یا خواہش پرستی کو شریعت کے لبادے میں چھپا سکیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَلَا يَنْفِقُ بِالْبَاطِلِ إِلَّا بَشَوْبٍ مِّنَ الْحَقِّ“ (مجموع الفتاویٰ ۱۹۰/۲۵)  
 ”حق کی ملاوٹ کے بغیر باطل کو رواج نہیں مل پاتا“

حق کے ساتھ ملے ہوئے باطل کو شبہ کہا جاتا ہے، لہذا حقائق سے پردہ اٹھانا“ اور الفاظ کے پیچھے چھپے معانی کو جانچنا ضروری ہے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو سکے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں محکم اور متشابہ آیات درج کی ہیں اور محکمات کو اصل قرار دیا ہے تاکہ اہل حق انکی طرف رجوع کریں جبکہ بدعتی لوگ متشابہات میں ٹامک ٹوٹیاں مارتے رہتے ہیں۔

## ۲۰۔ اہل باطل کیساتھ میل جول رکھنا

میل جول کا انسان پر انتہائی گہرا اثر ہوتا ہے اور صرف اخلاق و اعمال ہی نہیں بلکہ عقائد بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ جانور کیساتھ رہنے سے انسان انکا بھی اثر لیتا ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: ”الْفَخْرُ وَالْغِيْلَاءُ فِيْ أَهْلِ الْإِبِلِ وَالسَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ فِيْ أَهْلِ الْغَنَمِ“ (بخاری)

”فخر اور تکبر اونٹوں والوں میں ہوتا ہے، جبکہ سکینیت اور وقار بکریوں والوں میں ہوتا ہے“ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طالب علم جب بریلویوں کے مدارس میں پڑھتا ہے تو مشرک بن کر لکھتا ہے، اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ۔

اسی طرح جو طالب علم دیوبندی مدارس میں پڑھے وہ پکا خنفی اور ماتریدی بن جاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص تہلیغیوں کیساتھ مل جائے تو نرا صوفی بن جاتا ہے، اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ کیونکہ اختلاط کا ایک اثر ہوتا ہے۔

بعض اہل حدیث جب تہلیغیوں کیساتھ شامل ہوئے تو انہوں نے سنت پر عمل کرنا ہی چھوڑ دیا جب انہوں نے خارش زدہ لوگوں کیساتھ اپنے جسم کو گرٹا تو انہیں بھی خارش لگ گئی۔ اس طرح بہت سے مسلمان ہندوؤں اور عیسائیوں کیساتھ اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے ان کی

عادات کو اپنا چکے ہیں۔ واللہ المستعان۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَفْعَلُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا﴾ (النساء / ۱۴۰)

”اور اللہ نے تم (مومنوں پر) اپنی کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہو یا انکا مذاق اڑایا جا رہا ہو تو تم انکی مجلس میں نہ بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اسکے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں، ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے، یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں سب کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے ہم نشین کی مثال عطر والے اور بُرے ہم نشین کی مثال بھٹی والے سے دی ہے۔

بغداد بن حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”صُحْبَةُ أَهْلِ الْبِدْعَةِ تُورِثُ الْإِعْرَاضَ عَنِ الْحَقِّ“

(سیر أعلام النبلاء: ۱۰۹/۱۶)

(بدعتیوں کی صحبت کے نتیجے میں حق سے اعراض کا مرض جنم لیتا ہے)

امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”الَّذِينَ مِنَ الْبَاطِلِ هَلَكَةُ وَالْقَوْلُ فِي الْبَاطِلِ يَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ“

(ذم الکلام ۷۴/۵)

”باطل کا قرب باعثِ ہلاکت ہے، اور باطل گوئی حق سے پھیر دینے والی ہے“

قاضی فضیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”مَنْ جَالَسَ صَاحِبَ الْبِدْعَةِ لَمْ يُعْطِ الْحِكْمَةَ“ (شرح السنة ۱/۱۳۴)

”جو شخص بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے اُسے حکمت سے نہیں نوازا جاتا“

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لوگوں کیساتھ میل جول اور اختلاط کی وجہ سے کتنی ہی آفات نازل ہوتی، نعمتیں دور ہوتی، تکالیف اترتی اور عطائیں چھین لی جاتی ہیں، لوگوں کیلئے لوگوں سے بڑی آفت اور کیا ہو سکتی ہے؟ ابو طالب کی وفات کے موقع پر اُسکے بُرے ساتھیوں سے بڑھ کر اُسکے لیے کون نقصان دہ ہو سکتا تھا؟ جو اُسکے اور ایک کلمے کے درمیان حائل ہو گئے تھے کہ جسے پڑھ لینے سے اُسے ہمیشہ کی سعادت حاصل ہو جاتی۔ (مدارج السالکین ۱/۲۸۹)

## ۲۱۔ مخالفین کے اقوال کی طرف التفات نہ کرنا

اسی وجہ سے آپ دیکھیں گے گمراہ سردار اپنے گھٹیا اور عام لوگوں کو اہل حق کی بات سننے اور انکے ساتھ بیٹھنے سے منع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَا بِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْلِكُونَ﴾ (حکم السجدة ۲۶)

(اور کافروں نے) کہا: تم اس قرآن کو مت سُنو، اور جب پڑھا جائے تو شور مچاؤ، تاکہ تم غالب آ جاؤ)

اہل باطل اول تو حق کو پہننے ہی نہیں دیتے، اور اگر کہیں اسکا نور ظاہر ہو جائے تو طرح طرح کے بہتان لگا کر لوگوں کو اس سے روکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عکاظ اور ذی الحجاز کے بازاروں میں فرمایا کرتے:

”مَنْ يُؤْوِيْنِي مَنْ يَنْصُرُنِي حَتَّى أُبَلِّغَ رِسَالَةَ رَبِّي وَلَهُ الْجَنَّةُ؟ حَتَّى إِنَّ الرَّجُلَ لَيَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ أَوْ مُضَرَ فَيَأْتِيهِ قَوْمُهُ فَيَقُولُونَ لَهُ: اِخْلَدْ غُلَامَ قَرْنِشَ لَا يَفْتِنُكَ“ (احمد ۳/۳۲۲)

(کون ہے جو مجھے جگہ دے؟ کون ہے جو میری مدد کرے؟ یہاں تک کہ میں اپنے رب کا

پیغام پہنچا سکوں اور ایسے شخص کیلئے جنت کا وعدہ ہے؟ جبکہ لوگوں کی مخالفت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ ایک شخص یمن یا مصر کے علاقے سے مکہ کا رخص سفر باندھتا تو اسکی قوم والے اُسکے پاس آئے اور اس سے کہتے: قریش کے جوان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے بچ کر رہنا، کہیں، وہ تجھے فتنے میں نہ ڈال دے)

ابن دغنه نے جب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پناہ دی تو قریش نے اُس سے کہا تھا: اسے کہو کہ اونچی آواز سے قرآن کی تلاوت نہ کرے، کیونکہ ہمیں خدشہ ہے کہ یہ ہماری عورتوں اور بچوں کو فتنے میں ڈال دے گا۔

مخالفین کے اقوال کے جائزہ لینے سے ہماری مراد اُن مسلمانوں کے اقوال ہیں جو کتاب و سنت پر عمل کیساتھ معروف ہوں، ہر طرح کے گمراہ کن مخالفین کی باتیں نہیں سُننی چاہئیں کیونکہ اُن سے واقعی گمراہی کا اندیشہ ہوتا ہے، البتہ جو شخص کتاب و سنت کا علم اور بصیرت رکھتا ہے وہ گمراہ لوگوں کے نظریات سُن اور پڑھ سکتا ہے، اسی وجہ سے آپ علیہ السلام نے دجال کے حوالے سے فرمایا: ”مَنْ سَمِعَ بِهِ فَلْيُنْأِ عَنْهُ“  
”جو شخص اسکے بارے میں سُنے اُسے چاہیئے کہ اُس سے دور بھاگے“

## ۲۲۔ اہل باطل کی کثرت

بہت سے لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ حق اور باطل کیلئے کثرت و قلت کو معیار قرار دیتے ہیں، کثرت کو حق کی دلیل جاننے اور اس پر ناز کرتے ہیں، حالانکہ کثرت تو حق کی دلیل ہیں۔ اکثر باطل پرستوں اور مقلدین کی بھی یہی دلیل ہوتی ہے حالانکہ انہیں سوچنا چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے والے تو ہمیشہ کم لوگ ہی ہوتے ہیں، اور یہ دلیل تو فرعون نے بھی پیش کی تھی: ”إِنْ هُوَ إِلَّا نَسْرٌ ذِمَّةٌ فَلْيَلُون“

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”لَا يَكُونُ أَحَدُكُمْ إِمْعَةً يَقُولُ: أَنَا مَعَ النَّاسِ، لِيُؤْطِنَ أَحَدُكُمْ نَفْسَهُ عَلَى أَنْ يُؤْمِنَ وَإِنْ كَفَرَ النَّاسُ“

”تم میں سے کسی کو افسہ (ہر ایک کی رائے کے پیچھے لگنے والا) نہیں ہونا چاہئے کہ یہ کہتا پھرے: میں تو لوگوں کے ساتھ ہوں، بلکہ اسے اپنے نفس کو اس بات پر پختہ کرنا چاہئے کہ لوگ اگرچہ کفر کریں لیکن اُسے ایمان لانا ہے“

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ اور فرمایا: ﴿وَلَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾

کامیابیوں کی خوشخبری پانے والے غرباء کی صفت نبی کریم ﷺ نے یوں بیان فرمائی ہے: ”نَاسٌ صَالِحُونَ قَلِيلٌ، مَنْ يَعْصِيهِمْ أَكْثَرُ مِمَّنْ يُطِيعُهُمْ“ (الصحيحہ) (یہ وہ لوگ ہیں جو نیکوکار اور مقدار تعداد میں کم ہوتے ہیں، انکی نافرمانی کرنے والے انکی بات ماننے والوں سے زیادہ ہوتے ہیں)

نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

”الْجَمَاعَةُ مَا وَافَقَ الْحَقُّ وَإِنْ كُنْتَ وَخَدَكَ“ (الوحيز/ ۱۵) جماعت وہ ہے جو حق کے موافق ہو، اگرچہ تم اکیلے ہی کیوں نہ ہو۔

### ۳۳۔ نفس کی وحشت

جب کسی کا مزاج معتدل نہ ہو تب بھی بھی اُسے حق سمجھ میں نہیں آتا، ابن عقیل کہتے ہیں: جب نفس وحشت کا شکار ہو تو دل اندھے ہو جاتے، پاکیزہ خیالات مُضْمَحِل ہو جاتے اور فوائد کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، اس لیے شریعت نے غصے کی حالت میں فیصلہ کرنے سے منع کیا ہے۔

آپ علیہ السلام کی ایک دعا ہے: ”وَأَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الْغَضَبِ وَالرَّحْمَةِ“ (اور میں تجھ سے خوشی اور غصہ دونوں حالتوں میں حق بات کہنے کا سوال کرتا ہوں)۔ بعض سلف کا قول ہے: تو ایسے لوگوں کی مانند مت ہو کہ جو حالت خوشی میں باطل کا شکار ہو جاتے اور حالت غضب میں حق سے فرار ہو جاتے ہیں۔

خوشی کی شدت میں بھی انسان غلطی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، جیسا کہ اُس شخص نے کہا تھا: اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں“ (بخاری)

کیونکہ اس حالت میں بھی انسان کا مزاج معتدل نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں چھوٹی عمر کے نوجوان بھی بعض اوقات جذبات سے مغلوب ہو کر اہل باطل کی بھڑی شروع کر دیتے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں کو بعض داعی حضرات، یا انکی آواز یا کسی خاص جگہ سے ایک چڑسی ہو جاتی ہے لہذا وہ حق سے دور رہتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے متعلق سنا تو شدید صدمے کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہی بھول گیا: ”وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ“ یہاں تک کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انہیں یاد دلایا۔

اسی وجہ سے اہل علم شدید ضرورت کے علاوہ طلب حق کیلئے مناظرے بازی کو ناپسند کرتے ہیں، کیونکہ عموماً مناظروں میں لوگ غصے کا شکار ہو جاتے ہیں، اور قبولیت حق کا شعور یا قصد باقی نہیں رہتا۔

### ۲۴- پہلے اعتقاد پھر استدلال

بہت سے لوگوں کا یہ وطیرہ ہوتا ہے کہ پہلے ایک عقیدہ اور منہج اپنا لیتے ہیں اور پھر دلائل کا جائزہ لیکر اپنے عقیدے اور منہج کو درست ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عموماً ایسے لوگوں کو حق کی توفیق نہیں ملتی۔

اس کے بجائے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اُس وقت تک وہ کوئی اعتقاد، قول یا مذہب نہ اپنائے جب تک کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فرمادیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْعُدُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ (الحجرات ۱/)

”اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو“

اہل حق اور اہل بدعت میں سب سے بڑا فرق یہی ہے کہ اہل حق کتاب و سنت سے پہلے کوئی عقیدہ و عمل اختیار نہیں کرتے، جبکہ اہل بدعت کی عادت یہ ہے کہ وہ پہلے کوئی مذہب یا قول اختیار کر لیتے ہیں اور پھر دلیل ڈھونڈتے ہیں، اگر مل جائے تو کہتے ہیں: یہ ہماری دلیل ہے۔ اور اگر اسکے مخالف کوئی صریح دلیل سامنے آجائے تو اُسے کمزور قرار دیتے ہیں، یا اسکی تاویل کرتے ہیں، یا اُسے منسوخ ٹھہراتے ہیں۔

تمام مقلدین کو یہ بیماری لاحق ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”الْمُبْتَدِعُ جَعَلَ الْهَوَىٰ أَوَّلَ مَطْلَبِهِ وَأَخَذَ الْأَدِلَّةَ بِالتَّبَعِ“

(الإعتصام ۱/۱۳۴)

”بدعتی کی پہلی طلب خواہشات ہوتی ہیں جبکہ دلائل کا مرحلہ بعد میں آتا ہے“

امام شاطبی رحمہ اللہ نے یہ بہت پیاری بات کہی ہے، اور اسی لیے انہوں نے اہل بدعت کو خواہش پرست قرار دیا ہے کیونکہ دراصل دلائل کی بجائے خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور شرعی دلائل کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں۔

لہذا ہر مسلمان جو اپنے ساتھ مقلد ہے اُسے چاہئے کہ اُس وقت تک کوئی بھی قول یا عمل نہ اپنائے جب تک کہ کتاب و سنت کی کوئی واضح دلیل نہ پالے، اور اگر جہالت کی وجہ سے کوئی عمل خلاف سنت ہو جائے اور پھر دلیل معلوم ہو تو اپنا عمل ترک کرتے ہوئے حق کی طرف رجوع کر لے۔ آجکل ایسے لوگ بہت کم ہی پائے جاتے ہیں جیسا کہ سُرخ سونا بہت کم ملتا ہے۔ واللہ المستعان۔

۲۵۔ اہل باطل اور ان کے اقوال سے عدم آگاہی

باطل کو اُسکے اوصاف کیساتھ تو پہچانتا بھی ضروری ہے، کیونکہ بہت سے لوگ باطل کو نہ جاننے کی وجہ سے ہی باطل کا شکار ہوتے ہیں۔



سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”لَقَدْ عَلِمْتُ وَرَبَّ الْكَعْبَةِ اَمْتَى تَهْلِكُ الْعَرَبُ اِذَا وَلَّى اَمْرَهُمْ مَنْ لَمْ يَصْحَبِ الرَّسُولَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُعَالِجْ اَمْرَ الْجَاهِلِيَّةِ“

(الطبقات لابن سعد ۱۲۹/۴، مستدرک حاکم ۴۲۸/۴)

رب کعبہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ عرب کب ہلاکت ہو گئے، جب وہ لوگ انکے حکمران بن جائیں گے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب نہیں ہوئے اور نہ ہی انکا جاہلی امور سے واسطہ پڑا ہے۔ (یعنی جاہلیت سے آگاہ نہیں)

حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق پوچھتے تھے جبکہ میں آپ سے شر کے متعلق پوچھتا تھا، کیونکہ مجھے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں میں شر میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ (بخاری)۔

امام بخاری نے جمیہ کے متعلق انتہائی شدت اپنائی ہے اور انہیں کافر قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کا کلام دیکھا ہے لیکن جمیہ سے بڑھ کر کوئی گمراہ نہیں دیکھا، جو شخص انہیں کافر قرار نہیں دیتا میں اُسے جاہل سمجھتا ہوں“

اسی طرح آپ فرماتے ہیں: بے شک مرض اور اُسکے سبب کی معرفت سے اُسکے علاج میں مدد ملتی ہے، لہذا جو شخص مختلف مقالات سے اگرچہ وہ باطل ہی ہوں، آگاہ نہیں اُسکے لیے ان مقالات و مذاہب کے پیروکاروں اور ماننے والوں کا علاج کرنا اور انکے شہادت کا ازالہ کرنا ممکن نہیں۔

## ۲۶۔ باطل کی اصل حقیقت نہ جانا

بہت سے لوگ اپنے باطل عقائد کا صحیح تصور نہیں رکھتے، کیونکہ اگر وہ ان باطل اور غلط عقائد و نظریات کا جامع اور صحیح تصور رکھتے تو کبھی ان میں مبتلا نہ ہوتے۔

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جان لیجئے کہ جب کوئی مذہب فی نفسہ

باطل ہو تو اسکو نقل کرنے والا اسکا صحیح تصور پیش نہیں کر سکتا کیونکہ یہ حق کی ہی شان ہے کہ ٹکڑے کر سامنے آجاتا ہے۔

ابن رجب رحمہ اللہ بعض متقدمین سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: تم اپنے دل میں جو چاہو تصور کرو اور اُس پر غور کرو، پھر اسکی ضد پر اُسے قیاس کرو، اگر تم نے دو مختلف باتوں کے درمیان صحیح تمیز کر لی تو تم اُن میں سے حق اور باطل کو بخوبی جان لو گے۔

(جامع العلوم والحکم ۱/۲۸۵)

عبد الرحمن السعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یقیناً کوئی بھی عقلمند شخص جب مشرکین کے مذاہب کا تصور کریگا تو اس سے پہلے کہ انکے خلاف دلائل قائم کیے جائیں اُسے انکے بطلان کا حتمی طور پر علم ہو جائیگا۔ (تفسیر السعدی ۲/۲۶۱)

اسی طرح جو شخص وجوب تقلید کے قول کا صحیح تصور کرے اُس پر بھی اسکا بطلان ظاہر ہو جائے گا۔

## ۲۷۔ فاسد اصولوں اور سلوکوں کا التزام کرنا

بعض لوگوں نے کچھ قاعدے اور اصول گھڑ رکھے ہوتے ہیں جنہیں وہ اپنی عبادات و معاملات میں رہنما بنا لیتے ہیں، لہذا انکی وجہ سے وہ حق تک پہنچنے کی بجائے اس سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

بڑی بات تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ان اصولوں کو کتاب اللہ اور سنت نبوی پر حاکم بنا رکھا ہوتا ہے۔

بعض لوگوں نے ذوق کو خگم بنا رکھا ہے، جیسے صوفیاء جبکہ بعض عقل کو رہنما سمجھتے ہیں، جیسے معتزلہ اور بعض تحریف شدہ شریعتوں سے چمٹے ہوئے ہیں، جیسے یہود و نصاریٰ اور بعض نے متاخرین کی لکھی ہوئی اصول کی کتابوں کو حاکم بنا ڈالا ہے، جیسے نور لائبر، حسامی، اور مسلم الثبوت وغیرہ، بعض نے سیاست کو اپنا قبلہ بنا رکھا ہے اور بعض نے ایک معین گروہ کی

ہر بات کو کتاب و سنت پر حاکم بنا رکھا ہے، جیسے دیوبندی، تبلیغی، بیچ پیری، ماتریدی وغیرہ، یہ لوگ اپنے تمام معاملات میں انہی کی بات کو قول فیصل سمجھتے ہیں۔  
اللہ کی قسم! یہ تمام چیزیں حق سے دور کرنے والی ہیں، یہ وہ بیڑیاں ہیں جن میں پھنسنے کے بعد انسان رب العالمین تک نہیں پہنچ پاتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿وَأَنْ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ

سَبِيلِهِ﴾ (الأنعام / ۱۵۳)

”اور (اے نبی! ان سے کہہ دیجئے) یقیناً یہ میرا راستہ سیدھا ہے لہذا تم اس کی پیروی کرو، اور تم دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو، وہ تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے“  
ترمذی کی حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص کتاب اللہ کے سوا کسی اور چیز میں ہدایت تلاش کریگا، اللہ تعالیٰ اُسے گمراہ کر دے گا۔

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص کتاب و سنت کے علاوہ کسی اور چیز میں ہدایت کا متلاشی ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہی ہوتا چلا جائے گا۔

ابن قیم رحمہ اللہ اپنے ”قصیدہ نوئیہ“ میں اُن اصول و قواعد کی تردید کرتے ہوئے کہ جنہیں لوگوں نے کتاب و سنت سے فرار کا ذریعہ بنا رکھا ہے، فرماتے ہیں: (ترجمہ اشعار)  
کتاب و سنت کی نصوص ہی کفایت کرتی ہیں لیکن اسکے لیے شرط یہ ہے کہ ان سے نئے پیش آمدہ مسائل پر اجتہاد و تلقی کی جائے۔

اور اسکے لیے یہ بھی شرط ہے کہ لوگوں کی لگائی ہوئی حدود و قیود کو اتار پھینکا جائے کیونکہ وہ انسان کو ٹھوڑی تک جکڑ لیتی ہیں۔

علاوہ ازیں ان قواعد کو توڑنا بھی ضروری ہے جنکی دلیل اور بیان کتاب و سنت میں نازل شدہ نہیں ہے۔

اسی طرح آراء رجال پر مبنی اقوال جب دلیل سے خالی ہوں تو انکار و ابطال بھی ضروری ہے۔

بلا کھٹکے انکی تردید کیجئے، کیونکہ جب یہ کتاب وسنت کی نص سے عاری ہیں تو انکی کوئی حیثیت نہیں۔

اگر یہ خود ساختہ قواعد، قیود اور آراء نہ ہوتیں تو ایمان کی کڑیاں بہت وسعت اختیار کر لیتیں۔ لیکن اللہ کی قسم! یہ قواعد و قیود تو بہت تنگ کڑیوں کے حامل ہیں، لہذا لوگوں کے ہاتھ ان سے خلاصی پانے کی آرزو مند ہیں۔

اللہ کی قسم! انکی وجہ سے کتاب وسنت کی بہت سی واضح نصوص معطل ہو کر رہ گئی ہے۔ (یہ بہت مفید اشعار ہیں، مزید تفصیل کیلئے قصیدہ نوبہ کی طرف سے مراجعت کیجئے)

۲۸۔ کسی ایک شیخ اور استاد سے باطل قول کا صدور جسے مقبولیت حاصل ہو

جب قبول عام کی حامل شخصیت سے غلطی صادر ہوتی ہے تو یہ بھی لوگوں کیلئے باعث فتنہ بن جاتی ہے، اسکے شاگرد، پیروکار اور عام محبین یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا شیخ تو ہمیشہ سے حق کا تلاشی اور سنت کی پیروی کا رہا ہے لہذا اسکی بات درست ہے، اور اسی طرح ایک غلط بات لوگوں میں رائج ہو جاتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے: ”حُبُّكَ الشَّيْءُ يُعْمِي وَيُصِمُّ“

”تمہارا کسی چیز سے محبت کرنا تمہیں اندھا اور بہرا کر دیتا ہے“

یعنی جب انسان کسی سے محبت کرتا ہے تو پھر اسکی آنکھیں اس محبوب کے عیوب دیکھنے سے اندھی، اور کان اسکی برائی سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں ثعلب اسکا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: آنکھ اسکی برائی دیکھنے سے اندھی ہو جاتی ہے اور کان اس کے حوالے سے کہی گئی مثنیٰ بر عدل بات سننے کے روادار بھی نہیں ہوتے، بلکہ بہرے ہو جاتے ہیں۔

عبد الرحمن السعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

جو شخص مختلف اقوال میں سے معنی برحق قول کو پہچاننا چاہتا ہے، اُسے چاہیے کہ اس بات سے قطع نظر کر لے کہ قائل کون ہے؟ کیونکہ بعض اوقات قائل کا ذکر کرنے سے انسان دھوکہ کھا جاتا ہے اور قائل کی ہیبت و منزلت اُسے اُسکی مخالفت سے روک دیتی ہے۔ اور یہی عدل و انصاف ہے برخلاف اُس شخص کے جو یہ سمجھتا ہے کہ حق تو صرف اُسکے امام اور شخص کے قول میں منحصر ہے، گویا وہ شاعر کے اس قول پر عمل پیرا ہے:

إِذَا قَالَتْ حَذَامٌ فَصَدِّ قَوْلَهَا      فَإِنَّ الْقَوْلَ مَا قَالَتْ حَذَامٌ

”جب حذام (عورت کا نام) کوئی بات کہ دے تو اُسکی تصدیق کر دیا کرو، کیونکہ بات تو وہی ہے جو حذام کہے“

میں کہتا ہوں: آلو سی نے تو یہاں تک کہا ہے:

وَمَا أَنَا إِلَّا مِنْ غَزِيَّةٍ إِنْ غَوَتْ      غَوَيْتُ وَإِنْ تَرَشُدَ غَزِيَّةٌ أَرَشُدْ

”میں سوائے غزیر قبیلے کا فرد ہونے کے اور کچھ نہیں، اگر یہ گمراہی پر چلے تو میں بھی گمراہی کو اپناتاؤں گا، اور اگر غزیرہ درست راہ اختیار کرے تو میں بھی درست راہ پر چلوں گا“  
(تفسیر السعدی، المجلد الاول)

اسی وجہ سے جب اہل باطل کی کسی بات کی مخالفت کی جائے تو وہ فوراً قائل کا نام لیتے۔  
(حالانکہ دلیل پیش کرنی چاہیے)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر زمانے میں اہل بدعت کی یہ عادت رہی ہے کہ اگر کسی عالم سے صرف ایک کلمہ صادر ہو جائے کہ جس میں انہیں اپنی بدعت کی تائید کا کوئی پہلو نظر آئے تو اُس کلمے کی خوب تشہیر کرتے ہیں، اور جو شخص بھی انکی بدعت کا انکار کرے تو وہ فوراً اس کلمے کو بطور دلیل پیش کرتے اور مخالف کا منہ بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (منتہی الطلب / ۱۲۲)

۲۹۔ اہل باطل کا خود کو کسی جلیل القدر ہستی کی طرف منسوب کرنا

ہمیشہ سے اہل باطل کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے باطل کو کسی ایسی شخصیت کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسے امت میں مقبولیت حاصل ہو، جیسے راشی اپنے اقوال کو اہل بیت کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ ان سے بری ہیں۔ اور احناف اپنے مذہب کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جبکہ امام صاحب فقہ حنفی کے اکثر مسائل سے بری ہیں۔ اسی طرح اہل بدعت اپنی انت نئی بدعتوں کو ائمہ کرام کیساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ائمہ کرام کا ان بدعات سے کوئی واسطہ نہیں۔

### ۳۰۔ اہل حق کا حق کے دفاع و نصرت سے گریز کرنا

جب اہل حق ایک دوسرے پر تکلیف کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور دفاع حق کا فریضہ ادا کرنے میں کوتاہی کا شکار ہوتے ہیں تو باطل دندناتا پھرتا ہے اور معاشروں میں رائج ہو جاتا ہے۔ ابن قتیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: باطل پر خاموشی اختیار کرنے سے وہ قوی ہوتا ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب لوہہ بنوت کے حالمین کمزور پڑ جائیں تو بدعت مضبوط ہو جاتی ہے۔

مقبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب علماء کرام دو ٹوک حق بیان کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو گمراہیاں پھیلتی چلی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَصْوَارَ اللَّهِ﴾ (الصف/ ۱۴)

”اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار ہو جاؤ“

مزید فرمایا: ”فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ“

ابن الوزیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لَوْ أَنَّ الْعُلَمَاءَ تَرَكَوْا الذَّبَّ عَنِ الْحَقِّ خَوْفًا مِنْ كَلَامِ الْخَلْقِ لَكُنَّا قَدْ

أَضَاعُوا كَثِيرًا وَخَافُوا حَقِيرًا“ (العواصم والقواصم ۱/ ۲۲۳)

”اگر علماء کرام لوگوں کی باتوں کے خوف سے حق کا دفاع ترک کر دیں، پھر تو یقیناً انہوں نے غیر کثیر کو ضائع کر دیا اور حق باتوں سے ڈر گئے“  
 امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بدعتوں کے رواج کا سبب اگلے بارے میں خاموشی اختیار کرنا اور انکار کا انکار نہ کرنا ہے۔ (لا اعتصام ۱۰/۲)

### ۳۱۔ دعوت حق کا اسلوب

بعض داعی حضرات دعوت الی الحق کیلئے ایسا اسلوب اختیار کرتے ہیں جو لوگوں کو قریب لانے کی بجائے دور بھگانے کا باعث ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نرمی کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ“ (مسلم)

”یقیناً جب بھی کسی چیز میں نرمی پائی جائے تو اسے مزین کر دیتی ہے“

لہذا حق کی دعوت دینے والوں کو نرمی اور شفقت کا رویہ اپنانا چاہیے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عوام الناس کو حق کی طرف مائل کرنے کیلئے نرمی ضروری ہے، کیونکہ جھگڑے اور تعصب

آميز انداز سے لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آتے ہیں۔ (احیاء العلوم ۲/۱۹۶)

بعض سلف کا قول ہے: جب تم کسی کو غصہ دلا دو تو پھر وہ تمہاری بات قبول کرے، یہ ممکن

ہی نہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَوْلَا لَهُ قَوْلًا لَّيْنَا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى﴾ (طہ/۴۳)

(چنانچہ تم دونوں (موسیٰ و ہارون علیہما السلام) اس (فرعون) سے نرم بات کہنا، شاید کہ وہ

صیحت پکڑے یا ڈرے)

البتہ بعض اوقات منافقین اور معاندین کے خلاف سخت رویہ بھی اپنایا جاسکتا ہے، جیسا کہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ (التحریم/۹)

(اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے)

شاعر کہتا ہے:

وَوَضَعَ النَّدَى فِي مَوْضِعِ السَّيْفِ بِالْعَلَى

مُضِرٌّ كَوَضَعَ السَّيْفُ فِي مَوْضِعِ النَّدَى

”جہاں تلوار کیساتھ چڑھائی وغلبہ حاصل کرنا ضروری ہو، وہاں لطف و کرم کی بارش کرنا

نقصان دہ ہے، جیسا کہ لطف و کرم کے موقع پر تلوار نقصان دہ ہے“

ابو سعید الخرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں: لسانِ حق کی ٹرشی بھی ایک احسان ہے۔

۳۲۔ مخالفینِ حق سے حق طلب کرنا

مثلاً ایک شخص کسی متنازع مسئلے میں کسی ایسے عالم کے پاس اپنا مسئلہ لے جاتا ہے جو یا تو حق کو جانتا ہی نہیں، یا پھر جانتا تو ہے لیکن کیونکہ وہ خود حق کے خلاف موقف پر گامزن ہے لہذا وہ اس مسئلے میں دلائلِ حق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے تاکہ سائل کو مطمئن کر سکے، اور بعض اوقات بے چارہ سوال کرنے والا اُس کے بتلائے ہوئے مسئلے کو حق سمجھ کر اپنا لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

شَنَّانُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (المائدہ: ۸)

”اے ایمان والو! تم اللہ کیلئے (حق پر) مضبوطی کیساتھ قائم رہنے اور انصاف کی گواہی

دینے والے بنو، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل

کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ



أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أُولَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا  
الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلَوْا أَوْ تَعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿۱۳۵﴾  
(النساء ۱۳۵)

(اے ایمان والو! تم انصاف کیلئے ڈٹ جانے والے اور اللہ کیلئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف یا تمہارے والدین اور قریبی رشتہ دار کے خلاف ہو، معاملے کا فریق امیر ہو یا غریب، دونوں صورتوں میں تمہاری نسبت اللہ ان کا زیادہ خیر خواہ ہے، پس تم نفسانی خواہش کے پیچھے پڑ کر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو، اور اگر تم نے توڑ مروڑ کر بات کی یا (گواہی دینے سے) منہ موڑا تو بیشک تم جو بھی عمل کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے)۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک انسان اگر جان بوجھ کر خالفین کی بات میں زبان موڑ کر غلط بیانی نہیں کرتا یا اُسے چھپانے کی کوشش نہیں کرتا تب بھی اسکے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ جس مذہب کا بگاڑ چاہتا ہے اسی کے دلائل کو ایسے حسن ترتیب سے پیش کرے کہ اُس میں قوت پیدا ہو، پھر اگر وہ اس مذہب سے شدید درجے کی نفرت اور بغض رکھتا ہے تو بھلا بتائے کہ اُس کی کیفیت کیا ہوگی۔ (نقض تائیس الحمہ ۲/۳۴۴)

### ۳۳۔ مشورے سے غفلت برتنا

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ مشورہ کرنے سے دوسرے عقلاء کے علم و فہم میں مشارکت ہو جاتی ہے جسکے نتیجے میں درست رائے تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ علماء کی ایک جماعت بہر حال منفرد کے مقابلے میں حق کے زیادہ نزدیک ہوتی ہے اور پھر بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ کسی معاملے کا ایک پہلو آپکی نگاہوں سے اوجھل ہوتا ہے جو مشورے کے نتیجے میں آپکے سامنے آ جاتا ہے اور آپکو فیصلہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔  
کسی مبلغ کا قول ہے: ہر عقلمند شخص پر ضروری ہے کہ اپنی رائے کو دیگر علماء کی رائے کے

ساتھ ملا کر دیکھ لے، اور اپنی عقل کیساتھ دیگر حکماء کی عقلیں بھی جمع کر لے، کیونکہ منفرد رائے بعض اوقات بڑی سے اتر جاتی ہے اور اکیلی عقل بعض اوقات بہک جاتی ہے۔

(درر السلوک / ۷۴)

ابو الحسن الماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کثرت کیساتھ عقلمندوں سے مشورہ کیا کرو، خصوصاً اہم معاملات میں کیونکہ ہر عقل کے پاس درست باتوں کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے، اور ہر عقل تدبیر کا مسکن ہوتی ہے، اور بعض کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ ایک جماعت کی رائے غلط ہو۔ (درر السلوک / ۷۵)

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: درست رائے تک پہنچنے کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ ہر معاملے میں اسکے اہل لوگوں سے مشورہ کیا جائے اور انسان اکیلا ہی فیصلے نہ کرتا رہے۔

(إعلام الموقعین ۱/ ۸۴)

عز بن عبد السلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَجْمَعْ الصُّوَابَ كُلَّهُ لِوَاحِدٍ، وَلِذَلِكَ خَرَعَتِ الْمُشَاوَرَةُ، لِإِنَّ الصُّوَابَ قَدْ يَظْهَرُ لِقَوْمٍ، وَقَدْ يَغُيبُ عَنْ آخَرِينَ، وَقَدْ قِيلَ لِلشَّافِعِيِّ: أَيْنَ الْعِلْمُ كُلُّهُ؟ فَقَالَ: فِي الْعَالَمِ كُلِّهِ يَعْنِي أَنَّ اللَّهَ لَفَرْقَهُ بَيْنَ عِبَادِهِ وَلَمْ يَجْمَعْهُ فِي وَاحِدٍ (احکام الجہاد و فضائلہ / ۹۵)

(بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام حق کسی ایک شخص کیلئے جمع نہیں کیا، اسی وجہ سے باہمی مشاورت مشروع کی گئی ہے، کیونکہ بعض اوقات کچھ لوگوں کیلئے حق ظاہر ہوتا ہے جبکہ دوسروں کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: تمام علم کہاں ہے؟ فرمایا: تمام جہاں میں یعنی اللہ تعالیٰ نے علم اپنے بندوں کے درمیان تقسیم کر دیا ہے، کسی ایک شخص میں جمع نہیں کیا)

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہا جاتا تھا کہ کئی لوگوں کی آراء اور عقول جمع ہونے سے مشکل معاملات کا شوش حل نکل آتا ہے۔ (العقل و فضله / ۵۵)۔

مشورہ کرنا سید المرسلین محمد کریم ﷺ، آپ کے صحابہ اور اہل ایمان کی صفت ہے۔  
 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ / ۳۸)  
 ”اور انکا (ہر) کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے“

مشورے سے غفلت برتنے والا اپنے لیے ہلاکت کا گڑھا کھودتا ہے، اور کوئی متکبر یا جاہل ہی ایسا کر سکتا ہے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے بڑھ کر علم کے حامل اور وحی الہی کی روشنی میں فیصلے کرنے والے تھے، اور آپ کے علماء صحابہ جیسے سیدنا ابوبکر اور جنکی زبان اور دل پر اللہ تعالیٰ نے حق کو جاری کر دیا تھا یعنی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہم جیسی حلیل القدر ہستیاں اپنے معاملات کے مشورے سے چلاتی تھیں تو میں اور آپ کس کھیت کی مولیٰ اور کتنے ذہین و فطین ہیں کہ خود کو مشورے سے مستغنی سمجھیں؟

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر مفتی کے پاس ایسے علماء موجود ہوں جنکے علم و دین پر اُسے اعتماد ہے تو اُسے خود سے اپنے آپ کو بڑا کرنے کیلئے فوراً جواب نہیں دینا چاہیے، بلکہ اس مسئلے پر اہل علم سے مشورہ کرنا اور مدد لینی چاہیے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو یہ جہالت کی علامت ہے۔ (إعلام الموقعین ۲/۲۵۶)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”إِنْ كُنْتُ لَا سَأَلَ عَنِ الْأَمْرِ الْوَاحِدِ لَثَلَايْنِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمیں صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا کرتا تھا“

(سیر أعلام النبلاء ۳/۳۴۴، ذہبی کہتے ہیں: اسکی سند صحیح ہے)

علامہ بن عبد الرحمن السعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

غور و فکر اور مشاورت یہ دو باتیں درست بات تک پہنچنے کا سب سے بڑا سبب ہیں، انکے نتیجے میں انسان نقصان سے بچ جاتا ہے، اور انکے ذریعے انسان اس ندامت سے بھی محفوظ رہتا ہے جو جلد بازی اور بے سمجھی کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے۔ (تفسیر السعدی / ۱۵۰)

یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ مشورہ باریک اور دقیق مسائل پر ہوتا ہے، جبکہ وہ امور جو

بالکل واضح اور عیاں ہوں اُن پر مشورے اور غور و فکر میں وقت برباد کرنے کی بجائے فوراً عملی اقدام اٹھانا چاہیے۔

علامہ بن عبد الرحمن السعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وَالسَّامِعُ يَتَحَوَّلُ إِلَى مُشَاوَرَةِ الْأُمُورِ الْخَفِيَّةِ الَّتِي لَا تُعْلَمُ حَقِيقَتُهَا وَلَا مَنَفَعَتُهَا“ (تفسير السعدی ۱۴۹/)

صدیقہ بنت صدیق ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا طرز عمل دیکھئے کہ جب آیت تخییر نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: اپنے والدین سے مشورہ کئے بغیر جلدی کوئی فیصلہ مت کرنا۔ تو انہوں نے جواب دیا: اس بات میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ (یعنی اس میں مشورے کی ضروری نہیں)۔

یقیناً میں اللہ، اُسکے رسول اور آخرت کے گھر کی طلبگار ہوں۔ (بخاری (۴۷۸۵)

بعض دعوتی جماعتوں کے قائدین علماء کو مشورے کے قابل نہیں سمجھتے اور اسی وجہ سے وہ دین و دنیا کے فساد کا باعث بنتے ہیں۔  
www.KitaboSunnat.com

شاید اسکا سبب یہ ہے کہ انہیں یہ وہم ہے کہ ہمارے علماء کے پاس ”فِقْهُ الْوَأَقِيعِ“ (یعنی موجود حالات کا علم) نہیں، جبکہ وہ خود کو فقیہ الواقع سمجھتے ہیں، حالانکہ انجام کار نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ فقیہ الواقع کون ہے، فقہ الواقع پر لکھنے اور بات کرنے والے بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ انگریزی اور فرانسیسی مصادر سے دلائل پیش کرتے ہیں حالانکہ وہ خود انگریزی اور فرانسیسی میں فرق تک نہیں کر سکتے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے بعض احوال و مددگار ہیں جو انکے لیے یہ حوالے جمع کرتے ہیں۔

ان لوگوں نے اس امت کو اسکے علماء سے کاٹ دیا ہے، جسکے نتیجے میں شر و فساد پھیلتا چلا جا رہا ہے، انکی منہج میں انحراف کیلئے یہی بات کافی ہے، انہوں نے علماء کرام کو صرف فقہی احکام اور عقائد کیلئے مختص کر رکھا ہے، اور جہاں تک ملکوں اور قوموں سے متعلقہ مصالح و فساد اور واقع کی بات ہے تو اسکے لیے انکے نزدیک دوسرے شہوار قابل اعتماد ہیں۔

کہاں ایک شخص کی عملی خرابی کا نقصان اور کہاں پوری جماعتوں کی کوتاہیوں سے مرتب ہونے والے دین و دنیا کے مفاسد اور نقصانات؟

ان لوگوں کے ہاں علماء کی تعظیم صرف احکام و عقائد تک محدود ہے، واقع اور انکار علی المنکر کے حوالے سے یہ لوگ علماء کی کوئی قدر و قیمت نہیں جانتے نہ انکی طرف رجوع کرتے ہیں اور نہ انکی طرف التفات کرتے ہیں۔

یہ لوگ متکلمین سے حد درجہ مشابہت رکھتے ہیں جو فقہی امور میں ائمہ مذاہب کی تعظیم کرتے ہیں جبکہ اصول دین میں ان پر اعتماد نہیں کرتے۔

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”متکلمین کے نزدیک بعض اعتبار سے نبی بھی ائمہ مذاہب (مثلاً ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، سفیان ثوری، لیث بن سعد، اوزاعی، داؤد بن علی وغیرہ) کے مشابہ ہوتا ہے۔

یہ متکلمین شریعت کے عملی اور فقہی مسائل میں تو ان لوگوں کی تعظیم کرتے ہیں لیکن علم کلام اور اصول دین مثلاً مسائل توحید، صفات، تقدیر، نبوت، معاد وغیرہ میں ان ائمہ کرام کی موافقت کو لازم نہیں جانتے، بلکہ بعض اوقات تو اپنے شیوخ متکلمین کو ان سے افضل قرار دیتے ہیں، اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ بھی ان مسائل سے واقف تھے لیکن انہوں نے ان مسائل پر ہمارے شیوخ متکلمین کی طرح کھل کر بات نہیں کی“

(الرد علی المنطقیین ۴/۴۴۳)

### ۳۳۔ اہل باطل کی حیلہ سازیاں

باطل نئے پلے میں کوئی صحیح دلیل تو ہوتی ہی نہیں، لہذا اہل باطل کو اپنے کھوٹے سکے مارکیٹ میں چلانے کیلئے طرح طرح کی حیلہ سازیوں کا سہارا لینا پڑتا ہے جن سے کمزور بصیرت رکھنے والے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ باطل پر کوئی صحیح دلیل قائم نہیں ہو سکتی، نہ عقلی طور پر اور نہ شرعی طور پر۔

خواہ اسکا تعلق خبر سے ہو یا طلب سے۔

کیونکہ صحیح دلیل تو مدلول علیہ کی صحت کو مستلزم ہے۔

اگر باطل پر صحیح دلیل قائم ہو جائے تو اُسکا حق ہونا لازم آتا ہے، اور یہ دوسدوں کو جمع کرنے کے مترادف ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی چیز موجود بھی ہو اور معدوم بھی۔

(الحواب الصحيح لمن بدل دين المسيح ۱۳/۲۶۰)

شریعت مطہرہ میں حیلہ سازی کو ممنوع اور سخت گناہ قرار دیا گیا ہے، حیلہ ساز یہود سے مشابہت رکھتا ہے۔

عز بن عبد السلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس شخص میں کوئی خیر دھلائی نہیں جو اپنے مذہب کے ضعیف اور دلائل صواب سے دوری کے باوجود حیلہ جوئی کرتا ہے اور کتاب و سنت یا اجماع کو اپنی فاسد تاویلات اور نادر جوابات کے ذریعے غلط معانی پہنانے کی کوشش کرتا ہے۔ (الفوائد فی اختصار المقاصد / ۱۴۴)

اہل باطل اپنے موقف کی ترویج کیلئے اپنی تحریر و تقریر اور اہل حق کے ساتھ مناظروں میں نئے نئے حیلے اختیار کرتے ہیں، انکے حیلوں کا استقصاء و احاطہ ناممکن ہے، کیونکہ انکے حیلے شیطان کی وحی کا نتیجہ ہوتے ہیں اور شیطان لوگوں کی گمراہی کا وسیع تجربہ اور لا تعداد حربے رکھتا ہے۔

یہاں ہم اہل باطل کے اہم اور بڑے حیلوں کا تذکرہ کریں گے جو وہ لوگوں کو حق سے دور رکھنے کیلئے استعمال کرتے ہیں:

**۱۔ باطل کی تردید پر مبنی کتابوں کو برا بھلا کہنا**

کیونکہ ردود کے نتیجے میں انکا پول کھلتا ہے اور لوگوں پر انکی غلطیاں آشکار ہوتی ہیں لہذا

آپ دیکھیں گے کہ اہل باطل لوگوں کو ردود پر مبنی کتابیں پڑھنے سے روکتے اور نفرت دلاتے ہیں۔

اس حوالے سے انکا ایک حیلہ تو یہ ہوتا ہے کہ وہ ان ردود کو ہم پلہ معاصرین کی چپقلش قرار دیتے ہیں کہ جسکی طرف التفات نہیں کرنا چاہیے، اور جسے بیان کرنے کی بجائے لپیٹ کر رکھ دینا ضروری ہوتا ہے۔

یہ انکی واضح تدلیس و دھوکہ بازی ہے، یہ ٹھیک ہے کہ ہم پلہ معاصرین کی باہمی چٹمک غیر معتبر ہوتی ہے لیکن یہ لازم ہے کہ علماء سے صادر ہونے والے مبنی برد کلام کی تحقیق کی جائے جیسا کہ سلف صالحین نے تحقیق کی اور نہایت کثیر تعداد میں معاصرین کے کلام کو قبول بھی کیا، اور ان علماء کی امت سے خیر خواہی اور منکر کے انکار پر سلف صالحین انکے شکر گزار بھی ہوئے۔

معاصرین کے اُس کلام کو علماء کرام نے غیر معتبر قرار دیا ہے جب مندرجہ ذیل امور ثابت ہوں:

۱۔ تنقید میں منفرد ہونا اور باقی علماء کا اس نقد و جرح کا متابعت نہ کرنا۔

۲۔ کسی صحیح دلیل کا سہارا لیے بغیر بے ننگے انداز میں رد کرنا۔

۳۔ رد کرنے والے اور جس پر رد کیا جا رہا ہے، دونوں کا علم میں برابر ہونا، لفظ ”اقران“

سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔

بعض سے ردود جنہیں معاصرین کی چپقلش کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے اُن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں یہ امور معدوم ہیں، اور انہیں کلام اقران قرار دینا محض تعصب مذموم اور مردود علیہ کی بے جا حمایت کا نتیجہ ہے۔

اور لوگوں کو کتب ردود سے روکنے کیلئے انکا ایک حیلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ان کتابوں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان سے مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد میں دراڑیں پڑتی ہیں، دل سخت ہوتے ہیں، یہ علم سے عاری ہوتی ہیں، ان میں زندوں اور مردوں کو بُرا بھلا کہا جاتا ہے،

لوگوں کی غیبت اور عیب تلاش کیے جاتے ہیں۔

حالانکہ یہ سب دھوکہ دہی اور تلبیس ہے، کیونکہ ان کتابوں میں جن غلطیوں اور گمراہیوں کو بے نقاب کیا جاتا ہے وہ شخصی برائیاں نہیں، بلکہ ایسا کلام ہے جو شریعت کی طرف منسوب کیا گیا ہے جبکہ شریعت اس سے بری ولا تعلق ہے، اور یہ کلام پیش کرنے والے نے بھی چھپ کر یہ نہیں کیا، بلکہ علی لا اعلان اسے نشر کیا ہوتا ہے، لوگوں کو اسکی دعوت دی جاتی ہے، اور اسکے ذریعے شریعت محمدی کا چہرہ مسخ کیا جاتا ہے۔

لہذا ردود پر مبنی کتابیں انتہائی مفید ہیں، دین اسلام اور شریعت مطہرہ کو لوگوں کی لگائی ہوئی تہمتوں اور الزامات سے پاک رکھنے کیلئے ناگزیر اور اللہ، اُسکے رسول اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی کیلئے ضروری ہیں۔

○ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تصنیف جسے تصنیف کہنا چاہیے، اور تالیف جو اہل علم کی شان کے لائق ہے وہ تالیف ہے جس میں علماء اللہ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے حق کو دو ٹوک بیان کریں حق کو غالب اور باطل کو رسوا کریں، دلائل حق کے ذریعے بدعات کو ملیا میٹ کریں اور تعصب کی رسیاں کاٹ ڈالیں، اسلام کے دلائل بینات اور ہدایت و ارشادات لوگوں کے سامنے واضح کریں، انصاف کی طرف رہنمائی میں مبالغہ کریں کتاب و سنت پر عمل کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کریں، اور محض رائے، ردی باتوں اور کھوٹے اجتہاد کی پیروی سے نفرت دلائیں۔

(ادب الطلب ومنتہی الادب / ۱۸)

اگر آپ دین میں کتب ردود کی اہمیت جانتا چاہیں، اور اس اصل کو ضائع کر دینے کے مفاسد کا اندازہ لگانا چاہیں تو علامہ بکر بن عبد اللہ ابوزید کی کتاب ”الرد علی المخالف من اصول الدین“ کا مطالعہ کیجئے، یہ انتہائی مفید کتاب ہے۔

(ب) حق اور اہل حق کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا۔



یہ بھی اہل باطل کا ایک حیلہ ہے جسکے ذریعے وہ لوگوں کو اہل حق کیساتھ میل جول اور بات چیت سے روکتے ہیں اس طرح حق اور لوگوں کے درمیان دوریوں اور نفرتوں کے پردے حائل کر دیتے ہیں، جب کسی عام آدمی کے سامنے اہل حق پر طعن و تشنیع کی جائے اور ایک زبان ہو کر انہیں بُرا بتلایا جائے تو وہ بھڑا بھی اہل حق سے نفرت کرنے لگتا ہے اور انکے پاس بیٹھنے سے بدکتا ہے جسکے نتیجے میں عام لوگ خیر سے محروم ہو جاتے ہیں اور معرفتِ حق کا باب اُن پر بند ہو جاتا ہے۔

انبیاء کے دشمنوں نے انبیاء و رسل کیساتھ بھی یہی کچھ کیا تھا، بدترین اوصاف اور خبیث ترین القابات سے انہیں نوازتے تھے، مشرکین مکہ نے ہمارے پیارے نبی محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر، پاگل، جھوٹا اور جانے کیا کچھ نہیں کہا تھا، اور اپنے انہی اسلاف کی دوش اپنائی تھی جسکے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كَذَلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مُجُنُّونٌ﴾  
(الذاریات/۵۲)

”اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے، انکے پاس جو بھی رسول آیا تو انہوں نے بس یہی کہا کہ (یہ) جادوگر ہے یا دیوانہ۔“  
اہل باطل نے انبیاء کے وارثین کے ساتھ بھی یہی کچھ کیا اور انہیں حشو، بھسمہ اور مشہمہ جیسے القاب دیئے۔

ابو عثمان الصابونی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اہل بدعت نے اہل سنت کو جن القابات سے پکارنے کا طریقہ بنا رکھا ہے اس حوالے سے میں دیکھتا ہوں کہ انہوں نے وہی انداز اختیار کیا ہے جو مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنایا تھا وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مختلف اقوال کہا کرتے تھے، کوئی جادوگر کہتا، کوئی کاہن کہہ کر پکارتا، کوئی شاعر ہونے کا بہتان باندھتا، کوئی دیوانہ قرار دیتا اور کوئی اپنی طرف سے باتیں گھڑ لینے والا جھوٹا اور مفتری جیسے بُرے القاب سے آپ کی ذات گرامی کو نشانہ بناتا۔ حالانکہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ان عیوب سے دور کا بھی کوئی واسطہ اور تعلق نہ تھا۔  
 آپ تو اللہ رب العزت کے چنیدہ و پسندیدہ رسول تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:  
 ﴿أَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ مَبْئِلًا﴾  
 (الاسراء/۳۸)

”دیکھئے! وہ آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں وہ گمراہ ہو گئے، لہذا وہ راستہ نہیں  
 پا سکتے“ (عقیدۃ السلف اصحاب الحدیث ۱۶۹، ۱۷۰)  
 اسی طرح بدعتی لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور سنتوں کو گلے کا ہار بنا لینے  
 والے اصحاب الحدیث کہ جنگی زندگی کا مقصد ہی احادیث کو روایت کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ  
 وسلم کی اقتداء اور پیروی کرنا ہے یہ بدعتی لوگ انہیں بھی مُرے مُرے القاب دیتے ہیں،  
 حالانکہ اصحاب الحدیث ان تمام القابات و عیوب سے بری اور پاک صاف ہیں۔  
 یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن سنتوں اور پیاری سیرت کے حامل لوگ ہیں جو  
 شریعت کے واضح اور محکم دلائل کے پیرو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے  
 صراطِ مستقیم کے وارث ہیں۔

صوفیوں کا ایک طریق واردات یہ بھی ہے کہ وہ ائمہ ہدایت کے متعلق یہ افواہیں بھیلانے  
 ہیں کہ یہ تو دنیا دار لوگ ہیں جو آخرت کو فراموش کر کے دنیاوی چکا چوند کے پیچھے پڑے  
 ہوئے ہیں تاکہ لوگ علماء اہل سنت سے دور ہو جائیں۔

امام شاطبی رحمہ اللہ ان لوگوں کے متعلق کہتے ہیں: حب ان صوفیوں کو کوئی عای اور  
 جاہل فحش مل جائے تو اُسکے ذہن میں شریعتِ مطہرہ کے متعلق اشکالات پیدا کرتے ہیں  
 یہاں تک کہ اُسکے دین کو اُسکے لیے لُٹوک بنا کر اُسے ڈمگا دیتے ہیں، اور پھر جب اُسے حیرت  
 و اضطراب کا شکار دیکھتے ہیں تو تدریجاً اپنی بدعات کی طرف بلاتے ہیں، اور اہل علم کی  
 مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ تو اہل دنیا ہیں جو دنیا کے حصول میں مگن ہیں، اور یہ  
 (صوفیوں کا) گروہ تو اللہ کا کنبہ اور اُسکے خاص لوگ ہیں۔ (الإعتصام ۱۵۱/۲)

## (ج) باطل کو حق کے لبادے میں پیش کرنا

بظاہر شرعی الفاظ و اصطلاحات استعمال کر کے بھی سادہ لوگوں پر ڈورے ڈالے جاتے ہیں کیونکہ عام لوگ تو صرف ظاہری الفاظ پر اعتبار کر لیتے ہیں اور ان الفاظ کے پیچھے چھپی حقیقت پر غور کرنے کی رحمت نہیں کرتے۔

لہذا اس حوالے سے بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔  
البتہ محققین پر یہ حیلہ سازیاں کارگر نہیں ہوتیں، کیونکہ وہ چیز کا کھوج لگاتے اور کھرے کھوٹے میں تمیز کر کے عوام الناس پر حقیقت آشکار کرتے ہیں۔  
جب خوارج نے ”إِن الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ“ کا نعرہ لگا کر صحابہ کرام کی تکفیر کی تو امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بصیرت افروز جواب دیتے ہوئے فرمایا: ”كَلِمَةُ حَقِّي أَرْيَدُ بِهَا الْبَاطِلُ“ (صحیح مسلم)

”یہ کلمہ تو برحق ہے لیکن اسکے ذریعے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے“

ابن قیم رحمہ اللہ ان لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں: جہمیہ نے اپنا نظریہ تعطیل صفات اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کے قالب میں پیش کیا، اور منافقین نے اپنا نفاق احسان و توفیق اور معاشی عقل کے رنگ میں ظاہر کیا۔

جبکہ ظالم و جابر لوگ اپنے ظلم و عدوان کو سیاست کا نام دیتے ہیں، اور نکلیں خور اپنی حرام خوری کو مجاہدین کی امداد سرحدوں کی حفاظت اور قلعوں کی تعمیر کے پردے میں چھپاتے ہیں۔  
روافض اپنے کفر والحاد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرک و اہل بیت سے محبت اور تعلق کا نتیجہ گردانتے ہیں۔

اباحیت پسند صوفی اپنی بدعات و خرافات پر فقر و زحد اور معارف و احوال کا خول چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔

وحدت الوجودی اپنے عظیم ترین کفر والحاد کو توحید کا جامہ پہناتے ہیں اور کہتے ہیں: وجود

صرف ایک ہے دو نہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ کا وجود۔

کوئی خالق و مخلوق، رب اور بندہ نہیں، بس تمام وجود ایک ہے۔

اور اگلے نزدیک یہی رب تعالیٰ کی حقیقت ہے۔

قدری لوگ اپنے تقدیر سے انکار کو عدل قرار دیتے ہیں کہ اگر بندے کے افعال اللہ کی تقدیر سے ہوتے ہیں پھر تو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کا ظالم ہونا ثابت ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو عادل ہے۔

جسمیہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کے انکار کو عین توحید قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا سمیع و بصیر، قدرت، حیات، ارادہ اور کلام وغیرہ مان لیا جائے، پھر تو اللہ تعالیٰ واحد نہ ہوا، بلکہ کئی الہ ہو گئے۔

فاسق و فاجر لوگ جو اپنی گمراہیوں اور خواہشات میں سرمست رہتے ہیں اگر ان سے بات کی جائے تو وہ بھی دلائل رکھتے ہیں اور جھٹ سے کہتے ہیں کہ اللہ بہت مہربان ہے، ہمیں اُسکی رحمت کی امید ہے، ہم اللہ پر حسن ظن رکھتے ہیں۔

وہ ہم جیسے گناہ گاروں کو نہ بخشنے..... یہ اُسکی سخاوت و مہربانی عفو و کرم اور شانِ بے نیازی کے خلاف ہے۔

خوارج نے ائمہ حق کے خلاف قتال پر ”امر بالمعروف ونہی عن المنکر“ کا لیبل چسپاں کیا۔ اسی طرح دیگر بدعتی لوگ بھی اپنی اپنی بدعتوں کو مختلف خول چڑھا کر پیش کرتے ہیں، حتیٰ کہ مشرکین بھی اپنے شرک کو اللہ کی تعظیم قرار دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو بہت اونچی شان والا اور بلند و برتر ذات ہے، بھلا سفارشیوں اور واسطوں کے بغیر اُس تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے۔ کسی بھی باطل پرست کیلئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ حق کے قالب میں پیش کیے بغیر اپنے باطل کو فروغ دے سکے۔ (إغاثة اللہفان ۸۱/۲، ۸۲)

(د) جھوٹ کو اپنے لیے روا کر لینا

جھوٹ منافقین کی ذلیل ترین صفات میں سے ہے، جو کبیرہ گناہ ہے، سوائے جنگ، میاں بیوی کی باہمی گفتگو، اور دو ناراض بھائیوں میں صلح کروانے کے علاوہ کسی حالت میں جھوٹ جائز نہیں۔

جو شخص اُسکے علاوہ دیگر امور میں بھی جھوٹ کو جائز سمجھتا ہے وہ اللہ پر بہتان باندھتا اور بغیر دلیل و حجت کے نصوص شریعت پر اضافہ کرتا ہے جھوٹ کی قباحت و برائی کسی پر مخفی نہیں، لیکن اسکے باوجود دعوت الی اللہ کا بیڑا اٹھانے والے بہت سے لوگوں نے جھوٹ کو اپنا منہج اور شعار بنا لیا ہے، اور مصلحت دعوت کے نام پر بے دریغ جھوٹ بولتے چلے جاتے ہیں، لہذا آپکو انکی صفوں میں پھیلی ہوئی اس دروغ گوئی پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ انکی بنیاد ہی جھوٹ پر ہے۔

لوگوں کو حق سے روکنے کیلئے بعض تنظیمیں جھوٹ کا حیلہ اپناتی ہیں، اپنے آپ کو صحیح الزامات سے بری ثابت کرنے کیلئے اپنی تنظیم کی ترقی کیلئے، اور مخالفین پر چڑھائی کیلئے بعض تنظیموں کے لوگ صبح شام جان بوجھ کر یا انجانے میں جھوٹ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ بالکل معلوم اور مشاہدے کی بات ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ قابلِ مذمت مناظر کے متعلق بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں بعض اوقات وہ مناظرے بازی میں جھوٹ، بدعت اور ظلم میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور اسکے نتیجے میں کئی دیگر برائیوں کا مرتکب بھی ہوتا ہے۔

اور پھر اہل باطل کبھی تو اہل حق پر یوں افترا پردازی کرتے ہیں کہ اہل سنت کے کلام کو اپنے فہمِ باطل کیساتھ پیش کرتے ہیں، یا اس میں کچھ الفاظ کا اضافہ کر دیتے ہیں، یا اس میں تحریف و تغیر کرتے ہیں، یا پھر اپنی طرف سے ہی کوئی بات گھڑ کر انکی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ (درء معارض العقل والہل (۱۶۸/۷)

یہ باطل پرست لوگ اہل سنت کے کلام کو اپنے باطل فہم کے مطابق پیش کرتے ہیں، یا پھر اُسکے الفاظ میں اضافہ یا تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں جیسا کہ ہم انکی زبانوں سے سنتے اور انکی

کتابوں میں دیکھتے ہیں۔

اور پھر بعض ایسے لوگ جو ان ناقصین پر حسن ظن رکھتے ہیں وہ اُنکی اس بہتان طرازی کو اہل سنت سے منسوب کرے آگے سے آگے نقل کرتے ہیں اور اسکے نتیجے میں یہ لوگ اہل سنت کو ایسی تنقید کا نشانہ بناتے اور ایسے الزامات لگاتے ہیں کہ جن سے وہ بری اور لا تعلق ہیں، اور بعض لوگ قصد و ارادے کے بغیر جھوٹ بولتے ہیں، مثلاً اُن اقوال کی حکایت کرتے ہوئے جو انکے عقیدے و مذہب کے خلاف ہوں کیونکہ وہ انکی صحیح معرفت اور پہچان نہیں رکھتے۔ (التسعينية ۲/ ۵۴۸)

اسی طرح امام صاحب مزید فرماتے ہیں: لوگوں کی بیان کردہ تواریخ و مقالات اور مذاہب میں سے بعض باتیں تو جھوٹ کا پلندہ ہوتی ہے، اور وہ مؤرخین جو آراء اور ادیان کی تنقیح کیے بغیر صرف تاریخ ہی لکھتے ہیں اُنکی کتابوں میں بھی جھوٹ اور سچ دونوں جمع ہو جاتے ہیں، اکثر تاریخ کی کتابیں جنکی تنقیح و تہذیب منقولات کی معرفت رکھنے والوں نے نہیں کی انکا یہی حال ہے، اسی طرح وہ کتابیں جن میں لوگوں کے مقالات و آراء اور دیانات کا تذکرہ ہوتا ہے اُن میں بھی جھوٹ اور سچ دونوں ہی قسم کی باتیں شامل ہو جاتی ہیں، اس سے ہماری مراد وہ کتابیں ہیں جو مقالات کی خبر رکھنے والوں کے نقد و جرح کا لحاظ رکھے بغیر یونہی لکھ دی گئی ہوں، البتہ دیندار میرٹ نگاؤں میں جان بوجھ کر جھوٹ کا استعمال بہت کم ہی کہیں ہوا ہے۔ (الرد علی الکفری ۱۸۱/۱)

اہل باطل کیونکر اس بات سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ اگر اہل سنت کا کلام اپنی اصل صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تو پاکیزہ فطرت لوگ اُسے فوری قبول کر لیتے ہیں لہذا وہ اہل سنت کے کلام کو بگاڑ کر پیش کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر کوئی انسان جان بوجھ کر جھوٹ نہ بھی بولے اور دوسروں کے بعض اقوال کو نہ بھی چھپائے، جب بھی ظاہر ہے کہ وہ جس مذہب کے بگاڑ کا خواہشمند ہے، انکی دلیلوں کو احسن طریقے سے کیونکر پیش کر سکتا ہے؟ خصوصاً جبکہ وہ

اس مذہب سے ازلی میر بھی رکھتا ہو؟ (نقض تاسیس الجہمیۃ ۱/۱۸۱)  
اور بعض لوگ جو اہل سنت کے موقف سے جا مل ہوتے ہیں، وہ اپنی جہالت کی بناء پر  
اہل سنت سے غلط سلسلہ باتیں منسوب کرتے ہیں۔

شیخ مقبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(عَدَمُ الْإِحَاطَةِ بِمَنْهَبِ الْغَضَمِ لِعَلَمِ صَرَفِ الْهَمَةِ إِلَيْهِ فَيَجْهَلُ عَلَيْهِ،  
شَنْشَنَةُ مِنْ عَدَمِ الْإِنْصَافِ الَّذِي هُوَ أَصْلُ الْإِخْلَافِ“ .

”کیونکہ انسان کی طبیعت و ارادہ مخالف کے دلائل کی طرف توجہ دینے پر آمادہ نہیں ہوتا،  
جسکے نتیجے میں مخالف کے مذہب کا احاطہ کیے بغیر اس پر چڑھائی کر دینا عدم انصاف پر مبنی  
وطیرہ ہے، اور یہی تمام اختلافات کی جڑ ہے۔“ (العلم الشامخ / ۲۶۰)

### (۳) مخالف کو کم فہم کہنا

اہل باطل کا ایک حیلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ دلائل کا تجزیہ کرنے کے بجائے اپنے کھوٹے  
سکوں (باطل) کو رد کرنے والوں کو کم فہم، بے وقوف اور کم عقل جیسے اوصاف سے لوازتے  
ہیں۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ متکلمین کے متعلق بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جب کوئی  
طالب علم انکے پاس چلا جائے اور انکی اصطلاحات و اندازہ کلام سے فطری وحشت محسوس  
کرتے ہوئے اُن پر اعتراض کرے تو یہ لوگ اُسے کہتے ہیں: تم ان باتوں کو نہیں سمجھتے، اور  
نہ ہی سمجھ سکتے ہو۔

اسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نفس میں موجود حمیت و خود داری لوگوں کو اس بات پر مجبور کرتی ہے  
کہ تحقیق کے بغیر متکلمین کی غلط باتیں قبول کر لیں اور اس ڈر سے اُن پر اعتراض ہی نہ کریں  
کہ وہ انہیں کم علمی و کج فہمی کی طرف منسوب کریں۔ (درمعارض العقل والہل ۱/۲۹۵)

## (و) مجملات کا استعمال

یہ اہل بدعت کا طریق کار ہے کہ مجمل باتیں استعمال کر کے جاہل لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں، مجمل لفظ استعمال کرتے ہیں جسے حق اور باطل دونوں پر محمول کیا جاسکتا ہو، اور اسکی تفصیل بیان نہیں کرتے، کیونکہ تفصیل سے حقیقت سامنے آ جاتی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لَمَّا إِذَا وَقَعَ الْإِسْتِعْصَالُ وَالْإِسْطِغْسَارُ، انْكَشَفَ الْأَسْرَارُ، وَتَبَيَّنَ اللَّيْلُ مِنَ النَّهَارِ“۔

”جب (مجمل کی) تفصیل و وضاحت طلب کی جائے تو حقیقت کے بھید کھل جاتے ہیں، اور رات دن سے نمایاں ہو جاتی ہے“ (العسبنیہ ۱/۲۱۷)

اسی طرح آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات بھی جاننے کے لائق ہے کہ نصاریٰ اور ان جیسے غالی لوگوں مثلاً غالی صوفیوں اور شیعہ وغیرہ کی گمراہی کا سبب تین چیزیں ہیں: جن میں سے ایک وہ تشابہ و مجمل الفاظ ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام سے منقول ہیں، یہ لوگ صریح اور محکم الفاظ کو چھوڑ کر مجمل و تشابہ الفاظ کا سہارا لیتے ہیں، جہاں کہیں کوئی تشابہ لفظ سن لیں تو بس اُسی کو تمام لیتے ہیں اور اُسے اپنے مذہب پر محمول کرتے ہیں اگرچہ وہ اُنکے مذہب کی دلیل نہیں ہوتا۔

اور وہ تمام صریح الفاظ جو انکے اس مذہب کے خلاف ہوں، تو یہ لوگ یا تو انکو ماننے سے ہی انکار کر دیتے ہیں یا پھر انکی تاویل کرتے ہیں۔

گمراہ لوگوں کا شروع سے یہ شیوہ ہے کہ دلائل عقلی و نقلی میں سے تشابہ کی پیروی کرتے اور محکم و صریح سے روگردانی کرتے ہیں۔

(الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح ۱/۳۱۶/۳۱۷)

مجمل کی اتباع کرنا بھی حق سے دوری کا ایک سبب ہے، اور یہ صرف اللہ اور اُسکے رسول کے کلام کیساتھ ہی مختص نہیں، بلکہ علماء کے اقوال میں سے مجمل کی اتباع بھی گمراہی کا ایک



بڑا سبب ہے خصوصاً جبکہ انہیں فاسد معانی پر محمول کیا جائے، نصاریٰ کا یہی طریق کار ہے۔  
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَهُؤُلَاءِ قَدْ يَجِدُونَ مِنْ كَلَامِ بَعْضِ الْمَشَائِخِ كَلِمَاتٍ مَشَبَّهَةٌ مُجَمَّلَةٌ  
فَيَحْمِلُونَهَا عَلَى الْمَعَانِي الْقَاسِدَةِ كَمَا قَعَلَتِ النَّصَارَى فِيمَا لَقِلَ لَهُمْ عَنِ  
الْأَنْبِيَاءِ فَيَدْعُونَ الْمُحْكَمَ وَيَتَّبِعُونَ الْمُتَشَابِهَ“

”اور یہ لوگ بعض اوقات کچھ مشائخ کے کلام میں سے مشتبہ اور مجمل کلمات پالیتے ہیں، تو  
انہیں فاسد معانی پر محمول کرتے ہیں، جیسا کہ نصاریٰ نے انبیاء سے منقول کلام کے حوالے  
سے یہ طریقہ اپنایا۔

چنانچہ یہ لوگ محکم کو چھوڑ کر تشابہ کی پیروی کرتے ہیں“ (مجموع الفتاویٰ ۲/۳۷۷)  
لہذا ضروری ہے کہ ایک عالم کی مجمل بات کو اُسکے باقی اقوال کیساتھ ملا کر اُنکی روشنی میں  
دیکھا جائے اور اس مسئلے پر اُسکے تمام اقوال جمع کیے جائیں تاکہ اشکال زائل ہو اور اس مجمل  
قول سے عالم کی مراد واضح ہو سکے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:  
مشکلم کے بعض کلام کی تفسیر اور وضاحت اُسی کے بعض کلام سے کرنا واجب ہے اس مقصد  
کیلئے مختلف جگہوں سے اُسکے کلام کو لیا جائے گا، اور کسی خاص لفظ سے اُسکی مراد کیا ہوتی ہے؟  
اس حوالے سے اُسکی عادت معلوم کی جائے گی، اور جب الفاظ و معانی کے استعمال میں اُسکی  
عادت اور عرف معلوم ہو جائے تو اُسکے کلام کو سمجھنے کیلئے اس سے مدد لی جائیگی۔

اُسکے برعکس اگر مشکلم کی عادت کے خلاف اُسکے کسی لفظ کو کسی اور معنی پر محمول کیا جائے جبکہ  
مشکلم اس لفظ کو اس معنی میں استعمال نہ کرتا ہو، تو یہ سراسر اُسکے کلام میں تحریف، اُسکے مقاصد  
میں تبدیلی اور اُس پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہوگا۔

(الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح ۲/۲۸۸)

(ز) منسوخ نصوص اور علماء کے اُن اقوال کیساتھ چٹے رہنا جن سے وہ خود بھی رُجوع کر چکے ہوں۔

باطل پرستوں کا ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ یہ لوگ محکم اور غیر منسوخ احکامات کو چھوڑ کر منسوخ کو اپناتے ہیں، اور اسی طرح علماء کرام کے اُن اقوال کو اختیار کرتے ہیں جنکا ضعف واضح ہو جانے کے بعد خود اُن علماء نے بھی انہیں ترک کر دیا ہوتا ہے، لیکن یہ باطل پرست لوگ یوں ظاہر کرتے ہیں۔

گویا یہ ان علماء کے مستقل اقوال ہوں۔

اسکی مثال ”الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ“ والی حدیث ہے، جو دوسری حدیث کی وجہ سے منسوخ ہو گئی ہے کہ جس میں صرف ”التقاء الخصاصین“ کو حُسل کا موجب قرار دیا گیا ہے۔

حافظ ابن رجب الحبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عموماً جن صحابہ کرام سے ”الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ“ والی روایت بیان کی گئی ہے خود اُن سے ہی اسکے خلاف ”التقاء الخصاصین“ سے حُسل والی روایت بھی بیان کی گئی ہے، ان میں عثمان، علی سعد بن ابی وقاص، ابن مسعود، ابن عباس، زید بن ثابت، ابی بن کعب، اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم اُجمیع شامل ہیں۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے سابقہ قول سے رجوع کر لیا تھا، ”الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ“ کا فتح علماء کرام کے درمیان مشہور و معروف ہے، اور کسی نے بھی اسکے برعکس مؤقف نہیں کیا۔ (فتح الباری ۱/۳۸۷)

پھر حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جھگڑا لو الخافضین بعض اوقات اُن احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن سے اُنکے راوی بھی رُجوع کر چکے ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ مخالف احادیث کے مقابلے میں، اور بعض اوقات تو یوں بھی کہتے ہیں کہ مخالف احادیث کے مقابلے میں زیادہ صحیح سند کی حامل احادیث ہیں، اسی وجہ سے کئی علماء کرام نے اس قسم کی

احادیث کے تذکرے اور بیان کو ناپسند کیا ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے بہت سے لوگوں کے دلوں میں شبہات جنم لیتے ہیں۔

### (ح) کتمان حق

حق بالکل واضح ہوتا ہے، اور اگر حق کو اسکی اصلی شکل میں پیش کیا جائے تو پاکیزہ فطرت لوگ اس پر کسی دوسری چیز کو ترجیح نہیں دیتے۔

اسی وجہ سے اہل باطل کی یہ کوشش رہتی ہے کہ حق کو چھپایا جائے اور لوگوں کو اس سے دور رکھا جائے، اہل بدعت کی سب سے مشہور علامت یہ ہے کہ وہ اپنی خرافات کا تذکرہ تو خوب کرتے ہیں لیکن حق کو چھپانے اور دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔

امام اہل دارقطنی رحمہ اللہ حدیث قلین کے مختلف بیان کرنے کے بعد امام کعب رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ”أَهْلُ الْعِلْمِ يَكْتُمُونَ مَا لَهُمْ وَمَا عَلَيْهِمْ وَ أَهْلُ الْأَهْوَاءِ لَا يَكْتُمُونَ إِلَّا مَا لَهُمْ“۔

”اہل علم کا شیوہ ہے کہ وہ اپنے حق میں اور اپنے مخالف تمام دلائل لکھتے ہیں، جبکہ خواہش پرستوں کا طریق کار یہ ہے کہ وہ صرف ایسے دلائل لکھتے ہیں جو ان کے حق میں ہوں“ (سنن دارقطنی)۔

گویا کہ امام دارقطنی یہ تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے علم کے مطابق اس حدیث کے تمام طرق لکھ دیئے ہیں، اور وہ احادیث کی صحیح و تضعیف اپنی خواہش کی بنیاد پر نہیں، بلکہ انتہائی دیانت داری کیساتھ کرتے ہیں۔

یہ ایک مخفی بیماری ہے، اور مختلف مقالات و مذاہب کے عادی افراد بہت کم ہی اپنا دامن اس سے بچا پاتے ہیں، احکام تو دور کنار یہ مرض تو عقائد تک میں سرایت کر چکا ہے۔

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام حاکم تشیع کی طرف منسوب ہیں، ایک مرتبہ ان سے مطالبہ کیا گیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر کوئی حدیث بیان کریں۔

تو انہوں نے کہا: ایسی کوئی حدیث مجھے یاد نہیں آرہی، مجھے یاد نہیں آرہی۔ اس پر لوگوں نے اُنکی پٹائی بھی کی لیکن انہوں نے ایسا کر کے نہ دیا، جبکہ ”الادبیین“ میں انہوں نے ضعیف بلکہ ائمہ حدیث کے نزدیک موضوع روایات نقل کرنے سے بھی احتراز نہیں کیا، جیسا کہ وہ روایت جس میں عہد توڑنے والوں، قلم ڈھانے والوں، اور بے دینوں سے قتال کی بات ہے۔ (منہاج السنۃ ۷/۳۷۳)

اسی طرح شیخ الاسلام رحمہ اللہ امام بیہقی اور امام طحاوی رحمہما اللہ کے متعلق بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اگرچہ بیہقی نے یہ روایت نقل کی ہے، لیکن اس کی وجہ سے اُن پر انکار بھی کیا گیا ہے، اور اہل علم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے مخالفین کے دلائل مکمل طور پر نقل نہیں کرتے جیسا کہ اپنے حق میں مقول آثار پر پورے استیعاب کیساتھ روایت کرتے ہیں، اور ایسے آثار سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اگر انکے مخالفین اُن سے استدلال کرتے تو یہ اُن پر تنقید کرتے اور انکا ضعف بیان کرتے اپنے تمام تر علم اور دین کے باوجود آپ سے یہ فعل اس لیے سرزد ہوا ہے کہ اپنے جیسے دیگر علماء کی طرح آپ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث و آثار کو کسی ایک عالم کے اقوال کے موافق کرنا چاہتے ہیں۔

جو شخص بھی یہ راستہ اختیار کرے اسکے دلائل باطل ہو جاتے ہیں، اور اس پر ایک طرح کا ناحق تعصب ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ وہ لوگ بھی ایسا کرتے ہیں جو آثار و احادیث جمع کرتے اور بہت سے مقامات پر انکی ایسی تاویلات کرتے ہیں جنکا فساد ظاہر ہوتا ہے، اور انکی وجہ صرف یہی ہوتی ہے کہ صاحب کتاب جس قول کی نصرت چاہتے ہیں، ایسا کرنے سے یہ احادیث و آثار اس قول کے موافق ہو جاتے جیسا کہ شرح الآثار کے مصنف ابو جعفر رحمہ اللہ کرتے ہیں، اگرچہ وہ بیہقیؒ کے مقابلے میں زیادہ آثار روایت کرتے ہیں، لیکن طحاوی رحمہ اللہ کی نسبت بیہقی رحمہ اللہ صحیح و ضعیف آثار کے درمیان تمیز اور تنقیح زیادہ کرتے ہیں۔

(مجموع الفتاویٰ ۲۴/۱۵۴)

## (ط) اجماع کا دعویٰ کرنا جبکہ اسکی کوئی حقیقت نہ ہو

کیونکہ باطل کے ثبوت میں کوئی صحیح دلیل قائم ہی نہیں ہو سکتی، لہذا اہل بدعت اپنی بدعات کو رواج دینے کیلئے جھٹ اجماع کا دعویٰ کر دیتے ہیں، کیونکہ عموماً لوگ اجماع امت سے ٹکٹنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ حالانکہ اجماع کا دعویٰ انہیں کوئی فائدہ پہنچانے سے قاصر ہے، کیونکہ اجماع تو کتاب و سنت کی دلیل پر ہی قائم ہوتا ہے، اور اجماع اُس دلیل کے وجود پر ایک دلیل ہوتا ہے، عملاً جس مسئلے پر بھی امت کا اجماع ہوا ہے اُس پر نص موجود ہوتی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”است نے جس حکم پر بھی اجماع کیا ہے، اُس پر کوئی نہ کوئی نص موجود ہے اجماع دراصل نص کی موجودگی پر دلیل ہوتا ہے، اور وہ نص بھی ایسی نہیں ہوتی کہ جسکے آثار منٹ چکے ہوں، بلکہ وہ ائمہ کے ہاں معروف ہوتی ہے،“ (منہاج النہ - ۳۴۴/۱)

اسی وجہ سے بہت سے دعویٰ ہائے اجماع دراصل بدعتیوں کا فسانہ ہوتے ہیں۔ شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وَلَا هَلْ الْكَلَامُ وَالرَّأْيُ مِنْ دَعْوَى الْإِجْمَاعَاتِ الَّتِي لَيْسَتْ صَحِيحَةً، بَلْ لَقَدْ يَكُونُ فِيهَا إِزَاجٌ مَعْرُوفٌ، وَ لَقَدْ يَكُونُ الْعِنَى إِجْمَاعُ السَّلَفِ عَلَى خِلَافِ مَا ادَّعَوْا فِيهِ الْإِجْمَاعُ مَا يَكُونُ ذِكْرُهُ“۔

اہل کلام اور اہل رائے کے کئی دعویٰ ہائے اجماع درست نہیں ہوتے بلکہ کبھی تو ان مسائل میں معروف اختلاف پایا جاتا ہے، اور کبھی تو سلف کا اجماع انکے دعویٰ اجماع کے برعکس ہوتا ہے، ایسے مسائل کی فہرست بڑی طویل ہے۔ (المنہجات ۱/۷۷۱)

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اُن بدعتیوں کی تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو زیارت قبور کیلئے سفر کو مستحب جانتے ہیں: ان لوگوں نے دونوں گروہوں کے مشترکہ اجماع کو توڑا ہے، اور اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ اُسے خلاف اجماع کا دعویٰ بھی قہوپ دیا ہے، اور

اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ جو شخص کسی ایک گروہ کا قول اختیار کرتے ہوئے زیارتِ  
 قبور کیلئے سفر کو فقط جائز یا حرام کہے تو یہ بدعتی لوگ اُسے تعذیب کا نشانہ بناتے، اُسے کافر کہنا  
 جائز سمجھتے، اور اُسے قتل کرنے کے درپے ہوتے ہیں، خوارج، روافض اور ان جیسے دیگر  
 جاہل بدعتی لوگ جو سنت اور اجماعِ سلف کے مخالف اور اہل سنت کے دشمن ہیں، یہ اپنے  
 باطل شبہات مثلاً جھوٹی احادیث اور مجمل الفاظ سے استدلال کا سہارا لیکر اپنی بدعتوں کو  
 پروان چڑھاتے ہیں۔



### خاتمہ

یہ حق سے دوری کے اسباب تھے جو اللہ کے فضل سے اہل علم پر مخفی نہیں، ہمارا مقصود صرف تنبیہ اور اشارہ کرنا ہی تھا، لوگ حق اور باطل کے اختیار اور التزام کے حوالے سے مختلف درجات پر ہوتے ہیں، بعض لوگوں کی گمراہی صرف ایک یا دو اسباب کا نتیجہ ہوتی ہے، جبکہ بعض کیلئے کئی اسباب جمع ہو جاتے ہیں، سب سے بڑا بدعت وہ ہے جو ان میں سے ہر سبب کا شکار ہوا، ہر شخص اپنے نفس سے خوب واقف ہے اور بخوبی یہ جان سکتا ہے کہ اُس میں کیا کیا نقائص اور خرابیاں پائی جاتی ہیں، اسی طرح وہ بندہ بھی سراسر گھٹائے میں ہے جو خود کو حق پر گامزن اور حق کا داعی و متلاشی سمجھتا ہے حالانکہ حقیقت اسکے برعکس، اور اُس کا طرز عمل اسکے برخلاف ہے، پھر بھلا ایسا شخص کیونکر حق کی طرف پلٹ سکتا ہے؟

بہر حال تمام تر بھلائیوں کی کنجی علم، انصاف اور اچھا ارادہ ہے، اور تمام برائیوں کی جڑ جہالت، ظلم اور برا ارادہ ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں کہ وہ مہربان مالک مجھے اور میرے تمام بھائیوں کو حق کی معرفت اور اس پر گامزن رہنے کے اسباب عنایت فرمائے، ہمیں حق کا داعی بنائے، باطل اور اسکے اسباب سے دور رکھے، حق کی طرف پلٹنے والا اور ہر چیز پر حق کو ترجیح دینے والا بنائے، اور تمام تعریفیں تو اللہ رب العالمین کیلئے ہیں۔

## ۲۲ - فائدہ

## بندے کا کمال اور سعادت دو چیزوں میں منحصر ہے

۱۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعظیم و بجا آوری۔

۲۔ اللہ کے بندوں کیساتھ مہربانی و شفقت کا برتاؤ۔

جب کسی بندے میں یہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک صفت نہ پائی جائے تو جان لینا چاہیے کہ وہ بد بخت اور غائب و خاسر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلَا تَحْمَمِ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكَ رَقَبَةً أَوْ إِطْعَامُ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مَقْرَبَةً أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝﴾ (البلد) اور پھر فرمایا: ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الْيَدِينِ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝﴾

یہاں اللہ تعالیٰ اور اسکے احکامات کی تعظیم کی بات ہے اور ساتھ ہی ساتھ دوبارہ رحمت کا تذکرہ بھی ہے، جو اس بات کا اشارہ ہے کہ بندے کے دل پر صفت رحمت غالب ہونی چاہیے۔ اور صرف اس پر اکتفا نہیں، بلکہ دوسروں کو بھی اسکی وصیت کرنا چاہیے۔

اسی طرح جہنمی شخص کی صفت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَلَا يَعْطِصُ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيمٌ﴾ (الحاقة/ ۳۴)

ان آیات میں بھی دونوں امور کا بیان ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَعْطُونَ



عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِينِ ﴿ (الفجر/ ۱۷-۱۸)

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ﴾ (التوبة/ ۱۲۹)

یہ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت مبارکہ ہے، لہذا ہمارے لیے اس صفت میں بھی آپ کی پیروی کرنا ضروری ہے۔

اس معنی میں اور بھی کئی آیات ہیں جو اللہ کے بندوں پر شفقت کی ترغیب دلاتی اور بے رحمی سے خوف دلاتی ہیں۔

علاوہ ازیں بہت سی احادیث میں بھی اس موضوع کو مختلف پیرائیوں میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے:

”وَأَهْلُ الْجَنَّةِ قَبْلَهُ: ذُو سُلْطَانٍ مُقْسِطٌ مُتَصَدِّقٌ مَوْفِقٌ، وَرَجُلٌ رَحِيمٌ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِي قُرْبَى وَمُسْلِمٍ، وَعَظِيمٌ مُتَعَفِّفٌ ذُو عِيَالٍ“ (مسلم)

(تین قسم کے لوگ جنتی ہیں: ایک تو وہ حکمران جو عدل و انصاف کرتا ہے، صدقہ خیرات تقسیم کرتا ہے، اور اسے خیر کی توفیق نصیب ہوتی ہے، اور دوسرا وہ آدمی جو ہر قریبی رشتہ دار اور ہر مسلمان کیلئے نرم دل اور مہربان ہے، اور تیسرا وہ عیال دار مسلمان جو رزق حرام اور لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے اجتناب کرتا ہے)

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے: ”رحم کر نیوالوں پر رحم بھی رحم فرماتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر مہربان ہوگا“

(ابوداؤد (۴۹۴۱) ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا)

اسی طرح آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: ”لَا تَنْزِعِ الرَّحْمَةَ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ“

رحمت تو صرف بد بخت آدمی سے ہی سلب کی جاتی ہے“

(ترمذی (۱۹۲۳)، صحیح ابوداؤد، البائی نے اسے حسن قرار دیا)

نیز آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: ”لَا يَرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ“

”جو شخص لوگوں پر رحم نہ کھائے، اللہ تعالیٰ بھی اُس پر رحم نہیں فرماتا“ (بخاری)۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لَنْ تُؤْمِنُوا حَتَّى تَرَاحِمُوا قَالُوا: كُنَّا رَحِمَةً يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: إِنَّهُ لَيْسَ بِرَحْمَةٍ أَحَدُكُمْ صَاحِبَةً وَلَكِنَّهَا رَحْمَةُ النَّاسِ رَحْمَةُ الْعَامَّةِ“

”تم اُس وقت تک ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک ایک دوسرے پر رحم نہ کرنے لگو صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم سب ہی مہربان ہیں۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس سے مراد اپنے ساتھی کیساتھ مہربانی نہیں، بلکہ تمام لوگوں کیساتھ مہربانی کا برتاؤ کرنا، اور عامۃ الناس کیساتھ رحم کا معاملہ کرنا ہے“ (الصحيحہ ۲۷۰/۱)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرِنَا“

(وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کھاتا، اور ہمارے بڑوں کا شرف نہیں پہچانتا) (ترمذی، مسند احمد ۱/۱۵۷)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اقرع نے حابس رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہو؟ جبکہ میرے دس بچے ہیں، لیکن میں نے کبھی انہیں بوسہ نہیں دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَوْ أَفْلِكَ إِنَّ نَزَعَ اللَّهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ]

(اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحمت ہی سلب کر لی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟) (بخاری)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے:

[مَنْ لَا يَرْحَمْ لَا يُؤَرْحَمُ]

(جو رحم نہیں کرتا، اُس پر رحم نہیں کیا جاتا)۔ (بخاری مسلم)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ”وہ بندہ خائب و خاسر ہو گیا جسکے دل میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی رحمت نہیں ڈالی“ (الصحيحہ ۴۵۶/۱)

اس حدیث کی نص سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے دل میں لوگوں کیلئے مہربانی اور

ہمدردی نہ ہو، وہ خائب و خاسر اور ناکام و نامراد ہے۔

اور آجکل ایسے لوگ کس قدر زیادہ ہو چکے ہیں!!

خود پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں، جبکہ اُنکے پڑوسی بھوکے ہوتے ہیں۔

خود عیش و عشرت کے مزے لوٹتے ہیں، جبکہ اُنکے ساتھی غربت و افلاس کا شکار ہوتے ہیں۔

خود نعمت کدوں میں رہتے ہیں، اور مسکینوں سے مکالوں کا کرایہ لیتے ہوئے انہیں کچھ

احساس نہیں ہوتا، یہاں مہینہ ختم ہوا وہاں یہ مسکینوں کے سر پر سوار ہو گئے، اور مفلوک الحال

مسکین جن کے پاس کرایہ دینے کے پیسے نہیں ہوتے، وہ حیران و پریشان ہو کر اللہ رب

العالمین کو پکارتے ہیں: اے اللہ! ہمارے پاس تو کھانے کیلئے کچھ نہیں، مکان کا کرایہ کہاں

سے دیں؟ اور دولت پر سانپ بن جانے والے اس سیٹھ کو اپنی قبر کی کچھ فکر نہیں ہوتی کہ

اسے اپنی قبر کی وسعت کیلئے بھی کچھ کرنا ہے۔

اللہ کی قسم! لوگوں کے دل فاسد ہو چکے ہیں۔ (واللہ المستعان)

اسی طرح بہت سے لوگ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر باہر ممالک چلے جاتے ہیں اور سالوں

وہاں گزار دیتے ہیں، انہیں بھی اپنے اہل خانہ، بچیوں اور بچوں کا کچھ احساس نہیں ہوتا۔

اسی طرح بہت سے لوگ تیموں کا مال کھاتے ہیں، کئی لوگ مسافروں اور مہاجرین

کو لوٹتے ہیں، پولیس والے پریشان حال لوگوں سے رشوت بٹرتے اور بعض اوقات انہیں

مارتے بھی ہیں۔

اور یہ تمام ظلم و زیادتی کرتے ہوئے انہیں اللہ کا کچھ خوف نہیں آتا۔

ان لوگوں کے دل کس قدر سخت ہو چکے ہیں؟ کیا جہنم کی آگ سخت دلوں کو پگھلانے کیلئے

ہی نہیں پیدا کی گئی؟؟

بلکہ ایک مومن کو تو اہل ایمان کیساتھ ساتھ کفار پر بھی رحم کھانے کی تلقین کی گئی ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک لشکر روانہ کیا، جسے فتح حاصل ہوئی، اُن مفتوح لوگوں میں ایک ایسا آدمی بھی تھا

جس نے کہا: میں اُن لوگوں میں شامل نہیں، بلکہ میں تو ایک عورت کا عاشق ہوں اور اُسے ملنے کیلئے ہی آیا تھا، تم مجھے ایک نظر اسکی طرف دیکھنے دو پھر میرے ساتھ چاہے سلوک کرو۔ جب لوگوں نے اُس عورت کو دیکھا تو وہ گندی رنگت کی طویل قامت عورت تھی۔ اُس شخص نے اُس عورت کو خطاب کرتے ہوئے کہا: اے حمیش! میری زندگی تمام ہونے سے پہلے اپنا آپ میرے سپرد کر دو۔ اور کہا:

أَرَأَيْتَ لَوْ تَبَخَّضْتُمْ فَلَدِجْتُكُمْ	بِحِلْيَةٍ أَوْ أَذْرُكْتُكُمْ بِالْخَوَاقِ
أَمَا كَانَ حَقًّا أَنْ يُنْزَلَ عَاشِقُ	تَكْلَفُ إِذْ لَاحَ السُّرْبَى وَالْوَدَائِقُ

(یعنی جس عاشق نے تم سے ملاقات کیلئے راتوں کا سفر اور بارشوں کی مشقت برداشت کی ہے، کیا وہ یہ حق بھی نہیں رکھتا کہ اُسے ایک بوسہ ہی دے دیا جائے؟“ اُس عورت نے کہا: کیوں نہیں، میں تم پر قربان جاؤں۔

پھر اُس شخص کو آگے لا کر اسکی گردن مار دی گئی، اسکے بعد وہ عورت اسکی لاش کے پاس آ کر کھڑی ہوئی اور ایک زوردار چیخ مار کر خود بھی مر گئی۔

پھر جب وہ لوگ واپس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے واقعے کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أَمَا كَانَ فِينَكُمْ رَجُلٌ رَّحِيمٌ ؟]

”کیا تم میں کوئی بھی رحم دل آدمی نہیں تھا؟“ (الصحيحہ: ۲۰۹۴)

ہر مسلمان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ صفات کو بقدر وسعت اپنانے کی کوشش کرے، اللہ رب العالمین تو ”ارحم الراحمین“ (تمام مہربانوں سے بڑھ کر مہربان) ہے، لہذا مومن کو بھی مہربان ہونا چاہئے۔

ایک حدیث میں آتا ہے:

”لَوْ تَعْلَمُونَ لَنَزَّ رَحْمَةُ اللَّهِ لَا تَكْلِفُكُمْ عَلَيْهَا“

”اگر تم اللہ کی رحمت کی مقدار جان لو، تو اس پر تکلیف کر کے بیٹھ جاؤ۔“

(بزار نے اسے حسن سند کیساتھ روایت کیا، دیکھئے: مجمع الزوائد ۱۰/۲۱۳)

اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت کو فقط ایک کتے پر رحم کھا کر اسے پانی پلانے کی وجہ سے جنت میں داخل کر دیا تھا۔ جیسا کہ صحیحین میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

ایک دوسری روایت میں آپ علیہ السلام کا فرمان ہے:

”رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِي خُصْنٍ فَجَعَلَتْهُ تُؤْذِي النَّاسَ فَخَافَهَا“

”میں نے ایک آدمی کو جنت میں اس بنا پر گھومتے دیکھا ہے کہ اس نے لوگوں کو تکلیف دینے والی ایک ٹہنی ہٹا دی تھی“ (متفق علیہ)

اسکے برعکس ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک عورت صرف ایک بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو گئی، وہ بلیوں کہ اس نے بلی کو پکڑ کر باندھ دیا، نہ تو اسے خود کچھ کھانے پینے کیلئے دیا اور نہ ہی اسے چھوڑا کہ زمیں کے کیڑے کھوڑے کھاتی پھرے۔

لہذا وہ بلی بھوک پیاس سے مر گئی۔ (بخاری)

یعنی اس بلی پر رحم نہ کرنے کی وجہ سے وہ عورت جہنم کی حقدار بن گئی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کے ہاں مخلوق پر رحم کرنے اور مہربانی و شفقت کا برتاؤ کرنے کا کیا مقام ہے!

اور مہربانی و شفقت میں اصل چیز عمل کی کثرت یا زیادتی نہیں، بلکہ وہ جذبہ اور ہمدردی ہے جو انسان کے دل میں موجزن ہوتا ہے، جسکی موجودگی کے بعد پھر تھوڑا عمل بھی کافی ہوتا ہے۔

رحم کا یہ جذبہ کیونکر حاصل ہو سکتا ہے؟

۱۔ دعا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجئے کہ وہ مہربان و کریم مالک آپکے دل کو نرم کر دے، اور آپکے دل میں رحمت والفت ڈال دے، کیونکہ تمام باتیں اللہ ہی کی توفیق سے ممکن ہوتی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا بھی مانگا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے سالکین کی محبت کا

سوال کرتا ہوں۔

۲۔ رحمہ لی اور باہمی الفت و مودت کی طرف توجہ اور ترغیب دلانے والی کتاب و سنت اور آثار سلف پر بنی نصوص کا مطالعہ کیجئے، ان شاء اللہ انہیں پڑھنے سے آپکے دل میں رحم پیدا ہوگا۔  
۳۔ لوگوں کے مصائب و آرام، فقر و فاقہ، یتیمی و بیوگی پر غور و فکر کیجئے، اور انکے دکھوں کا احساس پیدا کیجئے۔ قید و بند کی صعوبتوں، بیماریوں اور زخموں کا تصور کیجئے، اس طرح آپکا دل نرم ہوگا اور اس میں رحمہ لی کا جذبہ پیدا ہوگا۔

۴۔ ہر شخص کا حق پہچانیے، حقوق کی معرفت ہی تو دراصل رحمت ہے۔ مثلاً:

- (۱) بچوں کیساتھ مار پیٹ کے بجائے پیار و محبت کا معاملہ کرنا۔
- (۲) مساکین کیساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا، انہیں تسلی دینا، اور انہیں کھانا وغیرہ کھلانا۔
- (۳) یتیموں کیساتھ شفقت و احسان کا معاملہ کرنا، اور ان پر خرچ کرنا۔
- (۴) مریض کیلئے دُعا کرنا، اور اسکی تکلیف کا احساس کرنا۔
- (۵) بیوی کیساتھ حسن سلوک کرنا، بہت عرصہ کی دوری یا خرچ میں بخل کے ذریعے بیوی کو نہ ستانا بلکہ ہر طرح سے اُسکے ساتھ مہربانی اور شفقت کا مظاہرہ کرنا، مثلاً اُسے اُسکے عزیز و اقارب سے ملنے کیلئے بھیجنا، مسکرا کر ملنا، اور اسکی طرف سے پہنچنے والی تکالیف کو برداشت کرنا۔

(۶) اگر آپ امام ہیں تو نماز کو زیادہ لمبا کرنے کے بجائے میانہ روی اختیار کرنا۔ تاکہ مقتدیوں میں سے کمزور و ناتواں، بوڑھے اور کام کاج والے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ یہ بھی رحمت ہے۔

(۷) کسی میت پر اظہارِ تعزیت کرنا، غمگین ہونا، آنسو بہانا، اور اسکے لیے دُعا کرنا، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے نواسے کی وفات پر رو پڑے تھے، اور جب لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! یہ رونا کیسا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو رحمت ہے، جو اللہ اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں میں سے رحم

کرنیوالوں پر رحم کرتا ہے۔

(۸) قیدیوں کو کھانا کھلانا اور انکے ساتھ نرمی کرنا۔

(۹) طلبہ کیساتھ مار پیٹ کے بجائے شفقت کرنا، مختصر دروس دینا، اور لمبے عرصے تک کیلئے انکی چھٹی بند نہ کرنا۔

مالک بن حُوَیث فرماتے ہیں: ہم ہیں راتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ ہم اپنے گھر والوں سے ملنے کا اشتیاق رکھتے ہیں، تو آپ کیونکہ انتہائی مہربان اور نرم دل تھے، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا: اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ جاؤ۔۔۔۔۔ الحدیث۔  
طلبہ کرام بعض اوقات مسافر ہوتے ہیں، اور اپنے علاقوں، اہل خانہ اور دنیا کو چھوڑ چکے ہوتے ہیں، لہذا یہ لوگ شفقت و مہربانی کے خصوصی مستحق ہوتے ہیں۔

(۱۰) کنواروں پر رحم یہ ہے کہ انکی شادی کا بندوبست کیا جائے اور اسکے لیے اسباب مہیا کیے جائیں۔

(۱۱) کرائے دار کا کرایہ ادا کرنا بھی اس پر رحم کرنا ہے۔

(۱۲) والدین کیساتھ حسن سلوک اور انکی خدمت کرنا۔

(۱۳) مظلوم و مقہور لوگوں کی نصرت و تائید کرنا بھی رحم میں شامل ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ”مَنْ لَا يُؤْخَمُ لَا يُؤْخَمُ“ جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا، اسکے ذیل میں فرماتے ہیں: ابن بطل کہتے ہیں: اس حدیث میں تمام مخلوق کیساتھ رحم کا معاملہ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے، اس میں مؤمن، کافر مملوکہ وغیر مملوکہ جانور سب شامل ہیں، جانوروں کیساتھ شفقت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اُنکے کھانے پینے کا خیال رکھا جائے، حد سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، بے جانہ دوڑایا جائے، اور مار پیٹ میں زیادتی نہ کی جائے۔ (فتح الباری ۱۰/۳۵۵)

سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شریعت اسلامیہ اپنے اصولوں اور فروعات تک راسر رحمت

پر مبنی ہے، اس میں حقوق کی ادائیگی کا امر ہے، خواہ انکا تعلق اللہ کیساتھ ہو یا مخلوق سے، پھر اللہ تعالیٰ کسی بھی نفس کو اسکی وسعت سے زیادہ کسی چیز کا مکلف بھی نہیں کرتا، اگر آپ حقوق الزوجین، ماں باپ، قریبی رشتہ داروں اور پڑوسیوں کیساتھ حسن سلوک اور معاملات کے دیگر پہلوؤں پر اسلامی شریعت کی روشنی میں نظر ڈالیں گے تو آپکو معلوم ہوگا کہ پوری شریعت ہی رحمت پر مبنی ہے۔۔۔ الخ۔ (الریاض النضرہ ص: ۶۱)

رحمت ایک بہترین اخلاق ہے جسے اپنانے والا رحمہ اللہ کا مستحق ہو جاتا ہے، اور رحم دل شخص بندوں کے قریب بھی ہوتا ہے، رحمہ لی کسی شخص کے عالی نفس ہونے پر دلالت کرتی ہے، اس سے دلوں کو سکون ملتا، علاقے آباد و شاداب ہوتے، اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: جس شخص کو نرمی میں سے اسکا نصیب مل گیا، گویا اُسے دنیا و آخرت کی بھلائوں میں سے اپنا حصہ مل گیا۔

صلہ رحمی اور اچھے اخلاق سے علاقے آباد ہوتے اور عمروں میں اضافہ ہوتا ہے۔  
دیکھئے (الصحيحۃ: ۵۱۹)

”الطریق القويم ص: ۱۹۰“ میں آتا ہے: رحمہ عامہ یہ ہے کہ انسان کا دل دوسروں کی ہمدردی سے پُر ہو، وہ محتاجوں کی مدد کرے، تنگ دستوں کا قرض ادا کرے، گمراہوں کو راہ دکھلائے، فقیروں کا پُرسان حال ہو، چھوٹوں کیساتھ پیارا اور بڑوں کی عزت کرے، اور اسی طرح جانوروں کیساتھ غمی کرنا بھی اس میں شامل ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں پیاسے جانور کو پانی پلانے کے نتیجے میں مغفرت کی بشارت دی گئی ہے: اس میں یہ آتا ہے کہ ہر تاجر رکھنے والے جانور کیساتھ حسن سلوک میں اجر ہے۔ (دیکھئے: بخاری و مسلم)۔

اسلام ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ اہل ایمان پر رحم کرتے ہوئے اُن سے محبت اور اُنکی توقیر کریں، نافرمانوں پر رحم کرتے ہوئے انہیں نصیحت کریں اور نرمی سے پیش آئیں، گمراہوں پر رحم کرتے ہوئے انہیں ”طریق قويم“ کی طرف دعوت دیں اور اُنکی ہدایت کیلئے دُعا بھی کریں۔ (واللہ المستعان)۔



## ۲۳ - عظیم الشان فائدہ

### اللہ کی عظمت و بزرگی کی معرفت

اللہ عزوجل کی عظمت و بزرگی کی معرفت اس عظیم الشان فائدے کی قدر عقلمند لوگ ہی جان سکتے ہیں۔

آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: ”تَفَكَّرُوا فِي آلَاءِ اللَّهِ وَلَا تَفَكَّرُوا فِي اللَّهِ“  
(اللہ کی نعمتوں پر غور و فکر کرو، اللہ کی ذات پر غور نہ کرو)

(المجمع الأوسط للطبرانی (۶۴۵۶)، شعب الإيمان للبيهقي (۷۵/۱)، اسکی سند صحیح ہے)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہر چیز پر غور کرو، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پر غور مت کرو، کیونکہ ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان سات ہزار سال کا فاصلہ ہے، اور اللہ تعالیٰ تو اس سے بھی اوپر ہے۔ (اسے اصہبانی نے العظمة (۲) و (۳/۳۳) میں ذکر کیا)  
ایک اور حدیث میں آتا ہے: مخلوق پر غور کرو، خالق پر غور مت کرو، کیونکہ تم اسکی عظمت کا اندازہ لگانے سے قاصر ہو۔ (کنز العمال (۵۷۰۶)، اوالدر المنثور (۱۰/۲))

صفیان رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿وَأَنْ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ﴾ کی تشریح میں فرماتے ہیں: رب تعالیٰ کے بارے میں غور و فکر کی کوئی گنجائش نہیں ہے،

(اس قول کو اصہبانی نے (العظمة ص: ۱۸) میں حسن سند کیساتھ روایت کیا)

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”عِبَادَةُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لَيْسَ بِالصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ وَلَكِنْ بِالتَّفَقُّهِ فِي دِينِهِ  
وَالتَّفَكُّرِ فِي أَمْرِهِ“

(اللہ عزوجل کی عبادت فقط نماز روزے پر منحصر ہے، بلکہ درحقیقت اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کرنا، اور اس کے احکام پر غور و فکر کرنا عبادت ہے) (کتاب العظمتہ ص: ۱۹)۔  
سدی رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ:-

﴿مَنْ أَصْرَفَ عَنْ آيَاتِي الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾  
(عنقریب میں اُن لوگوں کو اپنی آیات سے پھیر دوں گا جو زمین پر ناحق تکبر کرتے ہیں)،  
کی تفسیر میں فرماتے ہیں: آیات سے پھیرنے کا معنی یہ ہے کہ اُن پر غور و فکر کی توفیق نہ دینا۔  
(تفسیر الطبری)۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

غور و فکر وہ آئینہ ہے جس میں تم اپنی نیکیاں اور برائیاں دیکھ سکتے ہو۔ (العظمتہ ص: ۲۰)۔  
ابو سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض اوقات مجھ پر ایسی ساعتیں بھی آتی ہیں کہ جن میں مجھے یہ پسند نہیں ہوتا کہ مجھ پر غور و فکر کا دروازہ کھلے۔

اسکے تشریح کرتے ہوئے امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اُس کا معنی یہ ہے کہ جب وہ غور و فکر میں مشغول ہوتے ہیں تو اُن سے بعض باتیں سرزد ہوتی ہیں جنہیں وہ لوگوں پر ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ (العظمتہ ص: ۲۱)

عبد الرحمن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس دین کی بنیاد اور بہتری کا دارو مدار غور اور فکر پر ہے، دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا تمام تر حق ادا کرنے کا مکلف نہیں بنایا، کیونکہ آپ اسکی طاقت ہی نہیں رکھتے، جبکہ اُس مہربان ہستی نے آپ کو اپنے فضل و کرم کا تمام تر حصہ عنایت فرمایا ہے۔ (العظمتہ ص: ۲۲)

ابو عبد اللہ الشمام رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: غلبہ الغلام کی عبادت کیسی ہوتی تھی؟ تو فرمایا: وہ قبلہ زد ہو کر پوری رات غور و فکر اور آہ و بکا میں گزار دیتے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔

(العظمۃ ص: ۲۳)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا: اگر تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ اپنے اعمال کو حقیر جانو، تو ان نعمتوں پر غور کرو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرمائی ہیں: اور سابقہ صالحین کے اعمال کا جائزہ لو، اور گناہوں کے انجام کا اندازہ لگاؤ، غور کرو! آدم علیہ السلام نے فقط ایک لقمہ کھایا تھا جسکے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ“ اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی، اور بہک گیا۔ نیز ابلیس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت و پھینکار بھی صرف ایک سجدے کی وجہ سے ہوئی تھی جس سے ابلیس نے انکار کر دیا تھا، اسی طرح بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کے ہفتے کے دن مچھلی کا شکار کرنے کی وجہ سے ہی بندر اور خنزیر بنادیا گیا تھا، جبکہ انہیں ہفتے کے دن شکار سے روکا گیا تھا، علاوہ ازیں جنت کی بادشاہت، ناز و نعمت اور عزت و کرامت پر غور کیجئے، اگر آپ نے ان تمام باتوں پر غور کیا، تو اُسکے نتیجے میں آپ کو اپنے نفس کی صحیح معرفت حاصل ہوگی، اور معلوم ہوگا کہ آپ کے اعمال تو انتہائی کمتر ہیں، یہ تو آپ کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتے، بلکہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت اور بخشش سے آپ کو ڈھانپ لے۔

(العظمۃ ص: ۲۴)

بشر بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر لوگ اللہ عز و جل کی عظمت و بڑائی پر غور کریں تو اُسکی نافرمانی سے باز آجائیں۔ نیز فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت پر غور کیجئے، پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ اُسکی جناب میں کیسے پیش ہونا ہے۔

(العظمۃ ص: ۲۵)

اب ہم اللہ رب العزت کی بعض مخلوقات کا تذکرہ کریں گے کہ جن پر صحیح انداز میں غور و فکر کرنے سے انسان کا دل اللہ عز و جل کی عظمت سے لبریز ہو جائے، اللہ کی عظمت کا احساس ہی ہے جو دلوں کی درستی اور جلدوں کی نرمی کا باعث ہے۔

## عرش باری تعالیٰ

یہ تمام موجودات میں سے پاکیزہ ترین ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اسے عظیم قرار دیا ہے اور جب اللہ تعالیٰ خود ہی کسی چیز کو عظیم قرار دے تو اُسکی عظمت کا اندازہ کیونکہ لگایا جاسکتا ہے؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ اسکی توصیف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اسے بزرگی اور کرامت والا عرش قرار دیا ہے۔

ابن ابی شیبہ ”کتاب العرش“ میں بعض سلف کا قول نقل کرتے ہیں: بے شک عرش کی تخلیق سُرخ یا قوت سے کی گئی ہے، اور اسکے دونوں کناروں کا درمیانی فاصلہ پچاس ہزار سال کی مسافت ہے۔

(یہ روایت ”البدایۃ والنہایۃ“ ۹/۱، اور کتاب العظمت ص (۸۵) میں سعد الطائی سے منقول ہے)

ایک صحیح حدیث کے مطابق سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول؟ سب سے عظیم آیت کونسی ہے جو اللہ نے آپ پر نازل فرمائی؟ فرمایا: آیت الکرسی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”يَا أَبَا ذَرٍّ مَا السَّمَوَاتُ السَّبْعُ فِي الْكُرْسِيِّ إِلَّا كَخَلْقَةِ مُلَقَاةٍ فِي أَرْضٍ فَلَاةٍ، وَفَضْلُ الْعَرْشِ عَلَى الْكُرْسِيِّ كَفَضْلِ الْفَلَاةِ عَلَى بَلَدِكَ الْخَلْقَةِ“

(اے ابو ذر! کرسی کے مقابلے میں ساتوں آسمانوں کی حیثیت اُس چھلے سے زیادہ نہیں ہے جو وسیع بیابان میں پھینک دیا گیا ہو، اور عرش کی فضیلت کرسی پر ایسی ہی ہے جیسی وسیع بیابان کی اس ایک چھلے پر)۔

(ابو الشیخ نے اسے ”العظمت ص: ۸۳“ میں روایت کیا۔ دیکھئے: الصحیحۃ (۱۰۹)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: بے شک وہ کرسی جو آسمانوں اور زمین پر وسیع

ہو چکی ہے، وہ تو صرف قدم رکھنے کی جگہ ہے، جبکہ عرش کا اندازہ تو وہی ذات لگا سکتی ہے جس نے اس سے پیدا فرمایا اور رُحمن جبار تعالیٰ کی تمام مخلوقات کے مقابلے میں آسمانوں کی حیثیت تو لوق و دق صحرا میں موجود ایک خیمے کی سی ہے۔

(مستدرک حاکم (۲/۲۸۲)، طبری، ابوالشیخ (۸۰)۔)

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے:

”إِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ الْجَنَّةَ فَسَلُّوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَعْلَى الْجَنَّةِ وَأَوْسَطُ الْجَنَّةِ، وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ“.

(جب تم اللہ سے جنت کا سوال کرو، تو فردوس مانگو، کیونکہ وہ جنت کا سب سے اعلیٰ اور بہترین مقام ہے، اور اسکے اوپر رُحمن کا عرش ہے)۔ (بخاری)۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں، اور ان میں سے ہر دو درجوں کا درمیانی فاصلہ آسمان اور زمین کے درمیانی فاصلے کی مثل ہے، غور کیجئے! پھر جنت الفردوس اور عرش الرحمن کس قدر بلند اور عظمت کے حامل ہونگے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ساتویں آسمان کی چوڑائی بھی پچاس ہزار سال کی مسافت کے بقدر ہے۔

اسی طرح آپ ”رحمہ اللہ“ البدلیہ میں فرماتے ہیں: عرش بھی پایوں والا ہے، وہ بادشاہ حقیقی کا تخت ہے جسے فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے، وہ پوری کائنات پر بنے گنبد کی کی مانند ہے، اور تمام مخلوقات کیلئے چھت کے حیثیت رکھتا ہے۔ (البدلیہ والنہلیہ: ۹/۱)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ﴾

نیز فرمایا: ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا .... الآية﴾.

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجھے عرش کے حامل فرشتوں میں سے ایک فرشتے کی بابت یہ بتلانے کی اجازت دی گئی ہے کہ اُسکے کان کی لو اور کندھے کا درمیانی فاصلہ سات سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔ (ابوداؤد عن جابر رضی اللہ عنہ)

اللہ اکبر! اندازہ کیجئے کہ خود وہ فرشتہ کس قدر بڑا ہوگا؟ اور جب ایک فرشتے کی یہ عظمت ہے تو اللہ رب العزت کس قدر عظمتوں کا مالک ہوگا؟؟

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک بادل گذرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ اور اُسکا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بادل ہے، یہ زمین کو سیراب کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی طرف بھی انہیں لے جاتا ہے جو اُس کی عبادت بجا نہیں لاتے، اور نہ اُسکا شکر ادا کرتے ہیں، کیا تم جانتے ہو کہ اسکے اوپر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ اور اُسکا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسکے اوپر روکی ہوئی موج اور محفوظ چھت ہے، کیا تم جانتے ہو کہ اسکے اوپر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ اور اُسکا رسول بہتر جانتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسکے اوپر ایک اور آسمان ہے، اور ان دونوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے یہاں تک کہ آپ نے سات آسمان گنوائے اور ہر دو آسمانوں کی باہمی مسافت پانچ سو سال بتلائی، پھر پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ اسکے اوپر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ اور اُسکا رسول بہتر جانتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسکے اوپر عرش ہے، کیا تم جانتے ہو کہ ساتویں آسمان اور عرش کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ اور اُسکا رسول بہتر جانتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک انکے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں سے دو آسمانوں کے درمیان (کَمَا بَيْنَ سَمَاءَيْنِ إِلَى سَمَاءَيْنِ) اَوْ كَمَا قَالَ۔

(ترمذی، احمد، بیہقی، ابن ابی عاصم (۲۵۴)، یہ الفاظ ابن ابی عاصم کے ہیں، اور اسکی سند میں حسن بصری کے صنعہ کے سوا کوئی علت نہیں، جیسا کہ ظلال الجہیزہ

لَا لِبَانِي فِيهِ مَكْرُورٌ هِيَ)۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں استفسار کیا:

﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾

اُس نے پوچھا: اُس وقت پانی کسی چیز پر تھا؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ہوا کی پشت پر۔

(اسکی سند صحیح ہے، دیکھئے السنۃ لابن ابی عاصم (۵۸۴)، المعظمۃ للاصحابی)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے: اگر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو پھیلا کر ایک دوسرے سے جوڑ دیا جائے تو بھی کرسی کے مقابلے میں انکی حیثیت وسیع بیابان میں پڑے چھلے سے زیادہ نہ ہوگی۔ (البدلیۃ ۱/۱۱)

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان میں موجود تمام چیزوں کو سمندروں نے گھیر رکھا ہے، اور پھر ان سب کو ہیکل نے گھیرا ہوا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ ہیکل کا احاطہ کرسی نے کر رکھا ہے، ہیکل کی وضاحت کرتے ہوئے۔ وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ آسمانوں کے اطراف سے متعلق کوئی چیز ہے، جس نے تمام زمینوں اور سمندروں کو اس طرح احاطہ کر رکھا ہے جیسے خیمے کی رسیاں اسکے گرد پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عرش کے سامنے کرسی کی حیثیت سیڑھی کی طرح ہے۔

### لوح محفوظ

طبرانی نے ابن عباس سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے بنایا ہے، اسکے صفحات سُرخ یا قوت کے ہیں، اسکا قلم اور کتابت نور ہے، اللہ تعالیٰ اس پردن میں تین سو ساٹھ مرتبہ نظر ڈالتا ہے، کسی کی پیدائش کا فیصلہ کرتا ہے، کسی کے لیے رزق کا کسی کو

مارتا ہے، کسی کو زندہ کرتا ہے، کسی کو عزت دیتا ہے، کسی کو ذلیل کرتا ہے، اور جو چاہتا ہے، وہی کرتا ہے۔ (اسکی سند میں ضعیف راوی لیٹ ہے)۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ”الہدایۃ“ میں صحیح سند کیساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً نقل کیا ہے: لوبح محفوظ کے سرورق پر لکھا ہے: اللہ وحدہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُسکے بندے اور رسول ہیں، جو شخص اللہ پر ایمان لایا، اسکے وعدوں کی تصدیق کی، اور اُسکے رسولوں کی پیروی کی، تو اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں داخل فرمائے گا: اور فرمایا: لوبح محفوظ سفید موتی کی ہے، اسکا طول آسمان وزمین کی درمیانی مسافت کے برابر، اور اسکا عرض مشرق و مغرب کی مسافت کے مثل ہے، اسکے کنارے موتی و یاقوت کے ہیں، اور اسکی جلدیں سُرخ یاقوت سے بنی ہیں، اسکا قلم نور ہے، اسکا کلام عرش کیساتھ جوا ہوا ہے اور اصل کتاب فرشتے کی گود میں ہے۔ (البدلیۃ: ۱۲/۱)

### آسمان وزمین

آسمان وزمین بھی اللہ کی عظمت کا شاہکار ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آسمان کا ذکر مفرد طور پر (۱۲۰) مرتبہ اور جمع کے صیغے کیساتھ (۱۹۰) مرتبہ کیا ہے (مفرد السماء - جمع: السموات) اور زمین کا تذکرہ (۴۲۷) مرتبہ فرمایا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آفاقی دلائل اللہ تعالیٰ کی عظمت و ربوبیت کی ایک کھلی اور روشن دلیل ہیں، لہذا بار بار انکا تذکرہ ہونا چاہیئے، اور ان پر غور و فکر کر کے خالق کی عظمت کا اندازہ لگانا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ﴾ (الانعام/ ۱)

اور فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [البقرة/ ۲۹]



اور فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنٍ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ قَدَّرَ فِیْهَا اَقْوَامَهَا فِیْ اَرْبَعَةِ سَوَاعٍ لِّلْمَسٰئِلِیْنِ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَاءِ وَ هِیْ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ اَنْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَیْنَا طَائِعِیْنِ فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنٍ وَ اَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَاءٍ اَمْرَهَا وَ رَزَقْنَا السَّمَاءَ الدُّنْیَا بِمَصٰبِیْحٍ وَ حِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿[حم السجدة / ۱۱]

اور فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَ السَّمَاءَ بِنَاءً وَ صَوَّرَكُمُ فَاَحْسَنَ صُوْرَكُمْ وَ رَزَقَكُم مِّنَ الطَّیِّبَاتِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَبَارِكُ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ﴿[غافر / ۶۴]

اور فرمایا: ﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِیْهَادًا..... وَ بَنَیْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا﴾  
(النبا: ۱۲)

اور فرمایا: ﴿وَ جَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوْطًا وَ هُمْ عَنِ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ﴾.  
[الانبیاء / ۳۳]

اور فرمایا: ﴿اَوْ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلِّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿[الانبیاء / ۳۰]

اور فرمایا: ﴿وَ كَاٰیٰتٍ مِّنْ اٰیَةِ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یَمُرُوْنَ عَلَیْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ﴾. (یوسف / ۱۰۶)

اور فرمایا: ﴿قُلْ اَنْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا تُغِیِّی الْاٰیٰثَ وَ النَّدْرُ عَنْ قَوْمٍ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ (یونس / ۱۰۱)

اور فرمایا: ﴿اَفَلَمْ یَنْظُرُوْا اِلَی السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ کَیْفَ بَنَیْنَاهَا وَ رَزَقْنَاهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَ اَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ رَوْحٍ یُّهْبِجُ ۝﴾ (ق / ۷)

اور فرمایا: ﴿اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِِبْلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَ اِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَ اِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَ اِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝﴾  
(الغاشیة/ ۲۰)

اور فرمایا: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ الْوَاكِفُ اِنْ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَاتٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝﴾ (الروم/ ۲۲)

اور فرمایا: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاءُ وَ الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ﴾ (الروم/ ۲۵)  
اور فرمایا: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمَوٰتٍ وَ مِنْ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ (الطلاق/ ۱۲)

اور فرمایا: ﴿اِنْ فِیْ خَلْقِ السَّمَوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیَاتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ لَیْمًا وَ لَعُوْذًا وَ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمَوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ لَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (آل عمران/ ۱۹۱)

اور فرمایا: ﴿وَ السَّمَاءُ بَنٰیْنَاهَا بِاَیْدٍ وَ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ وَ الْاَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ﴾ (الذاریات)

اور فرمایا: ﴿وَ السَّمَاءُ ذَاتِ الْبُرُوْجِ﴾  
اور فرمایا: ﴿اَلَا اَنْتُمْ اَشْدُّ خَلْقًا اَمْ السَّمَاءُ بَنٰیْنَاهَا وَ رَفَعَ سَمَكُهَا فَسَوَّاهَا وَ اَغْطَشَ لَیْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضَحَاَهَا وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحَاَهَا﴾ (النازعات/ ۳۰)  
اور فرمایا: ﴿وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَ زَیْنًا لِّلنَّاظِرِیْنَ وَ حَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ﴾ (الحجر/ ۱۶)

اور فرمایا: ﴿وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا لَا عِیْنَ﴾ (الانبیاء/ ۱۶)  
اور فرمایا: ﴿وَ یُمْسِكُ السَّمَاءُ اَنْ تَقَعَ عَلٰی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (حج/ ۲۵)

اور فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾ (فاطر/۴۱)

اور فرمایا: ﴿تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَ قَمَرًا مُنِيرًا﴾ (فرقان/۶۱)

اور فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا﴾ (ص/۲۷)

اور فرمایا: ﴿بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (الانعام)

اور فرمایا: ﴿تَكَاذُّ السَّمَوَاتِ يَنْفَطِرُنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ (الشوریٰ/۵) اُی مِنْ عَظَمَةِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

اور فرمایا: ﴿لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ (الحديد/۵)

انکے علاوہ بھی اس معنی میں بہت سی آیات قرآن حکیم میں مذکور ہیں جنکے مطالعے سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت، علم و حکمت اور وسیع تر قدرت کا احساس ہوتا ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں آسمان و زمین اور انکے درمیان موجود تمام اشیاء بنائیں، اور رائج قول کے مطابق انکا آغاز اتوار سے ہوا، اور انتہا جمع کے دن ہوئی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان میں سے ہر دن ہزار سال کا تھا، اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے انکی بات کو رائج قرار دیا (البدلیۃ ۱/۱۲) جبکہ ظاہر بات یہی ہے کہ وہ بھی عام دنوں کی طرح کے دن تھے جیسا کہ احادیث مبارکہ اور تورات کی کتاب پیدائش اس بات پر دلالت کرتی ہے۔

زمین کی پیدائش آسمان سے پہلے ہوئی ہے، البتہ زمین کو پھیلانے اور بچھانے کا عمل آسمان کے بعد ہوا ہے، یہ اس لیے بھی کہ آسمان چھت کی حیثیت رکھتا ہے، اور چھت تو بنیاد کے بعد ہی بنایا جاتا ہے۔

ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے قول کے مطابق آسمان و زمین کی تخلیق پانی سے کی گئی ہے۔

تورات میں آتا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق کی، تو اس کا عرش پانی پر تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نور ہو جائے، لہذا نور کی تخلیق ہو گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے نور کو ظلمت (اندھیرے) سے الگ کیا، اور اس طرح رات اور دن بن گئے، اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پانی سے پیدا فرمایا، اور پھر انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا، پھر ان میں بندوں کی روزی اور فائدے کا سامان پیدا فرمایا۔

اسکی تائید قرآن مجید میں بھی موجود ہے:

﴿أَوَلَمْ يَرِ الْيَتِيمَ كَفَرُوا أَنْ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ﴾ (الانبیاء/ ۳۰)

اور چند صفات قبل جامع ترمذی کے حوالے سے جو حدیث گزری ہے، اس میں بھی اس بات کا تذکرہ ہے کہ آسمان ایک رکی ہوئی موج، معلوم ہوا کہ آسمان پانی کی موج ہے (لیکن وہ حدیث معلول ہے)۔

زمینیں بھی سات ہیں، جیسا کہ بخاری کی ایک حدیث میں آتا ہے:

[مَنْ ظَلِمَ قَيْنًا سَبْرَ طَوْفَهُ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ].

(جن نے کسی کی بالشت بھر زمین دہالی، اُسے قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق

پہنایا جائیگا)

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سات زمینوں کے اثبات والی احادیث متواتر ہیں، اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ

سات زمینیں ایک دوسرے کیساتھ متصل ہیں یا انکے درمیان خلاء ہے۔

راجح بات یہ ہے کہ ہر زمین کا دوسری زمین سے فاصلہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان

بھی ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾  
(الطلاق/۲۲)

سابقہ حدیث میں بھی دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت بتلائی گئی ہے۔

### آسمانوں کی معرفت

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور استفسار کیا: یہ آسمان کیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ روکی ہوئی موج ہے۔  
العظمیٰ (ص: ۵۴۱) الدر المنثور (۴/۴۳۱)، ابن کثیر (۳/۱۷۷)، اسکی سند میں جعفر بن ابی المعیرۃ نامی راوی ہے، جس پر تنقید کی گئی ہے)

ایسا ص بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آسمان گنبد کی طرح زمین پر پھیلا ہوا ہے۔  
ابو صالح الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تمام آسمان جڑے ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں پھاڑ کر سات آسمان بنائے، اسی طرح تمام زمینیں بھی آپس میں ملی ہوئی تھیں، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں پھاڑ کر سات زمینیں بنایا۔

(تفسیر الطبری ۱۷/۱۹، الدر المنثور ۴/۳۱۷)

اسی طرح آسمان شدت اور جمال کا حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ﴾

اور فرمایا: ﴿سَبْعًا شِدَادًا﴾

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے کھڑا کر دیا ہے۔

ربیع بن الس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آسمان دنیا ایک روکی ہوئی موج ہے، دوسرا آسمان مانند چٹان ہے، تیسرا لوہے کا ہے، چوتھا تانبے کا، پانچواں چاندی کا، چھٹا سونے کا، اور

ساتواں آسمان یاقوت کا ہے۔ (تفسیر الطبری ۲۸/۶۹)

مذکور قول: الدر المنثور ۱/۳۳ میں بھی ہے، لیکن اُس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: پھر انکے اوپر نور کے صحرا ہیں، اور انکے اوپر کیا ہے؟ یہ اللہ اور اُس فرشتے کے سوا کوئی نہیں جانتا جو حجاب پر مامور ہے، اس فرشتے کو میٹا طروش کہا جاتا ہے۔

مسندنا علی ؑ فرماتے ہیں: آسمان دنیا کا نام ”ذقیع“ اور ساتویں آسمان کا نام ”الضراح“ ہے۔ (الدر المنثور ۱/۳، العظمۃ: ۵۶۶)

### زمین و آسمان کی درمیانی مسافت

عبد اللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں:

زمین و آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، اور ہر آسمان و زمین کی درمیانی مسافت پانچ سو سال ہے، ہر آسمان اور زمین کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے، اسی طرح کرسی اور پانی کے درمیان بھی پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، اور عرش پانی پر ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے، اور وہ تمہارے حال سے خوب واقف ہے۔

(العظمۃ: ۵۶۷، الدر المنثور ۱/۴۴)

### آسمان و زمین اور پہاڑوں کی اصل کیا ہے؟

عثمان بن سعید الدارمی ؓ کتاب الرد علی الجہمیۃ میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے چیزوں کی تخلیق کا ارادہ کیا اُس وقت اُس کا عرش پانی پر تھا، جبکہ زمین و آسمان کا کوئی وجود نہ تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کو پیدا کیا اور اُسے پانی پر مسلط کر دیا، یہاں تک کہ پانی کی موجیں مضطرب ہو گئیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اُس پانی سے تہ بہ تہ بادل نکالے، پھر پانی سے دُھواں، مٹی اور جھاگ نکالی دُھویں کو حکم دیا، تو وہ اوپر چڑھ کر پھیل گیا، پھر اُس سے آسمان بنائے، اور مٹی سے زمینیں بنائیں جبکہ جھاگ سے پہاڑ بنائے۔ (الدر ۱/۳۳)

عباس بن عبد المطلب ؑ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ آسمان اور زمین کے درمیان کتنی مسافت ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: انکے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی مسافت بھی پانچ سو سال ہے، اور ہر آسمان کی کثافت بھی پانچ سو سال مسافت کے برابر ہے، ساتویں آسمان کے اوپر اور نیچے ایک ایک سمندر ہے جسکی گہرائی آسمان و زمین کے درمیان مسافت کے برابر ہے، پھر اُسکے اوپر آٹھ پہاڑی بکرے ہیں جسکی سرینوں اور کھروں کا درمیان فاصلہ آسمان و زمین کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے، پھر اُسکے اوپر عرش ہے جسکے اوپر نیچے کی حدود بھی آسمان و زمین کے باہمی فاصلے کے برابر ہے، اور اللہ تعالیٰ اس سے اوپر ہے، لیکن بنی آدم کے اعمال میں سے کوئی چیز بھی اس پر مخفی نہیں۔

(احمد، عبد بن حمید، ابو داؤد، ترمذی، (ترمذی نے اسے حسن قرار دیا) حاکم نے اسے صحیح قرار دیا، ابو الشیخ، بیہقی فی الاسماء والصفات طبرانی الکبریٰ، لالکائی فی السنة، دیکھئے: الدر المنثور ۶/۴۳)

سابقہ احادیث و آثار بھی اسکے شاہد ہیں۔

حبة العوفی ؑ کہتے ہیں: میں نے ایک دن علی رضی اللہ عنہ کو یہ قسم اٹھاتے ہوئے سنا:

[وَالَّذِي خَلَقَ السَّمَاءَ مِنْ دُخَانٍ مَاءً]

”اس ذات کی قسم جن نے آسمان کو پانی کے دھوئیں سے پیدا کیا“

(الدر المنثور ۱۱/۴۴)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول پیچھے بھی گزر چکا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر چیز پر غور کرو، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پر غور مت کرو، کیونکہ ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان سات ہزار کا فاصلہ ہے، اور اللہ تعالیٰ تو اس سے بھی اوپر ہے۔ (الدر المنثور ۱۱/۴۴)

## حجاب باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ اور اسکی مخلوق کے درمیان حائل حجاب بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت کے دلائل میں سے ہے، ایک صحیح حدیث میں آتا ہے: ”حِجَابُهُ النُّورُ، لَوْ كَشَفَهُ لَأُخْرِقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا أَتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ“۔

(اسکا حجاب نور ہے، اگر وہ حجاب اٹھا دے تو اسکے چہرے کے انوار تا حد نگاہ اسکی مخلوق کو جلا ڈالیں)۔ (مسلم)۔

ایک اور صحیح حدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبریل کے ہمراہ تھے، اور جبریل آپ کے ساتھ مناجات کر رہے تھے کہ اچانک آسمان کا ایک کنارہ شق ہوا، جس پر جبریل زمین کے قریب ہو گئے، انکا بعض حصہ بعض میں داخل ہونے لگا اور وہ سکنے لگے پھر اچانک ہی ایک فرشتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نمودار ہو گیا اور اُس نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا آپ کے لیے حکم ہے کہ آپ دو چیزوں میں سے ایک کو اپنے لیے پسند فرمائیں اور بتلائیں کہ آپ بندہ نبی بنانا چاہتے ہیں یا بادشاہ نبی؟ اس موقع پر جبریل نے ایک ہاتھ سے مجھے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کیجئے، میں نے جان لیا کہ وہ میرا خیر خواہ ہے، لہذا میں نے کہا: میں بندہ نبی بننا چاہتا ہوں، پھر وہ فرشتہ اوپر چڑھ گیا تو میں نے کہا: اے جبریل! میں تم سے اس فرشتے کے متعلق پوچھنا چاہتا تھا، لیکن جب میں نے تمہاری حالت دیکھی تو پوچھ نہ سکا، لہذا اب بتلائیے کہ یہ کون تھا؟

جبریل نے جواب دیا: یہ اسرائیل تھا، جس دن سے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا ہے تب سے یہ اللہ کے سامنے اپنے قدم جوڑے کھڑا ہے، اور کسی جانب نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا، اسکے اور رب عزوجل کے درمیان ستر نور ہیں، اور ان میں سے ہر نور ایسا ہے کہ اگر اس کے قریب آؤ تو جلا ڈالے جب بھی اللہ تعالیٰ آسمان یا زمین سے متعلق کسی چیز کا حکم دیتے ہیں تو یہ فرشتہ اس حکم والی محنت کو اٹھا کر اوپر کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ محنت انکی پیشانی پر جا لگتی ہے، پھر اس محنت



پر نظر ڈالتا ہے، پھر اگر اس میں موجود حکم میرے سے متعلق ہو تو، مجھے، اس کا حکم دیتا ہے، اور اگر ملک الموت کا کام ہو تو اُسے حکم دیتا ہے۔

میں نے کہا: اے جبریل! تم کس کام پر مامور ہو؟ جبریل نے جواب دیا: ہواؤں اور پہاڑوں پر میں نے کہا: میکائیل کس کام پر مامور ہے؟ جبریل نے کہا: بارش اور نباتات پر میں نے کہا: ملک الموت کا کیا کام ہے؟ کہا: روحیں قبض کرنا، اور میں نے تو اُسے دیکھ کر یہ گمان کر لیا تھا کہ وہ قیامت قائم ہونے کا حکم لیکر نیچے اتر رہا ہے۔  
(مجمع الزوائد ۱۹/۹، العظمیٰ: ۲۹۳)

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ ذُنُوبَ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَسْبُوحَاتُ أَلْفِ حِجَابٍ، مِنْهَا حِجَابٌ مِنْ نَارٍ وَحِجَابٌ مِنْ نُورٍ وَحِجَابٌ مِنْ ظُلْمَةٍ“  
(اس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے اقیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے آگے ستر ہزار حجاب ہونگے، ان میں سے ایک حجاب آگ کا، ایک حجاب نور کا، اور ایک حجاب اندھیرے کا ہوگا)۔ (العظمیٰ: ۲۲۷)، اسکی سند صحیح ہے

عبد اللہ بن عمر اور رحمل رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے سامنے نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں، اگر کوئی جائدار ان پردوں کی آہٹ بھی سن لے تو اسکی جان نکل جائے۔

(السنۃ لابن ابی حاتم (۷۸۸)، العظمیٰ: ۱۷۱، الشیخ (۲۶۵) اسکے تمام راوی ثقہ ہیں، سوائے موسیٰ بن عبیدہ الربزی کے اس پر کچھ مقال ہے لیکن سابقہ اثر اسکا شاہد ہے)۔  
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلُلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ﴾ (بقرہ)  
اسکی تفسیر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نزول فرمائیگا تو اُسکے اور اُسکی مخلوق کے درمیان نور، پانی اور ظلمت کے ستر ہزار حجاب ہونگے، اور یہ پانی، نور اور

علمت ایسی آواز پیدا کریں گے کہ اسکی وجہ سے دل حلق سے باہر آجائیں گے۔ (تفسیر الطبری ۶/۱۹، العظمتہ: ۲۷۲)۔

ذراہ بن اوفیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جبریل سے پوچھا: کیا تم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ یہ سن کر جبریل پر کچکی طاری ہوگئی، اور اُس نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک میرے اور رب تعالیٰ کے درمیان نور کے ستر حجاب ہیں، اگر میں اُن میں سے ادنیٰ ترین کے قریب جاؤں تو بھی جل جاؤں گا۔ (یہ مرسل صحیح روایت ہے، الاسماء والصفات للبیہقی ص: ۵۰۸، العظمتہ ص: ۲۷۳، مجمع الزوائد ۷/۹۱، دیکھئے، مشکوٰۃ: ۲)

مجاہدؓ فرماتے ہیں:

فرشتوں اور عرش کے درمیان ستر ہزار نورانی حجاب ہیں۔ (العظمتہ ص: ۲۷۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: مخلوق میں اللہ کے سب سے قریب ترین جبریل، میکائیل اور اسرافیل ہیں، اور وہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے پانچ ہزار سال کی مسافت پر ہیں۔ (العظمتہ ص: ۲۷۷، اسکی سند میں احوص بن حکیم ہے، جس میں ضعف ہے)۔

## فرشتے

فرشتے بھی باری تعالیٰ کی عظمت کا نشان ہیں، اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ تعداد اور سب سے بڑے جسم انہی کے ہیں، اور رب العالمین کے سب سے زیادہ اطاعت گزار بھی یہی ہیں، ہمیشہ اللہ کے خوف سے لرزنے والے، اسکے اوامر بجالانے والے، اس پر ایمان رکھنے والے، دن رات اسکی تسبیح بیان کرنے اور اسکے سامنے سجدہ ریز ہونے والے، اور اللہ کی عبادت سے کبھی نہ اکتانے اور نہ ٹھکنے والے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مبارک کتاب میں فرشتوں کا تذکرہ اٹھاسی مرتبہ کیا ہے، فرشتوں کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولَىٰ أَجْنَحَةٍ مَّقْنَىٰ وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ﴾ (فاطر ۱)

پہلے ان فرشتوں کی کثرت کا مطالعہ کیجئے اور پھر ان کے جسموں کی عظمت پر غور کیجئے:  
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمَا نَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۝ ﴾ (المدثر ۳۱)  
فرشتوں کی تعداد بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

نیز فرمایا: ﴿ لَئِذَا مَعْقِبَاتُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۝ ﴾ (رعد ۱۱)

ہر ہر انسان کے ساتھ کئی فرشتے ہوتے ہیں۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے:

[ أَطْبَقَتِ السَّمَاءُ وَحُفَّتْ لَهَا أَنْ تَبْطَأَ مَا فِيهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ إِلَّا وَ عَلَيْهِ مَلَكَ وَاحِدٌ جَبْهَتُهُ ]

”آسمان چڑھتا ہے، اور اُس کا حق ہے کہ چڑھائے، کیونکہ اس میں کوئی چار انگلیوں کے برابر جگہ بھی ایسی نہیں کہ جس پر کوئی فرشتہ سجدہ ریز نہ ہو“  
(مسند احمد ۵/۱۷۳، بڑی، حاکم)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
آسمان پر کوئی قدم برابر جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ سجدہ یا قیام کی حالت میں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اسی بارے میں ہے :

﴿ وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُونَ ۝ ﴾ (الصافات ۱۶۵)  
(تفسیر ابن کثیر، مجمع الزوائد، العظمیٰ: ۵۸)

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ساتوں آسمانوں میں کوئی قدم برابر، یا بالشت برابر، یا پتیلی برابر جگہ بھی ایسی نہیں کہ جس میں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام یا سجدے کی حالت میں نہ ہو، پھر قیامت کے دن وہ سب کہیں

گئے: تو پاک ہے، ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا، مگر یقیناً ہم نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا (طبرانی، ابن کثیر)

ایک حدیث میں آتا ہے، اور میں نے بیت المعمور کو دیکھا، اُس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، اور جو فرشتے ایک مرتبہ داخل ہو گئے پھر قیامت تک دوبارہ انکی باری نہیں آئے گی۔ (ابن کثیر)۔

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أُذِنَ لِي أَنْ أُحَدِّثَ عَنْ مَلَكَ قَدْ مَرَّكَ رَجُلًا فِي الْأَرْضِ السَّابِقَةِ وَالْعَرْشِ عَلَى مَنْكِبِهِ وَهُوَ يَقُولُ: سُبْحَانَكَ أَيَّنَ كُنْتُ وَأَيَّنَ تَكُونُ]۔

(مجھے ایک فرشتے کے متعلق بتلانے کی اجازت دی گئی ہے جسکے پاؤں ساتویں زمیں میں گڑے ہوئے ہیں، اور عرش اسکے مونڈھے پر ہے، جبکہ وہ کہہ رہا ہے: تو جہاں بھی ہے، میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں)۔

(ابویعلیٰ نے اسے روایت کیا ہے، اور اسکے درجہ مال صحیح کے رجال ہیں، دیکھئے: مجمع الزوائد/۸۰)

### عظمت جبرئیل علیہ السلام

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو بزمِ جوڑے میں دیکھا، جبکہ آسمان و زمین کے خلا کو (اپنے وجود کیساتھ) پُر کر چکے تھے۔ (ابو الشیخ: ۳۳۳، مسند احمد ۱/۳۹۳، اسکی سند صحیح ہے)۔

سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میں جبرئیل علیہ السلام کو بیچے اترتے ہوئے دیکھا، جبکہ آسمان کے دونوں کناروں کے درمیان کو پُر کر چکے تھے، اور انہوں نے ریشمی لباس زیب تن کر رکھا تھا، جس پر موتی اور یا قوت جڑے ہوئے تھے، (مسلم ۱/۱۵۹، احمد ۶/۱۲۰)۔

صحیح بخاری میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ”سُدرة المنتهى

”نے پاس جبریل علیہ السلام کو انکی اصلی صورت میں دیکھا، جبکہ انکے چہرے سوپر تھے۔ اور ابوالشیخ کی روایت میں آتا ہے کہ جبریل علیہ السلام کی پنڈلیوں پر موتی یوں دکھائی دیئے جیسے ساگ کے چوں پر بارش کے قطرے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ (ابوالشیخ: ۳۳۹)

اسی طرح: آیت ﴿لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ﴾ (النجم/ ۱۸) (یقیناً اس رسول نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں)۔

کی ذیل میں بھی ابوالشیخ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل فرمایا ہے کہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو انکی اصلی صورت میں دیکھا، انکے چہرے سوپر تھے، اور ان میں سے ہر پراتا بڑا ہے کہ مشرق و مغرب کے خلا کو پُر کر دے۔ (ابوالشیخ: ۳۵۷)

مجاہد رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ﴾ (النجم/ ۵۳)

”اور اس نے اُلٹ جانے والی بستی کو زمین میں پر دے مارا“

فرمایا: اس سے مراد قوم لوط کی بستی ہے، جبریل نے اُسے اٹھا کر آسمان تک بلند کیا اور پھر زمین پر پٹک دیا۔ (امام طبری نے اسے صحیح سند کیساتھ روایت کیا، دیکھئے: العظمیٰ: ۳۷۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”مَا بَيْنَ مَنَكِبَيْ جِبْرِيلَ مَسِيرَةُ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ لِلطَّائِرِ الْمُسْرِعِ الطَّيْرَانِ“

”جبریل علیہ السلام کے دونوں مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ تیز رفتار پرندے کی پانچ سو

سالہ مسافت کے برابر ہے۔“

(العظمیٰ: ۳۷۷)، اسکے راوی ثقہ ہیں، لیکن اس میں ابن جریج کا حصہ ہے، البتہ اسکے

شواہد موجود ہیں۔

### جنت کی عظمت

حدیث میں آتا ہے: ”إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ

السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ“۔

(بے شک جنت میں سو درجات ہیں، اور میں سے ہر دو درجوں کا درمیانی فاصلہ آسمان و زمین کے درمیانی فاصلے کے مثل ہے)۔ (بخاری)

اس حدیث سے اللہ کے اس مخلوق کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

### سورج، چاند اور ستارے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ (یونس/۵)

اور فرمایا: ﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مَسْخُورَاتٌ بِأَمْرِ﴾ (الأعراف/۵۴)

(اور اُس نے سورج، چاند اور تارے اس طرح پیدا کیے کہ وہ سب اس (اللہ) کے حکم کے پابند کر دیے گئے ہیں)۔

اور فرمایا: ﴿وَمَسْخُورَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ كُلٌّ يَجْعَلُ لِمَسْمُوعٍ﴾ (فاطر/۱۳)

کتاب اللہ میں سورج کا ذکر (۳۲) مرتبہ، چاند کا تذکرہ (۲۶)، مرتبہ، اور ستاروں کا ذکر (۱۳) دفعہ ہوا ہے۔

سورج کا صرف ایک گوشہ (۸۶۶۵۰۰) میل اور بعض ماہرین کی رائے کے مطابق (۸۶۵۳۸۰) میل ہے، اور اس کا مکمل حجم نو کے نو سیاروں سے بھی (۷۰۰) گنا بڑا ہے۔

سورج ہماری ۱۳ لاکھ زمینوں کے مساوی ہے۔

سورج کی حرارت اُس کے چاروں جانب پھیلتی ہے، اور بہت تھوڑا حصہ زمین پر واقع ہوتا ہے، لیکن اس کے درجہ حرارت کی مقدار بھی ۲ کھرب، ۱۳ کروڑ ۹۰ لاکھ ہوتی ہے۔

ماہرین فلکیات نے تخمینہ لگایا ہے کہ اس کائنات میں ایک کھرب کہکشاں ہیں، اور ہر کہکشاں میں ایک کھرب ستارے ہیں، لوگ تو اس کائنات کے حوالے سے بہت کم معلومات رکھتے

ہیں، اس لیے طحاوی اپنی تفسیر الجواہر (۲۱۲/۹) میں کہتے ہیں: کائنات کے وسیع علوم کے حوالے سے انسان آج بھی ایسا بچہ ہے جو کچھ نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ کی یہ کائنات اس قدر وسیع ہے کہ انسان اس کا تصور تک کرنے سے عاجز ہے، ماہرین فلکیات بھی صرف جزوی طور پر تحقیق کر پاتے ہیں، زمین کا خط استواء (۷۹۲۷ میل ہے، اور چاند زمین سے چوبیس ہزار میل دور ہے، زمین اور چاند سورج کے گرد دھڑکتے ہیں، جبکہ سورج ان دونوں سے (۹۳۰۰۰۰۰۰) نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے، نیز نظام شمسی کی وسعت (۱۰) یا (۱۵) ارب میل پر پھیلی ہوئی ہے۔

سورج کی حرارت ہم تک آٹھ منٹ اٹھارہ سیکنڈ میں پہنچتی ہے۔

نویساروں کے علاوہ جولا تعداد سیارے و ستارے ہیں، وہ اس نظام شمسی سے خارج ہیں۔ سورج کے قریب ترین ستارے روشنی ہم تک (۴/۱) سال میں پہنچتی ہے، اور بعض ستارے ایسے بھی ہیں جنکی روشنی (۱۰۰) یا (۲۰۰) یا (۵۰۰) یا (۱۰۰۰) سال بعد ہم تک پہنچ پاتی ہے۔

ہمارے کہکشاں میں ایک کھرب ستارے ہیں، اور ان میں سے ہر ستارہ دوسرے سے نوری سالوں کے حساب سے سو سالوں کی مسافت پر ہے، نوری سال کا معنی یہ ہے کہ نور ایک سیکنڈ میں (۱۸۶۰۰۰) ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل کی مسافت طے کرتا ہے۔ اور اس کہکشاں کی صرف ایک سمت کی مسافت بھی پچاس ہزار نوری سالوں پر مشتمل ہے، جبکہ دوسری تو لاکھوں نوری سالوں کے برابر ہے۔

اس سے آپ کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کہکشاں کس قدر وسیع و عریض ہے!!

اور اس کہکشاں کے پیچھے اور بھی بہت سے کہکشاں ہیں، اور ہر کہکشاں میں ایک الگ جہاں آباد ہے۔

بعض ماہرین نے ٹیلی سکوپ سے تین ارب کہکشاؤں کا مشاہدہ کیا ہے اور ان میں سے ہر کہکشاں میں ایک ارب، بلکہ اس سے بھی زیادہ ستارے ہیں، اور ایک الگ سورج ہے۔

اور زمین سے پہچان نامی بادل کا فاصلہ ہی ایک لاکھ نوری سالوں کے برابر ہے۔  
وہ کہکشاں جو زمین سے قریب ترین ہے اور اسے «الْمُرَآةُ الْمُسَلَّسَةُ» کہا جاتا ہے۔

اسکے متعلق بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ وہ زمین سے دس لاکھ نوری سالوں کی مسافت پر ہے، اور اس کا قطر پینتالیس ہزار نوری سالوں کے برابر ہے۔  
اور وہ کہکشاں جو زمین سے دور ہیں، لیکن ٹیلی سکوپ سے نظر آتے ہیں۔  
وہ زمین سے دس کروڑ نوری سالوں کی مسافت پر ہیں۔  
اس عظیم ترین فاصلے پر غور کیجئے !!!

جبکہ یہ تو وہ چیزیں ہیں جو سوا گلیوں کے برابر ٹیلی سکوپ سے نظر آ سکتی ہیں۔  
اب شنید ہے کہ امریکا میں ایک اور ٹیلی سکوپ بنایا گیا ہے جو دو سوا گلیوں کے برابر ہے اور  
اس کا دائرہ سابقہ ٹیلی سکوپ کے مقابلے میں انتہائی وسیع ہے۔  
طحاوی اپنی تفسیر الجواہر (۲۳۷/۹) میں کہتے ہیں: استاد دھویل کا کہنا ہے کہ سب سے  
بڑے ٹیلی سکوپ سے جو کہکشاں السلام نظر آنا ممکن ہوا ہے اُسکے اور زمین کے درمیان جتنی  
مسافت ہے، اس سے ہزار گنا فضائیں اجرام ساویہ کیساتھ مشغول ہیں۔  
اور انسان تو آج بھی ایسا بچہ ہے جو کائنات کے وسیع علوم کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔  
بعض ماہرین کے مطابق کل جہاں کا حجم ایک ارب زمینوں کے لگ بھگ ہوگا، جو فضا میں  
ہے ہماری زمین کے گرد منتشر ہوں۔

دیکھئے کہ کائنات کی وسعت کے مقابلے میں ہماری زمین کتنی چھوٹی ہے۔  
(تفصیل کیلئے ملاحظہ کیجئے: الفلکیات المجدیدہ لہذازی ص: ۲۷۳، ۲۷۵)  
نویسارے جو سورج کے گرد گردش کرتے ہیں:

عطارد: یہ سورج سے نہیں کروڑ، ساٹھ لاکھ میل کی مسافت پر ہے۔



زہرہ: یہ سورج سے چھ کروڑ، ستر لاکھ میل دور ہے۔

زمین: نو کروڑ، بیس لاکھ میل۔

مرخ: چودہ کروڑ، پندرہ لاکھ میل۔

مشرقی: اڑتالیس کروڑ، بائیس لاکھ میل۔

زحل: اٹھاسی کروڑ، ساٹھ لاکھ میل۔

یورنیس: ایک سو اٹھتر کروڑ میل۔

نپچون: دو سو اسی کروڑ، بیس لاکھ میل۔

پلوٹو: (۳۶۷) تین سو ستر لاکھ میل۔

جبکہ چاند سورج سے دو لاکھ، چالیس ہزار میل دور ہے۔

اور یہ مسافتیں بیضوی مدار کے سبب کبھی اس سے بھی لاکھوں میل بڑھ جاتی ہیں۔

(دیکھئے: الفلکیات الجدیدة للہازی ص: ۳۳)

اور پھر ان سیاروں کے بہت سے الگ چاند بھی ہیں، نیز مشرقی اور مرخ کے درمیان اس قدر

ستارے ہیں کہ انکی تعداد صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

آب و ہوا کو ٹھنڈا رکھنے کیلئے اللہ تعالیٰ روزانہ سمندروں سے پچاس کھرب ٹن پانی کو

بخارات کی شکل میں اٹھاتا ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو لوگ گرمی سے مر جائیں۔ لہذا اس نعمت پر

بھی تدبیر کیجئے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَلَا أُلْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴾

(الواقعة/ ۷۵-۷۶)

(ہمیں تاروں کی منزلوں کی قسم! اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے)

ستاروں کا طلوع و غروب، اور اپنے اپنے مدار میں گردش کرتے رہنا بھی اُن عظیم امور

میں سے ہے جنکی قدرت اللہ کے سوا کوئی نہیں رکھتا۔

اسی طرح جب آپ زمین میں گڑے پہاڑوں پر نظر ڈالیں، انکی کثرت و قوت اور خوبصورتی کا نظارہ کریں تو آپ جان لیں گے کہ انکا کوئی عظیم اور حکیم خالق و مالک ضرور ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا تو وہ ہلنے لگی، پھر اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا فرمائے اور انہیں زمین پر ڈال دیا تو زمین جم گئی۔

فرشتوں کو پہاڑوں کی تخلیق پر تعجب ہوا اور انہوں نے کہا: اے رب تعالیٰ! کیا تیری مخلوق میں کوئی چیز پہاڑوں سے زیادہ سخت بھی ہے؟ فرمایا: ہاں، لوہا۔

فرشتوں نے کہا: اے رب تعالیٰ! کیا لوہے سے زیادہ سخت چیز بھی ہے؟ فرمایا: ہاں، آگ۔ پھر فرشتوں نے کہا: اے رب تعالیٰ! تیری مخلوق میں آگ سے بھی سخت کوئی چیز ہے؟ فرمایا: ہاں، ہوا۔

پھر فرشتوں نے پوچھا: اے رب تعالیٰ! کیا تیری مخلوق میں ہوا سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز ہے؟ فرمایا: ہاں۔ وہ ابن آدم جو دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتے وقت اُسے بائیں ہاتھ سے بھی مٹتی رکھتا ہے۔ (یہ حدیث مشکوٰۃ میں بھی مذکور ہے اور اس میں پانی کا ذکر بھی ہے) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيْضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَأَلْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر/۲۷-۲۸)

”اور پہاڑوں میں سے کئی سفید اور سرخ قطع ہیں، جن کے رنگ مختلف ہیں، اور کچھ سخت کالے سیاہ ہیں اور لوگوں اور جانوروں اور چوپایوں میں سے بھی کئی ہیں جن کے رنگ اسی طرح مختلف ہیں، اللہ سے اُس کے بندوں میں سے صرف جاننے والے ہی ڈرتے ہیں“ سمندر و دریاؤں کی تسخیر بھی باری تعالیٰ کی عظمت کے دلائل میں سے ہے۔

دریاؤں کا طول و وسعت اور بہترین نظام بھی اپنے اندر غور و فکر کرنے والوں کیلئے نشانیاں رکھتا ہے۔

عالم نباتات پر بھی نظر ڈالیے! ماہرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی ہزار یا اس سے بھی زائد اقسام کی نباتات تخلیق کی ہی، اور ان میں عجیب خواص پنہاں کیے ہیں، جو جانوروں اور لوگوں کے لیے بے شمار فوائد کے حامل ہیں۔

اسی طرح اپنے ارد گرد پھیلے عالم حیوانات پر بھی غور و فکر کی نگاہ ڈالیے! حیوانات بھی ایک ہزار کے لگ بھگ انواع رکھتے ہیں، اور ایک قول کے مطابق حیوانات کی اٹھارہ ہزار انواع ہیں۔ اور ان میں سے بعض تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تقریباً ستر (۷۰) مقامات پر حیوانات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں اس کائنات میں تو ہر ایک الگ ہی جہان آباد ہے، جنوں کی اپنی دنیا ہے، مٹی، ریت اور فضاؤں کا اپنا عالم ہے، پرندوں اور افلاک کا ایک الگ جہان ہے، اسی طرح انسان، پانی، جمادات، جواہرات، اعراض و اجسام، دنیا و آخرت، جنت و جہنم، دن اور رات، اندھیرے اور روشنی، خشک اور تر اور تحت الشری، ان میں سے ہر چیز اپنا ایک جہان رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ وَ مَا لَا تُبْصِرُونَ﴾ [الحاقہ: ۳۸-۳۹]

(تو میں اُن چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جو تم دیکھتے ہو، اور اُنکی جو تم نہیں دیکھتے)۔

نیز فرمایا: ﴿سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُثْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ

أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ﴾ [یس: ۳۶]

(پاک ہے وہ ذات جس نے سب کے سب جوڑے پیدا کئے ان چیزوں کے بھی جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان (انسانوں) کے اپنے بھی اور اُن کے بھی جنہیں وہ نہیں جانتے)۔ یہ تمام جہان اللہ رب العالمین کے علم و حکمت اور عظمت و کبریائی کا ایک روشن مظہر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِئْتُ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ

وَقَضَىٰ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٩﴾ [الزمر: ۶۹]

(اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی اور (علموں کی) کتاب رکھی جائے گی اور انبیاء گواہ لائے جائیں گے اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا)۔

نیز فرمایا: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [الزمر: ۶۷]  
اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اسکی قدر کرنے کا حق ہے اور قیامت کے دن ساری زمین اسکی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اسکے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے، وہ پاک ہے اور اس شرک سے بالاتر ہے جو وہ کرتے ہیں۔

اور فرمایا: ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ [الشوری: ۴]

اور وہ بلند مرتبہ بڑی عظمت والا ہے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسْرَ الْقَوْلِ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخَفٌّ بِاللَّيْلِ وَمَسَارِبٍ بِالنَّهَارِ﴾ [الرعد: ۹-۱۰]  
(وہ غیب اور ظاہر کا جاننے والا بہت بڑا، نہایت مہربان ہے۔ (اللہ کے نزدیک) مساوی ہے کہ تم میں سے جو کوئی آہستہ بات کہے یا بلند آواز سے کہے، اور جورات (کی تاریکی) میں چمپا ہو یا دن کی (روشنی میں) چل رہا ہو)۔

نیز فرمایا: ﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

[الحاثیہ - ۳۷]

(آسمانوں اور زمین میں اسی کیلئے بڑائی ہے اور وہی نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے)۔  
ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ

الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ مُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿[الحشر - ۲۳]

(اللہ وہ ہستی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ ہے، نہایت پاک، سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، زبردست، زور آور، بڑائی والا پاک ہے اللہ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں)۔

اور فرمایا: ﴿هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ [لقنن / ۱۱]

(یہ تو ہے اللہ کی مخلوق، پھر مجھے دکھاؤ کہ اوروں نے اس (اللہ) کے سوا کیا تخلیق کیا ہے؟ (کچھ بھی نہیں) بلکہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

اور فرمایا: ﴿إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ﴾ [الشوریٰ ۵۱]۔

(بلاشبہ وہ بلند مرتبہ خوب حکمت والا ہے)

نیز فرمایا: ﴿ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ [الحج - ۶۲]

(یہ اس لئے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے اور بلاشبہ جسے وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہی باطل ہے اور بلاشبہ اللہ ہی بلند تر، بہت بڑا ہے)۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنَامُ وَلَا يَتْبَعُ لَهُ أَنْ يَنَامَ بِيَدِهِ الْمِيزَانُ يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ، حِجَابُهُ النُّورُ لَوْ كَشَفَهُ لَأَخْرَجْتَ سُبْحَاتٍ وَجْهَهُ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ. (مسلم)

(بے شک اللہ سوتا نہیں، اور نہ ہی سونا اسکے شایان شان ہے اُسی کے ہاتھ میں ترازو ہے کسب کا حصہ پست اور کسی کا بلند کرتا ہے، رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے اسکی طرف اٹھایا جاتا ہے، اسکا حجاب نور ہے، اگر وہ اپنا حجاب اٹھا دے تو اسکے چہرے کی روشن کرنیں تاحد نگاہ اسکی مخلوق کو جلاڈالیں)۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے محمد (ﷺ)! بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی پر تھامے گا، زمینوں کو بھی ایک انگلی پر، پہاڑوں اور درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور گیلی زمین کو ایک انگلی پر تھامے گا اور پھر انہیں جھنجھوڑے ہوئے فرمائے گا: میں ہی بادشاہ ہوں میں ہی اللہ ہوں! یہودی عالم کی اس بات پر تعجب اور اسکی تصدیق کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ پڑے اور پھر اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [الزمر- ۶۷]  
(اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اسکی قدر کرنے کا حق ہے اور قیامت کے دن ساری زمین اسکی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اسکے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے، وہ پاک ہے اور اُس شرک سے بالاتر ہے جو وہ کرتے ہیں)۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
”يَعْلُو اللَّهَ السَّمَوَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُهُنَّ بِيَدِهِ الِئْمْنَى ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ الْجَبَّارُونَ الْمُتَكَبِّرُونَ؟ ثُمَّ يَطْوِي الْأَرْضَ فَيَأْخُذُهُنَّ بِيَدِهِ الْأُخْرَى ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ الْجَبَّارُونَ الْمُتَكَبِّرُونَ؟“ (مسلم)  
”پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں تھام لے گا، پھر فرمائے گا: میں ہی بادشاہ ہوں، کہاں ہیں تکبر و جبروت کا مظاہرہ کرنے والے؟ پھر زمینوں کو لپیٹ کر دوسرے ہاتھ میں پکڑ لے گا اور پھر فرمائے گا: کہاں ہیں (دنیا میں) تکبر و جبروت کا مظاہرہ کرنے والے؟“۔

اللہ رب العالمین کی عظمت و جلال پر غور فرمائیے کہ صرف اُس کا مبارک ہاتھ ہی کائنات کی وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹ لینے کی قدرت رکھتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کا عالم کیا ہوگا؟۔  
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تَسْبَحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾ [الاسراء: ۴۴]  
 (اسکی تسبیح کرتے ہیں ساتوں آسمانوں اور زمین اور جو (مخلوق) ان میں ہے، اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اسکی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو، لیکن تم اسکی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے، بے شک وہ حلم اور مغفرت والا ہے)۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت پر غور کیا جائے تو عقل حیران ہو کر انگلیاں منہ میں داب لیتی ہے! جب جہنم ”هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ“ کا مطالبہ دہرائے گی تو اللہ تعالیٰ اپنا قدم اُس پر رکھیں گے جس کے نتیجے میں وہ سٹکر جائے گی اور کہے گی: بس بس۔ (بخاری)

حالانکہ جہنم بھی ایک بہت بڑا اور وسیع جہان ہے۔ تو جو شخص اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کی گہرائی اور اُسکی قوت و عظمت کی گہرائی پر تدبر کرے گا اُسکا دل ایمان و سکون اور اللہ کی ہیبت و عظمت سے پُر ہو جائے گا، اور جس شخص کا دل ان امور سے عاری ہو وہ ایمان حقیقی سے محروم رہتا ہے اور اسکا دعویٰ ایمان ہی ہوگا جسکی تہہ میں حقیقت کا کوئی وجود نہیں۔  
 محترم قارئین!

اپنے دلوں کو رب العالمین کی عظمت سے بھر لیجئے۔ اور اس کا آسان طریقہ اللہ رب العالمین کی کتاب پر تدبر کرنا اور اسے سمجھ کر پڑھنا ہے کیونکہ قرآن حکیم میں ایک ہزار سے زیادہ آیات صراحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے بیان میں ہیں، اور ایسی آیات تو ان سے بھی زیادہ ہیں جو صراحت کے قریب قریب الفاظ میں عظمت الہی کا اظہار کرتی ہیں۔

اسی طرح نظام فلکی پر مبنی بعض معتبر کتب کا مطالعہ بھی اس سلسلے میں مددگار ہو سکتا ہے کیونکہ ان سے کائنات پر تدبر کرنے میں مدد ملتی ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے دلوں کو اپنی محبت و عظمت سے بھر دے اور ہمیں اپنے نیک اور محبوب بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

## (۲۴) - نادر اور عظیم فائدہ

### اسم اعظم کی معرفت

شاید اس کتاب میں ایسا فائدہ نہ گزرا ہو۔ البتہ صرف اہل لوگ ہی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں، ہر پڑھنے والا اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

اسم اعظم کے ذریعے جب بھی سوال کیا جائے تو عطا ہوتا ہے، جب بھی دعا مانگی جائے تو صرف قبولیت سے سرفراز ہوتی ہے۔

اسکی معرفت کا تذکرہ کرنے سے پہلے چند اہم تمہیدی باتیں پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

۱۔ اس تمام بحث کا تعلق یقین کے ساتھ ہے، کتنے ہی لوگ اسم اعظم کو پڑھ لیتے ہیں لیکن یقین میں کمزوری کے باعث انہیں اسکا فائدہ نہیں پہنچ پاتا۔

عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ ذُرَّةٌ مِنَ الْيَقِينِ لَمَشَى عَلَى الْمَاءِ“۔ (البدایہ و النہایہ)  
 ”اگر ابن آدم کے پاس ذرہ برابر بھی یقین ہو تو پانی پر چلنے لگے۔“

تمام شرعی اذکار و وظائف کا یہی معاملہ ہے۔

۲۔ ایک مؤمن بندے پر یہ بات مخفی نہیں ہو سکتی کہ اللہ کے نام میں وہ قوت ہے جسکا مقابلہ کوئی دوسری قوت نہیں کر سکتی، یہی وجہ ہے کہ ایک کلمہ طیبہ ہی آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے، ان سب سے زیادہ وزنی ہوگا، صرف سبحان اللہ سے نصف ترازو بھر جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم میں وہ قوت کیوں نہ ہو جو تمام عالم کو تباہ کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہو، اور اسکے ذریعے انسان کی تمام ضروریات پوری کیوں نہیں ہو سکتیں؟



بلکہ ایک روایت میں ثابت ہے کہ هشام بن عاص رضی اللہ عنہ ایک دوسرے شخص کے ہمراہ جب ہرقل کے دربار میں سفیر بن کر گئے تو دونوں نے کہا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ جس کے نتیجے میں پورا کمرہ دوسرے یوں لڑکھڑایا، گویا وہ کوئی خوشہ کھجور ہے جسے ہوائیں حرکت دے رہی ہیں۔

(مستدرک حاکم، دلائل النبوة للبيهقي، البدايه و النهايه: ۳/۲۶۶)  
اللہ کے ذکر میں ایک عجیب قوت ہے، چنانچہ اللہ کا ذکر کرنے والے اور کثرت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے عموماً بڑھاپے کی شدید کمزوری اور محتاجی میں مبتلا نہیں ہوتے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اور ہمارا تجربہ بھی اس پر شاہد ہے۔  
ایک حدیث میں آتا ہے کہ خروج و جال کے موقع پر تسبیح و تقدیس ہی اہل ایمان کو کھانے پینے سے کفایت کرے گی اور انکا پیٹ بھر جائے گا۔

(مشکوٰۃ: ۱۲/۴۷۷، البانی رحمہ اللہ نے الصحیحہ میں اسے صحیح قرار دیا)۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہما کو خادم کے بدلے تسبیحات کی تعلیم دی کیونکہ تسبیحات میں قوت ہے جیسا کہ ”الکلم الطیب“ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم میں موجود قوت کوئی بعید بات نہیں، بلکہ اسی کے ذریعے آصف بن برخیا نے بلقیس کا عرش حاضر کر دیا تھا جیسا کہ کتب تفسیر میں معروف ہے اور اسکی صحت میں بھی کوئی بعد نہیں۔

۳:- بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسم اعظم کا کوئی وجود نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے تمام نام ہی عظیم ہیں۔ یہ بات درست نہیں کیونکہ صحیح احادیث اسکی تردید کرتی ہیں۔ نیز ہر انسان جب کوئی اسماء اور صفات سے متصف ہو، اُسے بھی اپنے بعض نام دیگر ناموں کی نسبت زیادہ محبوب ہوتے ہیں، جیسا کہ صالح، متقی، اور زاہد جیسے صفاتی نام اُسے عبد اللہ اور عبد الرحمن سے زیادہ محبوب ہوں گے۔

اسی طرح اگرچہ رب تعالیٰ کے تمام نام ہی بہترین ہیں لیکن بعض نام اُسکے نزدیک بعض کی نسبت زیادہ محبوب ہیں، جیسا کہ قرآن حکیم کی بعض آیات اور سورتیں زیادہ فضیلت کی حامل اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں اگرچہ دیگر کی فضیلت و محبوبیت میں بھی کوئی کلام نہیں۔  
 ۴: اسم اعظم کو مخفی رکھے جانے میں حکمت یہ ہے کہ اسکی رغبت رکھنے والے تمام اسماء باری تعالیٰ میں اسے تلاش کریں تاکہ اُنکے اجر میں اضافہ ہو سکے، جیسا کہ لیلۃ القدر، جمعے کی ایک مبارک گھڑی اور مسجات میں موجود آیت کو اس علت کی بناء پر مخفی رکھا گیا۔ میرے نزدیک یہ ایک عظیم حکمت اور علت ہے۔

اور ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ اہل دنیا اسکے بغیر اپنی معمولی ضروریات و خواہشات کا مطالبہ نہ کرتے پھریں، اور شاید اسے مخفی رکھنے کی علت یہ بھی ہو کہ کوئی مؤمن اسے استعمال کر کے اپنا نقصان نہ کر بیٹھے، جیسا کہ ہل عام نے موسیٰ علیہ السلام اور انکی قوم پر بددعا کر کے اپنے دین کو برباد کر لیا تھا، اور شاید یہ وجہ بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ کے باقی اسماء کو یکسر فراموش کرتے ہوئے لوگ صرف اسی کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں میں ہی خیر و برکت ہے اور ہر نام میں کوئی ایسا فائدہ یا خاصیت ہے جو دوسرے ناموں میں نہیں۔  
 علاوہ ازیں اگر ہر شخص کو اسم اعظم معلوم ہو جائے تو وہ باقی اعمال و اچبہ کو ترک کر کے صرف اسے تمام لے گا کیونکہ انسان بڑا لالچی ہے۔

○ اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کی معرفت کون رکھتا ہے؟

یقیناً اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسم اعظم سکھا دیتا ہے، لیکن قرآن کریم میں اشارہ ہے کہ جو شخص اسے سیکھنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے ضرور اسکی معرفت سے نوازے گا (ان شاء اللہ) فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهِلُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾. [العنکبوت۔ ۶۹]

”اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کریں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھاتے ہیں اور یقیناً اللہ

نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے“

اس آیت کے عموم پر تذبذب کیجئے۔

نیز اللہ تعالیٰ کی فرمان ہے:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ [یوسف / ۲۲]

”اور جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکم اور علم دیا اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں“

اس آیت میں اشارہ ہے کہ حقیقی علم و حکمت نیکوکاروں کا نصیب ہے۔ اے اللہ! اپنے اسم اعظم کے واسطے سے ہمیں ان میں شامل فرما۔

۶۔ یہ بات جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے عظیم کلام قرآن مجید ہے، اور سب سے عظیم نام اسم اعظم ہے، لہذا ضروریہ قرآن مجید میں ہی ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام مجید اس مبارک اسم سے خالی کیسے ہو سکتا ہے؟

لہذا آپ اسے قرآن مجید میں تلاش کیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ... الْآيَةُ﴾ [النمل / ۴۰]

(جس کے پاس کتاب کا علم تھا، اس نے کہا: آپ کی پلک جھپکنے سے بھی پہلے وہ تخت میں آ پکڑا دیتا ہوں)

یعنی علم کتاب کی قوت سے ہی اُس نے بلقیس کی عرش حاضر کیا، نیز لفظ عِلْم کی تفسیر میں اشارہ ہے کہ اللہ کی کتاب بڑے زبردست اور عجیب علم کی حامل ہوتی ہے۔

اور جب تو رات میں ایسا عجیب و غریب علم موجود تھا جس کے ذریعے بڑی بڑی چیزوں کو حاضر کیا جاسکتا تھا تو قرآن کریم میں ایسا عجیب علم کیوں نہ ہوگا؟

قرآن مجید کے متعلق تو ”نَبِّئْنَا بِالْكِتَابِ الْحَقِّ“ (ہر چیز کا بیان) اور ”وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ

”خُشْعِي“، (ہر چیز کی تفصیل) جیسے القاب خود اللہ تعالیٰ نے پُتے ہیں۔

نیز فرمایا: ﴿مَا قَرُّنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾.. [الانعام/۳۸]

”ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (جس کا ذکر نہ کیا ہو)“

اور فرمایا: ﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُطَلَّوْنَ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ

لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾.. [العنکبوت/۵۱]

(کیا انہیں (یہ نشانی) کافی نہیں کہ بے شک ہم نے آپ پر (یہ) کتاب نازل کی جو ان

پر پڑھی جاتی ہے؟ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے جو ایمان لاتے

(ہیں)

ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم قرآن مجید میں موجود

ہے، خصوصاً اُن آیات میں جنکی فضیلت سنت مطہرہ سے ثابت ہے۔

۷: اسم اعظم کا فائدہ کیا ہے؟

اس کا فائدہ ہے یہ کہ ہم اسکے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالائیں، اسکے ذریعے اُسے

پکاریں اور راضی کریں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ذریعے اُسکی عبادت کرنا اسکے

خاص بندوں کا شیوہ ہے۔

نیز اسکے ذریعے دعائیں قبول ہوتی اور حاجات حاصل ہوتی ہیں، جیسا کہ حدیث میں آتا

ہے کہ جب اسکے ذریعے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگا جائے تو عطا ہوتا ہے، دعا کی جائے تو قبول

ہوتی ہے، مشکل سے نجات طلب کی جائے تو مشکل ٹل جاتی ہے، اور رحمت کا سوال کیا

جائے تو رحمت حاصل ہوتی ہے۔ (ابن ماجہ، ابوداؤد)

لیکن اسکے ذریعے دنیا کی معمولی چیز اور نفسانی خواہشات کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ

ابن ماجہ کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”لَعَلَّكَ تَسْتَلِينَ بِهِ الدُّنْيَا يَا عَائِشَةُ“

”اے عائشہ! ممکن ہے تم اس کے ذریعے دنیا کا مطالبہ کرو“

اسکی سند میں کچھ کلام ہے البتہ اسکا معنی صحیح ہے۔

۸۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اپنے اسم اعظم کے ذریعے پتھر کے پہاڑوں کو سونے کا بنا دے، پہاڑوں کو اکھیڑ دے، چلتے دریاؤں کو روک دے لیکن بندے پر واجب ہے کہ رب تعالیٰ کی حکمت کے موافق ہی دعا مانگے اور دین و دینا کی مفید چیزوں کا سوال کرے۔ اور حد اعتدال سے بڑھی ہوئی دعائیں نہ کرے۔

نیز ”فقہ الاذکار“ اور ”حصن حصین“ نامی کتابوں میں مذکور آداب دعا کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً:

۱۔ حرام کھانے اور پہننے سے اجتناب

۲۔ اللہ تعالیٰ کیلئے اخلاص

۳۔ دعا سے پہلے نماز اور صدقہ

۴۔ اعمال صالحہ کے ذریعے وسیلہ پکڑنا

۵۔ صاف ستھرا ہونا

۶۔ با وضو ہونا

۷۔ قبلہ رخ ہونا

۸۔ دعا سے پہلے نماز حاجت پڑھنا

۹۔ دعا کیلئے گھٹنوں کے بل بیٹھنا

۱۰۔ دعا سے پہلے اور دعا کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنا

۱۱۔ اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا

۱۲۔ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

۱۳۔ ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھانا

۱۴۔ دعا کے وقت اللہ تعالیٰ کا احترام رکھنا

- ۱۵- خشوع و خضوع اختیار کرنا
- ۱۶- اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا وسیلہ پکڑنا
- ۱۷- پست آواز میں دعا کرنا
- ۱۸- اپنے گناہوں کی اعتراف کرنا
- ۱۹- نبی کریم ﷺ سے منقول جامع ادعیہ کا انتخاب کرنا
- ۲۰- ایمان والے مردوں اور عورتوں کے لئے دعا کرنا
- ۲۱- کسی قسم کے تردد اور تذبذب کے بغیر قبولیت کے یقین کے ساتھ دعا کرنا
- ۲۲- اللہ تعالیٰ کی محبت اور اسکے خوف سے دل کو آباد رکھنا
- ۲۳- دل کی گہرائی اور کھل توجہ کے ساتھ دعا مانگنا
- ۲۴- دعا کو تین یا اس سے زیادہ مرتبہ دہرانا اور مختلف اوقات میں دعا کا تکرار
- ۲۵- اللہ تعالیٰ پر حسن ظن رکھنا
- ۲۶- انتہائی اصرار کیساتھ دعا مانگنا الا یہ کہ کوئی دنیاوی ضرورت ہو تو اس صورت میں یہ کہہ کہ اگر اس میں میرے لئے بہتری ہو تو عطا فرما۔
- ۲۷- اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف دعا نہ مانگے مثلاً کوئی یہ دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اُسے عورت بنا دے
- ۲۸- دعا میں حد سے نہ بڑھے، مثلاً کوئی محال چیز مانگے جو قائم نہ ہو
- ۲۹- آخر میں آمین کہے
- ۳۰- قبولیت دعا میں جلدی نہ مچائے
- ان آداب اور ان جیسے دیگر آداب کو بوقت دعا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔
- ۹- ہر دعا کی ایک خاص کیفیت ہوتی ہے، تو اسماء حسنہ اور بالخصوص اسم اعظم کے وسیلے سے دعا مانگنے کی فضیلت کیا ہونی چاہیئے؟ اور کتنی مرتبہ اٹکا ٹکرا کرنا چاہیئے؟
- اس سوال کے جواب میں ہم کہیں گے کہ:

۱۔ یہ بھی جائز ہے کہ لگا تار اسماء حسنہ پڑھے، مثلاً **هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ**۔۔۔ الخ۔۔۔ پھر اس کے بعد جو چاہے دعا مانگے، جیسا کہ ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث میں اسکی طرف اشارہ ملتا ہے۔

۲۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ یوں کہے: **اَسْأَلُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ**۔۔۔ الخ جیسا کہ ”حفظہ الذکرین“ کی ایک روایت میں منقول ہے۔

۳۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ہر اسم پر حرف نداء داخل کرے۔ مثلاً یوں کہے: یا حسبی یا قیوم۔۔۔ یا یوں کہے: **يَا وَدُّوْذُ يَا وَدُّوْذُ يَا ذَا الْعَرْشِ الْمَجِیْدِ، اَسْأَلُكَ**۔۔۔ الخ۔ یا یوں کہے: **يَا حَسْبَانُ يَا مَنَّانُ**۔ اس حوالے سے کئی احادیث ملتی ہیں، بلکہ عموماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعائیں اسی طرز پر ہوا کرتی تھیں۔

اسی طرح یوں بھی دعا کی جاسکتی ہے:

**”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ“**۔

یا یوں کہے: **اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَدْعُوْكَ اللّٰهُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ**۔۔۔ الخ۔ جیسا کہ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ہے۔

یا یوں کہے: **اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِاَنِّیْ اَفْهَلُ اَنْتَ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ**۔ الخ۔ یہ چند دعائیں ہیں لیکن انکا کوئی لفظی ضابطہ مقرر نہیں، بلکہ جن الفاظ کے ساتھ بھی کوئی دعا مانگنا چاہے مانگ سکتا ہے، اس میں کوئی مانع نہیں۔

جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عمومی دعاؤں سے معلوم ہوتا ہے۔ اس حوالے سے ”کنز العمال“۔ ”حیاء الصحابة“، اور ”مجمع الزوائد“ کی طرف رجوع کریں۔ (دیکھئے: شرح الحصن الحصین)

### اسم اعظم کا تکرار

اس حوالے سے کوئی معین تعداد نہیں ملتی لہذا جو شخص سو مرتبہ یا ہزار مرتبہ یا اس سے کم و بیش

اسکا تکرار کرتا ہے تو ایسا کرنا جائز ہوگا۔ اور بعض علماء نے اسماء حسنیٰ کے حوالے سے جو مخصوص تعداد تکرار کے لئے بتلائی ہے تو یہ انکے اپنے تجربے ہیں اور ان تجربوں پر عمل کرنا جائز ہے، اسے بدعت نہیں کہا جاسکتا کیونکہ شرعی نصوص میں تعداد کے حوالے سے اطلاق اختیار کیا گیا ہے (کوئی قید نہیں لگائی گئی)۔ اسی وجہ سے بعض صحابہ مثلاً ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روزانہ بارہ ہزار مرتبہ تسبیح کیا کرتے تھے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تعداد منقول نہیں، لیکن اسے بدعت نہیں کہا جاسکتا، غور کیجئے!

اسم اعظم کی تکرار کے حوالے سے تلاش و بیار کے باوجود کوئی مخصوص تعداد مجھے نہیں مل سکی، بلکہ ہر جگہ تعداد کو غیر معین چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور بعض لوگوں کی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ کو ایک لاکھ چوبیس ہزار مرتبہ پڑھنا چاہیئے۔ تو یہ محض الکا تجربہ ہے سنت نہیں۔

اس حوالے سے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یونس علیہ السلام تین دن تک مچھلی کی پیٹ میں رہے۔ لہذا جو شخص اتنی مدت تک یہ ذکر کرے تو اسکی دعا قبول ہوگی۔ ان شاء اللہ صحیح بات یہی ہے کہ اسے اس قدر پڑھا جائے کہ نفس پر خشوع طاری ہو جائے دل نرم ہو جائے اور روح کو اطمینان مل جائے۔

۱۰۔ میں نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ اس بارے میں خواب کے ذریعے آگاہی عطا فرمائے، چنانچہ عید کی رات (۱۳/۲۳ ہجری) میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں درس قرآن دے رہا ہوں اور اس میں لفظ ”إِنْخَبَات“ کی تشریح کر رہا ہوں۔ اس میں اشارہ ہے کہ اسم اعظم صرف انہیں دلوں کے لائق ہے جو اللہ کے سامنے تواضع اور اکساری کے حامل ہوں، اور جب ایک شخص عاجزی و اکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو اس کے کسی بھی نام کے ساتھ پکارے گا تو اسکی دعا قبول ہوگی۔ ان شاء اللہ

اور اسماء حسنیٰ کی محض قراءت کرنا بھی اگرچہ خیر سے خالی نہیں، لیکن اجابت دعا کیلئے کافی ہے۔



۱۱- ایک مرتبہ میں نے یہ بھی دیکھا کہ یہ ”آیت الکرسی“ میں ہے۔  
اور ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ میں ”رب العالمین“ کی قسم اٹھاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اس سے بڑی کوئی قسم نہیں۔ اس میں بھی اشارہ ہے۔

اور ایک مرتبہ بروز منگل (۱۳۲۶/۸/۳۲) بعد از نماز ظہر میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کے فضائل بیان کر رہا ہوں کہ یکا یک وہ ”بِسْمِ اللّٰهِ“ ایک پرندے کا روپ دھار لیتی ہے اور درخت پر جا بیٹھتی ہے۔ پھر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یا امام سیوطی رحمہ اللہ اُسے زندہ پکڑ لیتے ہیں، پھر میں اسے کھاتا ہوں تو وہ پکا ہوا گوشت بن جاتی ہے اور مجھے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم یہی ہے ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“۔ اس پر مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی لیکن اسکی تعداد معین نہیں کی گئی۔

یہ بات بھی جان لیجئے کہ عبادات میں خوابوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا لیکن مذکورہ اسماء حسنی دیگر شرعی دلائل میں منقول ہیں جب کہ یہ خواب تو فقط ایک بشارت کا درجہ رکھتے ہیں۔  
۱۲- بازی رحمہ اللہ اپنی کتاب ”الاسم الاعظم“ صفحہ (۲۲۴) میں فرماتے ہیں:

اسم اعظم کے دو اقسام ہیں:

- ①:- خاص قسم۔ جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کشف والہام کے ذریعے آگاہ کر دیتا ہے۔ عارفین اسے عوام الناس سے چھپایا کرتے تھے۔
- ②:- عام قسم۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے تمام نام شامل ہیں، جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے کسی بھی نام کے ذریعے دل کی گہرائی سے دعا مانگے اور دعائیں خشوع و خضوع اختیار کرے تو وہی نام اسکے حق میں اسم اعظم بن جاتا ہے۔ ہر انسان کی روح کی مناسبت اور تعلق اللہ تعالیٰ کے کسی خاص نام سے ضرور ہوتی ہے، اس قسم کو نہیں چھپایا جاتا کیونکہ اس تک صرف متقی اور کامل بندے ہی پہنچ پاتے ہیں اور تقویٰ و خشیت ہی انسان سے مطلوب ہے لہذا اسے نہیں چھپایا جاتا۔ ملخصاً

۱۳۔ کتاب اللہ میں موجود اسماء حسنیٰ کی تفصیل و اقتباس  
سورۃ فاتحہ میں پانچ اسماء ہیں: یا اللہ، یا رب، یا رحمن، یا رحیم، یا مالک (یا مالک)  
البقرۃ میں تینتیس نام ہیں:

يَا مُجِيطُ، يَا قَدِيرُ، يَا عَلِيمُ، يَا حَكِيمُ، يَا عَلِيُّ، يَا عَظِيمُ، يَا تَوَّابُ، يَا  
بَصِيرُ، يَا وَلِيُّ، يَا وَاسِعُ، يَا كَافِي، يَا رَوْوْفُ، يَا بَدِيعُ، يَا شَاكِرُ، يَا وَاحِدُ، يَا  
سَمِيعُ، يَا قَابِضُ، يَا بَاسِطُ، يَا حَيُّ، يَا قَيُّوْمُ، يَا غَنِيُّ، يَا حَمِيدُ، يَا غَفُوْرُ، يَا  
حَلِيْمُ، يَا إِلَهَ، يَا قَرِيبُ، يَا مُجِيبُ، يَا عَزِيزُ، يَا نَصِيرُ، يَا قَوِي، يَا شَدِيدُ، يَا  
سَرِيعُ، يَا خَبِيرُ۔

آل عمران میں بیس نام ہیں: یا وَهَّابُ، یا قَائِمُ، یا صَادِقُ، یا بَاعِثُ، یا مُنْعِمُ، یا  
مُفَضِّلُ۔

النساء: یا رَاقِبُ، یا حَسِيبُ، یا شَهِيدُ، یا مُقِيتُ، یا وَكِيلُ، یا عَلِيُّ، یا كَبِيرُ،  
الانعام: یا فَاطِرُ، یا قَاهِرُ، یا لَطِيفُ، یا بَرُّهَانُ،

الاعراف: یا مُخِي، یا مُمِيتُ

الانفال: یا نِعَمَ الْمَوْلٰی، یا فَعَالًا لِمَا تُرِيدُ

الرعد: یا كَبِيرُ، یا مُتَعَالٍ

ابراہیم: یا مَنَّانُ، یا وَارِثُ

الحجر: یا خَلَّاقُ

مریم: یا قَرْدُ

طہ: یا غَفَّارُ

المؤمنون: یا تَكْوِيْمُ

النور: یا حَقُّ، یا مُبِينُ

الفرقان: یا هَادِي

سبأ: يَا فَتَّاحُ

الزمر: يَا عَالِمُ

غافر: يَا قَابِلَ التَّوْبِ، يَا ذَا الطُّوْلِ، يَا رَفِيعُ

الذاریات: يَا رَزَّاقِ، يَا ذَا الْقُوَّةِ، يَا مَعِينُ

الطور: يَا بَرُّ

القر: يَا مُقْتَدِرُ، يَا مَلِكُ

الرحمن: يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، يَا رَبَّ الْمَشْرِقَيْنِ، يَا رَبَّ

الْمَغْرِبَيْنِ، يَا بَاقِي، يَا مُعِينُ

الحمد: يَا أَوَّلُ، يَا آخِرُ، يَا ظَاهِرُ، يَا بَاطِنُ

الحشر: يَا مَلِكُ، يَا قُدُّوسُ، يَا سَلَامُ، يَا مُؤْمِنُ، يَا مُهَيِّمُ، يَا عَزِيزُ، يَا جَبَّارُ،

يَا مُتَكَبِّرُ، يَا خَالِقُ، يَا بَارِئُ، يَا مُصَوِّرُ۔

البروج: يَا مُبْدِئُ، يَا مُعِيدُ

الفجر: يَا وَثَرُ

الاخلاص: يَا أَحَدُ، يَا صَمَدُ. اِنْتَهَى۔

(سیوطی نے ”الفلک المشحون میں انکا ذکر کیا ہے)

”هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ،

الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيِّمُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ

الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ، الْفَقَّارُ، الْقَهَّارُ، الْوَهَّابُ، الرَّزَّاقُ، الْفَتَّاحُ، الْعَلِيمُ، الْقَابِضُ،

الْبَاسِطُ، الْخَافِضُ، الرَّافِعُ، الْمُعِزُّ، الْمُدِلُّ، السَّمِيعُ، الْبَصِيرُ، الْحَكَمُ،

الْعَدْلُ، اللَّطِيفُ، الْخَبِيرُ، الْعَلِيمُ، الْعَظِيمُ، الْغَفُورُ، الشَّكُورُ، الْعَلِيُّ، الْكَبِيرُ،

الْحَسِيبُ، الْجَلِيلُ، الْكَرِيمُ، الرَّقِيبُ، الْمَجِيدُ، الْبَاعِثُ، الشَّهِيدُ، الْحَقُّ،

الرَّكَيبُ، الْقَوِيُّ، الْمَعِينُ، الْحَمِيدُ، الْمُحْصِي، الْمُخِي، الْمُمِيتُ، الْحَيُّ،

الْقَيُّومُ، الرَّاجِدُ، الْمَاجِدُ، الرَّاحِدُ، الْوَاحِدُ، الْمُقَدِّرُ، الْمُقَدِّمُ، الْمُؤَخِّرُ، الْأَوَّلُ، الْآخِرُ، الظَّاهِرُ، الْبَاطِنُ، الْوَالِي، الْمُتَعَالَى، الْبَرُّ، التَّوَّابُ، الْمُتَّقِمُ، الْعَفْوُ، الرَّؤُوفُ، مَالِكُ الْمُلْكِ، ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، الْمُقْسِطُ، الْجَامِعُ، الْغَنِيُّ، الْمُغْنَى، الْمَانِعُ، الضَّارُّ، النَّافِعُ، النُّورُ، الْهَادِي، الْبَدِيعُ، الْبَاقِي، الْوَارِثُ، الرَّحِيمُ، الصُّبُورُ، الرَّبُّ، الْأَمُولَى، النَّصِيرُ، الْفَاطِرُ، الْمُجِيطُ، الْجَمِيلُ، الصَّادِقُ، الْقَدِيمُ، الْوَتَرُ، الْحَنَّانُ، الْمَنَّانُ، الشَّافِي، الْكَفِيلُ، ذُو الطُّولِ، ذُو الْفَضْلِ، ذُو الْعَرْشِ، ذُو الْمَعَارِجِ، الْقَرِيبُ، الْمُقْبِثُ، الْحَفِيطُ، الْمُبِينُ، الْحَافِظُ، الشَّاكِرُ، الْأَكْرَمُ، الْأَعْلَى، الْخَلَّاقُ، الْإِلَهُ، الْعَلَامُ، الْقَاهِرُ، الْغَافِرُ، الْمَلِكُ، الْخَفِيُّ، الْمُسْتَعَانُ، الرَّفِيعُ، الْكَافِي، الْغَالِبُ، الرَّازِقُ، الشَّدِيدُ، الْقَائِمُ، الْوَاقِي، نِعَمُ الْأَمُولَى، فَعَالٌ لِمَا يُرِيدُ، السَّرِيعُ، الْوَلِيُّ، نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، السَّيِّدُ، السَّيِّدُ، الْمُسَعِّرُ، الطَّيِّبُ، الرَّفِيقُ، الْحَكِيمُ“

اب ہم ان اسماء کا ذکر کریں گے جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ اسم اعظم ہیں۔ البتہ ان اقوال کے دلائل ذکر کرنے کے بجائے صرف حوالے اور مرجع پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

(۱) اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ

(۲) - اللَّهُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ (ابن ماجہ، مستدرک)

(۳) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَدْعُوْكَ اِلٰهًا وَّ اَدْعُوْكَ الرَّحْمٰنَ وَّ اَدْعُوْكَ الْبَرَّ، الرَّحِیْمَ، وَّ اَدْعُوْكَ بِاَسْمَائِكَ الْحُسْنٰی کُلِّهَا مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ -

(۴) الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ، الْحَى الْقَيُّومُ (الترمذی والنسائی)

(۵) الْحَى الْقَيُّومُ (اسے ابن قیم اور جزیری وغیرہ نے رائج قرار دیا ہے)

(۶) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِاَنِّیْ اُشْهِدُ اَنْ لَّكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَنَّانُ، الْمَنَّانُ، بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، يَا حَى يَا قَيُّوْمُ اَسْأَلُكَ

الْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ“ (احمد، حاکم، ابوداؤد، نسائی)  
(۷) بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (عن رجل من طی، ابو یعلیٰ)

(۸) ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ (ترمذی، عن معاذ)  
(۹) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنِّیْ اَهْلَهُ اَنْتَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔

(اے ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)  
(۱۰) - یَا رَبِّ یَا رَبِّ، رَبِّ رَبِّ، (المسند رک عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)  
(۱۱) لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ (نسائی، حاکم)  
(۱۲) هُوَ اللّٰهُ، اللّٰهُ، اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ (زین العابدین، فخر الرازی)

(۱۳) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (قاضی عیاض)

(۱۴) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (متدرک)

(۱۵) اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمان میں ”مَالِکُ الْمُلْکِ“ کا لفظ اسم اعظم ہے۔  
﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِکُ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُدِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرَاتُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تُوَلِّجُ اللَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوَلِّجُ النَّهَارَ فِی اللَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَمِیّتِ وَتُخْرِجُ الْمَمِیّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتُزَوِّقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ (طبرانی)  
(۱۶) ”اَللّٰهُمَّ“ (الزرکشی)

(۱۷) ”آلَمْ“ (ابن جریر، الحاوی ۱/۳۹۵)

(۱۸) میں نے خواب میں دیکھا کہ آیت الکرسی ہے، کیونکہ اس میں ہر اسم اعظم کے بعد اللہ عزوجل کا نام ہے۔ اور یہ (۱۲/۱۱۰/۱۴۲۳ھ) کی بات ہے۔

(۱۹) - سورة الحشر کا آخر۔ ”هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ... إِلَى قَوْلِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ“ (ابن عباس)

(۲۰) ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الطَّاهِرِ الطَّيِّبِ الْمُبَارَكِ الْاَحَبِّ وَاِذَا اسْتَرْحَمْتُ بِهٖ رُحِمْتُ وَاِذَا اسْتَفْرَجْتُ بِهٖ فَرَجْتُ“ (ابن ماجہ)

(۲۱) اَللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ

(۲۲) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا إِلَهَ إِلَّا اَنْتَ يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ يَا بَدِيعَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا خَيْرَ الْوَارِثِیْنَ، يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ، يَا سَمِيعَ الدُّعَاءِ، يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ، يَا عَالِمُ، يَا سَمِيعُ، يَا عَلِیْمُ، يَا حَلِیْمُ، يَا مَالِكَ الْمُلْكِ، يَا مَالِكُ، يَا قَاهِرُ، يَا رَحْمَنُ، يَا رَحِیْمُ، يَا سَرِیْعُ، يَا كَرِیْمُ، يَا مُعْطِی، يَا مَالِغُ، يَا مُخِی، يَا مُفْسِطُ، يَا حَیُّ، يَا قَیْمُ، يَا حَمِیْدُ، يَا رَبِّ یَا رَبِّ، یَا رَبِّ یَا رَبِّ، یَا رَبِّ یَا رَبِّ، یَا وَهَّابُ، یَا غَفَّارُ، یَا قَرِیْبُ، یَا لَا إِلَهَ إِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ، اَنْتَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ“

(السیوطی، شرح الاسماء الحسنی پشوتو)

(۲۳) اِلٰهًا وَاِلٰهَ كُلِّ شَیْءٍ اِلٰهًا وَاَحَدًا (اَعْطِیْ كَذَا)

(الزهری، روح المعانی)

(۲۴) - اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ وَفِی قَبْضَتِكَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ عَدْلٌ فِیْ قَضَاؤِكَ اَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسمٍ هُوَ لَكَ سَمِیْتُ بِهٖ نَفْسُكَ اَوْ عَلِمْتَهُ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوْ امْتَلَأْتُ بِهٖ فِیْ مَكْنُونِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ الْعَظِیْمَ رِبْعَ قَلْبِیْ وَنُورَ صَدْرِیْ وَجَلَاءَ غَمِّیْ وَهَمِّیْ“

(یہ دعا صحیح حدیث میں مذکور ہے، ابن حبان وغیرہ نے اسے روایت کیا)

(۲۵) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ يَا مُوَسِّسُ كُلِّ وَحِیْدٍ يَا قَرِیْبًا غَیْرَ بَعِیْدٍ، يَا شَهِیْدًا غَیْرَ غَایِبٍ، يَا غَالِبًا غَیْرَ مَغْلُوبٍ، يَا حَیُّ يَا قَیُّوْمُ، يَا

بَدِيعَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ أَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الْحَيِّ الْقَيُّومِ الَّذِي لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ، وَأَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الَّذِي عِنْتُ لَهُ الْوُجُوهُ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ وَوَجَلَّتْ لَهُ الْقُلُوبُ، أَنْ تُصَلِّيَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ (وَأَنْ تُعْطِيَنِي كَذَا كَذَا) إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، (المستطرف ۵۳۹/۲)

(۲۶) ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِاسْمِكَ الْمَخْزُونِ الْمَكْنُونِ الْمُبَارِكِ الطَّيِّبِ الطَّاهِرِ الْمُطَهَّرِ، الْمُقَلِّسِ، (صالح المزني، منام مستطرف)

(۲۷) اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِاتِّكَ مَالِكَ وَأَتِّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَمَا تَشَاءُ مِنْ أَمْرٍ يَكُونُ (سعيد بن مسيب) (حاتف)

(۲۸) بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِالْعِزَّةِ الَّتِي لَا تُرَامُ وَالْمُلْكِ الَّذِي لَا يُضَامُ، وَالْعَيْنِ الَّتِي لَا تَنَامُ، وَالنُّورِ الَّذِي لَا يُطْفَأُ، وَبِالْوَجْهِ الَّذِي لَا يَبْلَى، وَبِالْذِيُّومَةِ الَّتِي لَا تُغْنَى، وَبِالْحَيَاةِ الَّتِي لَا تَمُوتُ، وَبِالصَّمَدِيَّةِ الَّتِي لَا تَفْقَهُرُ، وَبِالرُّبُوبِيَّةِ الَّتِي لَا تَسْتَعْدِلُ، أَنْ تَجْعَلَ لَنَا فِي أُمُورِنَا فَرْجًا وَمَخْرَجًا حَتَّى لَا نَرْجُو غَيْرَكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ (المستطرف)

(۲۹) لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (سورۃ بقرہ)

رَبِّ إِنِّي مَسْنِيَ الضُّرِّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (سورۃ بقرہ)

وَأَفْوِضْ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ (سورۃ بقرہ)

حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (سورۃ بقرہ)

اور یہ سب آیات چار رکعتوں میں ایک ایک کر کے پڑھنی ہیں، پھر سورۃ بقرہ ”رَبِّ إِنِّي مَسْنِيَ الضُّرِّ“

مَقْلُوبٌ فَانْتَصِرُ“ (القمر ۱۰) پڑھیں

(مشاہد ولی اللہ کا مجرب نسخہ ہے، القول الجلیل صفحہ ۱۳۸)

علماء کرام کہتے ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم تو ضرور ہے لیکن یہ کیفیت ثابت

نہیں۔

(۳۰) ”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ“ یہ ذکر ایک لاکھ پچیس ہزار مرتبہ پڑھیں۔ (القول الجمیل)

(۳۱) ”يَا مُوْضِعَ كُلِّ شَكْوَى، وَيَا سَامِعَ كُلِّ نَحْوَى، وَشَاهِدَ كُلِّ بَلْوَى، وَيَا مُنْجِيَّ مُوسَى وَالمُصْطَفَى مُحَمَّدٍ وَالعَلِيلِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، اذْعُرْكَ دُعَاءَ مَنْ اشْعَدْتَ فَالِقَةَ وَضَعَفْتَ حَرَكَتَهُ وَقُلْتَ حِيلَتُهُ دُعَاءَ الْغَرِيبِ الْغَرِيبِ الْفَقِيرِ الَّذِي لَا يَجِدُ لِكَشْفِ مَا هُوَ فِيهِ إِلَّا أَنْتَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ. لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ“

(علی بن حسین علیہ السلام فرماتے ہیں: جب بھی مصیبت میں مبتلا کوئی شخص یہ دعا مانگتا ہے تو اسکی مصیبت دور ہو جاتی ہے۔) (المعترف)

(۳۲) ”يَا إِلَهَ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، يَا إِلَهَنَا وَاللَّهُ كُلِّ شَيْءٍ إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، أَنْتَ الْمُمَيِّزُ كُلَّ عَسِيرٍ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، بِسْمِ اللَّهِ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، مَا شَاءَ اللَّهُ لَا يَصْرِفُ السُّوءَ إِلَّا اللَّهُ، مَا شَاءَ اللَّهُ مَا كَانَ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنْ اللَّهِ، مَا شَاءَ اللَّهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ (اسم اعظم کیا ہے صفحہ ۵۶)

(۳۳) ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“

(اسکے بعد جو بھی دعا کی جائے ضرور قبول ہوتی ہے۔ طبرانی عن معاویہ باسناد حسن)

(۳۴) ”يَا إِلَهَ، يَا إِلَهَ يَا رَحْمَنُ يَا رَحْمَنُ، يَا نُورُ يَا نُورُ، يَا ذَا الطُّوْلِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“ (اسم اعظم کیا ہے صفحہ ۶۸۔ مجرب)

(۳۵) جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: سورۃ فاتحہ، آیت الکرسی، سورۃ الاخلاص اور



سورۃ القدر، قبلہ رو ہو کر پڑھیے اور دعا مانگیے یقیناً آپکی دعا قبول ہوگی۔ (اسم اعظم کیا ہے صفحہ ۷۱)

(۳۶) ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَلْکَ بِاَسْمَائِکَ الْحُسْنٰی کُلِّهَا مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ وَ اَسْتَلْکَ بِاَسْمِکَ الْعَظِیْمِ الْاَعْظَمِ الْکَبِیْرِ الْاَکْبَرِ“

”سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے، اور اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: اُس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! یہ اسم اعظم ہے۔ (اسم اعظم کیا ہے صفحہ ۷۲) (۳۷) یَا فَارِجَ الْغَمِّ وَ یَا کَاشِفَ الْهَمِّ وَ یَا مُوَفِّیَ الْعَهْدِ وَ یَا حَیُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ“ (اسم اعظم کیا ہے صفحہ ۷۲)

(۳۸) تین مرتبہ ”یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ“

(اسم اعظم کیا ہے ص ۷۱)

(۳۹) ”یَا رُبَّنَا“ پانچ مرتبہ

(اسم اعظم کیا ہے)

(۴۰) یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا صَرِیْحَ الْمُسْتَضْرِحِیْنَ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ یَا کَاشِفَ السُّوِّ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یَا مُجِیْبَ دَعْوَاتِ الْمُسْطَظْرِیْنَ یَا اِلٰهَ الْعَالَمِیْنَ، بِکَ اَنْزِلْ حَاجَتِیْ وَ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهَا فَاَقْضِهَا“

(اسم اعظم کیا ہے ص ۷۲)

(۴۱) ”یَا عَلِیْمُ یَا حَلِیْمُ یَا عَلِیُّ یَا عَظِیْمُ“ (مجاہد الدعاء ابن ابی الدنیا عن العلماء)

(۴۲) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ یَا قَدِیْمُ یَا دَائِمُ یَا قَائِمُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا فَرْدُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَا مَنْ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ یَا مَنْ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ یَا مَنْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدُ“ (اسم اعظم صفحہ ۱۳۷)

(نماز فجر کے بعد سو مرتبہ۔ نیز اس سے پہلے اور بعد میں گیارہ مرتبہ درود شریف یہ کیفیت

بدعت ہے۔ (۱)

(۴۳) يَا وَدُودُ يَا وَدُودُ يَا ذَا الْعَرْشِ الْمَجِيدِ يَا فَعَّالًا لِمَا يُرِيدُ أَسْأَلُكَ بِعِزِّكَ الَّذِي لَا يَرَامُ وَمُلْكِكَ الَّذِي لَا يُضَامُ وَبِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِي مَلَأَ أَرْكَانَ عَرْشِكَ أَنْ تَكْفِفَنِي شَرًّا (كَذَا) يَا مُعِيتُ أَغْنِنِي يَا مُعِيتُ أَغْنِنِي“  
(تین مرتبہ یہ دعا دہرائے)

”سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص چار رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا پڑھے اُسکی دعا قبول ہوگی خواہ وہ پریشان حال ہو یا نہ ہو۔

(ابن ابی الدنیا صفحہ: ۳۸، اسکی سند میں کچھ کمزوری ہے)

(۴۴) ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ“  
(یہ مصیبت و کرب سے بچنے کی دعا ہے۔ بخاری و مسلم)

(۴۵) ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“  
(مسند احمد، الجواب الکافی صفحہ: ۱۲)

(۴۶) ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“

(اگر یہ کلمات اخلاص اور صدق دل کیساتھ پڑھے جائیں تو اللہ تعالیٰ ہر مطالبہ پورا کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کی طرف نظر رحمت سے دیکھتا ہے)۔

(۱) تعداد اور وقت کی مذکورہ کیفیت مصنف حفظہ اللہ کے تمہیدی بیان کی روشنی میں بدعت قرار نہیں پا سکتی، کیونکہ شیخ محترم خود ہی سابقہ صفحات میں مخصوص تعداد کو بزرگوں کا تجربہ قرار دے کر جائز قرار دے چکے ہیں، لہذا یہاں اسے بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ (مترجم)

(۳۷) - ابن جریر نے صحیح سند کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ لفظ ”ن“

ہے۔ (الکنز الاعظم للبازی)

(عمل الیوم واللیلۃ للنسائی ۲۸)

(۳۸) سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص سورۃ الحشر کی آخری آیات اور سورۃ

الحمدید کی ابتدائی چھ آیات کی قرأت کرنے کے بعد کہے: اے وہ ذات جو ان صفات سے متصف ہے! میرا فلاں فلاں کام بھی کر دیجئے۔ اللہ کی قسم! کوئی بد بخت شخص بھی ان کلمات کے ساتھ دعا مانگے تو خوش بخت ہو جائے۔ (البازی)

(۳۹) سورۃ الاخلاص کو کثرت کے ساتھ پڑھنا۔ (البازی)

(۵۰) ابن عدی کا ”اکامل“ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں نے اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم کا سوال کیا تو جبرائیل اُسے لپیٹ کر میرے پاس لائے جب کہ اُس پر مہر لگی ہوئی تھی: ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاسْمِكَ الْمَخْزُوْنِ الْمَكْنُوْنِ الطَّهِرِ الطَّاهِرِ الْمُطَهَّرِ الْمُقَدَّسِ الْمُبَارَكِ الْحَيِّ الْقَيُّوْمِ“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: مجھے بھی سکھا دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیں عورتوں، بچوں اور بے وقوفوں کو یہ نام سکھانے سے روکا گیا ہے۔

اکامل: ۵۹۱/۲، اسکی سند ضعیف ہے، بلکہ ابن عدی کہتے ہیں کہ موضوع جیسی ہے)

اس حوالے سے بہت سا مطالعہ اور غور و فکر کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نام ہی عظیم ہیں، البتہ بعض لوگوں کے حوالے سے کوئی نام اسم اعظم ہوتا ہے اور بعض دوسرے لوگوں کے حق میں کوئی دوسرا نام اسم اعظم کہلاتا ہے جس کی وجہ سے کوئی خاص نام کسی کے حق میں اسم اعظم ہوتا ہے۔ مثلاً بعض لوگوں پر ”الرحمن“ کا ذکر مؤثر ہوتا ہے۔ اسے پڑھنے سے ان کا دل نرم ہوتا لہذا انکے حق میں یہی اسم اعظم ہے، جبکہ بعض لوگوں پر ”رب العالمین“ کا ذکر زیادہ کارگر ہوتا ہے، بعض ”الحی القيوم“ کا زیادہ اثر لیتے ہیں اور بعض لوگوں کا دل ”الرزق“ یا ”الودود“ یا ”ذو العرش المجید“ کے

ذریعے روشن ہوتا ہے۔ اسی لیے بعض سلف نے کہا ہے: اگر آپ اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کو جاننا چاہتے ہیں تو انتہائی ادب اور خشوع و خضوع کے ساتھ کتاب وسنت میں وارد اللہ تعالیٰ کے اسماء کو پڑھتے چلے جاؤ، جو اسم تمہارے دل پر اثر کرے اور تمہیں اپنی طرف کھینچے وہی تمہارے حق میں اسم اعظم ہے۔ (تفسیر السراج المنیر)

اسی طرح بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے کسی نیک بندے کے دل میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ فلاں فلاں اسم کے ذریعے مجھ سے دعا کرو تو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، یہ الہام اس نیک بندے کی کرامت ہوتی ہے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ جو شخص بھی اُس اسم کے واسطے سے دعائیں مانگے اسکی دعا قبول ہوگی اگرچہ وہ اُس نیک بندے کی صفات سے متصف ہو۔

اس بات پر غور کیجئے کیونکہ یہ ایک اہم بات ہے!

اس طرح دو احادیث کا تضاد بھی دور ہو جاتا ہے، جن میں ایک حدیث کے مطابق ایک شخص نے ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگی:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاِنِّیْ اُشْهِدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ“۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے اللہ تعالیٰ کے ایسے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی ہے کہ جب بھی اسکے ذریعے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگا جائے تو وہ عطا فرماتا ہے اور دعا مانگی جائے تو قبول کرتا ہے۔ (ابوداؤد)

اسی طرح ایک دوسرے آدمی نے یہ دعا مانگی:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاِنِّیْ اُشْهِدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ النَّارِ“۔

یہ دعاسن کر بھی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کے ایسے اسم اعظم کے ذریعے اُسے پکارا ہے کہ جب بھی اسکے ذریعے اُس سے کچھ مانگا جائے تو عطا کرتا ہے، دعا کی جائے تو قبول فرماتا ہے۔ (ابوداؤد)

یہ کیونکر ممکن ہے کہ یہ بھی اسم اعظم ہو اور وہ بھی؟ البتہ اگر یوں کہا جائے تو مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ ہر وہ شخص جو مذکورہ آدمی کی طرح عاجزی و انکساری کے ساتھ دعا مانگے اسکے حق میں ان میں سے ہر ایک اسم اعظم ہو سکتا ہے۔

اسی طرح ”الحی القيوم“ کے متعلق بھی بہت سے روایات میں آتا ہے کہ یہ اسم اعظم ہے۔ لہذا یہ بھی اسی شخص کے متعلق ہوگا جو اسکی شرائط و آداب کا لحاظ رکھے، تاکہ وہ آدمی جو شراب خانے سے جمومتا ہوا باہر نکلے، کلین شیوہ کروائے اور گانے گاتا پھرے اور پھر اس نام کے وسیلے سے دعا مانگے۔ کیونکہ اس نے اسکی شرائط و آداب کو ملحوظ نہیں رکھا عاجزی و انکساری کا مظاہرہ نہیں کیا، اور ایسا ایمان پیش نہیں کیا جو مطلوب تھا۔

محسوسات میں اسکی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ مثلاً ٹھنڈا پانی معدے کی ٹھنڈک اور پیاس سے سیرابی کا باعث ہے لیکن اُس شخص کے لئے جو مریض نہ ہو۔

اے اللہ! میں آپکے اسم اعظم کا وسیلہ دیکر یہ التجا کرتا ہوں کہ مجھے ہدایت عطا فرمائیے، میرے انجام کو بہتر بنائیے، مجھے جہنم کی آگ سے نجات عطا فرمائیے اور ہم سب کو اپنے نیک اور محبوب بندوں میں شامل فرما لیجئے اور تمام اہل ایمان خصوصاً ماں باپ اور عزیز و اقارب کی بخشش فرمائیے یا رب العالمین!



## ۲۵۔ پچیسواں فائدہ

### یقین کے بارے میں

لغوی طور پر یقین کا معنی سکون بھی ہوتا ہے جیسے ”يَقْنُ الْمَاءُ إِذَا سَكَنَ“ یعنی مائع کا معنی سکون پکڑنا ہے۔ اور اس کا معنی شک زائل ہونا اور علم حاصل ہونا بھی ہے۔  
(روح المعانی)

○ ”تفسير الكريم الرحمن“ میں یقین کی تعریف یوں کی گئی ہے:  
”الْيَقِينُ هُوَ الْعِلْمُ التَّامُّ الَّذِي لَيْسَ فِيهِ أَذْنَى شَكٍّ وَالْمَوْجِبُ لِلْعَمَلِ“  
”یقین ایسے علم تام کو کہتے ہیں جس میں ادنیٰ سا شک بھی نہ ہو اور جو عمل پر ابھارنے والا ہو“  
راغب اصفہانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:  
”یقین علم کی ایسی صفت ہے جو معرفت اور درایت وغیرہ سے بالاتر ہے۔  
یہ فہم کا سکون اور حکم کا ثبات ہے۔  
شرعی تعریف:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یقین یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی مت کرو، اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر کسی اور کی تعریف مت کرو، اور جس چیز سے اللہ محروم رکھے اُس پر کسی کو ملامت مت کرو، یقین جانو کہ کسی حریص کا حرص رزق کو لانے والا نہیں اور ناپسندیدہ کرنے والے کی ناپسندیدگی کی وجہ سے اللہ کی طرف سے آنے والا رزق رک نہیں جاتا، بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے عدل و انصاف کیساتھ یقین و رضا میں سکون اور خوشی رکھ دی ہے اور شک و ناراضگی میں بے سکونی اور غم رکھ دیا ہے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ (۱۶۹/۱) کی تعلق میں یہ روایت موقوفاً جب کہ مدارج السالکین (۳۹۷/۲) میں قوی سند کے ساتھ مرفوعاً مروی ہے)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یقین چار شاخوں پر مبنی ہے: فہم کی انتہاء، علم کی فراوانی، حکم کی رونق اور حلم کی بہار۔ جس شخص نے صحیح فہم پالیا وہ علم کے بھید بھی کھول لے گا، اور جس نے علم کے بھید کھول لیے وہ شرعی احکامات سے بھی واقف ہو جائے گا، اور جس نے شرعی احکام جان لیے وہ حلیم و دبار بن جائے گا اور لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرتے ہوئے اپنے معاملات میں کوتاہی یا زیادتی کا شکار نہ ہوگا۔

(الیقین لابن ابی الدنیا، کنز (۸۸۰۳)

لقمان حکیم کا قول ہے: اے بیٹے! یقیناً مکروہات پر صبر کرنا بھی بہترین یقین میں سے ہے، ہر عمل کا ایک کمال اور غایت ہوتی ہے اور عبادات کا کمال یقین اور ورع (پرہیزگاری) ہے

(ابن ابی الدنیا رقم: ۱۴، عن قتادة)

اسی طرح لقمان حکیم اپنے بیٹے سے کہتے ہیں: ایمان کے سات حقائق ہیں، اور ان میں سے ہر حقیقت میں ایک حقیقت چمپی ہوئی ہے۔ ایمان کے ساتھ حقائق یہ ہیں: یقین، خوف، الہی، معرفت، ہدایت، عمل، غور و فکر، پرہیزگاری۔

پھر یقین کی حقیقت صبر ہے، خوف الہی کی حقیقت اطاعت ہے، معرفت کی حقیقت ایمان ہے، ہدایت کی حقیقت بصیرت ہے، علم کی حقیقت نیت ہے، غور و فکر کی حقیقت دانشمندی ہے، اور پرہیزگاری کی حقیقت حرام اور غیر مستحسن کاموں سے رُک جانا ہے۔

(ابن ابی الدنیا عن عبد اللہ ابن عون: رقم (۲۸)

یہ انتہائی دقیق کلام ہے جو لقمان حکیم کے ہی شایان شان ہے۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ایمان و یقین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا: چار انگلیاں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے

کہا: وضاحت کرو۔ سیدنا حسن ؓ نے کہا: یقین وہ ہے جسے آپ کی آنکھ دیکھے اور ایمان وہ ہے جسے آپ کے کان سُنیں اور آپ اسکی تصدیق کریں۔  
(الیقین لابن ابی الدنیا رقم ۴۱)

ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں: ”الْيَقِينُ الْإِيمَانُ كُلُّهُ“۔ ”یقین سراپا ایمان ہے۔“  
(بخاری ۶/۱)۔ طبرانی نے یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں:

”وَالصَّبْرُ نِصْفُ الْإِيمَانِ“۔ ”اور صبر نصف ایمان ہے“  
سفیان ثوری ؓ فرماتے ہیں: ”لَوْ أَنَّ الْيَقِينَ وَقَعَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يَنْبَغِي لَطَارَ اشْتِاقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَهَرَبًا مِنَ النَّارِ“

”اگر یقین اس طرح دل میں جا گزیرا ہو جائے جیسے ہوتا چاہیے تو انسان جنت کے شوق اور جہنم کے خوف سے اُڑنے لگے۔“ (فتح الباری ۴۱/۱)

”احیاء العلوم“ میں لکھا ہے کہ یقین دو معنوں میں مشترک ہے:

①.... شک کا بالکل محذوم ہو جانا، خواہ یہ یقین غور و فکر سے حاصل ہو، حس کے ذریعے ہو، فطری عقل کا نتیجہ ہو، تو اتر سے ملے، یا کسی دلیل سے ثابت ہو۔ اور اس یقین میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا۔

②.... دوسرا معنی جسکی تصریح فقہاء، صوفیاء اور بہت سے علماء کرام نے کی ہے، اس میں تجویز و شک کو نظر انداز کرتے ہوئے دل پر غالب صفت کو یقین کہا جاتا ہے۔ اس یقین کے حوالے سے یوں بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کا موت پر یقین کمزور ہے، اور فلاں شخص اللہ کی طرف سے ملنے والے رزق پر پختہ یقین رکھتا ہے۔ لہذا ہر وہ بات جو دل پر غالب ہو کر قرار پکڑ لے یقین کہلاتی ہے البتہ اس یقین میں تفاوت کا پایا جانا ظاہر ہے۔  
(دیکھئے: روح المعانی: ۱۲۲/۱)

ذوالنون ؒ کے ایک دوسرے قول کے مطابق یقین کی تین چوٹیاں کچھ یوں ہیں:  
لوگوں کیساتھ میل جول کم رکھنا، عطیات پر لوگوں کی تعریف نہ کرنا، محرمیوں پر لوگوں کی



خدمت کرنے سے بچنا۔

(یہی معنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث میں گذر چکا ہے)

اسی طرح ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دوسرے قول کے مطابق یقین کی تین چوٹیاں کچھ یوں ہیں: ہر چیز میں اللہ کی طرف دیکھنا، ہر کام میں اُسی کی طرف رجوع کرنا، ہر حال میں اُسی سے مدد مانگنا۔ (مدارج: ۲/۲۹۸)

یقین کبھی اُس دل میں بنیر نہیں کرتا جو غیر اللہ کی طرف میلان رکھتا ہو۔ (مدارج)  
ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جس قدر تقویٰ کے قریب ہوں اسی قدر یقین حاصل ہوتا ہے، کیونکہ تقویٰ کا معنی منہیات سے اجتناب اور دوری ہے، اور منہیات سے دوری کا مطلب نفس اور اُسکی خواہشات سے دستبرداری ہے۔ لہذا جتنا آپ نفس سے دور ہو گئے اتنا ہی یقین سے قریب ہو گئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”الْيَقِينُ الْفِكْرَةُ“

”یقین غور و فکر کا نام ہے۔“ (قرطبی: ۴/۳۱۴)

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

”هُوَ اسْتِقْرَارُ الْعِلْمِ فِي الْقَلْبِ بِحَيْثُ لَا يَتَغَيَّرُ وَلَا يَتَحَوَّلُ“

”یہ (یقین) علم کا دل میں اس طرح قرار پکڑ لینا ہے کہ پھر اس میں نہ تو کوئی تغیر و تبدیلی ہو اور نہ ہی یہ کبھی دل سے جدا ہو۔“

اگر آپ یہ سوال کریں کہ کوئی انسان سچے یقین تک کس طرح پہنچ سکتا ہے؟

اسکے جواب میں یہ کہیں گے کہ عارفین نے اس سلسلے میں چند امور کا تذکرہ کیا ہے، انہیں اختیار کر کے آپ یقین تک پہنچ سکتے ہیں۔

عبد الواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ایک راہب کے عبادت خانے کے پاس سے گذرا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ٹھہرو! میں اس کیساتھ کچھ کلام کروں، لہذا جب میں اُسکے قریب ہوا تو اُس نے کہا: اے عبد الواحد! اگر تم علم الیقین کو جانتا

چاہتے ہو تو اپنے اور شہوات دنیا کے درمیان لوہے کی دیوار حائل کر دو۔

(الحلیۃ لابن نعیم: ۱۵۵/۶، الیقین لابن ابی الدنیا رقم: ۳۹)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَكَذَلِكَ نُرَىٰ إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَيَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُقْبِنِيْنَ﴾۔ [الانعام: ۷۵]

”اور اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھاتے تھے، تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔“

اس آیت میں صریح اشارہ ہے کہ کائنات پر غور و فکر اور تدبر بھی حصول یقین کا ایک بڑا عامل ہے۔ اسی وجہ سے ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب میں آسمان دنیا کی طرف اُترتا تو میں نے نیچے نگاہ ڈالی، کیا ایک مجھے گرد و غبار دھواں اور آوازیں محسوس ہوئیں۔

میں نے کہا: اے جبرائیل! یہ کیا ماجرا ہے؟ اُس نے جواب دیا: یہ شیاطین ہیں جو بنی آدم کی آنکھوں کے گرد منڈلا رہے ہیں، تاکہ وہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی پر غور و فکر نہ کر پائیں، اگر یہ نہ ہوتا تو لوگ عجائب قدرت دیکھ لیتے۔

(مسند احمد: ۳۵۳/۲)، اسکی سند میں مقال ہے)

میں سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید پر تدبر اور اُسکے اسرار و رموز سے آگاہی یقین کی زیادتی کا ایک اہم عامل ہے، اور کیوں نہ ہو کہ قرآن مجید تو نازل ہی اس لیے ہوا کہ لوگوں کے ایمان و یقین میں اضافہ کرے۔

اسی بات کی طرف اشارہ ہے کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

﴿بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِطْ بِهُ لِيَعْلَمُوْهُ﴾۔ [یونس: ۳۹]

”بلکہ انہوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جس کا اپنے علم سے وہ احاطہ نہ کر سکے۔“

یعنی جو شخص اپنے علم کے ساتھ قرآن مجید کا احاطہ کر لے وہ کبھی تکذیب نہیں کر سکتا، یہ تو ہماری جہالت و ناشناسی ہے کہ بے یقینی کا شکار رہتے اور ٹھوک و شبہات کی وادیوں میں سرگرداں رہتے ہیں۔

## یقین کی تین اقسام ہیں

علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین

علم الیقین یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی اور اسکی شریعت و دین کو قبول کر لے، اللہ کی غلامی اور عبودیت کو دل و جان سے تسلیم کر لے، جنت و جہنم، پل صراط، ترازو، اور حساب کتاب سے متعلق غیب کی خبروں پر بغیر کسی شک و شبہ اور تردد کے ایمان لے آئے، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور توحید کو جان لے۔ (مدارج ملخصاً)

فسادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علم الیقین یہ ہے کہ انسان یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ اُسے موت کے بعد اٹھانے والا ہے۔ (معالم)

جبکہ عین الیقین اور حق الیقین صرف انبیاء اور بعض اولیاء کا خاصہ ہے، البتہ آخرت میں یہ تمام لوگوں کو حاصل ہو جائیگا۔

○ ابو بکر الوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یقین کی تین اقسام ہیں: یقین خبر، یقین دلالت، یقین مکافقہ، یا مشاہدہ۔

یقین خبر یہ ہے کہ دل کسی خبر پر سکون پکڑ لے اور اس پر اعتماد کر لے۔ یقین دلالت کا درجہ اس سے کچھ اوپر ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس خبر کی سچائی پر اعتماد کے ساتھ اسکے کچھ دلائل بھی اسکے سامنے ہوں۔

اور یقین مشاہدہ یہ ہے کہ وہ انکے دلوں میں یوں سما جائے جیسے آنکھوں دیکھی بات۔ اور یہ احسان کا درجہ ہے۔

یقین کن امور میں مطلوب ہے؟

علماء آخرت کی صفات کے تذکرے میں ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ ایسے امور بہت سے ہیں، جن میں سے چند پیش خدمت ہیں:

### ① - توحید باری تعالیٰ :

اس میں یقین یہ ہے کہ تمام چیزوں کا مسبب الا سباب اللہ تعالیٰ کو سمجھے، اور اس یقین کا پھل یہ ہے کہ چیزوں سے محرومی پر غیض و غضب زائل ہو جاتا ہے، بد اخلاقی کا خاتمہ ہو جاتا ہے، کیونکہ جب تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو دوسروں سے شکوہ و شکایت اور شکریہ و مدح چہ معنی دار؟

### ② - اللہ کے رزق پر اعتماد :

اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کے رزق کا ضامن ہے، جب یہ بات دل میں اتر جائے تو حرص و طمع اور لالچ کا خاتمہ ہو جاتا ہے، طلب میں اجمال پیدا ہوتا ہے، اور محرومی پر افسوس نہیں ہوتا۔

### ③ - جزا و سزا پر یقین رکھنا :

جو شخص زرہ برابر نیکی کرے وہ اسکا صلہ پائے گا اور جو زرہ برابر برائی کا ارتکاب کرے وہ بھی اس کا نتیجہ دیکھ لے گا۔

جب یہ یقین کسی کے دل میں بیٹھ جائے تو وہ گناہوں کو زہر قاتل اور نیکیوں کو شہد سمجھنے لگے گا، اور اس حوالے سے اپنی حرکات و سکنات اور خیالات تک کا جائزہ لے گا۔

④..... اس بات کا یقین کہ اللہ تعالیٰ آپکی جلوت و خلوت پر مطلع ہے، جب یہ یقین پیدا ہو جائے تو انسان اپنی جلوت و خلوت اور تمام احوال میں ادب کا مظاہرہ کرے گا جیسے وہ شخص جو کسی عظیم بادشاہ کے سامنے بیٹھتا ہے۔

اس یقین کے نتیجے میں حیا، خوف، عاجزی و انکساری، خضوع اور احسان جیسے بہترین اوصاف اور اعلیٰ اخلاق جنم لیتے ہیں اور ان اعلیٰ اخلاقی صفات سے بہت سی عظیم الشان طاعات پیدا ہوتی ہیں۔ یقین گویا اساس ہے جیسے درخت۔ اور اخلاق صفات اسکی ٹہنیاں۔ جب ان صفات سے جنم لینے والی طاعات اسکا پھل ہیں۔

(الاحیاء: ۱۲۷/۱ قدرے اضافے کے ساتھ)

## یقین کے فضائل و فوائد

یقین ہی تو وہ سواری ہے جس پر بیٹھ کر انسان اللہ کی طرف سفر کرتا ہے، پھر بھلا یقین کے بغیر یہ سفر ممکن ہو سکتا ہے؟

اسی طرح تھوڑا سا یقین بہت سے عمل کی نسبت زیادہ بہتر ہے۔

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹا! یقین کے بغیر عمل کرنا ممکن ہی نہیں، اور ہر شخص اپنے یقین کے بقدر ہی عمل کرتا ہے، اور کسی کے عمل میں کمی اور کوتاہی بھی تب ہی واقع ہوتی ہے جب اُس کا یقین کمزور ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اسکی قدرت کی نشانیاں بھی اہل ایمان کو فائدہ دیتی ہیں۔

اور فرمایا: ﴿إِنَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَئِي خَلَقَكُمْ وَمَا يَبْدَأُ مِنْ ذَاتِ آيَاتٍ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾۔ [الحاثیہ: ۴، ۳]

”بلاشبہ آسمانوں اور زمین میں مومنوں کے لئے واقعی نشانیاں ہیں۔ اور تمہاری پیدائش میں اور ان جانوروں میں جو وہ پھیلاتا ہے، ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو یقین رکھتے ہیں۔“

اسی طرح قرآن مجید کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ اس سے صرف اہل یقین کو فائدہ حاصل ہوگا۔ فرمایا: ﴿هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ [الحاثیہ: ۵]

”یہ روشن دلائل ہیں اور ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔“

اسی طرح صبر اور یقین کی بدولت ہی امامت فی الدین کا رجب ملتا ہے۔

فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾ [السجدہ: ۲۴]

”اور جب انہوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے کچھ ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔“

جو شخص علم یقین حاصل کر لے اُس پر دنیاوی شہوات اور دنیا طلبی غالب نہیں آتی۔ جیسا کہ سورۃ الحاکم میں فرمایا: ﴿كَذَٰلِكَ لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ﴾۔ [التکاتر: ۵]

”ہرگز نہیں! اگر تم علم یقین کو جان لو“

گویا اس میں اشارہ ہے کہ جو شخص یقین کو پالے وہ دنیا کی دوڑ میں شامل نہیں ہوگا۔

ابن ماجہ کی ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی

”وَسَلُّوا اللّٰهَ الْمُعَاهَاةَ فَإِنَّهُ لَمْ يُولَدْ أَحَدٌ بَعْدَ الْيَقِينِ خَيْرًا مِنَ الْمُعَاهَاةِ“۔

”اور اللہ سے عافیت طلب کرو، کیونکہ بلاشبہ کسی شخص کو یقین کے بعد عافیت سے بڑھ کر کوئی چیز عطا نہیں کی گئی“ (ابن ماجہ ۳۸۳۹) یہ حدیث صحیح ہے

ایک مشہور دعا میں یہ الفاظ بھی ہیں:

”وَمِنَ الْيَقِينِ مَا تَهْوُونَ بِهِ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا“۔

”اور ہمیں ایسا یقین عطا فرما جس کے ذریعے تو مصائب دنیا کو ہم پر آسان کر دے“

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا وَیَقِیْنًا وَفَقْهًا“۔

”اے اللہ! میں تجھ سے ایمان، یقین اور دین کی سمجھ کا سوال کرتا ہوں“

(ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ الفاظ ملتے ہیں لیکن اس میں مقال ہے دیکھئے، ترمذی:

(۱۷۹/۲)

آپ ﷺ کا فرمان: [مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي إِلَّا ضَعْفَ الْيَقِينِ]۔

”میں اپنے امت پر یقین کی کمزوری کے سوا کسی چیز کا خوف نہیں رکھتا“۔

(اسے طبرانی نے ”الاوسط“ میں روایت کیا، اور اسکے راوی ثقہ ہیں۔ دیکھئے: الجمع ۱۰۷/۱)

ایک حدیث میں آتا ہے:

”كَفَى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا وَبِالْيَقِينِ غِنًی وَبِالْعِبَادَةِ شُغْلًا“

”موت فصاحت کو کافی ہے، یقین دنیا سے بے پرواہ کرنے کے لیے کافی ہے، اور عبادت

انسان کو مصروف رکھنے کے لئے کافی ہے“

(یہ حدیث مرفوعاً بھی روایت کی گئی لیکن صحیح بات یہی ہے کہ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ دیکھئے: الضعیفہ رقم: ۵۰۲)

آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”ادْعُوا اللَّهَ وَأَنْتُمْ مُؤَقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ“۔  
”اللہ سے اس حال میں دعا مانگو کہ تمہیں قبولیت کا یقین ہو“

ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تین پردے ہمارے دلوں پر چڑھ چکے ہیں، جنہیں ہٹائے بغیر کوئی بندہ یقین کو نہیں پاسکتا:  
موجود پر خوشی، مفقود پر غم اور تعریف پر مسرت۔ جب تم موجود پر خوش ہو تو حریص کہلاؤ  
گے اور جب مفقود پر غم کرو گے تو گویا اللہ پر ناراض ہو گے اور اللہ پر ناراض ہونے والا  
مسلل عذاب کا شکار رہتا ہے، اور جب تم اپنی تعریف پر مسرت محسوس کرتے ہو تو خود پسند  
ہو جب کہ خود پسندی عمل کو برباد کر دیتی ہے۔ (الاحیاء: ۱۲۱/۵)

یہ انتہائی عجیب قول ہے



## ۲۶ - نادر فائدہ

## اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اسکی ذات و صفات کا استحضار

ایسا فائدہ آپکی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا ہوگا، اور یہ اس لائق ہے کہ اسے سونے کی پانی سے لکھا جائے اور داڑھوں کیساتھ مضبوطی سے پکڑا جائے۔

معرفت الہی کا قریب ترین راستہ یہ ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے نفس کی صفات پر غور کیجئے، پھر وہ صفت کمال جو آپ اپنے لئے پسند کرتے ہیں اسکے حوالے سے جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ اُس صفت کے زیادہ لائق ہے۔ اسی لئے ایک اثر میں وارد ہوا ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا (یہ مسند حدیث نہیں بلکہ بعض علماء عارفین کا کلام ہے)۔ اسی طرح عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ثَلَاثٌ مَنْ جَمَعَهُنَّ فَقَدْ جَمَعَ الْإِيمَانَ: الْإِنصَافُ مِنْ نَفْسِكَ، وَبَذْلُ السَّلَامِ لِلْعَالَمِ، وَالْإِنْفَاقَ مِنَ الْإِنْفَاقِ.

”تین باتیں ایسی ہیں کہ جس نے انہیں جمع کر لیا گویا اُس نے ایمان کو جمع کر لیا: اپنے نفس سے انصاف کرنا، تمام لوگوں کو سلام کرنا، اور تنگدستی میں بھی خرچ کرنا۔“ (الایمان لابن ابی شیبہ: صحیح البخاری: ۱۲/۱)

اپنے نفس سے انصاف کا معنی یہ ہے کہ جس طرح آپ اپنی تعریف پسند کرتے ہیں، اس پر خوش ہوتے ہیں، اپنی عزت چاہتے ہیں، تو اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ سے بڑھ کر اپنی تعریف چاہتا ہے اور تعریف پر خوش ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپکی بات مانیں، بلکہ اگر آپکی اولاد یا زوجہ آپکی نافرمانی کرے تو آپ غصے کا شکار ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے میری بات کا مذاق سمجھ رکھا ہے!



تو پھر آپ خود اپنے خالق و مالک کی نافرمانی کیوں کیے جارہے ہیں؟ اسی طرح آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کے بیوی بچوں اور آپ کے محبوب لوگوں سے محبت کریں اور اگر لوگ ان سے نفرت کریں تو آپ اُن پر ناراض ہو گئے اور انکو خود سے دور کر دیں گے۔ اسی طرح آپ یہ بھی چاہتے ہیں کہ اگر آپ کوئی کتابچہ یا رسالہ تحریر کریں تو لوگ اُسے قدر کی نگاہ سے دیکھیں۔

اسی طرح آپ اپنی بیوی سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ آپ کی اطاعت کرے خواہ بیمار ہی کیوں نہ ہو۔ اور جب وہ آپ کو باقی تمام لوگوں پر ترجیح دے تو آپ اُسکی تعریف کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص مقررہ وقت سے پہلے آپ کی محفل میں آجائے تو آپ اس کے حسن اخلاق کی تعریف کرتے ہیں۔ دیر کر دے تو مذمت کرتے ہیں۔ جب آپ کوئی گمشدہ چیز مل جائے تو آپ کو خوشی ہوتی ہے، اسی طرح جب کوئی گمراہ شخص توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ کو خوشی ہوتی ہے۔

بہر حال آپ جو کچھ لوگوں سے چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر آپ سے چاہتا ہے حالانکہ لوگوں پر کوئی فضل یا احسان نہیں رکھتے، جب کہ آپ خود اپنے وجود سے لے کر ادنیٰ ترین نعمت تک محض اللہ ہی کے فضل کا نتیجہ ہیں۔ لہذا اللہ ہی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اسکے لئے احسان مندی میں لگن ہو جائیے، اور اگر لوگ آپ کے معاملے میں کچھ کوتاہی یا زیادتی کریں تو معافی سے کام لیجئے، مہربانی کا معاملہ کیجئے کہ آپ کا رب تو آپ کی تمام کوتاہیوں اور نافرمانیوں کے باوجود آپ پر مہربان ہے اور اب تک آپ کو مہلت دے رکھی ہے۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کی معرفت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی صفات کو انسان کی صفات کے برعکس سمجھیں، مثلاً انسان فقیر و محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ غنی و لا پرواہ، انسان فانی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ باقی، انسان کمزور ہے اور اللہ غالب و طاقتور، انسان کو مرنے ہے جبکہ اللہ تعالیٰ حی لا یموت، انسان سے مانگا جائے تو ناراض ہوتا ہے

اور اللہ تعالیٰ سے مانگا جائے تو خوش ہوتا ہے، انسان بخیل ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں جیسے چاہے خرچ کرتا ہے۔

انسان غفلت و نسیان کا پلندہ ہے، مگر اہی کا شکار ہو جاتا ہے، اور بہت سی اشیاء اُس سے مخفی رہتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان نقائص سے پاک اور بلند ہے۔ یہ بھی صفات الہی کی معرفت کا صحیح طریقہ ہے۔

تفسیر ”السراج المنیر: (۱۵۰/۱)“ میں بعض روایات کے حوالے سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: اپنے نفس کو پہچانو اور مجھے پہچانو۔ تو انہوں نے دریافت کیا: اے میرے رب: کس طرح؟ تو اللہ تعالیٰ نے اُنکی طرف وحی فرمائی: اپنے نفس کو کمزور و عاجزی اور فنا کیساتھ پہچانو اور مجھے قوت اور بقاء کیساتھ پہچانو۔ یہ اس قول کا دوسرا معنی ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔



## ۲۷- فائدہ

## چالیس خصلتیں جن میں ایک پر عمل کرنے سے جنت کا وعدہ ہے، وہ کونسی ہیں؟

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”أَرْبَعُونَ خَصْلَةً أَغْلَاظُ مِنْبَحَةَ الْعَنْزِ، مَا مِنْ عَامِلٍ يَفْعَلُ بِخَصْلَةٍ مِنْهَا رَجَاءً ثَوَابِهَا وَتَصْدِيقَ مَوْعُودِهَا إِلَّا أَدْخَلَهُ اللَّهُ بِهَا الْجَنَّةَ“

”چالیس خصلتیں جن میں اعلیٰ ترین دودھ والی بکری کسی کو فائدہ اٹھانے کے لئے عاریتاً دے دیتا ہے، جو شخص بھی ثواب کی امید اور ان پر کیے گئے وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے ان میں سے کسی خصلت پر عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس خصلت کی وجہ سے اُسے جنت میں داخل کر دیگا۔“

(صحیح البخاری: ۳۵۸/۱، ابوداؤد، احمد)

حسان کہتے ہیں کہ ہم نے ”مِنْبَحَةُ الْعَنْزِ“ سے کتر خصلتوں کو شمار کیا، جیسے سلام کا جواب، چھینک کا جواب دینا، راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا اور ایسی دیگر باتیں۔ تو ہم پندرہ خصلتیں بھی شمار نہ کر پائے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ ان خصلتوں کو شمار کرنا ٹھیک نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جاننے کے باوجود انہیں شمار نہیں کیا کہ انہیں یونہی مجمل چھوڑ دینے میں کئی فوائد ہیں۔ نیز انہیں شمار کرنا امور غیب میں لاف زنی کے مترادف ہے۔

جب کہ دیگر علماء کا کہنا کہ اگرچہ نبی کریم ﷺ نے انہیں شمار نہیں فرمایا، لیکن اسکی ترغیب

ضرور دلائی ہے۔ پھر اگر انکی معرفت ممکن نہ ہوتی اور انکے شمار میں کوئی فائدہ نہ ہوتا تو آپ ﷺ اجمالی طور پر بھی انکی تعداد کیوں بیان فرماتے؟ اور الحمد للہ یہ خصلتیں تو خود احادیث نبوی میں مذکور ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں بعض خصائل کا تذکرہ کیا ہے اور علامہ عینی نے عمدة القاری (۱۸۷/۱۱۳) میں انکی نسبت زیادہ خصلتوں کا تذکرہ کیا ہے، البتہ انکی ذکر شدہ بعض روایات ضعیف ہیں۔

اس فائدے میں ہم کوشش کریں گے کہ صحیح اور حسن روایات کی مدد سے ان خصلتوں کو بیان کیا جائے تاکہ لوگوں کو انکی طرف رغبت دلائی جائے اور ہم سب ان پر عمل پیرا ہو سکیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ہراء بن عازب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا: مجھے کوئی ایسا عمل سکھلا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں نے مختصر بیان کیا تو یہ مسئلہ رہ جائے گا۔ غلام آزاد کرو اور گردن چمڑاؤ۔ اُس نے پوچھا: کیا یہ دونوں ایک ہی چیز نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، غلام آزاد کرنے (عَفَقُ النِّسْمَةِ) کا معنی یہ ہے کہ آپ اکیلے اُسے آزاد کریں اور گردن چمڑانے (فَلَکَ الرِّقْبَةُ) کا معنی یہ ہے آپ قیمت ادا کرنے میں اُسکی مدد کریں (۱) دودھ والا جانور عاریتاً دو (۲) اور حق تلفی کرنے والے رشتہ دار کی مدد کرو، اور اگر اسکی استطاعت نہ ہو تو (۳) بھوکے کو کھانا کھاؤ، پیاسے کو پانی پلاؤ، نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ اور اگر اسکی بھی استطاعت نہ ہو تو (۴) اپنی زبان کو بھلائی کے علاوہ ہر بات سے روکے رکھو۔

(نبیؐ نے اسے شعب الایمان (۴۳۳۵) میں جید سند کے ساتھ نقل کیا) مذکورہ حدیث میں ان چالیس خصلتوں میں سے چار کا ذکر کیا گیا ہے۔

نیز سیدنا ابو ذر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ کوئی چیز بندے کو آگ سے نجات سے دلاتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا۔ میں

نے کہا: کیا ایمان کیساتھ کوئی عمل بھی ہے؟ فرمایا: (۵) اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے کچھ خرچ کرے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر کوئی بندہ خود فقیر ہو اور اسکے پاس اللہ کی راہ میں دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو کیا کرے؟ فرمایا: (۶) نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر وہ ٹھیک سے بولنا نہ جانتا ہو اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کی قدرت نہ رکھے تو کیا کرے؟ فرمایا: (۷) کسی در ماندہ و عاجز کو اُسکا کام کر دے۔ میں نے کہا: اگر وہ خود ہی عاجز ہو اور کچھ کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو کیا کرے؟ فرمایا:

(۸) کسی مغلوب کی مدد کر دے۔ میں نے کہا: اگر وہ اس قدر ناتواں ہے کہ مظلوم کی مدد نہیں کر سکتا تو کیا کرے؟ فرمایا: تم اپنے ساتھی میں کوئی بھلائی نہیں چھوڑو گے۔

(۹) پھر وہ لوگوں کو تکلیف پہنچانے سے باز رہے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر کوئی ایسا کرے تو جنت میں داخل ہو جائیگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو بھی مسلمان ان خصلتوں میں سے کسی خصلت پر عمل پیرا ہو، تم اُسکا ہاتھ پکڑ کر اُسے جنت میں داخل کر دینا۔ (طبرانی نے اسے ”الکبیر: (۱/ ۸۳۱)“ میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔)

الصحيحه (۳۶۹/۶)

ایک مرفوع حدیث میں آتا ہے: (۱۰)

”مَنْ أَخْرَجَ مِنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا يُؤْذِيهِمْ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِهِ حَسَنَةً وَمَنْ كَتَبَ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً أَدْخَلَهُ اللَّهُ بِهَا الْجَنَّةَ“۔

”جس نے مسلمانوں کے راستے سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دی، اللہ تعالیٰ اسکے لئے بدلے ایک نیکی لکھ دیتا ہے، اور جس کیلئے اللہ تعالیٰ اپنے پاس کوئی نیکی لکھ دے اُسے اس نیکی کے بدلے جنت میں داخل فرمائیگا۔

(طبرانی: المعجم: ۳۵۶/۵)

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: اے اللہ

کے رسول ﷺ! کونسا شخص اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اور کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ وہ شخص ہے جو لوگوں کیلئے سب سے زیادہ نفع رسان ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ترین عمل (۱۱) وہ خوشی ہے جو کسی مسلمان پر داخل ہے، (۱۲) یا اُسکی کوئی پریشانی دور کرے (۱۳) یا اُسکا قراض ادا کرے، (۱۴) یا تم اُسکی بھوک مٹاؤ، (۱۵) اور اگر میں کسی بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے اُسکے ساتھ چلوں تو یہ بات مجھے اس مسجد میں ایک مہینہ احتکاف کرنے سے زیادہ محبوب ہے، (۱۶) اور جس نے اپنے غصے کو روکا اللہ تعالیٰ اُسکے عیبوں پر پردہ ڈال دیگا۔ (۱۷) اور جس نے اپنے طیش کو دبا دیا، جبکہ اگر وہ چاہتا تو اپنا غصہ نکال سکتا تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُسکے دل کو امید سے بھر دے گا (۱۸) اور جو بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے اُسکے ہمراہ نکلا یہاں تک کہ اُسکی ضرورت پوری ہوگئی تو اللہ تعالیٰ اُس دن اُسے ثابت قدم رکھے گا جب لوگوں کے قدم پھسل جائیں گے، اور بُرا اخلاق عمل کو بالکل اسی طرح بگاڑ دیتا ہے جیسے سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

(اسے طبرانی نے روایت کیا: ۲۰۹/۲، الصحیحہ رقم: ۹۰۶)

(۱۹) سلام کرنا،

www.KitaboSunnat.com

(۲۰) چھینک کا جواب دینا۔

(۲۱) ... مسلمان کی عیب پوشی کرنا۔ حدیث میں آتا ہے: ”مَنْ مَسَّ مَسْلِمًا مَسَّوهُ اللَّهُ

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“

”جس نے کسی مسلمان کی عیب پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اُسکی عیب پوشی فرمائیں گے۔“ (مسلم)

(۲۲) ... خیر کی طرف رہنمائی کرنا۔ حدیث میں آتا ہے: ”إِشْفَعُوا فَلْتَجْزُوا“...

(ابوداؤد)

”بھلائی کے کاموں میں شفاعت کرو اور اجر پاؤ“

(۲۳).... لوگوں کے درمیان صلح کروانا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا“.

”اور جس نے اللہ کی رضا جوئی کیلئے ایسا کیا تو عنقریب ہم اُسے اجر عظیم عطا کریں گے“

(۲۴).... اچھی اور پاکیزہ بات کہنا۔ حدیث میں آتا ہے:

”اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ“ (بخاری)

”جہنم کی آگ سے بچو، خواہ آدمی کھجور کے ذریعے اور اگر کوئی یہ بھی نہ پائے تو پاکیزہ بات کے ذریعے“۔

(۲۵).... دو لوگوں کے درمیان عدل کرنا، صدقہ ہے۔

(۲۶).... اور سواری پر چڑھنے میں کسی کی مدد کرنا یا سوار کو اُس کا سامان پکڑا دینا بھی صدقہ

ہے، پاکیزہ بات بھی صدقہ ہے، مسجد کی طرف اُٹھایا جانے والا ہر قدم صدقہ ہے، اور تکلیف

دہ چیز کو راستے سے ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔ (متفق علیہ)

(۲۷).... کشادہ چہرے اور مسکراہٹ کیساتھ مسلمان بھائی سے ملنا۔ حدیث میں آتا ہے:

”كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ وَقَالَ: لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تُلْقَى

أَخَاكَ بِوَجْهِ طَلِيقٍ“ (مسلم)

”ہر بھائی صدقہ ہے، اور فرمایا: کسی نیکی کو حقیر مت جانو اگر چہ اپنے بھائی کیساتھ کشادہ

چہرے سے ملنا ہی کیوں نہ ہو“۔

(۲۸).... درخت لگانا اور کھیتی اُگانا۔ حدیث میں آتا ہے:

”مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْمًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ طَيْرٌ أَوْ

بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ“ (متفق علیہ)

(جو مسلمان بھی کوئی درخت لگائے یا کھیتی اُگائے، تو جو کوئی انسان پرندہ، یا چوپایہ اس

میں سے کھائے گا تو یہ اسکے لئے صدقہ ہوگا)۔

(۲۹).... اپنے برتن میں سے اپنے بھائی کے برتن میں کچھ اٹیل دینا۔ (احمد، ترمذی)

(۳۰).... بھولے بسرے شخص کو راستہ دکھا دینا بھی تمہارے لئے صدقہ ہے۔

(۳۱).... کم دیکھنے والے شخص کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے۔ (مشکوٰۃ: ۱/۱۶۹)

(۳۲)..... اللہ کیلئے محبت کرنا، (۳۳)..... اللہ کیلئے ایک دوسرے سے ملنا،

(۳۴).... اللہ کیلئے ایک دوسرے کیساتھ بیٹھنا، (۳۵) اور اللہ کے لئے باہم خرچ کرنا۔

حدیث میں آتا ہے: ”وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِمُتَحَابِّينَ فِيَّ وَالْمُتَحَابِّينَ فِيَّ وَالْمُعْزَاوِينَ فِيَّ وَالْمُعْزَاوِينَ فِيَّ“۔ [مشکوٰۃ: ۳/۴۶۶]

”اُن لوگوں کیلئے میری محبت واجب ہو چکی ہے جو میری خاطر محبت کرتے ہیں، میری خاطر ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں، میری خاطر ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اور میری خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔“

(۳۶)..... مظلوم اور ظالم کی مدد کرنا، حدیث میں آتا ہے: ”اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ کسی نے پوچھا: مظلوم ہونے کی صورت میں تو اُسکی مدد کروں گا، لیکن ظالم ہو تو کیونکر اُسکی مدد کروں؟ فرمایا: اُسے ظلم سے روک دو، یہی اُسکی مدد ہے“ (بخاری)

(۳۷).... منافقین کی غیبت سے اہل ایمان کی حمایت کرنا۔ حدیث میں آتا ہے:

”مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَرُدُّ عَنْ عَرَضٍ أَخِيهِ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. ثُمَّ قَالَا: ”وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَجْحِي الْمُؤْمِنِينَ“۔

”جو مسلمان بھی اپنے کسی مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن جہنم کی آگ سے اُسکا دفاع کرے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی :

”اور ہم پر حق ہے کہ ایمان والوں کو نجات دیں“ (شرح السنہ، مشکوٰۃ: ۲/۴۲۴)

(۳۸)..... مریض کی عیادت کرنا۔ حدیث میں آتا ہے:

”مَنْ عَادَ مَرِيضًا نَادَى مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ : أَنْ طِبْتُ وَطَابَ مَمْسَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا“۔

”جو شخص کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو ایک منادی آسمان سے ندا لگاتا ہے: تم خوش



رہو، تمہارا چلنا بھی اچھا ہو، اور تمہارا ٹھکانہ جنت ہو“

(ابن ماجہ نے اسے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا)

(۳۹)..... سلام کا جواب دینا، (۴۰)..... مجلس میں کشادگی اختیار کرنا،

(۴۱)..... مصافحہ کرنا، (۴۲)..... درمائدہ حال کی مدد کرنا،

(۴۳) قرمی رشتہ داروں کو عطا کرنا، خواہ ایک رسی ہی کیوں نہ ہو اور خواہ جوتی کا تسمہ ہی

کیوں نہ عطا کیا جائے، اور وحشت زدہ لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور لگاؤ کا مظاہرہ کرنا۔

(۴۴)..... پڑوسن کو حد یہ دینا، حدیث میں آتا ہے:

”لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةً لِّجَارِهَا وَلَوْ فَرَسَيْنِ شَاةٍ“...

”کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کیلئے کسی حقے کو حقیر ہرگز نہ جانے، خواہ وہ بکری کا گھر ہی کیوں

نہ ہو۔“ (بخاری)

مذکورہ تمام خصلتیں محولہ بالا حدیث میں ذکر کردہ چالیس خصلتوں کا مصداق ہیں۔ واللہ تعالیٰ

اعلم۔

اور اگر اسکا مصداق نہ بھی ہوں تو دیگر دلائل کی روشنی میں دخول جنت کے اسباب میں

داخل ہیں، لہذا انکا بیان فائدے سے خالی نہیں۔



## ۲۸ - فائدہ

## گناہوں کے بُرے اثرات

دنیا و آخرت کے تمام مصائب و آلام کا سبب ہمارے گناہ، نافرمانیاں اور کوتاہیاں ہی ہوا کرتی ہیں، ایک فرد اور معاشرہ، مرد اور عورت، کالے اور گورے تمام ہی لوگ گناہوں کے بُرے نتائج سے متاثر ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءً يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾. [النساء: ۱۲۳]

”جو شخص بھی کوئی برا عمل کریگا تو اُسے اُسکا بدلہ دیا جائے گا، اور وہ اللہ کے سوا اپنے لئے کوئی دوست پائے گا اور نہ ہی مددگار“

لفظ ”مَنْ“ پر غور کیجئے کہ یہ عموم کیلئے ہوتا ہے جب کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے خطاب فرمایا ہے اور بتلایا ہے کہ نجات تمہاری اور اہل کتاب کی محض آرزوؤں پر نہیں، بلکہ عمل کی بنیاد پر حاصل ہوگی۔

گناہوں کے نقصانات بے شمار ہیں جن کا شمار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔  
پھر ان نقصانات کی دو قسمیں ہیں:

①..... عمومی نقصانات جو تمام گناہوں سے متعلق ہیں۔

②..... ہر گناہ کا خاص نقصان

گناہوں کی مثال بھی زہر اور امراض کی طرح ہے، جس طرح ہر بیماری انسانی بدن پر ایک خاص اثر چھوڑتی ہے۔ مثلاً بعض بیماریاں دل کو کمزور کرتی ہیں، بعض امراض آنکھوں

پر اثر انداز ہوتے ہیں، بعض دماغ کو بگاڑتے ہیں، بعض ہاتھوں کو بے جان کر دیتے ہیں، بعض انسان کو انتہائی لاغر کر دیتے ہیں، جبکہ بعض انسانی کانوں سے قوت سماعت چھین لیتے ہیں۔ اسی طرح مختلف گناہوں کے بھی مختلف اثرات ہوتے ہیں۔ عمومی طور پر لوگوں کی عادت ہے کہ جسمانی امراض کو توجہ دیتے، اُنکے علاج کا خصوصی اہتمام کرتے اور ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن انہیں گناہوں کی کوئی پروا نہیں ہوتی، نہ ان پر غمگین ہوتے ہیں اور نہ ہی توبہ کی طرف پلٹتے ہیں۔

**خبردار!** آپ نے ایسے لوگوں میں شامل نہیں ہونا۔ کیونکہ گناہوں سے بے پروا ہی تو نفاق کی علامت اور گناہوں پر قلق ایمان کا خاصہ ہے۔ اس فائدے میں ہم گناہوں کے نقصانات کا تذکرہ کریں گے تاکہ ہماری غفلتیں دور ہو سکیں اور ہمارے دلوں میں گناہوں کی نفرت اور ان سے پیداہونے والے زیاں کا احساس جنم لے۔

①..... گناہ ہی تمام مصائب کا باعث بنتے ہیں، خواہ ان مصائب کا تعلق جان و مال سے ہو یا اولاد و ازواج سے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ﴾

[الشوری: ۳۰]

”اور تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے (پہنچتی ہے) اور بہت سی باتوں سے تو وہ درگزر ہی فرماتا ہے۔“

”(اے انسان!) تجھے جو بھی بھلائی ملے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تجھے جو بھی تکلیف پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے۔“

②..... گناہوں کی وجہ سے دل پر زنگ لگ جاتا ہے جو دلوں کی کمزوری کا باعث ہے۔ انسانی بدن میں دل کا مقام بادشاہ کا سا ہے، اور بادشاہ بگڑ جائے تو رعیت تباہ ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ [المطففين: ۱۴]  
 جس طرح لوہے پر زنگ لگ جانے سے اُسکی صلاحیت کم ہو جاتی ہے اور بعض اوقات تو بالکل ہی بے کار ہو جاتا ہے اسی طرح دلوں پر زنگ لگ جائے تو دل بھی اپنی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں۔

③.... دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

”إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَذْنَبَ ذَنْبًا لَكُنْتُ لَكُمُ مَوَدَّاءُ فَيُ قَلْبُهُ فَإِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ وَلَا تَغْلُو قَلْبَهُ“

”بے شک بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اُسکے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے، پھر اگر وہ اس پر توبہ و استغفار کر لے تو اسکا دل پھر سے صاف و شفاف ہو جاتا ہے اور اگر توبہ کی راہ نہ اٹھائے تو یہ سیاہی اُسکے دل پر چڑھ جاتی ہے۔“ (بیہقی)

④.... قیامت والے دن یہ گناہ بندے اور اسکے رب کے درمیان آڑ اور حجاب بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُورُونَ﴾  
 ”ہرگز نہیں! بیشک اس دن وہ (کافر) اپنے رب کے (دیدار) سے یقیناً محروم رکھے جائیں گے۔ [المطففين: ۱۵]۔

کیونکہ دنیا میں انکے دلوں اور رب تعالیٰ کے درمیان گناہوں کا حجاب تھا لہذا انہیں پورا پورا بدلہ دیتے ہوئے قیامت کے دن رب تعالیٰ کے دیدار سے محروم کر دیا جائے گا۔  
 ⑤.... اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ گناہوں پر ہنگامی اختیار کرتے اور توبہ نہ کرنے کے سبب دلوں پر مہر لگ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصْبَأْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَلَطَبَّعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ“

[الاعراف: ۱۰۰]

(کیا ان لوگوں پر واضح نہیں ہو جو زمین میں (پہلے) بسنے والوں (کی ہلاکت) کے بعد

اسکے وارث ہوئے کہ اگر ہم چاہیں تو انکے گناہوں کی وجہ سے انہیں مصیبتوں میں مبتلا کر دیں اور انکے دلوں پر مہر لگا دیں، پھر وہ (کچھ) نہ سن پائیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارے گناہ ہم پر ٹوٹنے والے مصائب کا سبب ہیں اس طرح یہ دلوں پر مہر لگ جانے کا باعث بھی ہیں پھر انسان حق کو سمجھنے اور اختیار کرنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھتا ہے۔

⑥..... گناہ انسان کیلئے ذلت و حقارت اور کمتری کا باعث ہیں، کوئی بھی شخص جب ذلیل و رسوا ہوتا ہے تو گناہوں کے سبب۔ اور عزت پاتا ہے تو اطاعت و عبادت کے سبب۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ﴾. [المجادلة: ۲۰]  
 ”بے شک جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہی ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔“

نیز فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدَ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا﴾. [فاطر: ۱۰]  
 ”جو شخص عزت چاہتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عزت تلاش کرنی چاہیے۔“  
 آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”وَجَعَلَ الذِّلَّةَ وَالصَّفَارَ عَلَى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي“.  
 ”اُس شخص پر ذلت و پستی مسلط کر دی گئی ہے جو میرے احکام کی خلاف ورزی کرے“  
 (اسے امام بخاری نے کتاب الجہاد میں معلقاً روایت کیا ہے)

ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ الذُّنُوبَ تُمِيتُ الْقُلُوبَ	وَلَقَدْ يُورِثُ الذَّلَّ إِذْمَانَهَا
--	--

(میرا مشاہدہ ہے کہ گناہ دلوں کو مردہ کر دیتے ہیں اور انکا مسلسل ارتکاب انسان کو ذلیل و رسوا کر دیتا ہے)

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”إِنَّهُمْ وَإِنْ طَقَطَقَتْ بِهِمُ الْبِقَالُ أَوْ مَلَجَتْ بِهِمُ الْبَرَاذِينُ إِنَّ ذُلَّ

الْمَعْصِيَةِ فِي رِقَابِهِمْ أَنَّى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُدْلَّ مَنْ عَصَاهُ

”گناہ گار لوگ اگرچہ لاتعداد خجروں کے مالک بن جائیں یا گھوڑے انہیں دوڑاتے پھریں لیکن معصیت کی ذلت اُنکی گردنوں پر مسلط رہتی ہے۔“

لہذا اللہ کے نافرمان ہی درحقیقت ذلیل لوگ ہیں چاہے اونچے اونچے محلات میں رہیں، اعلیٰ ترین لباس پہنیں اور قیمتی ترین گاڑیوں میں سفر کریں۔

④... گناہ انسانی نفس کو آلودگی اور دھندلا دینے کا باعث ہیں۔ یعنی گناہوں سے انسانی نفس آلودہ ہو جاتا ہے اور اسکی اچھی شہرت کو نقصان پہنچتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وَلَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّهَا“ [الشمس: ۱۰]

”اور یقیناً ناکام ہوا جس نے اسے (یعنی اپنے نفس کو) آلودہ کیا۔“ یعنی ایسا شخص اپنی مراد نہیں پاسکتا جو گناہوں کے سبب اپنے نفس کو آلودہ اور داغدار کر لے۔

جب کوئی بڑا عالم گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو اسکی شہرت کو بے لگ جاتا ہے اور اُس سے دین کا فائدہ منقطع یا انتہائی کم ہو جاتا ہے

⑤..... گناہوں کی وجہ سے برکت اُٹھ جاتی ہے، علم، رزق، پھل، صحت، اور عمر ہر چیز بے برکت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ [الروم: ۴۱]

”خسکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا جو لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہے تاکہ اللہ انہیں انکے بعض اعمال کا مزہ چکھائے جو انہوں نے کئے تاکہ وہ (ہدایت کی طرف) رجوع کریں۔“

ایک قول کے مطابق فساد کا معنی یہ ہے کہ اشیاء سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی جسم، عمر اور علوم سے برکت اُٹھتی جا رہی ہے، عمر سے کہ تیزی سے بیت رہی ہے لیکن کچھ حاصل نہیں ہو رہا۔ اسکا سبب ہمارے اجتماعی و انفرادی گناہ ہی ہیں۔ اَللّٰهُمَّ غَفِرًا

عدل و انصاف اور اسلام کے دور میں ہر چیز برکت سے پُر ہوا کرتی تھی۔  
 اسوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے مصر میں ایک کلڑی کو باشت کیساتھ ناپا تو وہ تیرہ  
 باشت کی تھی اور ایک اونٹ پر دو کلڑیاں لا دی جاتی تھیں۔ (کتاب الزکوٰۃ)  
 اسی طرح بنو امیہ کے خزانے میں ایک گندم کا دانہ نکلا جو کھجور کے برابر تھا اور اُس پر لکھا تھا  
 کہ یہ گندم عدل و انصاف کے دور میں پیدا ہوئی تھی۔

نیز علماء کرام نے ان ادوار میں چھوٹی چھوٹی عمروں میں بہت سی بڑی بڑی کتابیں لکھ  
 ڈالیں۔ انکے واقعات پڑھنے کے لئے دیکھئے: ”الْمُشَوِّقُ إِلَى طَلَبِ الْعِلْمِ  
 وَالْقِرَاءَةِ“ اور ”قِيَمَةُ الزَّمَنِ“

①..... اسی طرح فساد سے عذاب بھی مراد لیا جاتا ہے مثلاً بارشوں کا ٹک جانا اور  
 درختوں اور پھلوں کا ختم ہو جانا، یا پھر اتنی کثرت کیساتھ بارش ہونا کہ گھروں اور راستوں  
 میں پانی بھر جائے اور عمارتیں منہدم ہو جائیں۔ کراچی میں یہ سطور لکھتے ہوئے بھی  
 بارشوں کی کثرت سے پورا شہر ٹپٹ ہو چکا ہے، راستے خراب ہو چکے ہیں، پانی گھروں میں  
 گھس چکا اور لوگ انتہائی تکلف و صورت حال سے گزر چکے ہیں لیکن پھر بھی توبہ نہیں کرتے۔  
 إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ.

② علم بھلا دیا جاتا ہے

۱۱۔ دل سخت ہو جاتا ہے

۱۲..... اور انسان لعنت کا حقدار قرار پاتا ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَبِمَا نَفْسِهِمْ مِّثَاقَهُمْ لَعْنَهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ [المائدہ: ۱۳]  
 (چنانچہ انکے اپنا عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے انکے دلوں کو  
 سخت کر دیا۔ وہ کلمات کو انکے موقع محل سے بدل ڈالتے ہیں، اور جس چیز کی انہیں تاکید کی

گئی تھی اسکا ایک حصہ انہوں نے بھلا دیا۔

اس آیت کریمہ میں تین بڑی بڑی سزاؤں کا ذکر ہے جن میں سے بعض شدید تر ہیں جیسے لعنت جس کا معنی اللہ کی رحمت سے دوری ہے۔ بعض گناہوں پر خصوصیت کیساتھ لعنت کی وعید بھی آئی ہے جنکی تعداد چالیس سے زیادہ ہے۔

(دیکھئے: اسباب اللعن۔ اور ”تفسیر احسن الکلام“)

دوسرے نمبر پر دل کی سختی ہے جو کسی انسان کیلئے بہت بڑا مصیبت بلکہ مصیبتوں کی جڑ ہے۔

اور تیسری سزا سیان علم اور ذکر و فکر سے غفلت ہے اور یہ بھی کم مصیبت نہیں۔ کیونکہ اسکے نتیجے میں مزید گناہ اور نافرمانیاں جنم لیتی ہیں۔

حدیث میں آتا ہے: ”إِنَّ الرَّجُلَ لَيَنْسَى الْعِلْمَ بِالذَّنْبِ بِصِيبَةٍ“

”بے شک گناہ کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے آدمی علم کو بھول جاتا ہے“

(مسند احمد، جامع بیان العلم لابن عبد البر)

امام مالک رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ امام شافعی رحمہ اللہ سے فرمایا تھا:

”إِنِّي أُرَى عَلَيْكَ نُورًا فَلَا تُعْلِفُهُ بِظُلْمَةِ الْمَعْصِيَةِ“

”بے شک میں تم پر ایک نور دیکھتا ہوں، لہذا تم اسے نافرمانی کی سیاہی سے بجھانہ دینا“

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور شعر ہے:

فَأَرْسَلَنِي إِلَى تَرْكِ الْمَعَاصِي	هَكَوْتُ إِلَى وَكَيْعِ سُوءِ حِفْظِي
وَنُورُ اللَّهِ لَا يُعْطَى لِعَاصِي	وَقَالَ إِنَّ الْعِلْمَ نُورٌ مِنَ اللَّهِ

”میں نے وکیل سے اپنے سوء حفظ کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے گناہ ترک کرنے کے نصیحت کی اور فرمایا: بے شک علم تو معبود حقیقی کا نور ہے اور اللہ کا نور کسی نافرمان کے نصیب میں نہیں ہوتا“



۱۳..... گناہوں کے سبب بندہ اپنے رب سے دور ہو جاتا ہے اور اسکے دل میں وحشت طاری ہو جاتی ہے، پھر اگر کوئی بندہ سمجھدار اور توفیق یافتہ ہو تو اسکے دل میں احساس زیاں پیدا ہوتا ہے اور وہ اس وحشت کو دور کرنے کے لئے توبہ و انابت کی راہ میں اپناتا ہے اور اسکے برعکس اگر بے وقوف اور خورجفا ہو تو اُسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی، ایک کے بعد دوسرا گناہ کیے چلا جاتا ہے، ہلاکت کی اس راہ سے واپس نہیں پلٹتا اور انجام کار ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ عیاذ باللہ تعالیٰ

گناہ سے حاصل ہونے والی لذت کبھی اس وحشت کا مقابلہ نہیں کر سکتی، چند لمحوں کا گناہ برسوں کی ریاضت پر پانی پھیر دیتا ہے۔ کسی شخص نے ایک عارف سے وحشت کی شکایت کی تو جواب ملا :

إِذَا أَوْحَشَنَكَ الذُّنُوبُ	فَدَعْهَا إِذَا هِنَتْ وَاسْتَعَانِسْ
-------------------------------	---------------------------------------

”اگر گناہ تمہیں وحشت زدہ کر دیں تو اگر چاہو تو انہیں ترک کر دو اور آشنائے حرم بن جاؤ۔

اور پھر یہ وحشت صرف رب تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہی نہیں ہوتی بلکہ انسان دوسرے لوگوں سے وحشت محسوس کرتا ہے خصوصاً اچھے لوگوں سے اُسے وحشت سی ہوتی ہے اور بالآخر اپنے آپ سے بھی وحشت اور شکلی ہونے لگتی ہے اور پھر دنیا اپنی کشادگی کے باوجود اس پر تنگ ہو جاتی ہے۔

۱۴..... پاکیزہ رزق سے محرومی

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ [الطلاق : ۲، ۳]

”اور جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ اس کے لئے (مشکلات) سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور وہ اُسے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔“

فرمایا: ﴿وَمَا مِنْ ذَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾ [ہود: ۶]  
 ”اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمے ہے“

مسند احمد کی ایک حدیث میں آتا ہے: ”إِنَّ الْعَبْدَ لَيَحْرُمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ“  
 ”بے شک گناہ کا ارتکاب کرنے سے ایک بندہ رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔“

۱۵..... بعض گناہ نیکوں کو برباد کر دیتے یا انکے اثرات کو کمزور کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءَ النَّاسِ﴾

[البقرة: ۲۶۴]

”اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو اپنا مال  
 لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے۔“

نیز فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تَبْطُلُوا  
 أَعْمَالَكُمْ﴾ [محمد: ۳۳]

(اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے عملوں کو باطل  
 نہ کرو)۔

اسی طرح فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ  
 وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا  
 تَشْعُرُونَ﴾ [الحجرات: ۲]

”اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور آپ سے اونچی آواز میں  
 بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں (بات) کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ  
 تمہارے عمل برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔“

آٹھویں فائدے میں ہم ایک حدیث کا ذکر کر آئے ہیں جس میں ایسے لوگوں کے اعمال  
 برباد ہونے کی وعید ہے جو اپنی غلطیوں میں اللہ کی حرمات کو پامال کرتے ہیں۔

## ۱۶..... گناہ بعض اوقات آیات الہی کے انکار پر منتج ہوتے ہیں

اور ایسا اُس وقت ہوتا ہے جب گناہوں کا سلسلہ دراز ہوتا چلا جائے اور بندہ توبہ و انابت کو یکسر فراموش کر بیٹھے۔ یہ گناہوں کا سب سے بُرا اور بھیانک انجام ہے۔  
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ أَتَوْا السُّوءَ أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ.

”پھر جن لوگوں نے برے کام کئے تھے انکا انجام بھی برا ہی ہوا، اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی آیاتوں کو جھٹلایا تھا۔

اس آیت کی دو تفسیروں میں سے ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ گناہ کا نتیجہ بعض اوقات آیات الہی کی تکذیب کی صورت میں بھی نکلتا ہے۔

۱۷..... گناہوں کے سبب بندہ کتاب اللہ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر پاتا، نہ فہم اور نہ ہی بصیرت۔ بلکہ بعض اوقات تو کتاب اللہ پر ایمان سے ہی محروم ہو جاتا ہے اور کبھی تو بدبختی اس قدر غالب آتی ہے کہ دوسروں کو بھی کتاب اللہ سے روکنے والا بن جاتا ہے۔ اسکا واحد سبب گناہوں کی کثرت ہے اور بالخصوص تکبر و سرکشی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَأْصُوفٌ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ لِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾. [الأعراف: ۱۴۶]

”عنقریب میں ان لوگوں کو اپنی آیات سے پھیر دوں گا جو زمین پر بغیر حق کے تکبر کرتے ہیں“  
مفسرین فرماتے ہیں کہ پھیر دینے سے مراد یہ ہے کہ انکے فائدے، فہم، بصیرت اور ان پر ایمان سے پھیر دیا جائے۔ (نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ)... اعزازہ کیجئے کہ تکبر کی سزا کتنی سخت ہے، اور اسکے متعلق حدیث میں آتا ہے:

۱۸..... ”لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ“ (مسلم)

”جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو، وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔“

۱۹..... ایک گناہ دوسرے گناہ کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ بھی بہت بڑی سزا ہے۔  
 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا﴾ [آل عمران: ۱۵۵]  
 ”یہ تک جب دو لشکر (اُحد میں) آپس میں ٹکرائے تھے تو تم میں سے جن لوگوں نے  
 پسپائی اختیار کی یقیناً وہ اپنی بعض کوتاہیوں کے سبب شیطان کے بہکاوے میں آ گئے تھے“  
 یعنی ایک نافرمانی انکے لئے دوسری نافرمانی کا باعث بن گئی۔

نیز فرمایا: ﴿ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ﴾ [آل عمران: ۱۱۲]  
 ”اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے“  
 یعنی انکی نافرمانیاں ہی کفر و تکذیب اور اللہ کے غضب کا باعث تھیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد  
 فرمایا: ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾

”پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انکے دل ٹیڑھے کر دیئے [الصف: ۵]  
 یہ آیت کریمہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب انسان کا ظاہر بگڑ جائے تو باطن بھی  
 بگڑ جاتا ہے۔ نیز اس آیت سے اُن لوگوں کی بات بھی باطل ہوتی ہے جو برائیوں کا  
 ارتکاب کرتے ہیں اور سمجھایا جائے تو کہتے ہیں کہ ہمارا دل پاک صاف اور ہماری نیت  
 ٹھیک ہے، حالانکہ ظاہر بُرا ہو تو دل بھی ناپاک ہو جاتا ہے اور بُرے عمل میں بھی بھلا اچھی  
 نیت ہو سکتی ہے؟

۲۰..... گناہ استدراج کا باعث بھی ہوتے ہیں

استدراج یہ ہے کہ انسان خود کو بہت اچھا سمجھے حالانکہ وہ اللہ کا دشمن ہو، اور نعمتوں کی برکھا  
 برتی رہے حالانکہ وہ اللہ کا نافرمان ہو۔

حدیث میں آتا ہے: ”إِذَا رَأَيْتُمُ اللَّهَ يُعْطِي الْعَبْدَ عَلَى مَعَاصِيهِ فَأَعْلَمُوا أَنَّهُ  
 اضْطِرَّاجٌ“ [مسند احمد: ۴/ ۱۴۵، الصحيحة: ۴۱۴]

”جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانیوں کے باوجود کسی بندے کو عطا کر رہا ہے تو جان لو کہ یہ استدراج ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِينَ كَذَبُوا بآيَاتِنَا مَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [الاعراف: ۱۸۲]

”اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ضرور انہیں بتدریج پکڑیں گے جہاں سے انہیں علم تک نہ ہوگا۔“

نیز فرمایا: ﴿أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِلُّهُمْ بِهِ مِنْ مَالٍ وَبَيْنِ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ [المؤمنون: ۵۶، ۵۵]

”کیا وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک ہم جو بھی ان کے مال اور اولاد میں اضافہ کئے جا رہے ہیں (تو) کیا ہم ان کیلئے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں نہیں) بلکہ وہ (اصل حقیقت کا) شعور نہیں رکھتے۔“

اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے دنیا میں ہی سزا دے دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں بھی آتا ہے

۲۱۔ سابقہ امتوں پر نازل ہونے والے عذابوں کی وجہ بھی اُنکے گناہ تھے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ﴾ [غافر: ۲۱]

”کیا وہ لوگ زمین میں گھومے پھرے نہیں پھر وہ دیکھتے کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے تھے؟ وہ ان سے قوت میں اور زمین میں (چھوڑی ہوئی) نشانیوں کے لحاظ سے کہیں بڑھ کر تھے پھر اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث انہیں پکڑ لیا اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔“

ہر عذاب کا سبب بنی آدم کے گناہ ہی ہوا کرتے ہیں۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”مَا نَزَلَتْ مُصِيبَةٌ إِلَّا بِذَنْبٍ وَلَا رُفِعَتْ إِلَّا بِتَوْبَةٍ“۔ [فتح الباری]

(ہر مصیبت کا نزول صرف گناہ کے سبب ہوتا ہے، اور مصیبت کوٹالنے کا ذریعہ بھی صرف گناہوں سے توبہ ہے)۔

۲۲- گناہ انسان کو حقیر ترین جانوروں کے درجے پر لے جاتے ہیں، مثلاً کتا، گدھا، خنزیر وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ ایسے عالم کے متعلق جو علم کے تقاضوں سے نااہل اور خواہشات دنیا کا اسیر ہو، فرماتے ہیں:

﴿لَمَنَلَهُ كَمَلِيَ الْكَلْبِ إِنْ نَعْمَلْ عَلَيْهِ يَلْهَثُ أَوْ تَعْرُكُهُ يَلْهَثُ﴾۔

[الاعراف: ۱۷۶]

”چنانچہ اسکی مثال کتے کی سی ہے کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تو بھی ہانپتا ہے اور اگر اسے چھوڑ دے تو بھی ہانپتا ہے“۔

اور ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا: ﴿كَمَلِيَ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا﴾ [الجمعه: ۵] نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ﴾۔ [الانفال: ۲۲]

(بیک اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والوں میں بدترین وہ بہرے گوشتی ہیں جو عقل نہیں رکھتے)۔

۲۳.... گناہوں کے سبب دنیا و آخرت کی تنگی اور بد حالی کا سامنا کرنا پڑتا ہے

دنیا کشادگی کے باوجود تنگ ہو جاتی ہے، قبر بھی تنگ لیتی ہے اور آخرت میں ”مَکَانٌ ضَیْقٍ

”انکا استقبال کرتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمًى﴾ [طہ: ۱۲۴]  
(اور جس نے میری یاد سے منہ موڑا تو بلاشبہ اسکی زندگی تنگ ہوگی اور روز قیامت ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے)۔

۲۴..... دنیا و آخرت میں پاکیزہ و خوش بخت زندگی سے محرومی

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَعْيَاهُمْ وَمَعْيَاهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ [الحاثیہ: ۲۱]  
(کیا جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کے مانند کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کا جینا اور مرنا برابر ہے۔ برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں)۔

یعنی جنتیوں اور جہنمیوں کی زندگی میں آخرت کی طرح دنیا میں بھی بڑا واضح فرق ہوتا ہے، دونوں کی الگ الگ دنیا ہوتی ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنْفًى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً﴾ [النحل: ۹۷]

(جس نے نیک عمل کیے، مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مؤمن ہوں تو ہم ضرور اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے)۔

۲۵..... گناہوں کے سبب بندہ توفیق الہی سے محروم ہو جاتا ہے، مزید گناہوں پر جری، انجام سے بے خوف اور نصرت الہی سے محروم۔  
اصحاب سبت کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿كَذَلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ [الأعراف: ۱۶۳]

(اسی طرح ہم انہیں آزماتے تھے اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے)۔

یعنی انکے فسق و فجور کی وجہ سے ہی اُس دن مچھلیوں کی زیادتی سے اُنکی آزمائش کی گئی، البتہ اگر وہ لوگ تقویٰ و پرہیزگاری کی راہ پر چلنے والے ہوتے تو روزانہ ہی مچھلیاں زیادہ تعداد میں ہوتیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ متقین پر اپنی برکات نازل فرماتا ہے اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کیلئے کوئی نہ کوئی راہ ضرور نکال دیتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا فرما ہے: ﴿وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنِيسِرُهَا لِلْعُسْرَىٰ﴾ [اللیل: ۱۰، ۹، ۸]

(لیکن جس نے سختی کی اور پرواہ نہ کی اور اس نے نیک بات کو جھٹلایا تو اسے ہم تنگی کی (راہ میں) سہولت دیں گے)۔

یعنی ایسے شخص پر خیر و بھلائی کی راہ تنگ اور گناہوں اور ہلاکت کی راہیں آسان و میسر ہو جاتی ہیں۔ والعیاذ باللہ

اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہوگی کہ کسی بندے کے کیلئے نیکی کرنا مشکل اور برائی کرنا آسان کر دیا جائے۔

## ۲۶..... دل اور چہرے کی سیاہی

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ لِلْحَسَنَةِ حِمَاءً فِي الْوَجْهِ وَتُورًا فِي الْقَلْبِ وَسَعَةً فِي الرِّزْقِ وَقُوَّةً فِي الْبَدَنِ وَمَحَبَّةً فِي قُلُوبِ الْخَلْقِ وَإِنَّ لِلْسَيِّئَةِ سَوَادًا فِي الْوَجْهِ وَظُلْمَةً فِي الْقَلْبِ وَهَنًا فِي الْبَدَنِ وَنَقْصًا فِي الرِّزْقِ وَبِقِصَّةٍ فِي قُلُوبِ الْخَلْقِ

[الحواب الکافی لابن القیم: ص- ۸۴]

(یقیناً نیکی کرنے سے چہرے پر روشنی، دل میں نور، رزق میں وسعت بدن میں قوت،



اور مخلوق کے دلوں میں محبت جنم لیتی ہے، اور برائی کے ارتکاب سے چہرے پر کالک، دل میں سیاہی، بدن میں کمزوری، رزق میں کمی اور مخلوق کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔

۲۷..... معصیت انسان کو اطاعت سے روکتی ہے

۲۸..... عمر سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ جبکہ اسکے برعکس اطاعت و فرمانبرداری، صلہ رحمی، او ر پڑوسیوں کیساتھ اچھا برتاؤ کرنے سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔

۲۹..... دل کمزور ہو جاتا ہے۔ ارادے مضحل اور حوصلہ پست۔ پھر توبہ کا ارادہ بھی ختم ہوتا چلا جاتا ہے اور اگر زبانی کلامی توبہ کر بھی لے تو دل پھر بھی اسی گناہ پر مہر اور پختہ ہوتا ہے۔  
واللہ المُستَعَانُ.

۳۰..... جب کوئی دل کسی گناہ کا عادی ہو جائے تو پھر اسکی قباحت اُسکے دل سے جاتی رہتی ہے اور وہ اسقدر بے حیاء ہو جاتا ہے کہ سرعام اس کا ارتکاب کرنے لگتا ہے، بلکہ ایسے فاجر لوگوں کو تولد ہی تب ملتی ہے جب کھلم کھلا گناہ کریں یا لوگوں کے سامنے اسکا چرچا ہو۔  
اسی لئے آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”كُلُّ أُمَّتِي مُعَاْفِي إِلَّا الْمُجَاهِرُونَ“.  
”میری تمام امت معاف کر دی جائے گی سوائے کھلم کھلا نافرمانیاں کرنے والوں کے“

[بخاری]

۳۱..... تمام گناہ ہی سابقہ عذاب یافتہ جھٹلانے والی اقوام کا ورثہ ہیں، لواطت قوم لوط کی میراث ہے، ناپ تول میں کمی قوم شعیب کا ورثہ ہے، تکبر و سرکشی قوم فرعون کا ورثہ ہے، اور اسی طرح دیگر گناہ بھی باقی اقوام میں سے کسی نہ کسی کا شیوہ ہیں۔ جبکہ کفار کیساتھ مشابہت سخت حرام اور انتہائی خطرناک ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو بھی اسی انجام سے دوچار ہونا پڑے۔ (والعیاذ باللہ)

اللہ تعالیٰ قوم لوط کی جابہی اور ان پر پھروں کی بارش کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

﴿وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ﴾ [ہود: ۸۳]

”اور یہ انجام ظالموں سے کچھ دور نہیں۔“

یعنی دیگر ظالموں پر بھی یہ پتھر برس سکتے ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ اپنی کتاب ”الزهد“ میں مالک بن دینار رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی کی طرف وحی فرمائی: ”اپنی قوم سے کہو کہ میرے دشمنوں کے افعال نہ اپنائیں، میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنیں، اور میرے دشمنوں کا کھانا نہ کھائیں، مبادا کہیں یہ بھی انہی کی طرح میرے دشمن نہ بن جائیں۔“

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ“ [ابوداؤد]  
”جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے، وہ انہی میں سے ہے۔“

۳۲..... یہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بندے کی حقارت و حقیت کی دلیل ہیں

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”هَانُوا عَلَيْهِ فَعَصَوْهُ وَلَوْ عَزُّوا عَلَيْهِ لَعَصَمَهُمْ“

”یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں کمتر ٹھہرے، جیسی تو اُسکی نافرمانی کی، اگر اللہ کے نزدیک انکی کوئی قدر و قیمت ہوتی تو وہ مہربان مالک انہیں گناہوں کی پستی سے بچا ہی لیتا۔“

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يُهِنُ اللَّهَ فَمَالَهُ مِنْ مُكْرِمٍ﴾ [الحج: ۱۸]  
”جسے اللہ ذلیل کر دے اُسے کوئی عزت و تکریم دینے والا نہیں“

۳۳..... گناہ گار کو اپنے گناہ چھوٹے اور حقیر نظر آنے لگتے ہیں اور یہی ہلاکت کی علامت ہے، کیونکہ جب کوئی گناہ انسان کو حقیر محسوس ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اتنا ہی عظیم ہو جاتا ہے

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”مومن اپنے گناہ کا بوجھ یوں محسوس کرتا ہے گویا کہ وہ کسی پہاڑ کے نیچے کھڑا ہے اور کسی بھی وقت پہاڑ کے اپنے اوپر گرنے سے خوفزدہ ہے، جبکہ فاجر آدمی اپنے گناہوں کو یوں سمجھتا ہے جیسے اُسکے ناک پر کوئی کمی بیشی ہے، وہ ذرا سا ہاتھ ہلائے گا تو کمی اڑ جائیگی۔“

۳۴..... جانور بھی گناہوں کی نحوست کا شکار ہو جاتے ہیں

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ظالم کے ظلم کی وجہ سے سرخاب بھی اپنے گھونسلے میں موت کا شکار ہو جاتا ہے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب قحط سخت ہو جاتا ہے اور بارش رک جاتی ہے تو چوپائے بھی نبی آدم میں سے نافرمانوں پر لعنت بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بنی آدم کی نافرمانیوں کی نحوست ہے۔

۳۵..... عقل میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے

عقل بھی ایک نور رکھتی ہے اور نافرمانی اس نور کو بجھا دیتی ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے: جب کوئی اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسکی عقل غائب ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حَبْرٍ﴾ [الفجر: ۵]

(یقیناً ان (حیزوں) میں صاحب عقل کیلئے معتبر قسم ہے)۔

نیز فرمایا: ﴿وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النَّهْيِ﴾ [طہ: ۵۴]

(بیشک اس میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں)۔

۳۶۔ نافرمان بندہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور فرشتوں کی دعاؤں سے محروم ہو جاتا ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ﴾ [غافر: ۷]

”جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور اسکے ارگرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کیلئے بخشش مانگتے ہیں (وہ کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو (اپنی) رحمت اور اپنے علم سے ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، لہذا ان

لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستے کی پیروی کی اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔“

۳۷..... گناہوں کے نتیجے میں انسان کے دل سے اپنے نفس، اہل خانہ اور دیگر لوگوں سے متعلق غیرت ختم ہو جاتی ہے۔

۳۸..... گناہوں کے سبب حیا بھی جاتی رہتی ہے، جو دل کی اصل زندگی اور ہر بھلائی کی جانی ہے۔

۳۹..... اللہ رب العزت کی تعظیم اور وقار کا احساس کم ہو جاتا ہے کیونکہ اگر بندے کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و وقار کا کوئی پاس ہوتا تو وہ نافرمانی کی جرأت کیسے پاتا؟

۴۰..... جب بندہ اللہ تعالیٰ کو فراموش کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ بھی اُسے بھلا دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ﴾ [الحشر: ۱۹]

”اور اُن کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں اپنا آپ بھلا دیا“  
بندے کے اپنے نفس کو بھلا دینے کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے اپنا نصیب اور نجات کے اسباب کو فراموش کر بیٹھتا ہے اور خود کو گھٹیا ترین معاوضے کے بدلے بیچ دیتا ہے۔

۴۱..... گناہ بندے کو احسان کے درجے سے نکال دیتے ہیں

۴۲..... بلکہ یہ گناہ تو دائرہ ایمان سے نکلنے کا باعث بھی ہیں، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:  
”لَا يَزِيهِ الزَّالِيهِ جَهَنَّمَ يَزِيهِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ جَهَنَّمَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ“

”جب کوئی زانی زنا کر رہا ہوتا ہے تو مؤمن نہیں ہوتا، اور جب کوئی چور چوری کرتا ہے تو اُس وقت مؤمن نہیں ہوتا۔“

۴۳..... گناہ تمام پریشانیوں اور غموں کا دروازہ ہیں

۴۴..... نافرمانیاں بندے کو اللہ کی راہ چلنے سے روک دیتی ہیں

- ۴۵..... نعمتوں کے زوال اور عذابوں کے نزول کا سبب ہیں۔
- ۴۶..... گناہوں کے ارتکاب سے انسان کے دل میں خوف اور رعب پیدا ہوتا ہے۔
- لہذا فاسق و فاجر انسان کو
- آپ ہمیشہ مرعوب و خوف زدہ دیکھیں گے۔
- ۴۷..... انسان بصیرت کھو بیٹھتا ہے، اور دل اندھا ہو جاتا ہے
- ۴۸..... نفس حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے
- ۴۹..... شیطان کا پھندا مزید سخت ہو جاتا ہے
- ۵۰..... انسان کمزور اور شیطان جبری ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اہل و عیال اور دوسرے لوگوں کی نظروں سے بھی گر جاتا ہے اور انکے سب دشمن کا ہدف بھی بنتا ہے
- ۵۱..... دشمن کو مدد ملتی ہے اور گناہ کر کے انسان خود ہی دشمن کو مسلح اور خود کو در ماندہ کر بیٹھتا ہے۔
- ۵۲..... بندہ اپنے مولیٰ سے دور ہو جاتا ہے
- مختصر یہ کہ دنیا و آخرت میں گناہوں کے بُرے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، دین، جان، مال، روح، صحت، غیرت، عزت، علم، تقریر، تحریر، عمر اور تمام چیزیں ہی ان اثرات بد کی زد میں آتی ہیں۔ لہذا ہر عقل مند بندے پر واجب ہے کہ گناہوں سے ہلکی چمکی توبہ کرے، جب جب کوئی گناہ ہو فوری طور پر اسکا مداوا کرے، توبہ و استغفار کو شعار بنالے۔ ہر نافرمانی کے بعد فرمانبرداری کے ذریعے اسکا داغ دھو ڈالے اور ایسے تمام افراد اور جگہوں سے دور بھاگے جو گناہوں پر اُکساتے ہیں، اسی لئے ہجرت کو واجب قرار دیا گیا ہے۔
- ایک حدیث میں آتا ہے: [يُؤْهِكُ أَنْ يُكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَقْوِي بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ] [بخاری]
- ”قریب ہے کہ مسلمان کے بہترین مال اُسکی بکریاں ہوں جنہیں لیکر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کی جگہوں پر چلا جائے اور اپنے دین کو فتنوں سے بچا کر کھل جائے۔“

ان نقصانات کا تفصیلی جائزہ لینے کے لئے ابن القیم رحمہ اللہ کی کتاب ”السجواب الکافی“ کا مطالعہ کیجئے، اس میں آپکو مشاغل جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اے گناہ کرنے والے! اپنے گناہ کے انجام سے بے خوف مت ہو، یاد رکھ کہ گناہ کا نتیجہ اس سے بھی برا ہوتا ہے، تیرا گناہ کے وقت اپنے دائیں بائیں رہنے والی ہستی سے حیا نہ کرنا بھی گناہ سے کم نہیں، گناہ کرتے وقت تیرا ہنسنا بھی گناہ سے بڑا جرم ہے حالانکہ تو نہیں جانتا کہ اللہ تیرے ساتھ کیا کرنے والا ہے، گناہ کا موقع مل جائے تو خوش ہونا اور موقع نہ ملے تو تیرا غمگین ہونا بھی گناہ سے بڑھ کر ہے، تو ہوا سے ڈرتا ہے کہ ہوا گناہ کے وقت تیرا پرداہ فاش نہ کر دے، لیکن اس بات پر تیرا دل کبھی غمگین نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہا ہے؟

اے گناہ کرنے والے! کیا تو جانتا ہے کہ ایوب علیہ السلام کے جسم اور مال پر آنے والے ابتلا کی وجہ کیا تھی؟ انکا قصور اور گناہ کیا تھا؟ صرف یہی کہ یہ ایک مسکین نے ظلم سے بچنے کیلئے ان سے مدد مانگی تھی اور انہوں نے اسکی مدد نہیں کی تھی۔

[دیکھئے: صور من حياة الصحابة : ۳/۶۰، ۶۱]



## ۲۹ - فائدہ

## آپ چار خصلتوں کے بغیر عالم نہیں بن سکتے

- ①.....ایمان
  - ②.....اللہ رب العالمین کی خشیت
  - ③.....اللہ مہربان کی عبادت
  - ④.....تقویٰ و پرہیزگاری
- اور ان کے ساتھ ہی چار دیگر خصلتیں اپنانا بھی ضروری ہے:
- ①.....وقت کی حفاظت
  - ②.....علم کا شوق
  - ③.....سبق یاد کرنا
  - ④.....علم کی مجلس میں خاموشی اور توجہ سے بیٹھنا
- اور یہ سب چیزیں چار باتوں سے ممکن ہیں
- ①.....جسم کی تندرستی
  - ②.....رزق کی وسعت
  - ③.....قوت حافظہ
  - ④.....لگن و جستجو
- جیسا کہ دیگر چار باتیں ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے:
- ①.....فہم و تدبیر
  - ②.....علم کی باتیں کان لگا کر سننا

④..... علم کی محفلوں میں خاموشی

⑤..... علم کی نشر و اشاعت

نیز علم کی اعلیٰ رتبے پر پہنچنے کیلئے بھی چار باتوں کا خیال رکھیں:

①..... اتباع سنت

②..... ہر بات میں اللہ عز و جل کا مراقبہ

③..... شہوات پر قابو پانا اور نگاہیں نیچی رکھنا

④..... رزق حلال

اور اعلیٰ ترین علوم بھی چار ہیں

①..... علم خشوع

②..... اللہ تعالیٰ کے علم کا علم (یعنی اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب اور ہر مخفی سے مخفی بات سے

آگاہ سمجھتا)

③..... علم تدبیر القرآن

④..... حلال و حرام کا علم، جسے علم الاحکام بھی کہا جاتا ہے

اور علم کا کمال بھی چار چیزوں میں ہے:

①..... روایت

②..... درایت

③..... رعایت

④..... سابقہ تینوں علوم کا اجتماع

علم سے روکنے والی باتیں بھی چار ہیں:

①..... طمع و لالچ

②..... دنیا کی محبت



۴..... تکبر

۴..... خود پسندی

اسی طرح کی چار چیزیں اور بھی ہیں:

۱..... سوء ادب

۲..... غموں کی کثرت

۳..... کثرت کتب

۴..... شہرت و ناموری (کما فی أبجد العلوم)

چار باتیں حافظے اور فہم کو تیز کرتی ہیں

۱..... عقل کی قوت بروئے کار لانا

۲..... سیاق و سباق پر غور کرنا

۳..... بڑوں کی خدمت کرنا

۴..... اللہ عز و جبار سے دُعا و التجا کرنا

حق تک پہنچنے کیلئے بھی چار باتیں ضروری ہیں:

۱..... نیک ارادہ

۲..... عدل و انصاف

۳..... اللہ عز و جل کی رضا جوئی

۴..... حساب کتاب کا خوف

جیسا کہ چار دیگر باتیں بھی اسکے لئے ضروری ہیں:

۱..... اچھی کتابوں کا انتخاب کرنا

۲..... اچھا معلم منتخب کرنا

۳..... رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور شخص یا گروہ کیلئے تعصب نہ رکھنا

۴..... مروجہ تنظیموں اور جماعتوں کا حصہ نہ بننا  
نیز کسی عالم کا علم اُس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک اُس میں چار خصلتیں نہ ہوں:

①..... ایمانت

②..... سیانت (پاک دامنی و عزت مندی)

③..... رزانت (سجیدگی و بردباری)

④..... دیانت (دیانت داری)

اور اشرف ترین علوم بھی چار ہیں:

①..... علم تفسیر

②..... علم حدیث

③..... فقہ الواقع (موجودہ حالات کا صحیح فہم)

④..... علم قلوب



## ۳۰۔ فائدہ

## اللہ کی قدر پہچاننا

بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں پہچانتے حالانکہ اللہ عزوجل ہی ہر قسم کی کبریائی و بڑائی اور تعظیم و تقدیر کا مستحق ہے۔

ایسے لوگوں کی توبیخ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴾ [نوح: ۱۳]

”تمہیں کیا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے وقار (عظمت) کا عقیدہ نہیں رکھتے؟“

ابن عباس رضی اللہ عنہما اسکی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے“

اس طرح شعیب علیہ السلام سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ قَالَ أَرَأَيْتَ أَغْزُ عَلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَاتَّخَذْتُموهُ وَرَأَيْتُمْ ظَهْرِيَّ إِنَّ رَبِّيَ بِمَا تَعْمَلُونَ مُبْهِطٌ ﴾ [ہود: ۹۲]

”شعیب نے کہا: اے میری قوم! کیا میرا قبیلہ تم پر اللہ سے زیادہ دباؤ والا ہے؟ اور تم نے اس (اللہ) کو انہی اپنے پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے، بیشک تم جو عمل کرتے ہو میرا رب ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (التسہیل)

نیز فرمایا: ﴿ وَإِذَا أَلْمَعْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَا بِجَابِہِہِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ کَانَ یُومِسًا ﴾ [الاسراء: ۸۳]

”اور جب ہم انسان پر انعام کریں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور اپنا پہلو بچا لیتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچے تو مایوس ہو جاتا ہے۔“

انسان ہر پل اللہ کا محتاج و فقیر ہے اسکے باوجود اگر کوئی بندہ اپنے مالک و خالق سے منہ پھیرتا ہے تو یقیناً وہ اللہ کی قدر بالکل بھی نہیں پہچانتا۔  
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ [الانعام: ۹۱]

”اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جس طرح اسکی قدر کرنے کا حق ہے“

یعنی اللہ کی تعظیم کا حق ادا نہیں کیا (ابن عباس رضی اللہ عنہما)

اور اللہ کو پہچاننے کا حق ادا نہیں کیا (أنفث بن یزید)

اور اللہ کی تعریف و توصیف کا حق ادا نہیں کیا (فراء بن یزید)

یہ بات اللہ عز و جل نے تین مقامات پر ذکر فرمائی ہے:

(۱) سورة الانعام (۲) سورة الحج (۳) سورة الزمر

اور یہ بات بھی اس مسئلے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے

مندرجہ ذیل باتیں اللہ عز و جل کی تعظیم و تقدیر پر دلالت کرتی ہیں:

(۱).....اللہ پر ایمان

(۲).....اس بات کا یقین رکھنا کہ اللہ عز و جل ہی قوی و عزیز ہے، اُسے کوئی چیز عاجز کر

سکتی ہے اور نہ ہی اُسکی قدرت سے باہر ہے، وہ عزت و قوت کا مالک ہے۔ جو شخص بھی اس

بات کا دل سے یقین رکھتا ہے تو گویا وہ اللہ کی قدر پہچان چکا ہے۔

(۳).....اس بات پر ایمان رکھنا کہ اللہ عز و جل فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول

منتخب کرتا ہے، فرشتوں کا کام اس کائنات کی تدبیر اور انسان رسولوں کا کام اللہ کا پیغام اُسکے

بندوں تک پہنچانا اور انہیں رشد و ہدایت کی طرف بلانا ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی

مخلوق کو بے کار میں پیدا نہیں فرمایا اور نہ ہی وہ اپنے بندوں کو یوں چھوڑ سکتا ہے۔

لہذا جو شخص بھی یہ یقین رکھتا ہے تو گویا وہ اللہ کی قدر پہچانتا ہے البتہ اس بات پر ایمان بھی

ضروری ہے کہ محمد کریم ﷺ کے ذریعے رسولوں کا سلسلہ اختتام پذیر ہو چکا ہے۔

(۴).... اس بات کا یقین کی حد تک علم رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہر بات سے واقف ہے، اُسکا علم ہر چیز کا احاطہ کر چکا ہے، وہ ہر غیبی بات کو جانتا ہے اور دل کے مجیدوں تک سے آگاہ ہے۔

(۵)..... بعث بعد الموت پر ایمان رکھنا

(۶)..... نماز اور دیگر امور زندگی میں اللہ کے سامنے جھکا رہے۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نماز اور دیگر مجالس میں سر مبارک جھکا کر رکھتے تھے، نیز فتح مکہ کے شاندار موقع پر بھی آپ کا سر مبارک اللہ کی خاطر تواضع سے جھکا ہوا تھا۔

(۷)..... نماز اور نماز کے علاوہ بھی اللہ عز و جل کیلئے سجدہ ریز ہونا، سجدوں کی تمام اقسام اللہ کیلئے خاص ہیں، اور بندے کا اپنی معزز ترین پیشانی کو اللہ کے سامنے زمین پر رکھ دینا اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل ہے۔

(۸)..... تمام ظاہری و باطنی، مالی و بدنی عبادات بجالانے کی کوشش کرے اور عبادت تو دراصل قلبی محبت اور انکساری کا نام ہے۔ لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ سے دلی محبت کرتا ہے اور اسکے سامنے جھک جاتا ہے، وہی اللہ تعالیٰ کی حقیقی تعظیم و قدر کرنے والا ہے۔ تو کیا آپ بھی ان لوگوں میں شامل ہیں؟

(۹).... استطاعت بھرنیکیاں کرنے کی کوشش کرے اور کسی نیکی کو حقیر سمجھ کر ترک نہ کرے۔

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے تو نیکی کو پہچانے، پھر اسکی خوب رغبت پیدا کرے، اور اسکے بعد معمولی سے معمولی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھے۔

(۱۰)..... اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کرے، اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اپنی جان لڑا دے، اپنی زبان کو خیر کے سوا ہر بات سے روک دے، اور اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہ لائے۔

(۱۱)..... دل، عمل، نیت، اور نام، ہر چیز میں مسلمان بن جائے، اور اسلام سے زیادہ محبوب کوئی دوسری چیز نہ رہے۔ اسلام ہی کی دعوت دے اور خود کو مسلمان کہے اور اسلام

پر ہی عمل کرے۔ ایک شخص اگر خود کو مسلمان کہتا ہے لیکن دوسرے مسلمان کی تکفیر کرتا ہے تو اس کا یہ عمل اسلام کے منافی ہے۔!!!

(۱۲)..... فرض نمازوں کو اچھائی اہتمام و محبت کیساتھ قائم کرے اور نوافل کی بھی رغبت رکھے۔

(۱۳)..... اپنے مال کی زکوٰۃ دے اور بخل سے بچے۔ اگر کوئی شخص اپنے بہت سے مال میں سے تھوڑا سا مال بھی اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا تو پھر اسکے دل میں اللہ تعالیٰ کی قدرو منزلت کیونکر ہو سکتی ہے؟

(۱۴)..... تمام احوال میں اللہ کیساتھ چٹا رہے، اسی پر توکل رکھے اور اُسی کے سامنے اپنی فریاد پیش کرے۔

(یہ تمام امور سورۃ الحج کے آخری حصے سے ماخوذ ہیں مزید تفصیل کیلئے سورۃ الحج کی طرف رجوع کریں)



## ۲۱- فائدہ

## قرب الہی کی راہیں

ہر بندے پر واجب ہے کہ وہ اپنے مالک کا قرب حاصل کرنے کی سعی کرے، کہ اسی میں اسکی کامیابی ہے بصورت دیگر ناکامی و درنا کامی۔  
کیونکہ ظاہر ہے رب تعالیٰ کو ناراض اور دور کر کے آپ سوائے خسارے کے اور کیا حاصل کر سکتے ہیں؟

اس فائدے میں ان اعمال کا تذکرہ ہوگا جو آپ کو رب تعالیٰ کے قریب کر دیں گے اور جن کے نتیجے میں آپ بھی اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں شامل ہو جائیں گے، لہذا لپک کر ان اعمال کو اپنالیں!

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

”اے لوگوں جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور اس کا قرب تلاش کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔“ [المائدہ: ۳۵]

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں وسیلہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اللہ کے قریب کرنے والا ہر عمل وسیلہ کہلاتا ہے۔

(۱)..... نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: رات کے آخری حصے میں رب تعالیٰ اپنے بندے سے قریب تر ہوتا ہے۔ لہذا اگر تو اس وقت اللہ کا ذکر کرنے والے میں شامل ہو سکتا ہے تو ضرور ایسا کر۔“ (اسے ترمذی اور ابن خزمہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا)

ایک آدمی نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا: بندے کو اللہ عزوجل کا مقرب بنانے والے اعمال میں افضل ترین عمل کیا ہے؟

فرمایا: اللہ تعالیٰ کا تقرب پانے کیلئے میں رات کے قیام سے بڑھ کو کوئی عمل نہیں جانتا۔  
(کتاب التہجد لابن ابی الدنیا: ۱۲۷)

(۲)..... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ [العلق: ۱۹]

(اور سجدہ کریں اور اللہ کا قرب حاصل کریں)۔

اس میں اشارہ ہے کہ سجدہ قرب الہی کا ذریعہ ہے، اسی لئے حدیث میں آتا ہے:  
”أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ فَقَعِمَنْ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ“ [مسلم]

”بندہ سجدے کی حالت میں اپنے رب کے قریب ترین ہوتا ہے، لہذا سجدوں میں کثرت کیساتھ دعا مانگو، کیونکہ سجدے کی دعائیں قبولیت کی مستحق ہیں۔“

(۳)..... فرائض کی ادائیگی کیساتھ نوافل کی کثرت

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے حدیث منقول ہے:

”قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ إِلَيَّ بِمِثْلِ مَا اقْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ وَلَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أَكُونَ سَمْعُهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرُهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَيَدُهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلُهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا وَلَئِنْ سَأَلْنِي لِأَعْطِيَنَّهُ وَلَئِنْ اسْتَعَاذَ بِي لِأَعِيذَنَّهُ“

”جو میرے کسی ولی کے خلاف دشمنی رکھتا ہے میں اُسکے خلاف اعلان جنگ کر دیتا ہوں، اور کوئی بندہ میرے فرض کردہ عمل سے بڑھ کر کسی عمل سے میرا قرب نہیں پاسکتا، اور جب کوئی بندہ میرا قرب حاصل کرنے کیلئے مسلسل نوافل کا اہتمام کرتا ہے تو میں اُسکا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اُسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اُسکا



ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اسکا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، پھر اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور عطا کرتا ہوں اور مجھ سے پناہ طلب کرے تو ضرور پناہ دیتا ہوں۔“

لہذا ہمیں فرائض کی پابندی کیساتھ ساتھ کثرت کیساتھ نوافل کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔

### (۴)..... قرأت قرآن مجید

بندے اور اسکے رب کو ملانے والی قریب ترین کڑی یہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ حَبْلٌ طَرَفُهُ بَأْيْدِيكُمْ وَطَرَفُهُ بِيَدِ اللَّهِ فَتَمَسْكُوا بِهِ فَإِنَّكُمْ لَنْ تَضِلُّوا وَلَنْ تَهْلِكُوا بَعْدَهُ أَبَدًا“ [صحیح الجامع]

”یقیناً یہ قرآن ایسی رسی ہے جسکا ایک سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے جبکہ دوسرا طرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ لہذا اسے مضبوطی سے تھام لو، اسے تھامنے کے بعد نہ تو تم کبھی گمراہ ہو سکتے ہو اور نہ ہی ہلاکت کا شکار“

لہذا قرآن مجید ہی وہ مضبوط رسی ہے جو بندے کو اسکے حقیقی رب کیساتھ ملائی ہے۔

نیز ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی بندے کی دو رکعتوں پر جتنا کان لگا کر سنتا ہے اور کسی چیز پر یوں کان نہیں لگاتا، اور جب تک بندہ حالت نماز میں ہوتا ہے اس وقت تک اُسکے سر پر نیکیوں کا چھڑکاؤ (بارش) ہوتا رہتا ہے۔ اور قرآن کے مثل کوئی دوسری چیز ایسی نہیں جس کے ذریعے بندے اللہ کے قریب ہوتے

ہوں۔ [مسند احمد: ۵/۲۶۸]

### (۵)..... انفاق فی سبیل اللہ

یہ بھی تقرب الہی کا عظیم ترین ذریعہ ہے، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ ”ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ مسجد میں عورتوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! میں نے تم سے بڑھ کر کوئی دین و عقل کا ایسا ناقص نہیں دیکھا

جو بڑے بڑے عقلمند کی عقل کو زائل کر دے، اور میں نے تمہاری اکثریت کو جہنم میں دیکھا ہے، لہذا اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کا قرب پانے کی کوشش کرو۔ انہیں خواتین میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ بھی تھیں، چنانچہ وہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور انہیں یہ بات سنائی پھر اپنا زیور اٹھا کر چل دیں، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یہ زیور کہاں لے جا رہی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: میں اسکے ذریعے اللہ اور اسکے رسول کا قرب حاصل کروں گی۔ [مسند احمد: ۲/۳۷۳]

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ﴾ [التوبة: ۹۹]  
 ”آگاہ رہو! یقیناً یہ (خرج کرنا) ان کے لئے قربت کا ذریعہ ہے۔“  
 اور مالی قربانی کیلئے فرمایا: ﴿إِذْ قَرَّبْنَا قُلُوبَنَا﴾ [المائدة: ۲۷]  
 ”جب ان دونوں نے قربانی کی تھی“

(۶)..... جہاد فی سبیل اللہ

جہاد بھی اللہ کا تقرب پانے کا عظیم وسیلہ ہے اور کیوں نہ ہو کہ مومن اس فریضے کی ادائیگی میں اپنی جان فدا کر دیتا ہے اور اپنے گرم گرم لہو سے اسلام کی آبیاری کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ﴾ [البقرة: ۲۰۷]

”اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضامندی کے لئے اپنے آپ کو (اسکے ہاتھ) بیچ ڈالتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بہت شفیق ہے۔“

نیز فرمایا: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [المائدة: ۳۵]

”اور اس کا قرب تلاش کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ“

اس آیت میں اشارہ ہے کہ جہاد اللہ کا قرب پانے کا بہترین وسیلہ ہے جہاد کے فضائل کتاب و سنت میں کثرت کیساتھ موجود ہیں اور مشہور و معروف ہیں، یہاں صرف یہی بتلانا

مقصود تھا کہ جہاد بھی قرب الہی کا ایک بڑا وسیلہ ہے۔

(۷).....تقویٰ اور احسان

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ﴾

[النحل: ۱۲۸]

”بلاشبہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں اور احسان (نیکی) کرنے والوں کے ساتھ ہے“

نیز فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ [البقرة: ۱۹۴]

”اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ پرہیزگاروں کیساتھ ہے۔“

اور فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾

[العنکبوت: ۶۹]

”اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کریں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھاتے ہیں اور یقیناً اللہ

نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

(۸).....فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ [البقرة: ۱۵۳]

”بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“

(۹).....دعا

اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ

دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ [البقرة: ۱۸۶]

”اور اے (نبی!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو بیشک

میں قریب ہوں میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھ سے دعا کرے“

یہ داعی سے اللہ تعالیٰ کی قربت ہے جو ایک عجیب تاثیر رکھتی ہے۔

(۱۰).....نماز

(۱۱).....زکوٰۃ

(۱۲)..... رسولوں پر ایمان

(۱۳)..... صدقہ و خیرات

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَرْتُمْ أَوْهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾  
(اور اللہ نے کہا: بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ ادا کرو گے، اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرتے رہو گے، اور اللہ کو اچھا قرض دو گے)۔

(۱۴)..... ہر نیک عمل تقرب الہی کا باعث ہے

اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾  
[فاطر: ۱۰]

”اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور عمل صالح انہیں اوپر اٹھاتا ہے۔“

اور فرمایا: ﴿وَالْبَالِغَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا﴾  
[الکھف: ۴۶]

(اور آپ کے رب کی ہاں باقی رہنے والی نیکیاں ہی ثواب میں بہتر ہیں اور اچھی امید لگانے کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں)۔

وسیلہ کیا ہے؟

اس حوالے سے علماء کے چند اقوال ملاحظہ کیجئے!

علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں: ”مَا يُتَقَرَّبُ بِهِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى بِمُرَاعَاةِ مَسْبِلِهِ بِالْعِلْمِ وَالْعِبَادَةِ وَتَحَرِّيِ مَكَارِمِ الشَّرِيعَةِ“ [مفردات: ۵۲۳]

”اللہ کے بتلائے ہوئے راستے کا لحاظ رکھتے ہوئے، تقرب الی اللہ کی خاطر کیا جانے والا ہر عمل وسیلہ کہلاتا ہے، خواہ وہ علم ہو، عبادت ہو، یا دیگر مکارم شریعت کی پاسداری۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”هِيَ مَا يُتَقَرَّبُ بِهِ إِلَيْهِ مِنَ الْوَاجِبَاتِ وَالْمُسْتَحَبَاتِ“

”تقرب الی اللہ کیلئے کئے جانے والے تمام واجبات و مستحبات کو وسیلہ کہا جاتا ہے۔“

علامہ شنفیطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وَالْتَّحْقِيقُ فِي مَعْنَى الْوَسِيلَةِ هُوَ مَا ذَهَبَ إِلَيْهِ عَامَّةُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَنَّهَا التَّقَرُّبُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى بِالْإِخْلَاصِ لَهُ فِي الْعِبَادَةِ عَلَى وَفْقِ مَا جَاءَ بِهِ الرَّسُولُ ﷺ“ [أضواء البيان: ۸۲/۲]

”وسیلے کے حوالے سے اکثر اہل علم کا اختیار کردہ محقق قول یہ ہے کہ ہر وہ عبادت وسیلہ کہلاتی ہے جو تقرب الی اللہ کی خاطر بجالائی جائے، جب کہ اس میں اخلاص ہو اور وہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق بھی ہو۔“



## ۳۲ - فائدہ

## زہد کیا؟ اور کیسے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”الزُّهْدُ تَرْكُ مَا لَا يَنْفَعُ فِي الْآخِرَةِ وَالْوَرَعُ تَرْكُ مَا يَضُرُّ فِي الْآخِرَةِ“

”آخرت میں نفع نہ دینے والی چیزوں کو ترک کر دینا ”زہد“ جبکہ آخرت میں نقصان دہ امور کو چھوڑ دینا ”وَرَع“ کہلاتا ہے۔

یہ زہد اور ورع کی بہترین تعریف ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زُہْد کی تین اقسام ہیں:

(۱)..... حرام ترک کر دینا۔ یہ عوام کا زہد ہے

(۲)..... حلال میں سے بھی فضول کو ترک کر دینا۔ یہ خواص کا زہد ہے

(۳)..... اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی ہر چیز کو ترک کر دینا۔ یہ عارفین کا زہد ہے۔

[الاداب الشریعة لابن مفلح]

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عارفین کا اجماع ہے کہ دل کا وطن دنیا کو خیر باد کہتے ہوئے آخرت کی طرف گامزن ہونا زہد ہے۔

ابو ادریس خولانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لَيْسَ الزُّهْدُ بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ وَلَا إِضَاعَةِ الْمَالِ وَلَكِنَّ الزُّهْدَ أَنْ تَكُونَ بِمَا فِي يَدِ اللَّهِ أَوْثَقَ مِنْكَ بِمَا فِي يَدِكَ وَأَنْ تَكُونَ فِي ثَوَابِ الْمُصِيبَةِ إِذَا أَصَبَتْ بِهَا أَرْغَبَ مِنْكَ بِهَا لَوْ لَمْ تُصِيبَكَ“

”زہد یہ نہیں کہ آپ حلال کو خود پر حرام ٹھہرائیں، یا مال کو ضائع کر دیں، بلکہ زہد کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اُس پر آپکو اس سے زیادہ اعتماد ہو جو کچھ آپکے ہاتھ میں ہے، اور جب کوئی مصیبت آجائے تو پھر اس کا ثواب آپکو اس مصیبت کے نہ پہنچنے سے زیادہ مرغوب ہو“ (زہد کے حوالے سے یہ جامع اور احسن ترین کلام ہے جو ترمذی میں مرفوعاً بھی مروی ہے لیکن یہ نئی عبارت سے ثابت نہیں)

بعض لوگوں کا یہ خیال درست نہیں کہ زہد کا تعلق صرف مال سے ہے، بلکہ زہد چھ چیزوں سے تعلق رکھتا ہے:

(۱) مال۔ (۲) ریاست (۳) مردوں اور عورتوں کے چہرے۔ (۴) نفس (یعنی نفس کی راحت و خدمت) (۵) لوگ (۶) اللہ کے ماسواہر چیز۔

(۱)..... مال میں زہد

اس کا معنی یہ ہے کہ مال آپ کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر پائے، اور مال کی محبت آپکو حرام کی طرف نہ لے جائے، یہ آپکا اخلاق بگاڑے، نہ ہی اسکے سبب کوئی واجب یا مستحب کام چھوڑنا پڑے، نہ ہی آپکا تمام تر وقت اسکے حصول میں برباد ہو۔ اگر ان تمام شروط کا لحاظ رکھا جائے تو نیک آدمی کیلئے حلال مال انتہائی سودمند ہے۔ لیکن کیونکہ مال کی کثرت عموماً خرابی کا باعث ہوتی ہے، دل اور وقت کی مشغولیت، خواہشات کی اسیری، قطع رحمی و بد اخلاقی، اللہ تعالیٰ اور آخرت سے غفلت و بے پروائی یہ سب عموماً کثرت مال کے نتائج ہوا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے کتاب و سنت اور اقوال سلف میں کثرت کیساتھ اسکی مذمت کی گئی ہے، ورنہ فی نفسہ مال کی کثرت کوئی مذموم چیز نہیں۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”وَلِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةٌ وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ“ [رواہ اہل السنن]  
(ہر امت کے لیے ایک (خصوصی) آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی آزمائش مال

ہے۔)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿رُئِيَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْخَرْبِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَتَابِ﴾ [آل عمران: ۱۴]

”لوگوں کیلئے خواہشات نفس کی محبت مزین (پرکشش) کر دی گئی ہے (یعنی) عورتوں سے بیٹوں سے، سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے ڈھیروں سے نشان لگے (عمدہ) گھوڑوں سے، مویشیوں اور کھیتی سے یہ سب دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور اچھا ٹھکانا اللہ ہی کے پاس ہے۔“

یہ مال کی محبت ہی تو ہے جسکی وجہ سے بعض لوگ اپنے دین سے مرتد ہو جائے ہیں۔  
والعیاذ باللہ۔

کوئی مال کی خاطر نصرانیت قبول کرتا ہے، کوئی سیکولرازم کے الحاد کو گلے لگاتا ہے، اور بعض لوگ اسی مال کیلئے مسلمانوں کے خلاف کفار کے ایجنٹ اور جاسوس بن کر اہل ایمان کی کریم یعنی مجاہدین فی سبیل اللہ کی جاسوسی کرتے ہیں، اور یہ کوئی دور کی بات نہیں، روزمرہ کی کہانی اور مشاہدے کی بات ہے۔

دوہم ودینار کی محبت نہیں تو اور کیا ہے جس کے لئے یہ لوگ ایسے گھناؤنے کام کرتے ہیں؟ اسی مال کی محبت میں عزتیں نیلام ہوتی ہیں، تنگ دناموس کے سودے ہوتے ہیں، حقوق پر ڈاکے ڈالے جاتے ہیں، رشتوں کو توڑا جاتا ہے، یتیم بچوں اور عورتوں کی میراث لوٹی جاتی ہے، معزز ترین اہل ایمان کو قتل کیا جاتا ہے، کوئی جرم یا گناہ ایسا نہیں جس میں مال کی محبت کا کوئی دخل نہ ہو، ہر برائی کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔

البتہ اسکے برعکس اگر کوئی شخص حلال طریقے سے دنیا کماتا ہے اور درست طریقے سے خرچ کرتا ہے، اسکی خاطر کسی کا حق سلب نہیں کرتا اور نہ ہی اپنا وقت برباد کرتا ہے تو پھر یہ مال بہترین مددگار ہے۔ اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔



(۲).....ریاست (عہدہ منصب) میں زہد عہدہ ومنصب کی محبت بھی انسان کو دین سے دور کر دیتی ہے اور مال کی محبت کی طرح منصب کی محبت بھی گناہوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”مَا ذُنْبَانِ جَائِعَانِ اَوْ سَلَا فِي غَنَمٍ بَا۟فْسَدَ لَهَا مِنْ جَوْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ“ [صحیح الحامع]

”دو بھوکے بھیڑیے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا گیا ہو، وہ اس ریوڑ کیلئے اتنے نقصان دہ نہیں جتنی کہ کسی شخص کی مال اور منصب پر حرص اُسکے دین کیلئے نقصان دہ ہے۔“

اس مثال پر غور کیجئے! یقیناً رسول اللہ ﷺ کی بات اس حوالے سے حرف آخر ہے کیونکہ آپ ﷺ حقیقت حال سے آگاہ تھے۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ عہدہ ومنصب کی محبت انسان سے کیا نہیں کرواتی؟ تکبر، حسد، دھوکہ دہی، خیانت، مال اور وقت کا ضیاع نفاق، بداخلاقی، اکل حرام، ظلم و سرکشی، اور سب برائیاں اس راہ کی ہی منازل ہیں۔

اپنے آپ کو عہدہ ومنصب سے دور رکھیے، سلف صالحین سرکاری عہدوں سے شدید اجتناب کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: میں تمہیں قاضی بنانا چاہتا ہوں۔ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فوراً اللہ ذوالجلال سے پناہ مانگی۔

زیادہ تر سلف صالحین درباری علماء سے بغض رکھتے تھے، حالانکہ اس وقت اسلامی حکومتیں تھیں جن میں مکمل طور پر حدود اللہ نافذ کی جاتی تھیں۔ جب کہ آج کل ہماری زیادہ تر بلکہ تمام حکومتیں اللہ کی نازل کردہ شریعت سے انحراف کرتے ہوئے فیصلے کرتی ہیں۔ لہذا ایسی صورت میں کسی مسلمان کیلئے ان حکومتوں کا حصہ بننا اور تنخواہ لینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لَسَاتَيْنِ عَلَيْكُمُ اُمَرَاءُ يَقْرَبُونَ شِرَارَ النَّاسِ وَيُؤْخَرُونَ الصَّلَاةَ عَنْ مَوَاقِيتِهَا، فَمَنْ اَذْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَلَا يَكُونَنَّ عَرِيفًا وَلَا شَرِطِيًّا وَلَا جَابِيًا وَلَا خَازِنًا“.

[صحیح ابن حبان، الترغیب للمندری (۱/۵۷۱) عن ابی سعید و ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہما]

”یقیناً تم پر کچھ ایسے حکمران بھی آئیں گے جو بدترین لوگوں کو اپنے قریب رکھیں گے اور نماز

کو اُنکے وقت سے لیٹ کریں، چنانچہ تم میں سے جو شخص یہ زمانہ پائے تو وہ ہرگز نہ تو جانچ پڑتال کا عہدہ قبول کرے۔ (۱) نہ سپاہی بنے، نہ محصولات وصول کرنے والا، اور نہ ہی خزانے کا نگران۔“

جب مذکورہ بالا صفات کی حامل اسلامی حکومت میں شمولیت ناجائز ہے تو پھر آجکل کی حکومتیں جو شریعت الہی سے کلی اعراض کر چکی ہیں ان میں شمولیت کیونکر جائز ہو سکتی ہے

؟؟؟

لہذا موجودہ حکومتوں کے تحت قاضی بننا، کونسلری قبول کرنا، اور دیگر کسی بھی قسم کا عہدہ ومنصب قبول کرنا سراسر ناجائز اور حرام ہے۔ رہا یہ سوال کہ کفار کیساتھ مل کر کوئی کام کرنا؟ اسکی تفصیل ”فتاویٰ الدین الخالص“ کی دوسری جلد میں آچکی ہے۔

بعض جاہل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پارلیمنٹ میں جانا اسلام اور مسلمانوں کے حق میں مفید ہو سکتا ہے حالانکہ یہ بات سراسر خلاف حقیقت اور واضح دھوکہ ہے۔

اسی طرح علمی و تحقیقی سے پہلے مسند افتاء پر بیٹھ جانا، اور مشائخ و کبار کی موجودگی میں اُن سے آگے بڑھتے ہوئے واعظ و خطیب بننے کی کوشش کرنا بھی دراصل حب ریاست میں شامل ہے۔ ایسا شخص سمجھتا ہے کہ وہ دین کی خدمت اور دعوت کا کام کر رہا ہے جبکہ حقیقت میں یہ شہرت و ریاء کاری میں مبتلا ہے، اگر اسکی دعوت میں اخلاص ہوتا تو یہ اہل لوگوں کو آگے لاتا اور حقدار کو اسکا حق دلاتا۔ لہذا یہ بے چارہ دین کے نام پر خود کو بھی دھوکہ دے رہا ہے، یہ کسی اور وادی میں ہے اور دین کی حقیقت خدمت اور دعوت کا تعلق کسی دوسری وادی سے ہے۔

اس طرح جاہ و حشمت کے حصول کیلئے علم و عبادت، حسب نسب، خوش اخلاقی، فصاحت

(۱)۔ یہ ”عسریف“ کا ترجمہ ہے۔ سابقہ ادوار میں عریف ان لوگوں کو کہا جاتا تھا جو کسی قوم کی نمائندگی یوں کرتے کہ اپنی قوم کے احوال کو جاننے کے بعد سرکاری اداروں میں اسکی رپورٹ کرتے۔ مثلاً زکوٰۃ اور خراج وغیرہ، زکوٰۃ کے مستحقین سے آگاہی اور دیگر انتظامی معاملات میں مدد۔ ہم نے اسکا ترجمہ ”کونسلر“ نہیں کیا، اگرچہ یہ لفظ اسکے معنی سے قرعاً تعلق رکھتا ہے، تاکہ عموم باقی رہے (مترجم)۔

وبلاغت، قوت و شوکت، عہدہ و منصب یا حسن و جمال کو ذریعہ بنانا بھی حب ریاست میں آتا ہے۔

اسکا علاج یہ ہے کہ انسان گناہم رہنا پسند کرے اور حتی الامکان پوشیدہ رہنے کی کوشش کرے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ، الْغَنِيِّ، الْخَفِيَّ“ [مسلم]

”یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے متقی، لوگوں سے بے پرواہ، اور مخفی رہنے والے بندے سے محبت کرتا ہے۔“

اور فرمایا: ”بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يُشَارَ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ لِي دِنٍ أَوْ دُنْيَا إِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللَّهُ“

(کسی شخص کے بُرا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ لوگ اُسکے دین یا دنیا کے حوالے سے انگلیوں سے اُسکی طرف اشارہ کریں، سوائے اُس شخص کے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے)۔  
یعنی شہرت و ناموری عموماً انسان کی تباہی کا باعث ہوتی ہے البتہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ شہرت کے باوجود محفوظ رکھتا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سادگی اپناؤ اور شہرت سے بچو، اپنی شخصیت کو اونچا نہ کرو کہ تمھارا چرچا ہو، علم حاصل کرو، اور چھپ کر رہو، اس طرح تم سلامت رہو گے، نیک لوگ تم سے خوش ہو گئے اور فاسق و فاجر دبے رہیں گے۔

ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: شہرت پسند آدمی اللہ کیساتھ سچا نہیں۔

ایوب مسخیناسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! کوئی بندہ اُس وقت تک اللہ سے سچا نہیں ہو سکتا جب تک اُسے یہ بات پسند نہ ہو کہ لوگ اُسکی قدر و منزلت نہ پہچانیں۔

حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن ابن مسعود رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے تو کچھ لوگ اُنکے پیچھے ہو لیے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اُن سے دریافت کیا: تم کس بناء پر میرے پیچھے چل

رہے ہو؟ اللہ کی قسم! اگر تم جان لو کہ میں کس چیز پر اپنا دروازہ بند کرتا ہوں (یعنی میری خلوت سے آگاہ ہو جاؤ) تو تم میں سے دو آدمی بھی میرے پیچھے چلنا گوارہ نہ کریں۔  
 بشرِ رسولؐ فرماتے ہیں: میں کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتا جس نے شہرت چاہی ہو اور وہ گمراہی و رسوائی کا شکار نہ ہوا ہو۔

اور فرمایا: ایسا شخص آخرت کی محاسن نہیں پاسکتا جو شہرت کا طلبگار ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”زُبُّ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي طَمَرَيْنِ لَا يُؤْتُهُ لَهْ لَوْ أَلْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا بُرَّةَ مِنْهُمْ الْبَرَاءُ بَيْنَ مَالِكٍ“ [صحیح مسلم]

”بہت سے پراگندہ بالوں، غبار آلودہ جسم اور بوسیدہ جوڑا پہنے ہوئے لوگ کہ جنگی کوئی بھی پرواہ نہیں کرتا (لیکن اللہ کے نزدیک وہ اس قدر مقام و مرتبے کے حامل ہوتے ہیں) کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم اٹھالیں تو اللہ تعالیٰ ضرور اُنکی قسم کو پورا کرتا ہے، براء بن مالکؓ بھی ایسے لوگوں میں شامل ہیں“

نیز ترمذی کی ایک حدیث میں آتا ہے: ”إِنْ أَغْبَطَ أَوْلِيَائِي عِنْدِي لَمُؤْمِنٌ خَفِيفُ الْحَادِ ذُو حِطٍّ مِنَ الصَّلَاةِ أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَأَطَاعَةً لِي السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِي النَّاسِ لَا يُبْشَرُ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ ثُمَّ صَبَرَ عَلَى ذَلِكَ ثُمَّ نَقَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِيَدِهِ فَقَالَ: عَجَلْتُ مَنِئْتَهُ قُلْ تَرَاهُ قُلْتُ بَوَاكِئِهِ“ [جامع ترمذی]

”یقیناً میرے اولیاء سب سے زیادہ قابلِ رشک میرے نزدیک وہ مؤمن ہے جو کم مال رکھتا ہو، خوب نماز پڑھنے والا ہو، خوش اسلوبی کیساتھ اپنے رب کی عبادت کرتا ہو، خلوت میں اُسکی فرمانبرداری کرنے والا ہو، لوگوں کے درمیان گناہ ہو کہ اُسکی طرف انگلیوں سے اشارہ نہ کیا جاتا ہو۔ اور پھر وہ ان تمام چیزوں پر صبر و استقامت کا مظاہرہ بھی کرے، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے زمین پر چوٹ ماری اور فرمایا: اُسکی موت بھی جلد آتی ہے، اُسکی میراث بھی کم ہوتی ہے، اور اُس پر رونے والیاں بھی کم ہوتی ہیں۔“

سیدنا ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:

”علم کے سرچشمے اور ہدایت کے چراغ بنو، گھروں کے ٹاٹ اور راتوں کے روشن ستارے بن کر رہو، تمہارے کپڑے اگر چہ بوسیدہ ہوں لیکن دل نئے ہونے چاہئیں، آسمان والوں میں جانے پہچانے اور زمین والوں میں انجان ہو کر زندگی بسر کرو۔“

قاضی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر تم اس بات کی قدرت رکھو کہ پہچانے نہ جاؤ تو ضرور ایسا کرو، اگر آپ کو کوئی نہیں جانتا تو آپ کا کیا جاتا ہے اور اگر لوگ آپ کی تعریف کریں تو بھی آپ کو کیا حاصل؟ اگر آپ اللہ کے نزدیک قابل تعریف ہیں تو پھر لوگوں کے ہاں قابل مذمت ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟

اگر آپ یہ کہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و دیگر صالحین بھی تو مشہور ہیں؟؟ اسکی کیا وجہ ہے؟

اسکا جواب یہ ہے کہ اچھی شہرت تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، قابل مذمت بات تو یہ ہے کہ انسان خود شہرت و ریاست کا طلبگار ہو۔ نیز وہ لوگ اپنے دین میں مضبوط تھے لہذا شہرت انکا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ [دیکھئے: الاحیاء ۵/۷۸-۸۳]

### (۳)۔ چہروں میں زہد

عام لوگ اس زہد سے واقف تک نہیں۔ اسکا معنی یہ ہے کہ انسان تمام چہروں کو اللہ عز و جل کی خاطر چھوڑ دے، کوئی چہرہ کوئی صورت، کوئی مرد، کوئی عورت، اسکے حواس پر چھا نہ سکے، کسی کی محبت، کسی کا تذکرہ، کسی کا قرب، اللہ کے قرب و محبت اور اللہ کے ذکر پر غالب نہ آنے پائے۔ بہت سے لوگ عورتوں سے عشق و محبت کرتے ہوئے بہت سی شرعی قباحتوں کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ“  
”لوگوں کیلئے عورتوں کی طرف سے شہوات کی محبت مزین کر دی گئی ہے“

اس آیت کریمہ میں عورتوں کے حوالے سے زہد اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضُرَّ عَلَى الرَّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ“ ”میں نے اپنے بعد مردوں کیلئے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ کوئی فتنہ نہیں چھوڑا“

ایک اور حدیث میں آتا ہے: ”إِنَّ الدُّنْيَا خُلُوةٌ خَصْرَةٌ وَإِنَّ اللَّهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ“ [مسلم]

”یقیناً دنیا بڑی بیٹھسی اور سرسبز ہے، اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسکا جانشین بنایا ہے تاکہ دیکھے کہ تم کیسا عمل کرتے ہو، چنانچہ دنیا سے بچ کر رہو، خصوصاً عورتوں سے بچ کر رہو۔“

عورتوں میں زہد کا یہ معنی بھی نہیں کہ انسان اپنی بیوی یا لونڈی سے محبت نہ کرے یا اسکے دل میں انکی طرف میلان ہی نہ ہو۔ کیونکہ یہ تو ایک فطری معاملہ ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہو کہ انکی محبت اللہ کی محبت پر غالب نہ ہو، انکی وجہ سے اللہ کے احکامات سے غفلت نہ برتی جائے اور انکی خاطر نت نئے فتنوں میں مبتلا ہونے سے بچا جائے۔

(۴)۔ نفس کا زہد

یہ خاص بندوں کا زہد ہے، اسکا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی خدمت و راحت اور لوگوں کی تعریف و توصیف سے بے نیاز ہو جائے، اور اپنے نفس کو اسکے مقصد حیات یعنی اللہ کی عبادت و اطاعت میں ہمہ تن مصروف رکھنے کی کوشش کرے۔

جو شخص سستی کی وجہ سے کوئی امر واجب ترک کر دے تو وہ زاہد نہیں ہو سکتا، اسی طرح جو شخص کوئی غیر واجب عمل صالح صرف اپنے نفس کو راحت پہنچانے کیلئے ترک کر دے گویا وہ بھی دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رہا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے:

﴿وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ۝ إِنَّ هَؤُلَاءِ يُجِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا قَبِيلًا﴾

[المہر: ۳۶، ۳۷، ۳۸]

”اور صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے۔ اور کچھ (حصہ) رات میں اسے سجدے کیجئے اور رات گئے تک اس کی تسبیح کیجئے۔ بیشک یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور بھاری دن (قیامت) کو پس پشت ڈالتے ہیں۔“

یعنی کفار ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل رہتے ہیں کیونکہ وہ جلدی ملنے والی چیز یعنی دنیا سے محبت کرتے ہیں اور قیامت کے بھاری دن کو فراموش کر چکے ہیں۔ اب جو شخص بھی ایسا کرتا ہے تو گویا وہ انہی کا طرز عمل اپناتا ہے۔

نیز فرمایا: ﴿لَمَّا صَبَرَ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبَّحَ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبَّحَ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ ۝ وَلَا تَمْلُنْ عَلَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَعْنَا بِهِ أَرْوَاجًا مِنْهُمْ زُحْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لَتَفْتَخَنَّهُمْ فِيهِ ۝﴾

[طہ: ۱۳۰، ۱۳۱]

”لہذا جو کچھ وہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے اور طلوع شمس سے پہلے اور اسکے غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی حمد کیساتھ تسبیح کیجئے اور رات کی کچھ گھڑیوں میں بھی تسبیح کیجئے اور دن کے (دلوں) حصوں میں بھی تاکہ آپ راضی ہو جائیں۔ اور (اے نبی!) ان چیزوں کی طرف آپ اپنی نگاہیں اٹھا کر بھی نہ دیکھیں جو چیزیں زندگانی دنیا کی آرائش کی ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہیں (۱) یہاں مذکورہ قیمتی اوقات میں عبادت کا تذکرہ کرنے کے بعد دنیاوی چکا چوند کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے سے روکا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان اوقات میں عبادت الہی اور ذکر اذکار سے غفلت دنیا کی محبت ہی کا نتیجہ ہے۔ لہذا کسی انسان کا کثرت کیساتھ کھانا، پہننا اور حنا، سونا، گھومنا پھرنا اور ایسے ہی دیگر بے کار کاموں میں اپنے اوقات برباد کرنا بھی دنیا کی طرف رغبت کے زمرے میں آتا ہے اور ان امور میں کمی کرنا یا ان میں سے بعض کو یکسر ترک کر دینا بھی زہد فی النفس کے

(۱)۔ تاکہ ہم انہیں انکے ذریعے آزمائیں۔

زمرے میں آتا ہے۔ (۲)

(۵)۔ لوگوں میں زہد

اسکا معنی یہ نہیں کہ آپ آدم بیزار ہو جائیں اور لوگوں سے دور بھاگنے لگیں، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اللہ کے ساتھ ایسا اُنس و تعلق پیدا کریں اور اللہ تعالیٰ کے محبت میں اس حد تک چلے جائیں کہ اللہ کی خاطر لوگوں کو چھوڑنا پڑے تو یک قلم چھوڑ دیں، اللہ کا حکم آجائے تو دامن جھاڑ کر کھڑے ہو جائیں، کتاب و سنت کی بات ہو تو لوگوں کی بات کو ہرگز ترجیح نہ دیں۔

وَاهْجُرْ وَلَوْ كُلُّ الْوَرَىٰ فِي ذَايِهِ

اَفِي هَوَاكَ وَنَخْوَةَ الشَّيْطَانِ

(اللہ رب العزت کی ذات کیلئے لوگوں کو ترک کر دیجئے، خواہ ساری کائنات سے ترک تعلق کرنا پڑے، البتہ اپنی خواہشات اور شیطانی تکبر کی وجہ سے اپنا چہرہ لوگوں سے مت پھیرئے)

(۶)۔ اللہ کے ماسواہر چیز میں زہد

تمام چیزوں سے قطع تعلق کرتے ہوئے اپنے دل اور سوچ و فکر کو اللہ رب العزت کی ذات و صفات اور افعال کیساتھ آباد کر لینا۔ ایسے لوگوں کا ہر لمحہ احسان و مراقبہ میں بسر ہوتا ہے اور اگر کبھی گھڑی دو گھڑی غفلت طاری ہو جائے تو فوراً تائب اور توبہ کی طرف پلٹتے ہیں، یہ اللہ کے خالص اور سچے بندوں کا درجہ ہے جو دنیا کی ہر چیز کو فانی اور کمتر سمجھتے ہیں، اور رب تعالیٰ کو ہی باقی اور اُسکی بادشاہت کو ہی لا فانی جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَبَقُلْ إِلَيْهِ تَبَيُّلاً﴾ [المزمل: ۷]

(۲)۔ یکسر ترک کرنے کا تعلق ظاہر ہے کہ سونے، کھانے اور پہننے وغیرہ سے نہیں ہو سکتا جیسا کہ غن مصوفیہ کا طرز عمل ایک حد تک اسکی تائید کرتا ہے۔ البتہ فضول سیر سپاٹے اور فالتو گفتگو اور ایسے کاموں کو یکسر چھوڑ دینا مستحسن ہے جن کا دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ نہیں۔ (مترجم)



نیز فرمایا: ﴿فَقَرُّوا إِلَى اللَّهِ﴾ . [الذاریات : ۵۰]

”لہذا تم اللہ کی طرف دوڑو۔“

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی اس زہد میں سے وافر حصہ عنایت فرمائے۔ آمین۔



## ۳۳ - فائدہ

## دنیا کی حقیقت پر چند مثالیں

(۱)۔ پہلی مثال

بندے کی تین حالتیں ہوتی ہیں

①..... وجود سے پہلے

②..... موت کے بعد والی دائمی زندگی

③..... دنیا کی چند روزہ زندگی

اگر کوئی انسان غور کرے کہ دنیا کی زندگی ان دونوں ادوار کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہے تو اُسے معلوم ہو جائیگا کہ یہ زندگی تو پلک جھپکنے کے برابر ہے۔ پھر اسکی خوشی غمی، جنگی ترشی، اور وسعت و فراخی کی پرواہ کرنا بے کار ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ایک اینٹ پر دوسری اینٹ نہیں رکھی اور کبھی ایک کانے پر دوسرا کاننا (تعمیر کیلئے) نہیں رکھا۔

(۲)۔ دوسری مثال

سید الزاہدین محمد کریم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مَالِيْ وَلِلدُّنْيَا اِنَّمَا مَفْلُیْ وَمَثَلُ الدُّنْيَا كَرَاكِبٍ اسْتَغْطَلَتْ تَحْتَهَا شَجَرَةٌ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا“ [متفق علیہ]  
 ”میرا اور دنیا کا کیا واسطہ؟ میری اور دنیا کی مثال تو اس سوار کی طرح ہے جو کچھ دیر کسی درخت کے نیچے سایہ لیتا ہے، پھر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اُسے ترک کر دیتا ہے۔“  
 سوار کو اپنے بستر کی نرمی و گرمی سے کوئی غرض نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اس درخت کے نیچے کوئی مکان بناتا ہے، اُس نے تو بس کچھ دیر ٹھہرنا اور پھر اپنی منزل کی جانب رواں ہو جانا۔!

## (۳)۔ تیسری مثال

آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا كَمَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إَصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَزْجَعُ“ [مسلم]  
 ”دنیا تو آخرت کے مقابلے میں بس اتنی ہی ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈالے اور پھر اُسے اٹھا کر دیکھے کہ کتنا پانی لیکر وہ پلٹی ہے؟“

## (۴)۔ چوتھی مثال

مسیح ﷺ فرماتے ہیں: ”الدُّنْيَا قَنْطَرَةٌ فَاعْبُرُوهَا وَلَا تَعْمِرُوهَا“  
 ”دنیا ایک پل ہے، لہذا اسے عبور کرو۔ آباد مت کرو“  
 ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم اسے آباد کر رہے ہیں یا عبور؟  
 ہمارا طرز عمل کیا ہے؟ آباد کرنے والا یا عبور کرنے والا؟  
 پھر کیا ہم اسے آباد کرنا چاہیں تو آباد کر پائیں گے؟ ہرگز نہیں۔  
 ہر شخص نے آگے جانا ہے۔ لہذا عقلمند شخص وہ ہے جو دنیا کو آباد کرنے کی فکر میں آخرت کو فراموش نہیں کرتا اور احمق ترین شخص وہ ہے جو بس دنیا ہی میں مگن رہتا ہے۔

## (۵)۔ پانچویں مثال

دنیاوی شہوات کی مثال لذیذ کھانے کی طرح ہے جو کھانے میں تو مزہ دیتا ہے لیکن انجام کار غلاظت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا: ”تمہاری خوراک کیا ہے؟“ انہوں نے فرمایا: گوشت اور دودھ۔ آپ ﷺ نے پوچھا: پھر یہ کیا بن جاتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جس سے آپ واقف ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثال اُس چیز سے دی ہے جو کچھ ابن آدم سے خارج ہوتا ہے۔

(مسند احمد)

بعض سلف صالحین اپنے ساتھیوں سے کہتے: آؤ! میں تمہیں دنیا دکھاؤں پھر انہیں کوڑے کے ڈھیر پر لے جاتے اور فرماتے: دیکھو! یہی تو لوگوں کے پھل، مرغیاں، شہد اور کچی ہے۔

یہی تو اس دنیا کی حقیقت ہے۔

### (۶) چھٹی مثال

دنیا والوں کی مثال ایک ایسی کشتی کے مسافروں کی طرح ہے جو کچھ دیر کیلئے ایک جزیرے پر رکتی ہے، اور تمام مسافر اُس جزیرے پر اترتے ہیں، پھر چند مسافر تو اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر واپس کشتی پر آ جاتے ہیں اور کشتی کے بہترین اور وسیع حصے پر براجمان ہو جاتے ہیں۔ جبکہ چند مسافر اُس جزیرے کی رونق کو دیکھ کر مبہوت ہو جاتے ہیں، لیکن پھر اچانک انہیں خیال آتا ہے کہ کہیں انکی کشتی روانہ نہ ہو جائے لہذا وہ کشتی پر پلٹ آتے ہیں لیکن پہلوں کی نسبت تنگ جگہ پاتے ہیں، اور کئی مسافر تو اُس جزیرے کے خوشنما پتھروں اور دلفریب پھولوں سے اس قدر دل لگا بیٹھتے ہیں کہ ان سے لدے پھندے آخری وقت میں کشتی پر آتے ہیں لیکن کشتی میں جگہ بہت تنگ ہوتی ہے انہیں اپنا سامان سر پر اٹھانا پڑتا ہے، لہذا انکا سامان انہیں فائدہ پہنچانے کے بجائے ان کے لئے وبال جان بن جاتا ہے، اور کئی لوگ تو ایسے مگن ہوتے ہیں کہ واپس پلٹ کر دیکھتے ہی نہیں۔ کشتی روانہ ہو جاتی ہے اور وہ اسی جزیرے پر دم توڑ دیتے ہیں۔

دنیا والوں کی مشغولیات کی بھی یہی حقیقت ہے۔

### (۷) ساتویں مثال

ابن ابی الدنیا نے حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت لی ہے، وہ فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا:

”تمہاری اور دنیا کی مثال ایک ایسی قوم کی طرح ہے جو کسی لقمہ و دق صحرائی میں سفر کرتی ہے یہاں تک کہ جب وہ ایسے مقام پر پہنچتے ہیں کہ انہیں یہ اندازہ کرنا مشکل ہو کہ آیا جو سفر وہ طے کر چکے وہ زیادہ ہے یا جو باقی رہ گیا ہے وہ زیادہ ہے؟ تو انکا زور راہ ختم اور سواریاں ٹنڈا حال ہو جاتی ہیں اور وہ یونہی تہی دست ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور اپنی ہلاکت کا یقین کر لیتے ہیں کہ اسی دوران ایک آدمی انکے پاس آتا ہے جو ایک جوڑا زب تن کیے ہوتا ہے اور اسکا سر پانی ٹپکار رہا ہوتا ہے اُسے دیکھ کر وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص ضرور کیسی سرسبز جگہ سے آرہا ہے جو ارد گرد ہی کہیں معلوم ہو رہی ہے۔ پھر جب وہ شخص انکے پاس پہنچتا ہے اور انکا حال دریافت کرتا ہے تو وہ اپنا ماجرا اُسکے سامنے رکھتے ہیں، پھر وہ انہیں کہتا ہے کہ اگر میں تمہیں پانی اور سرسبز باغات کا پتہ بتاؤں؟ قوم نے کہا: پھر ہم آپکی ہر بات تسلیم کریں گے۔

اُس شخص نے کہا: تم اللہ کے نام پر پختہ عہد اور وعدہ کرتے ہو؟ قوم نے پختہ عہد کر لیا اور پھر وہ شخص انہیں پانی اور سرسبز باغات کے مقام پر لے آیا، کچھ عرصہ وہاں ٹھہرے پھر اُس شخص نے کہا: اے لوگو! اب کوچ کا وقت آگیا۔ انہوں نے کہا: کس طرح؟ اُس نے کہا: ایسے پانی کی طرف جو تمہارے اس پانی جیسا نہیں اور ایسے باغات کی طرف جو تمہارے ان باغات کی طرح نہیں (بلکہ ان سے بہت اعلیٰ و بہتر ہیں) اُسکی بات سن کر قوم کی اکثریت نے کہا: اللہ کی قسم! یہ نعمتیں جو ہمیں مل چکی ہیں انہیں پانے کے بعد ہمیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں اور ہمارے خیال میں اس سے بہتر جگہ کوئی نہیں ہو سکتی، جبکہ کچھ قلیل افراد نے کہا: کیا تم نے اس شخص کے ساتھ اللہ کے نام پر پختہ عہد نہیں کیا تھا کہ اُسکی نافرمانی نہ کرو گے؟ اور جب یہ شخص اپنی پہلی بات میں سچا ثابت ہوا تو دوسری میں بھی سچا ہی ہوگا۔ پھر وہ شخص اپنی پیروی کرنے والوں کے ہمراہ چل پڑا اور باقی لوگوں کو پیچھے چھوڑ دیا، جنکا انجام یہ ہوا کہ دشمن نے یکبارگی ان پر حملہ کر دیا اور یہ تمام لوگ یا تو قتل ہو گئے یا پھر قید کر لئے گئے۔ ملخصاً۔

## (۸) آٹھویں مثال

دنیا کی مثال دیتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”إِنَّ مِمَّا يُنْبِئُ الرَّبَّ بِمَا يَفْعَلُ حَبْطًا أَوْ يُلِيمُ إِلَّا كَلَّةُ الْخَيْصَرِ أَكَلَتْ ثُمَّ بَالَتْ وَفَلَّطَتْ ثُمَّ اجْتَرَتْ..... الحديث“ [متفق علیہ]

”بے شک موسم بہار کی نباتات کھانے سے کچھ حیوانات پیٹ پھٹنے سے ہلاک ہو جاتے ہیں اور بعض ہلاکت کے قریب پہنچ جاتے ہیں سوائے اُس جانور کے جو سرسبز چیزیں کھائے، دھوپ میں بیٹھ کر جگالی کرے اور بول و براز کر کے فارغ ہو جائے۔۔۔ الحديث“

دُنیا سے خبردار کرنے کے لیے یہ بہترین مثال ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ دنیا میں انہماک اور خواہشات پرستی انسان کو یا تو بالکل تباہ کر دیتی ہے یا تباہی کے دہانے پر پہنچا دیتی ہے، البتہ جو شخص حسب ضرورت دنیا سے اپنا حصہ لے، اللہ کی عبادت بجالائے، اور ناداروں و مسافروں کی مدد کرے تو یہ مال بھی اُسکا بہترین مددگار ہے۔

## (۹) نویں مثال

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

”إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى جَعَلَ الدُّنْيَا كُلَّهَا قَلِيلًا وَمَا بَقِيَ مِنْهَا إِلَّا الْقَلِيلُ كَالضَّغْبِ شَرِبَ صَفْوَةً وَبَقِيَ كَلْدَرَةٌ“ [حاکم، اور بخاری نے اسے کتاب الجہاد میں موقوفاً روایت کیا ہے دیکھئے: صحیح الجامع: ۳۵۸/۱، (۱۷۳۷)، الصحیح (۱۶۲۵)]

”بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کو ہی قلیل قرار دیا ہے، اور جتنی دنیا باقی رہی ہے وہ تو قلیل تر ہے، اُس تالاب کی مانند جسکا بہترین پانی پی لیا گیا ہو اور بچا کچھا گدہ پانی باقی بچا ہو“

## (۱۰) دسویں مثال

امام ترمذی رحمہ اللہ نے مستور بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

میں اُس جماعت کے ساتھ تھا جو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بکری کے مردہ بچے کے پاس کھڑے ہوئے تھے اور آپ ﷺ نے فرمایا تھا: کیا تم سمجھتے ہو کہ اسکے مالکوں نے اسے حقیر جان کر پھینک دیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اسے حقیر جانا تبھی تو پھینکا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[قَوْلَ الَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لِلذُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ هَذِهِ عَلَى أَهْلِهَا]

”اُس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! یہ دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ کتر اور حقیر ہے جتنا کہ یہ اپنے مالکوں کے نزدیک بے وقعت ہو چکا ہے۔“  
لہذا جس شخص کو دنیا کا مال و متاع ملا ہے اُسے خوش نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ہی دنیا پر ناز کرنا چاہیئے، بھلا بکری کے مردہ بچے پر بھی کوئی ناز کرتا ہے؟

## (۱۱)۔ گیارہویں مثال

زمین کی مثال ایک ایسے سمندر کی طرح ہے جسے طے کرنا تمام لوگوں کیلئے ضروری ہے، کیونکہ دوسرے ساحل پر ہی انکا وطن حقیقی ہے، اور اس سمندر کو سفینہ نجات کے بغیر پار کرنا ناممکن ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر مبعوث فرمائے تاکہ لوگوں کی کشتی بنانے اور اس پر سوار ہونے کی ترغیب دیں اور طریقہ بتلائیں اور وہ کشتی اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت، اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت، اسکے لئے اخلاص اور فکر آخرت سے تشکیل پاتی ہے۔

اب بعض لوگ تو اس کشتی میں سوار ہو کر نجات پا گئے جب کہ بعض نے کشتی سازی اور اس میں سوار ہونے کو مشکل جانا اور کہنے لگے کہ ہم تو تیر کر اس سمندر کو عبور کر لیں گے، بالآخر یہ غرق ہو کر رہے۔ یہ سمندر گویا کہ امر کوئی (نقدیر) ہے اور کشتی امر شرعی۔

## (۱۲)۔ بارہویں مثال

دنیا کی مثال شہد سے بھرے پیا لے کی طرح ہے، ایک کمی اسے دیکھ کر اسکے کنارے پر

آبیٹھتی ہے اور بقدر ضرورت شہد لیکر اڑ جاتی ہے اور ایک دوسری مکھی اسے دیکھ کر لالچ و حرص کا شکار ہو جاتی ہے اور پیالے کے بیچ میں جا گرتی ہے اور اس میں پھنس جانے کی وجہ سے تھوڑا ہی شہد کھا پاتی ہے اور پھر موت کے منہ میں چلی جاتی ہے۔

### (۱۳)۔ تیر ہویں مثال

دنیا کی مثال اُس پھندے کی طرح ہے جس میں بہت سادانہ دنگا ڈال دیا گیا ہے، البتہ بعض دانے جال سے باہر بھی جا کرے ہیں۔ اب جو پرندہ باہر والے دانوں پر قناعت کر لے وہ بیچ جاتا ہے اور جو پرندہ زیادہ دانوں کے لالچ میں جال کے اندر چلا جاتا ہے تو چند ہی دانے چگنے کے بعد ہی جال میں پھنس کر پھڑ پھڑانے لگتا ہے۔

### (۱۴)۔ چودہویں مثال

دنیا کی مثال اس آگ کی طرح ہے جس کی روشنی کو دیکھ کر پروانے اور ٹڈیاں دھڑا دھڑا اس پر آتی اور اس میں گر پڑتی ہیں، البتہ جسے علم ہو کہ آگ میں کودنے کا انجام ہلاکت کے سوا کچھ نہیں تو وہ دور سے ہی اسکی روشنی اور تیش لے گا۔

ایک صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

[مَنْ لِيٍّ وَمَنْ لَكُمْ كَمَنْ لِيٍّ رَجُلٌ اسْتَوْفَدَ نَارًا لَجَعَلَتْ الْقَرَأُشَ وَهَذَا الْجَنَادِبُ تَقَعُ فِيهَا.... الحديث]

”میری اور تمہاری مثال اُس شخص کی مانند ہے جو آگ جلاتا ہے، چنانچہ پروانے اور یہ ٹڈیاں اس میں گرنا شروع کر دیتے ہیں.... الحديث“

### (۱۵)۔ پندرہویں مثال

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: میری اور اُس دین کی مثال جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیکر بھیجا ہے



اُس شخص کی طرح ہے جو اپنی قوم کے پاس آکر کہتا ہے: اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر آتا دیکھا ہے اور میں واضح ڈرانے والا ہوں، لہذا اپنی نجات کی فکر کرو، اپنے بچاؤ کا سامان کرو۔ پھر قوم کے ایک گروہ نے اسکی بات مان لی اور رات کی تاریکی اور مہلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسکے پیچھے چل پڑے، اور ایک گروہ نے اسے جھٹلادیا اور اپنی جگہوں پر ہی ٹکے رہے چنانچہ حملہ آور لشکر نے صبح دم ان پر چڑھائی کر دی اور انہیں تاخت و تاراج کر ڈالا۔ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے میری اطاعت کی اور میری لائی ہوئی شریعت کی پیروی کی، اور جنہوں نے میری نافرمانی کی اور میرے لائے ہوئے حق کی تکذیب کی۔ (متفق علیہ عن ابی موسیٰ الأشعریؓ)

اس حدیث مبارکہ میں بھی ضمنی طور پر دنیا کا ذکر ہے اور بتلایا گیا ہے کہ جو لوگ دنیاوی خواہشات کو اپنے پاؤں کی زنجیر نہیں بننے دیتے وہ نجات پا جاتے ہیں اور جو دنیا کی رونقوں میں مگن ہو کر سفر آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں وہ بالآخر ہلاک ہو جاتے ہیں۔

### (۱۶)۔ سولہویں مثال

ایک شخص نے ایک گھر بنایا اور اُس میں ہر قسم کے مہمان نوازی کے لوازمات مہیا کر دیئے، پھر لوگوں کو بلوایا۔ اب جو شخص بھی اُس میں داخل ہوتا ہے اُسے نرم گرم بستر پر بٹھایا جاتا ہے، طرح طرح کے لذیذ کھانے کھلائے جاتے ہیں، نوکر اور خادم اُسکی خدمت کیلئے تیار رہتے ہیں

عقل مند انسان وہ ہے جو یہ جانے کہ یہ سب کچھ اس گھر کے مالک کا ہے اور ان تمام چیزوں پر اپنی ملکیت نہ جتائے، بلکہ خود کو ایک مہمان ہی سمجھے، جہاں میزبان بٹھائے بیٹھ جائے، جو کچھ کھانے کیلئے پیش کرے کھالے اور کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے، ایسا شخص عزت کیساتھ داخل ہوتا ہے، فائدہ اٹھاتا ہے اور مکریم کیساتھ نکل جاتا ہے، جبکہ گھر کا مالک بھی اس پر ناراض نہیں ہوتا۔

اور احمق انسان وہ ہے جو اس مکان کی تمام چیزوں کو سمیٹنا شروع کر دے، اور گھر کے معاملات میں دخل اندازی کرے، اپنی من مانیوں کرنے لگے اور یہ تمام باتیں گھر کے مالک کے علم میں بھی ہوں لیکن وہ اپنے وقار اور کرم کی وجہ سے اُسکا لحاظ کرے اور گھر سے نہ نکالے۔ لیکن یہ معاملہ جب اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ مہمان گھر کی ملکیت کا دعویٰ کر بیٹھے تو پھر اُس گھر کا مالک اپنے غلاموں کو اُسکی خبر لینے کیلئے بھیجتا ہے جو اُسے دھکے دیکر گھر سے نکال دیتے ہیں اور تمام چیزیں بھی اُس سے چھین لیتے ہیں اور یہ زلیل و رسوا ہو کر اُس گھر سے بے دخل ہوتا ہے۔

یہ مثال بھی دنیا کی حقیقت کو بیان کرتی ہے اور ہمارے حالات و معاملات کے عین مطابق ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كُلُّ أَحَدٍ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا ضَيْفٌ وَمَالُهُ غَارِبَةٌ فَالضَّيْفُ مُرْتَجِلٌ وَالْغَارِبَةُ مُؤَادَّةٌ“

”اس دنیا میں ہر شخص مہمان ہے اور اسکا مال مال مستعار ہے، چنانچہ مہمان نے کوچ کر جانا ہے اور مال مستعار اسکے مالک کو ادا کر دیا جاتا ہے“

ایک طویل حدیث میں اُمّ سُلَیْم رضی اللہ عنہا کا یہ قول ملتا ہے جو انہوں نے اپنے خاندان ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے بچے کی وفات پر کہا تھا:

”اگر کوئی قوم کسی خاندان کو عاریتاً کوئی چیز دے اور پھر اُسکی واپسی کا مطالبہ کرے تو وہ لوگ انہیں منع کرنے کا کوئی حق رکھتے ہیں؟“ (بخاری)

(۱۷)۔ سترہویں مثال

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دنیا کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”مَنْ شَرِبَ مِنَ الدُّنْيَا كَمَثَلِ الشَّارِبِ مَاءَ الْبَحْرِ كُلَّمَا ارْتَدَّ شَرِبْنَا ارْتَدَّ“

عَطَشًا حَتَّى يَمُوتَ” [البداية والنهاية]

”طالب دنیا کی مثال ایسے سمندر کا پانی پینے والے کی سی ہے، جس قدر زیادہ پیئے گا، اسی قدر اسکی پیاس بڑھے گی، یہاں تک کہ وہ پانی اُسے مار ڈالے گا“

(۱۸)۔ اٹھارویں مثال

انسان کا اپنے مال، خاندان اور عمل کیساتھ تعلق ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کے تین بھائی ہوں اور اچانک اسے دور دراز کا کوئی ضروری سفر درپیش ہو جائے، پھر وہ ان تینوں بھائیوں کو بلائے اور سارا ماجرا اُنکے سامنے رکھ کر انہیں اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے، تو ان میں سے ایک کا جواب تو یہ ہو کہ اب تک تو میں تمہارا بھائی تھا لیکن آج کے بعد میرا اور تمہارا کوئی تعلق نہیں، جب کہ دوسرا یہ کہے کہ اب تک میں تمہارا بھائی تھا، تمہارے ساتھ رہتا تھا اور سواری تک تمہارا ساتھ بھی دوںگا، لیکن پھر اسکے بعد نہ میں تمہارا بھائی نہ ساتھی۔ وہ مسافر التجا کرتا ہے: اب تو مجھے تمہارے ساتھ کی زیادہ ضرورت ہے۔

لیکن وہ جواب دیتا ہے: یہ تو ممکن ہی نہیں۔ پھر وہ تیسرے بھائی سے دریافت کرتا ہے کہ تم کیا کہتے ہو؟ وہ کہتا ہے: میں دنیا کی بیماری و تندرستی میں بھی تمہارا ساتھی تھا، اب بھی تمہارا ساتھی ہوں، جب تم سوار ہو گے تب بھی تمہارے ساتھ رہوں گا اور سفر میں بھی تمہارا ساتھ دوںگا، جب تم چلو گے تمہارے ساتھ ہی میں بھی چلوںگا، جب تم کہیں پڑاؤ ڈالو گے تو تمہارے ساتھ پڑاؤ ڈالوںگا، بہر حال میں تمہارے ساتھ رہوں گا، کبھی جدا نہیں ہوں گا اور میں ہی تمہارا امداد و مؤنس ہوں۔ تو وہ مسافر اُسے کہتا ہے: میں تو آج تک تمہیں کمتر حیثیت دیتا رہا اور باقی دو ساتھیوں کو تجھ پر ترجیح دیتا رہا، کاش کہ میں تمہارا حق پہچان لیتا اور تمہیں باقی دونوں پر ترجیح دیتا۔

www.KitaboSunnat.com

(یہ مثال ایک مرفوع حدیث میں بھی وارد ہوئی ہے جسے ابن ابی الدنیا نے روایت کیا

ہے)

## (۱۹)۔ اُنیسویں مثال

یہ ایک بہترین مثال ہے، جو کچھ یوں ہے کہ ایک بادشاہ نے ایسا بہترین عمل تیار کیا کہ ویسا کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا، انتہائی خوبصورت اور وسیع تر۔ پھر اُسے ہر طرح کی لذیذ چیزوں سے آراستہ کر دیا اور اُسکی طرف جانے کا ایک راستہ بھی مقرر کر دیا اور ایک داعی بھی بھیج دیا جو لوگوں کو اُسکی طرف بلاتا ہے، اور راستے پر ایک خوبصورت عورت بھی بٹھا دی جو ہار سنگھار کیے بیٹھی ہے اور اس کے پاس کچھ مددگار و خادم بھی موجود ہیں، نیز مسافروں کا زادراہ بھی اُسکے ہاتھ میں ہے، اور بادشاہ نے اسے یہ حکم دے رکھا ہے کہ جو شخص تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے اور تمہاری پرواہ نہ کرے تو اُسے خوب خوب زاد مہیا کرنا، اُسکی خدمت کرنا اور اُسکے سفر میں رکاوٹ نہ ڈالنا، بلکہ ہر ممکن طریقے سے اُسکی مدد کرنا۔

اور جو تمہاری طرف نگاہیں اٹھا کر دیکھے، تجھ پر راضی ہو، تجھے مجھ پر ترجیح دے، وحشی جانوروں کی طرح تیرے پیچھے بھاگے تو کچھ عرصہ اُسے دھوکے میں مبتلا رکھنا، پھر اس کا تمام اسباب سلب کر کے اسے ہلاک کر ڈالنا اور اپنے خادموں کے کو بھی اُس پر مسلط کر دینا، جو تیری تعظیم و محبت میں جتنا بڑھے اتنا ہی تو اُسکی اہانت و توہین کرنا اور اسے آزمائشوں میں مبتلا رکھنا، یہاں تک کہ یہ تجھ پر حسرتیں کرتے کرتے اس کا نفس ٹوٹ کر بکھر جائے۔

یہ دنیا اور آخرت کے طلبکاروں کی مثال ہے جو ایک اثر سے ماخوذ ہے جس میں اللہ تعالیٰ دنیا کو خطاب کر کے فرماتے ہیں: اے دنیا! جو میری خدمت کرے، تو اُسکی خدمت کرنا، اور جو تیری خدمت کرے، تو اُس سے اپنی خدمت کروانا۔

## (۲۰)۔ بیسویں مثال

ایک بادشاہ نے بہت اچھی اور خوبصورت جگہ پر ایک شہر تعمیر کیا، اس میں نہریں کھدوائیں، درخت لگوائے اور ایسی ایسی نعمتیں سجائیں جو کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کے دل میں اٹکا گمان گزرا، اور بادشاہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جلدی جلدی اس شہر کی طرف لپکیں،

اور یہ بھی اعلان کر دیا کہ جو سب سے پہلے جس جگہ پر پہنچے گا وہ جگہ اُسی کی ہوگی اور جو پیچھے رہا وہ محرومی و ہلاکت سے دو چار نہ ہوگا اور مقابلے کیلئے ایک میدان بھی مقرر کر دیا: البتہ اُس میدان میں ایک بڑا سا درخت بھی لگا دیا جس کا سایہ بڑا گھنا ہے، جسکے نیچے بیٹھا پانی بہہ رہا ہے، نیز اس درخت پر ہر قسم کے پھل موجود ہیں اور اسکی ڈالیوں پر بڑے بڑے خوبصورت پرندے بیٹھے چہچہا رہے ہیں، لیکن بادشاہ نے یہ بھی کہہ رکھا ہے کہ اس درخت سے دھوکہ نہ کھانا کہ عنقریب یہ جڑ سے اُکھینز دیا جائے گا اور پھر اسکا سایہ ختم ہو جائے گا، پھل منقطع ہو جائیں گے اور پرندے مرجائیں گے۔ جبکہ بادشاہ کے شہر میں پہنچ گئے تو وہاں کے سائے اور پھل ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

جب لوگوں نے یہ بات سنی تو اسکی طلب میں چل پڑے اور جب اس درخت کے پاس سے گزرے تو اسکے نیچے پڑاؤ ڈال لیا اور اسکے سائے اور پھلوں سے لطف اندوز ہونے لگے۔ اس موقع پر ان سے کہا گیا: تمہارے یہاں ٹھہرنے کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ تم اگلے سفر اور مقابلے کی تیاری کر سکو۔ تو اکثر لوگ کہنے لگے: ہم یہ نقد چھوڑ کر ادھار کے پیچھے کیوں بھاگیں؟

یہاں ہم راحت و آرام اور مزے کی زندگی گزار رہے ہیں جب کہ اگلی منزل تو ایک خواب ہے، بھلا خوابوں کی خاطر ہم اپنا راحت و آرام تہ تیہ دیں اور سفر کی کلفتوں اور گرمی اور سردی کو گوارا کر لیں؟

یہ ہم سے نہیں ہو سکتا!!!

لیکن ہر ہزار لوگوں میں سے ایک کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے:

اس درخت اور اسکے سائے سے ہمیں کیا لینا؟ یہ تو عنقریب جڑ سے اکھڑ جائے گا، اور کیا کسی عقلمند مسافر کو یہ بات چھٹی ہے کہ وہ کسی درخت کے نیچے مستقل ڈیرا ڈال لے اور وہیں اپنا گھر سے بنانے لگ جائے اور اپنے اصلی گھر اہل خانہ کو فراموش کر دے؟ یہ حماقت اور کمالی کے سوا کچھ نہیں!!!

لہذا جلدی چلو، جلدی چلو!!

حُكْمُ الْمَنِيَةِ فِي الْبَرِيَّةِ جَارِي	مَا هَذِهِ الدُّنْيَا بِدَارٍ قَرَارٍ
--	---------------------------------------

”موت کا حکم لوگوں میں جاری و ساری ہے، کہ یہ دنیا کوئی مستقل ٹھکانہ تو نہیں“

أَفْضُوا مَا رَبَّكُمْ سِرَاعًا إِنَّهَا	أَعْمَارُكُمْ سَفَرٌ مِنَ الْأَسْفَارِ
--	--

”اپنی ضروریات سے جلد از جلد فارغ ہو جاؤ کہ تمہاری عمریں بھی ایک طرح کا سفر ہی ہیں“

وَتَرَكَضُوا غَيْلَ السَّبَاقِ وَتَادِرُوا	أَنْ تُسْعِرَ دُفَانُهُنَّ عَوَارِي
--	-------------------------------------

”اور مقابلے کے گھوڑے سرپٹ دوڑاؤ اور جلدی کرو، کہیں یہ واپس نہ لے لئے جائیں کیونکہ یہ تو عاریتاً ملے ہیں“

وَدَعُوا الْأَلَمَةَ تَحْتَ ظِلِّ زَائِلٍ	أَنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ بِهَذَا الدَّارِ
---	--

”زائل ہو جانے والے سائے کے نیچے بسیرا چھوڑ دو کہ تم اس دنیا میں سفر پر ہو“

مَنْ يَرْجُوا طُمُبَ الْعَمَاشِ فِيهَا	إِنَّمَا يَتَنَبَّأُ الرَّجَاءُ عَلَى شَفِيرِ هَارٍ
--	---

”جو یہاں پر عمدہ زندگی چاہتا ہے وہ اپنی امیدیں ہلاکت کے دہانے پر قائم کر رہا ہے“

وَالْعَمَاشُ بَعْدَ فِرَاقِهَا	فِي دَارِ أَهْلِ السُّبْقِ أَكْرَمُ دَارِ
--------------------------------	---

”یہاں سے کوچ کرنے کے بعد ہی اصل زندگی ہے جو سبقت لے جانے والوں کے گھر (جنت) میں حاصل ہوتی ہے جو انتہائی عزت کا مقام ہے“

چنانچہ یہ گئے چنے لوگ مقابلے کے میدان میں کود پڑے ہیں، انہیں ساتھیوں کی قلت و حشت زدہ نہیں کرتی، بلکہ یہ عزم کی چٹان بن کر جم جاتے ہیں اور کسی کی ملامت کو خاطر میں نہیں لاتے۔

جبکہ پیچھے رہنے والے اسی درخت کے نیچے عیش و آرام کی نیند سوتے رہتے ہیں لیکن کچھ ہی عرصے بعد اس درخت کی شاخیں سکڑنے لگتی ہیں، پتے جھڑنا شروع ہو جاتے ہیں، پرندے مر جاتے ہیں، پھل ختم ہو جاتے ہیں اور بالآخر اس درخت کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک

دیا جاتا ہے اور اُسکے باسی تند و تیز نو سے جھلنے لگتے ہیں پھر یکا یک وہ درخت آگ بن کر ان سے لپٹ جاتا ہے اور وہ حسرت سے کہتے ہیں: وہ قافلہ کہاں گیا جو کچھ دیر ہمارے ساتھ ٹھہر کر روانہ ہو گیا تھا؟

تو ان سے کہا گیا: اپنی نگاہیں اوپر اٹھاؤ! جب انہوں نے اوپر دیکھا تو وہ تمام لوگ انہیں بادشاہ کے شہر میں اونچے اونچے محلات اور انواع و اقسام کی نعمتوں میں نظر آئے، چنانچہ اپنے برے انجام پر انکی حسرت مزید بڑھ گئی۔ پھر ان سے کہا گیا: یہ پیچھے رہ جانے والوں کا بدلہ ہے، ہم نے تو ان پر ظلم نہیں کیا، یہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ (واللہ المستعان)

### (۲۱)۔ ایک سو بیس مثال

حدیث میں آتا ہے: اس دنیا کی مثال اُس کپڑے کی طرح ہے جو اوپر سے نیچے تک پھٹ چکا ہے اور فقط ایک دھاگے کیساتھ آپس میں جڑا ہو، چنانچہ قریب ہے کہ وہ دھاگہ بھی ٹوٹ جائے۔ (ابن ابی الدنیا)

### (۲۲)۔ بائیس سو مثال

مسند احمد میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ سورج کھجوروں کے دوسری طرف ڈھلک چکا تھا (یعنی غروب کے قریب تھا) تو آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا کا اتنا ہی زمانہ باقی ہے جتنا کہ دن کا یہ حصہ باقی ہے۔

یعنی پوری دنیا ایک دن کی طرح ہے جسکے غروب سے کچھ دیر پہلے رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”میں اور قیامت ان دونوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔“ اور آپ نے انگشت شہادت اور درمیان والی انگلی کو آپس میں

ملا دیا۔ [مسلم]

## (۲۳)۔ تیسویں مثال

ایک قوم کچھ مدت تک کسی شہر میں آباد رہی اور اس میں بڑے حادثات اور آزمائشیں بھی درپیش رہیں، گا بگا ہے زلزلے اور وبا نہیں بھی آتی رہیں۔ چنانچہ انکے بادشاہ نے ایک ایسا شہر بنادیا جو تمام آفات سے محفوظ قرار پایا، پھر بادشاہ نے تمام لوگوں کی اُس شہر کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا اور پہلے شہر کو مکمل تباہ کرنے کا عزم کر لیا، پھر یکے بعد دیگرے قاصد روانہ کر کے لوگوں کو خبردار بھی کرتا رہا جسکے نتیجے میں لوگ مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔

چند لوگ ایسے تھے جنہوں نے قاصدوں کی بات پر یقین کر لیا اور افضل ترین مقامات کو حاصل کرنے کیلئے لپک پڑے اور بادشاہ کو راضی کرنے کیلئے اُسکی محبوب اور پسندیدہ ترین چیز اُسکی جناب میں پیش کی، کسی نے ایک موتی پیش کیا جو دیگر بہت سے اسباب سے زیادہ قیمتی و پسندیدہ قرار پایا، کسی نے کم، کسی نے زیادہ ہر کسی نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق نذرانے پیش کیے اور بادشاہ کی خوشنودی حاصل کی۔

ایک دوسرا گروہ ایسا تھا جو اسی شہر میں محلات تعمیر کرتا رہا اور دوسرے شہر کی طرف سفر کرنے والوں سے بھی لڑتا جھگڑتا رہا، حالانکہ اُنکا قصور صرف یہی تھا کہ وہ بادشاہ کے شہر کی جانب گامزن اور اُسکی رضا کے متلاشی تھے۔ صرف اس جرم کی پاداش میں اُنکا مال لوٹا گیا، اہل خانہ چھینے گئے، حرمتیں پامال کی گئیں اور خون بہایا گیا۔

ایک گروہ ایسا بھی تھا جو فقط اپنے عیش و آرام اور لذت یا بانی میں غرق رہا، نہ اُسے اس شہر سے دلچسپی نہ دوسرے شہر میں رغبت۔ بس کھانا پینا اور خواہشات کی پیروی اُنکا نصب العین رہا، نیز انہیں سابقہ گروہوں سے بھی کوئی غرض نہیں تھی، نہ محبت نہ عداوت، نہ دوستی نہ دشمنی۔ لیکن بادشاہ کی حرمتوں کو پامال کرنے میں یہ لوگ بھی تمام حدود پھیلا گئے اور بادشاہ کو ناراض کر بیٹھے۔

یہ سب گروہ اپنی اپنی کوششوں میں مگن تھے کہ یکا یک ایک ندا لگا دی گئی کہ اب کوچ کا وقت



آچکا اور پھر کسی کو یہ مجال نہ تھی کہ پیچھے رہ سکے، لہذا وہ سب بادشاہ کے حضور میں پیش ہو گئے اور ہر ایک کیساتھ وہی معاملہ ہوا جس کا وہ حقدار تھا، نیز پہلے شہر کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مٹا دیا گیا۔ (۲۴)۔ دنیا کی مثال نیند، دنیاوی زندگی کی مثال خواب اور موت کی مثال بیداری سے دی گئی ہے۔

(۲۵)۔ دنیا ایک کھیتی ہے، عمل اسکا بیج ہے اور کٹائی کا دن روز قیامت۔

(۲۶)۔ دنیا ایک گھر ہے جسکے دو دروازے ہیں، ایک داخل ہونے کا اور دوسرا نکلنے کا۔

(۲۷)۔ دنیا ایک ایسا زہر ہے جو کھانے میں لذیذ اور سونگھنے میں خوشبودار ہے۔

(۲۸)۔ دنیا ایک ایسا سانپ ہے جو چھوٹے میں نرم و ملائم اور دیکھنے میں خوبصورت ہے۔

(۲۹)۔ دنیا بھی کھانے کی طرح ہے جو بقدر ضرورت استعمال کیا جائے اور بسہولت

خارج ہو جائے تو مفید ہے اور ضرورت سے زیادہ استعمال ہو یا بدن میں رک جائے تو موذی اور قاتل۔ جیسا کہ موسم بہار کی فصل کے حوالے سے ایک حدیث میں اشارہ ہے جو سابقہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

(۳۰)۔ دنیا کی مثال اس بد صورت عورت سے بھی دی گئی ہے جس نے اپنے چہرے پر

نقاب ڈال رکھا ہے اور لوگوں کو گھیر رکھا کر اپنے گھر لے آتی ہے، پھر نقاب الٹ کر اپنی

مکروۃ صورت انہیں دکھاتی ہے، پھر چہری سے ذبح کر کے کسی گڑھے میں پھینک دیتی ہے۔

روز اول سے آج تک اسکا بھی طرز عمل ہے اور اسے اپنے عاشقوں کے خلاف بڑی قوت

سے نوازا گیا ہے۔

تعب خیز بات تو یہ ہے کہ اسکے عاشق روزانہ اسکی آفات کا مشاہدہ کرتے اور اسکے در پر دم

توڑتے عاشقوں کو دیکھتے ہیں لیکن پھر بھی اسکے عشق سے باز نہیں آتے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَسَكُنْتُمْ لِي مَسَاكِينَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَبَيْنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ

وَضَرَبْنَا لَكُمْ الْأَمْثَالَ﴾ [ابراہیم: ۴۵]

”اور تم ان لوگوں کی بستیوں میں آباد تھے جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا اور تم پر واضح

ہو چکا تھا کہ ہم نے ان سے کیا سلوک کیا تھا اور ہم نے تمہارے لئے مثالیں بیان کی تھیں“ (۳۱)۔ دنیا کو ایک خواب بھی کہا گیا ہے۔

(۳۲)۔ اور اسے ایک زوال پذیر سائے سے بھی مشابہت دی گئی ہے لیکن اسکے زوال کو پہچاننے کیلئے بصارت سے زیادہ بصیرت کی ضرورت ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مرتبہ دنیا کا تذکرہ ہوا تو فرمایا: ”یہ تو ایک سوتے ہوئے شخص کے خواب یا زوال پذیر سائے کی مانند ہے، کوئی عقلمند ایسی چیزوں سے دھوکہ نہیں کھا سکتا۔ یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں دنیا میں خود کو اُس شخص سے تشبیہ دیتا ہوں جس نے ایک خواب دیکھا جس میں کچھ پسندیدہ اور کچھ ناپسندیدہ چیزیں دیکھیں اور پھر اچانک خواب سے بیدار ہو گیا۔

(۳۳)۔ دنیا کو بے وفا عورت سے بھی تشبیہ دی گئی ہے

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ انہوں نے دنیا کو ایک بوڑھی کھوسٹ عورت کی شکل میں دیکھا جس نے ہر طرح کی زیب و زینت سے خود کو سنوار رکھا تھا۔ تو آپ علیہ السلام نے اس سے پوچھا: تو کتنی شادیاں کر چکی ہے؟ اُس نے کہا: تعداد میرے شمار سے باہر ہے۔ پوچھا: تیرے سب خاوند مر گئے یا تجھے طلاق دے ڈالی؟ دنیا نے کہا: بلکہ ان سب کو میں نے خود قتل کر ڈالا ہے۔ تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تیرے خاوندوں کی بد نصیبی ہے کہ وہ تیرے سابقہ خاوندوں سے عبرت نہیں لے سکتے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ”قصیدہ نوئیہ“ میں فرماتے ہیں:

لَکِنَّ ذَا الْإِيمَانِ يَعْلَمُ أَنَّ هَذَا	كَالْظَّلَالِ وَكُلُّ هَذَا لَانَ
--	-----------------------------------

”لیکن ایمان والا شخص تو اس حقیقت سے خوب آگاہ ہے کہ یہ دنیا تو سائے کی مانند ہے اور یہ سب کچھ فنا ہو جانے والا ہے۔“

كَخَيَالٍ طَئِفٍ مَا اسْتَمَّتْ زِيَارَتُهُ	إِلَّا وَضُبُّ رَجُلٍ بِهِ بِأَذَانٍ
---	--------------------------------------

”جیسے ایک سوتے ہوئے شخص کا خواب و خیال، جو ابھی پورا بھی نہیں ہو پاتا کہ کوچ کی صبح کا اعلان ہو جاتا ہے“

وَسَحَابَةٌ طَلَعَتْ يَوْمَ صَالِفٍ ۖ فَالظِّلُّ مَنْسُوخٌ بِقُرْبِ زَمَانٍ

”اور اس بدلی کی طرح جو کسی سخت گرم دن نمودار ہوتی ہے، پھر جلد ہی اس کا سایہ ڈھل جاتا ہے“

وَكَزْهَرَةٌ وَافَى الرَّبِيعَ بِحُسْنِهَا ۖ أَوْلَامِعًا لِكَلَامِ مَا أُعْوَانِ

”یا اُس پھول کی طرح جس نے اپنے حسن یا چمک سے موسم بہار کو کمال بخشا، اور یہ دونوں (حسن و چمک) یکساں ہیں“

أَوْ كَالسَّرَابِ يَلُوحُ لِلظَّمْآنِ فِي ۖ وَمِطَ الْهَجِيرِ بِمُسْتَوَى الْقَيْعَانِ

”یا اس سراب کی طرح جو کسی صحرا کی گرم دوپہر میں کسی پیاسے کو نظر آتا ہے“

أَوْ كَالْأَمَائِي طَابَ مِنْهَا ذِكْرُهَا ۖ بِالْقَوْلِ وَاسْتِخْضَارِهَا بِجَنَانِ

”یا اُن آرزوں کی مانند جن کا زبان کیسا تھمڑا کرہ کرنا اور دل میں ان کا خیال لانا انتہائی خوش کن ہوتا ہے“

وَهِيَ الْغُرُوزُ رُؤُوسُ أَمْوَالِ الْمَفَا ۖ يُسِ الْأَلْسِ اتَّجَرُوا بِلَا أَلَمَانِ

”حالانکہ یہ سب تو دھوکہ دہی کا سامان ہے، جو ان مغسوں کا راس المال ہے جو بلا قیمت تجارت کرتے ہیں“

أَوْ كَالطَّعَامِ يَلْدُ عِنْدَ مَسَاغِهِ ۖ لَكِنْ غَفَاهُ كَمَا جَدَانِ

”یا اُس کھانے کی طرح جو حلق سے اترتے وقت بڑا لذیذ لگتا ہے، لیکن اُس کے انجام سے بھی تم آگاہ ہو“

هَذَا هُوَ الْمَثَلُ الَّذِي ضَرَبَ الرُّسُو ۖ لَهَا وَذَا فِي غَايَةِ الْيَمَانِ

”یہی وہ مثال ہے جو رسول اللہ ﷺ نے دنیا کے متعلق بیان فرمائی، جو انتہائی واضح ہے“

وَإِذَا أَرَدْتُ تَرَى حَقِيقَتَهَا فَخُذْ مِنْهُ مِثَالًا وَاحِدًا ذَا شَانِ

”اور اگر آپ اسکی حقیقت جانتا چاہتے ہیں تو ایک ہی عظیم الشان مثال ملاحظہ کر لیجئے“

أَدْخِلْ بِجَهْدِكَ أَضْبَعًا فِي الْيَمِّ وَأَنْظُرْ مَا تَعْلَقُ إِذَا بَعِثَانِ

”تھوڑی کوشش کر کے اپنی انگلی سمندر میں ڈالئے اور دیکھئے کہ انگلی کیساتھ کس قدر پانی لگا ہے“

هَذَا هُوَ الدُّنْيَا كَذَا قَالَ الرَّسُولُ مُثَقِّلًا وَالْحَقُّ ذُو بَيِّنَاتٍ

”یہی تو دنیا ہے رسول اللہ ﷺ نے اسکی مثال دیتے ہوئے فرمایا، اور حق تو کھلی کتاب ہے“

وَكَذَاكَ مَقْلَعًا بِظِلِّ الدُّوْحِ فِيْ وَلَيْتَ الْخَرُودِ لِقَابِلِ الرُّكْبَانِ

”اور اسی طرح اسکی مثال گنجان درخت کے اُس سائے سے بھی دی گئی ہے جو گرمی کے وقت آرام کرنے والے مسافروں کے کام آتا ہے“

هَذَا وَلَوْ عَلِمْتُ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ عِنْدَ إِلَهِ الْحَقِّ فِي الْمِيزَانِ

”علاوہ ازیں اگر مجھ کو بھونٹ تک نہ پلاتا اور وہ محرومی کا زیادہ مستحق ہوتا“

لَمْ يَسْقِ مِنْهَا كَافِرًا مِنْ شُرْبَةٍ مَاءٍ وَكَانَ أَحَقُّ بِالْحِرْمَانِ

”تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ تک نہ پلاتا اور وہ محرومی کا زیادہ مستحق ہوتا“

تَاللَّهِ مَا عَقِلْتُ أَمْرِيْ قَدْ بَاغَ مَا يَنْفِي بِمَا هُوَ مُضْمَحِلٌ فَإِنِ

”اللہ کی قسم! ایسا شخص عقلمند نہیں جو باقی رہنے والی چیز کو مضمحل و فانی چیز کے بدلے بیچ ڈالے“

هَذَا وَيُنْفِي لَمْ يُقْضَى حَاكِمًا بِالْحَبْرِ مِنْ سَفِهِ لَذَا الْإِنْسَانِ

”ایسے انسان پر تو اسکی بے عقلی کے باعث تعزرات سے روک لگا دینے کا فتویٰ اور فیصلہ جاری ہونا چاہئے“

إِذَا بَاغَ شَيْئًا قَلْبُهُ فَوْقَ الْإِدْيِ بِغَاظَةٍ مِنَ هَذِهِ الْإِيمَانِ

”کیونکہ جو یہ شخص فروخت کر رہا ہے اسکی قدر و قیمت تو اس چیز سے کہیں زیادہ ہے جو اس

نے بدلے میں حاصل کی ہے“

فَمِنَ السَّفِيهِ حَقِيقَةٌ إِنْ كُنْتَ ذَا	عَقْلٍ وَأَتَى الْعَقْلُ لِلْكَوْنِ
---	-------------------------------------

”اگر آپ عقلمند ہیں تو بتلائیے! بھلا پھر حقیقی بے وقوف کون ہے؟ لیکن دنیا کے نشے میں غرق لوگوں کو عقل کہاں!!

وَاللَّهِ لَوْ أَنَّ الْقُلُوبَ سَمِعَتْ مِنَّا	كَانَ خَيْرَ هَذَا الشَّانِ
---	-----------------------------

”اللہ کی قسم! اگر ہمارے دل حاضر و بیدار ہوتے تو ہماری یہ حالت نہ ہوتی“

نَفْسٌ مِنَ الْأَنْفَاسِ هَذَا الْعَيْشُ إِنْ	قَسَنَاهُ بِالْعَيْشِ الطَّوِيلِ الثَّالِي
---	--

”اگر ہم اس زندگی کو آخرت کی لمبی زندگی پر قیاس کریں تو یہ ایک سانس سے زیادہ نہیں۔“



## ۳۷ - فائدہ

## اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَنْ نَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ [الأحزاب: ۶۲] ”اور آپ اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے“

اسکا بھید یہ ہے کہ اللہ کی صفات کو تغیر نہیں، بلکہ اُسکی ذات و صفات لازوال ہیں، وقت کے ساتھ ساتھ اسکی صفات اور چاہت و نفرت کے اسباب میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ چنانچہ جو چیز آدم و نوح علیہم السلام کے زمانے میں اللہ کی رحمت کا سبب تھی وہ اب بھی اللہ کی رحمت و محبت کا باعث ہے۔ اور اسی طرح جو چیز اُس وقت اللہ کے غضب و لعنت اور عذاب و عقاب کی وجہ تھی، وہی چیز اب بھی اللہ کے غضب و عذاب کی محرک ہے۔ کیونکہ اُسکی صفات میں کوئی تغیر نہیں، اور اُسکی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں و پوشیدہ حکمتوں کی وجہ سے رحمت اور عذاب کی انواع مختلف ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ﴾ [یونس: ۱۳] ”مجرم لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں“

نیز فرمایا: ﴿إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ﴾ [مرسلات: ۱۸]

”بے شک ہم مجرموں سے ایسا ہی (سلوک) کرتے ہیں“

اگر رحمت الہی کے اسباب اختیار کرنے کے باوجود رحمت الہی کا نزول نہیں ہوتا تو ہمیں اللہ تعالیٰ کو الزام دینے کے بجائے اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے! یقیناً اس میں ہماری ہی کوتاہیوں کا دخل ہے۔

## ۳۵ - فائدہ

## عجیب و غریب نصیحتیں

مالك بن دينار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”إِذَا رَأَيْتَ فِسَاوَةً فِي قَلْبِكَ وَوَهْنًا فِي بَدَنِكَ وَحِرْمَانًا فِي رِزْقِكَ فَاعْلَمْ أَنَّكَ قَدْ تَكَلَّمْتَ بِمَا لَا يَغْنِيكَ“  
[النبيه: ۱/۲۳۸]

”جب تم دیکھو کہ تمہارا دل سخت ہو رہا ہے، بدن کمزوری کی طرف مائل ہے اور رزق سے محروم ہوتے جا رہے ہو تو جان لو! یقیناً تم نے کوئی لالچنی بات کہی ہوگی“  
ایک مرتبہ کچھ لوگ مکہ میں فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے تو قاضی فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے دریافت کیا: تمہارا تعلق کونسے علاقے سے ہے؟ اُنہوں نے کہا: خراسان سے۔ آپ نے کہا: تم جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور یہ بات بھی خوب جان لو کہ اگر کوئی بندہ احسان کے اعلیٰ ترین درجے پر پہنچ جائے لیکن اپنے پاس موجود ایک مرغی کیساتھ بھی بدسلوکی کرے تو اُس کا شمار محسنین میں نہ ہوگا۔

[السراج المنیر: ۲/۲۲۷]

ابو محمد (راقم) کہتے ہیں: دنیاوی اعتبار سے جاہل ترین شخص وہ کہلائے گا جو تجارت کے اصول اور طریق کار و مواقع سے خوب آگاہ ہو لیکن اپنی غفلت و سستی کی بناء پر منافع اور کاروبار تباہ کر ڈالے اور پھر ندامت کے آنسو بہائے۔ اس طرح جو شخص اللہ رب العزت کی عزت و جلال اور نعمت و کمال سے آگاہ ہو جائے، اعمال کے مراتب پہچان لے، تقویٰ و پرہیزگاری، یقین و توکل، اخلاص و خشیت اور محبت و انابت کی حقیقت جان لے اور پھر بھی غفلت و سستی اور بد عملی کا مظاہرہ کرے تو اس سے بڑھ کر بے وقوف اور جاہل کون

ہو سکتا ہے؟ لیکن اسکے باوجود اگر ایسا شخص علم و عقل کا دعویٰ رکھتا ہو اور لوگوں کو فتوے دیتا اور وعظ و نصیحت بھی کرتا ہو؟؟

محترم بھائی: فکر کیجئے، کہیں آپ تو ان میں شامل نہیں؟  
یہ حروف لکھنے والے! تو بھی غور کرو..... کہیں تیرا شمار بھی جاہلوں میں نہ ہوتا ہو۔ اے اللہ! اے غفور رحیم! ہمیں معاف فرما۔

مشرکین مکہ کی ایک تعجب انگیز بات یہ بھی تھی کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو خالق، رب العالمین، رازق، اور متصرف مانتے تھے اور یہ بھی اقرار کرتے تھے کہ اللہ ہر چیز پر قادر، ہر چیز سے واقف ہے لیکن اسکے باوجود اللہ کی توحید کا اقرار نہ کرتے اور عبادت میں دوسروں کو اس کا شریک ٹھہرائے، دوسروں کے سامنے گڑگڑاتے اور انہیں مشکل کشا جانتے تھے۔

حالانکہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن وہ انہیں جمع کرنے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اور اس سے بھی زیادہ قابل تعجب اور مضحکہ خیز چیز آجکل کے مسلمانوں کا معاملہ ہے جو ایک طرف تو اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہوئے، اسکی توحید کے گن گاتے اور شرک کی قباحت کا اعتراف کرتے ہیں لیکن اسکے باوجود انکے عمل اور اخلاق میں اللہ کی محبت، اسکی تعظیم، اسکا خوف اور اسکی طرف رغبت و اثابت کہیں نظر نہیں آتی۔ اگرچہ رب تعالیٰ مخلوق سے بے نیاز اور مخلوق ہر بل اسکی محتاج ہے لیکن پھر بھی لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ نہ رب تعالیٰ کی عزت و وقار کا کوئی لحاظ ہے، نہ اسکی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ ہے اور نہ ہی اس سے حیا اور اسکا ادب۔ گویا لوگوں نے صرف زبان سے اقرار کیا ہے اور دل اس سے خالی ہیں، یا شاید گمان پر چل رہے ہیں ابھی یقین کی منزل نہیں پائی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ مَنْ يُرِزُّكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ فَلْيَلْزِمُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ اللَّهُ يَحْكُمُ لِمَاذَا يُعَذِّبُ الْحَقَّ إِلَّا



الضَّلَالُ فَأَلَنِي تُصْرَفُونَ ﴿﴾ [یونس: ۳۱/۳۲]

”اے نبی ﷺ! کہہ دیجئے: تمہیں آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے یا کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور کون زندہ مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتا ہے؟ تو وہ (کافر) ضرور کہیں گے: اللہ! تو کہہ دیجئے: کیا پھر تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟ یہی تو ہے اللہ، تمہارا رب سچا، پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ پھر تم کدھر پھیرے جاتے ہو؟

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ”أَفَلَا تَتَّقُونَ“ پر غور کیجئے۔ جو شخص اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا تو اس کا اقرار مخدوش اور اعتراف محل نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يُرْزِقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَأَلَنِي تُؤْفَكُونَ﴾. [فاطر: ۳]

”اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دے؟ اس کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، پھر تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟ اللہ اکبر! کتنے ہیں عالم، طالب علم اور ان پڑھ لوگ اس معصیت میں مبتلا ہیں، اقرار کرتے ہیں لیکن عمل سے نا آشنا

اللہ سے یوں بے پرواہ ہو چکے جیسے کفار بے پرواہ ہوتے ہیں۔

اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ”حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ لِّمَا تُفْنِي النَّذْرُ“

[القمر: ۵]

”کمال کو پہنچی ہوئی حکمت، پھر محض ڈراوے فائدے نہیں دیتے“

اے اللہ! اے رب العالمین! ہمیں اپنے خاص بندوں میں شامل فرما۔



## ۳۶ - فائدہ

## اللہ تعالیٰ کو پانے کی راہ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سے کم مرتبہ شخصیت، سیدنا خضر علیہ السلام کو پانے کیلئے ہر چیز کو ترک کر دیا تو کوئی بندہ اپنے مالک حقیقی کا قرب و محبت حاصل کرنے اور اپنے رب کو پانے کی راہ پر اُس وقت تک گامزن ہی نہیں ہو سکتا جب تک اپنی تمام خواہشات اور اللہ کے ماسوا ہر چیز سے دستبردار نہیں ہو جاتا۔ (حیاء النحویان: ۱/۳۸۵)



## ۳۷ - فائدہ

ہمیں کیونکر معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے یا نہیں؟

اگر اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے تو یہی مقصود اصلی اور سعادت حقیقی ہے اور ایسی کامیابی جس سے بڑھ کر کسی کامیابی کا تصور بھی محال ہے اور اگر وہ ہم سے راضی نہیں (نعوذ باللہ من ذالک) تو یہی حقیقی ناکامی، رسوائی اور ہمیشہ کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

لہذا یہ جاننا انتہائی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کن باتوں میں مضمر ہے۔

اسکی بہت سی علامات ہیں جن میں سے بعض اجتماعی ہیں اور بعض انفرادی۔

(۱)۔ بعض آثار میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا: اپنے رب سے سوال کیجئے کہ وہ کن باتوں پر ہم سے راضی ہوتا ہے اور کن باتوں پر ناراض ہوتا ہے؟ اور اسکی علامت کیا ہے؟

تو اللہ رب العزت نے انکی طرف وحی فرمائی: جب میں بارش کو اُسکے وقت پر برساؤں، تمہارے بہترین لوگوں کو تم پر حاکم بناؤں اور تمہارے نیک لوگوں کو مال عطا کروں تو سمجھو کہ میں تم سے راضی ہوں۔ اور جب میں بارش کو اُسکے وقت سے ہٹ کر نازل کروں تمہارے بدترین لوگوں کا تمہارا حکمران بناؤں اور تمہارے بخیل لوگوں کو مالدار کروں تو جان لو کہ میں تم پر ناراض ہوں۔ (قوت القلوب: صفحہ ۱۳)

(۲)۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اطاعت کے کاموں میں استعمال کرے تو یہ اسکی رضا کی علامت ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو نافرمانی کے کاموں میں استعمال کرے تو یہ اسکی ناراضگی کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالْدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾ [الحج: ۱۸]

”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمانوں میں اور جو کوئی زمین میں ہے، اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے لوگ، اور بہت سوں پر اس کا عذاب ثابت ہو چکا ہے، اور جسے اللہ ذلیل کرے، اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے“

یعنی جو بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو، وہ اللہ کے نزدیک اکرام یافتہ ہے اور یہ بات رضائے الہی کی علامت ہے، اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے اسے سجدوں کی توفیق دی ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کی لونڈی نے رات کو قیام اللیل کے بعد دعا مانگی: ”يَا رَبِّ بِحُبِّكَ إِنَّمَا أَقْضِي حَاجَتِي“... (اے میرے رب! تو میرے ساتھ اپنی محبت کے وسیلے سے میری حاجتیں پوری فرما)

یہ سن کر عطاء رحمہ اللہ نے اُسے فرمایا: یوں نہ کہو، بلکہ یوں دعا مانگو: ”بِحُبِّي إِنَّمَا يَرْبِ الْقَضِي حَاجَتِي“.... ”مجھے میری تیرے ساتھ محبت کا واسطہ اے میرے رب! میری حاجتیں پوری فرما“

یہ سن کر اس لونڈی نے جواب دیا:

”اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت نہ کرتا تو مجھے اپنے سامنے کھڑا ہونے کی توفیق ہی نہ دیتا۔

اسکی اس جواب اور گہرے فہم پر عطاء رحمہ اللہ کو بہت تعجب ہوا۔

اسی لیے بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ جب ان کا قیام اللیل رہ جاتا یا نماز باجماعت چھوٹ جاتی تو انہیں سخت غم لاحق ہوتا اور وہ کہتے: کیا یہ میرے برے عمل کی شامت ہے؟ یا اللہ کی ناراضگی کا نتیجہ ہے؟ پھر بھلا اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی اطاعت کی توفیق کیوں نہیں دی؟ لہذا ہم سب کو چاہیے کہ اپنے معاملات کی نگرانی کریں اور اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہیں۔

حدیث میں آتا ہے: ”إِنَّ اللَّهَ إِذَا أَرَادَ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ اسْتَعْمَلَهُ قَلِيلًا وَكَيْفَ يَسْتَعْمِلُهُ؟ قَالَ: يُؤَلِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ“.

[الترمذی: ۲۱۴۲ وسندہ صحیح صححہ الالبانی]

”جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کیساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے استعمال کر لیتا ہے، پوچھا گیا: کیسے استعمال کرتا ہے؟ فرمایا: موت سے پہلے عمل صالح کی توفیق دے دیتا ہے“ (۳)۔ اگر آپ کا دل اللہ عز و جل کی محبت سے موجزن ہے تو جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ بھی آپ سے محبت کرتا ہے اور یہ بات رب تعالیٰ کی رضا پر دلالت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ“... ”اللَّهُ أَنْ سَعَىٰ مَحَبَّةً كَرَامَةً“ اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں“ یہاں اللہ تعالیٰ نے اُنکے ساتھ اپنی محبت کو اپنے ساتھ اُنکی محبت کا سبب قرار دیا ہے۔ اگر آپ کے دل میں رب تعالیٰ کی محبت موجود ہے تو سمجھ لیجئے کہ آپکی محبت اللہ کی دو محبتوں کے نورانی ہالے میں لپٹی ہوئی ہے۔ آپکی محبت سے پہلے بھی ایک محبت ہے اور آپکی محبت کے بعد بھی ایک محبت ہے، اول و آخر اللہ کی رحمت ہے جسے چاہے اس سے نوازدے اور وہ قدردانوں اور ناشکروں کو خوب جانتا ہے۔

### (۴)۔ مقبولیت

کسی بندے کی اہل ایمان میں مقبول ہونا، لائق ستائش اور لائق تعظیم ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا﴾.

[مریم: ۹۶]

”پیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یقیناً رحمن ان کے محبت پیدا کر دے گا“۔

ایک حدیث میں بھی آتا ہے کہ جو بندہ اللہ کا محبوب ہو، زمین پر بھی اُسکی قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

(پہلی جلد میں بھی اسکے قریب قریب ایک فائدہ گزر چکا ہے)

### (۴) کتاب اللہ کے ساتھ تعلق

حدیث میں آتا ہے: ”قرآن پڑھو، کیونکہ یہ روز قیامت بہترین سفارشی ہوگا۔ قیامت والے دن قرآن کہے گا: اے رب! اسے کرامت و اعزاز کا زیور پہنا دے، چنانچہ اُسے کرامت کا زیور پہنا دیا جائیگا، پھر وہ کہے گا: اے رب! اسے کرامت و عزت کا لباس پہنا دے، چنانچہ اسے کرامت کا لباس پہنا دیا جائے گا، پھر وہ کہے گا: اے رب! اسے کرامت کا تاج پہنا دے، اے رب! اس سے راضی ہو، کہ تیری رضا سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ (دارمی رحمہ اللہ (۳۰۹/۲) نے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً و مرفوعاً روایت کیا اور اسکی سند حسن بلکہ صحیح ہے)

### (۶) اخلاص، نماز اور زکوٰۃ

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ فَارَقَ الدُّنْيَا عَلَى الْإِخْلَاصِ لِلَّهِ وَحْدَهُ وَعِبَادَتِهِ لَا شَرِيكَ لَهُ وَاقَامَ الصَّلَاةَ وَابْتِئَاءَ الزَّكَاةَ مَاتَ وَاللَّهُ عَنْهُ رَاضٍ“ ابن ماجہ (۵۸) (۳۰۹/۱)

”جس شخص نے اس حال میں دنیا کو خیر باد کہا کہ وہ اللہ وحدہ لا شریک، کیلئے اور اسکی عبادت پر قائم ہو، نماز قائم کرنے والا اور زکوٰۃ ادا کرنے والا ہو، تو اُسکی موت اس حال میں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اُس سے راضی ہوگا“

(ابن ماجہ نے اسے روایت کیا (سنن ابن ماجہ (۷۰)) اور اسکی سند حسن ہے)

(۷)۔ کسی بندے کا ان اعمال میں مشغول ہونا جو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا سبب ہیں،

انکا تذکرہ پہلی جلد کے فائدہ نمبر (۵۸) میں گزر چکا ہے۔ یہ ٹوٹل (۲۰) بلکہ اس سے بھی زیادہ اسباب ہیں۔

(۸)۔ میدان ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یقیناً جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہاری روزی تقسیم کر دی ہے اسی طرح تمہارے اخلاق و اطوار بھی تقسیم کر دیے ہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ دنیا تو اسے بھی دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے اور اُسے بھی دیتا ہے جس سے محبت نہیں کرتا، البتہ دین کی دولت صرف اُسی شخص کو عطا کرتا ہے جس سے محبت کرے، چنانچہ جسے اللہ تعالیٰ نے دین سے نوازا گویا اُس سے اللہ تعالیٰ نے محبت فرمائی۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اُس وقت تک کوئی بندہ مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس کا دل اور زبان مسلمان نہ ہو جائے، اور اُس وقت تک کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس کے پڑوسی اُسکی ایذا رسانی سے محفوظ نہ ہو جائیں۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی، مشکوٰۃ: ۲/۲۲۵)

جب اہل دین اپنے دین کی بدولت اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائیں اور اُسکے وفادار رہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جاتا ہے۔

(۹)۔ سنت کی محبت اور اسکی پیروی بھی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور محبت کا سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [العمران: ۳۱]

(۱۰)۔ محبت الہی حاصل کرنے کے اسباب بھی رضائے الہی کا ذریعہ ہیں کیونکہ محبت و رضا ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں۔ انکا تذکرہ بھی پہلی جلد کے فائدہ نمبر (۱۹) میں گزر چکا ہے۔

## ۳۸ - فائدہ

## علم نافع کا حصول چند باتوں کے ذریعے ممکن ہے

①..... احسان :- اس کا معنی یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے دل کی آنکھ سے اللہ عزوجل کی طرف دیکھتا رہے، اپنی جلوت و خلوت میں اللہ رب العزت کی عظمت و جلال اور خوف و محبت سے سرشار رہے، اسکی عبادت یوں ہو گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور جب گناہ کا موقع آئے تو اللہ عزوجل کا خوف اور اس سے حیا آڑے آجائے اور وہ گناہ ترک کر دے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ یوسف میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾  
[یوسف: ۲۲]

”اور جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکم اور علم دیا اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں“

یعنی اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو علم و حکمت سے نوازتا ہے، اور جس کا احسان جتنا کامل ہوگا اس کا علم بھی اتنے ہی کمال کو پہنچے گا اور جو شخص احسان کے درجے سے جتنا پیچھے ہے گا اتنا ہی اس کا علم بھی زوال پذیر ہوگا۔

پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَرَاوَدَتْهُ الْيَتِيمَىٰ هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَوْلَايَ لَا يَقْبَلُحُ الظَّالِمُونَ﴾. [یوسف: ۲۳]

”اور جس عورت کے گھر میں وہ (یوسف) تھا اس عورت نے اسکے جی سے پھسلا یا اور دروازے بند کر دیے اور بولی: لو آ جاؤ، یوسف نے کہا: اللہ کی پناہ! یقیناً وہی میرا رب ہے،



اس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا، بیشک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے۔

یوسف علیہ السلام کا احسان دیکھئے! مصر کا حسن تمام مخلوقوں میں دعوت گناہ رے رہا ہے۔ ایک طرف گھر کی مالکین دوسری طرف پریشان حال مسافر۔ لیکن اسکے باوجود اپنے رب کا احساس ہے جو نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتا، ”إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ“ اور گناہ کے انجام پر بھی نظر ہے جو ادھر ادھر ہی بھٹکتی ہی نہیں ”إِنَّهُ لَا يُلْقِيهِ الظَّالِمُونَ“

یہی درحقیقت احسان ہے، اگر آپ نے اسے اختیار کر لیا تو نادر علوم کے دروازے آپ پر کھل جائیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کی محنتوں کو کبھی ضائع نہ کریگا۔

اسی طرح سورہ القصص میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ [القصص: ۱۴]

”اور جب وہ (موسیٰ) اپنی جوانی کو پہنچا اور (عقل و شعور میں) کامل ہو گیا تو ہم نے اسے حکم اور علم دیا اور ہم نیکی کرنے والوں کی اسی طرح جزاء دیتے ہیں“

اس علم سے مراد نبوت نہیں، کیونکہ آپ علیہ السلام اُس وقت تک نبی نہیں بنے تھے بلکہ مدین کی طرف ہجرت اور پھر وہاں سے واپسی کے بعد آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔

(۲)..... حق کو تلاش کرنا اور جہاں کہیں مل جائے قبول کر لینا۔

یہی اہل سنت کا اصول ہے اور حکمت کی بات تو حکیم کی گمشدہ میراث ہے، جہاں سے بھی ملے وہ اُس کا سب سے بڑھ کر حقدار ہے۔ البتہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور شخص یا گروہ کیساتھ چمٹ جائے اور جو شخص کسی ایک ہی مجتہد کا دامن پکڑ لے اور صرف اُسی کے پاس علم اور حق تلاش کرے وہ بھی ٹھوکر کھا جاتا ہے، کیونکہ کسی ایک شخص یا گروہ کیلئے تعصب رکھنا انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے۔

اس حوالے سے صحابہ کرام اور تابعین عظام رحمہم اللہ اجماع کی پاکیزہ سیرتوں کا جائزہ لیجئے! وہ لوگ کسی ایک شخص یا گروہ کے بجائے حق کی اتباع کرتے تھے خواہ کہیں سے مل جائے لہذا

انہیں علم صحیح اور عمل صالح کی توفیق نصیب ہوئی۔

(۳)۔ سیاق و سباق، قرآن حال اور زیر بحث مسئلے سے ملتے جلتے مسائل کا مشاہدہ اور ان پر تدبر بھی حق فہمی کیلئے ثابت ہوتا ہے، اسی طرح اصول اسلام کا بغور مطالعہ بھی کئی قسم کے علوم کا دروازہ کھولتا ہے اور دین کے فہم میں مدد دیتا ہے۔ یقین نہ آئے تو تجربہ کر کے دیکھ لیجئے!

(۴)۔ مسائل میں تقسیم اور تفصیل کی راہ اختیار کرنا بھی علم صحیح کا ایک بڑا سبب ہے، اور کسی ایک جنس پر بغیر تقسیم و تفصیل کے ایک حکم لگا دینا بھی عموماً غلطی کا باعث ہوتا ہے۔ جیسا حکم بغیر ما نزل اللہ پر عمومی طور پر کفر کا حکم لگانا اور اکراہ، وضع قانون وغیرہ کی تفصیل میں نہ جانا۔

(۵)۔ ایک کتاب کو بار بار پڑھنا یہاں تک کی اسے حفظ کر لیں، یا ایک کتاب کو مسلسل پڑھاتے رہنا۔ یہ چیز اسلامی علوم اور شرعی مسائل کو یاد رکھنے کیلئے انتہائی مفید ہے جیسا کہ سلف صالحین کی عادت تھی کہ وہ اپنی تالیفات میں سے کوئی ایک کتاب ہمیشہ اپنے شاگردوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب صحیح البخاری اپنے شاگردوں کو پڑھاتے اور انکے شاگرد اسے لکھتے اور یاد کرتے تھے۔ چنانچہ وہ تمام علوم جو صحیح بخاری میں مذکور ہیں، انکے دلوں میں مسطور اور کتابوں میں مکتوب ہوتے تھے، جبکہ آجکل یہ حال ہے کہ طالب علم جلدی جلدی کتاب مکمل کرنے یا اسکے بعض ابواب پڑھنے کی فکر میں ہوتے ہیں اور کتاب ختم ہونے کے بعد انکے پلے کچھ نہیں ہوتا۔

(۷)۔ شرعی علوم کی تحصیل کیلئے علماء کرام سے سنی ہوئی اور کتابوں میں پڑھی ہوئی علمی باتوں کو نوٹ کرنا اور مسلسل دہراتے رہنا بھی مفید ثابت ہوتا ہے۔

(۸)۔ نیز علم کا شوق

(۹)۔ انتہائی درجے کی کوشش

(۱۰)۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا و التجا

(۱۱)۔ اور اخلاص بھی اہم ترین اسباب ہیں۔

[وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَهُوَ نِعَمُ الْمَوْلَىٰ وَنِعَمُ النَّصِيرِ]

## ۳۹- فائدہ

## اخلاص کی معرفت

ہر مومن کیلئے اس فائدے کا مطالعہ، اسکا حفظ اور اس پر عمل انتہائی ضروری ہے۔ پہلے ہم اسکے فضائل بیان کریں گے، پھر اسکا معنی، اور اسکے بعد اُن نفسانی خطوط کا تذکرہ کریں گے جو اخلاص کی ضد ہیں، اور آخر میں حصول اخلاص کا طریقہ اور اُسکے وسائل بھی زیر بحث آئیں گے۔

## فضائل اخلاص

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾ [البینۃ: ۵]  
 ”حالانکہ انہیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ بندگی کو اللہ کے لیے خاص کر کے یکسو ہو کر اس کی عبادت کریں اور وہ نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، اور یہی سیدھی ملت کا دین ہے۔“  
 اللہ رب العزت نے تمام شرائع میں اخلاص کا حکم دیا ہے۔  
 دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ صَلَّيْتُ وَنُسَكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ [الأنعام: ۱۶۳]  
 ”کہہ دیجئے: بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت (سب کچھ) اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اسکا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی (بات یعنی توحید) کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں“

نیز فرمایا: ﴿أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ﴾ [الزمر: ۳]  
 ”سنو! خالص بندگی اللہ ہی کیلئے ہے“

اور فرمایا: ﴿قُلِ اللَّهُ أَغْبُدُ مُخْلِصًا لَهُ دِينِي﴾ [الزمر: ۱۴]  
 ”کہہ دیجئے: میں اللہ کیلئے اپنی بندگی کو خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتا ہوں“  
 اور فرمایا: ﴿فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾

[غافر: ۱۴]

”لہذا تم اللہ کیلئے بندگی خالص کرتے ہوئے اسی کو پکارو، اگرچہ کافرانہ پسند ہی کریں“  
 اور فرمایا: ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾

[النساء: ۱۴۶]

”سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی، اور تھام لیا اللہ (کے دین) کو اور اپنا دین اللہ کے لئے خالص کر لیا تو ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور اللہ مومنوں کی جلد ہی بڑا اجر عطا کرے گا“

اور فرمایا: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ [الکہف: ۱۱۰]

”پھر جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہو، تو چاہئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے“

سیدنا ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور دریافت کیا: أَرَأَيْتَ رَجُلًا غَزَا يَلْتَمِسُ الْأَجْرَ وَالْذِّكْرَ مَا لَهُ؟ ”اُس شخص کے متعلق بتلائیے جو غزوے میں شریک ہوا اور وہ اجر اور شہرت دونوں کا متلاشی ہے، اسکے لئے کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لَا خَيْرَ لَهُ“۔ ”اسکے لئے کچھ نہیں۔“ اُس نے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا اور تینوں مرتبہ آپ ﷺ نے اُسے یہی جواب دیا کہ اُس

کے لیے کچھ نہیں اور پھر فرمایا: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ خَالِصًا وَابْتَغَى بِهِ وَجْهَهُ“۔ ”بے شک اللہ تعالیٰ کوئی عمل بھی قبول نہیں فرماتا سوائے اُس عمل کے جو خالص اسی کیلئے ہو، اور اُس کے ذریعے اُسی کی رضا چاہی گئی ہو“ [نسائی: ۲۵/۶]  
 اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”ثَلَاثٌ لَا يُعْمَلُ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلَّهِ وَالنُّصْحُ لِأَيِّمَةِ الْمُسْلِمِينَ وَلِزُورٍ جَمَاعَتِهِمْ“

[ابن ماجہ: ۲۳۰۔ مسند احمد: ۱۸۳/۵]

”تین چیزوں پر کسی مسلمان کا دل کبھی کھوٹا نہیں ہوتا: اپنے عمل کو اللہ کیلئے خالص کرنا، مسلمان حکمرانوں کیلئے خیر خواہی، اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا۔“  
 سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپ فرما رہے تھے:

”لَمْ تَوْتُوا شَيْئًا بَعْدَ كَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ مِثْلَ الْعَافِيَةِ فَمَا سَأَلُوا اللَّهَ الْعَافِيَةَ“  
 ”تمہیں کلمہ اخلاص کے بعد عافیت جیسی کوئی چیز نہیں دی گئی، لہذا اللہ سے عافیت مانگو“  
 [اسے احمد نے روایت کیا (۱۵۸/۱) اور احمد شاکر نے صحیح قرار دیا]

اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”مَا قَالَ عَبْدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَطُّ مُخْلِصًا إِلَّا لُفِّحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ حَتَّى تُفْطِيَ إِلَى الْعَرْشِ مَا اجْتَنِبَتْ الْكِبَايِرُ“

[رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ باسناد حسن ۳/۳۵۹۰]

”جب بھی کوئی بندہ خلوص دل سے لا الہ الا اللہ کہتا ہے جو تو اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کلمہ عرش تک جا پہنچتا ہے، یہ اُس وقت تک ہوتا ہے جب تک کبیرہ گناہوں سے اجتناب برتا جائے“ (اسے ترمذی نے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے طریق سے حسن سند کیساتھ روایت کیا ہے ۳/۳۵۹۰)

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

”إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صَوْرِكُمْ وَلَا إِلَى أَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ“

وَأَعْمَالُكُمْ“ [صحیح مسلم]

”بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں دیکھتا ہے اور نہ تمہارے مال، لیکن وہ تو تمہارے دل اور اعمال دیکھتا ہے“

ایک اور حدیث میں فرمایا: **قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكُهُ وَأَنَا مِنْهُ بَرِيءٌ**“

[صحیح مسلم]

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تمام شریکوں سے بڑھ کر اپنے حصے سے بے نیاز ہوں، جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے جس میں وہ میرے ساتھ میرے غیر کو شریک کرتا ہے تو میں اُسے اور اسکے مقررہ حصے کو چھوڑ دیتا ہوں اور میں اُس سے لاتعلق ہو جاتا ہوں“

○ عُبَّانُ بْنُ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: **”لَنْ يُوَالِيَ عَبْدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَتَّبِعُ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ“** [بخاری]

”جو بندہ بھی اللہ کی رضا جوئی کیلئے لا الہ الا اللہ پڑھتا ہو، قیامت کے دن جب وہ پیش ہوگا تو اللہ تعالیٰ اُس پر آگ کو حرام کر دے گا“

○ ضَعَّاکُ بْنُ قَيْسٍ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

**”إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ: أَنَا خَيْرُ شَرِّكَ لِمَنْ أَشْرَكَ بِي أَحَدًا فَهُوَ لِشَرِّكَى. يَا أَيُّهَا النَّاسُ اخْلَصُوا الْأَعْمَالِ لِلَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا خَلَصَ لَهُ وَلَا تَقُولُوا: هَذَا لِلَّهِ وَلِلرَّجَمِ وَلَيْسَ لِلَّهِ مِنْهُ شَيْءٌ، وَلَا تَقُولُوا: هَذَا لِلَّهِ وَلَوْ جُوهُكُمْ فَإِنَّهُ لَوْ جُوهُكُمْ وَلَيْسَ لِلَّهِ مِنْهُ شَيْءٌ“**

”میں بہترین حصہ دار ہوں، چنانچہ جو شخص میرے ساتھ کسی کو شریک کرے تو وہ عمل صرف اُس شریک (حصہ دار) کا ہی ہوتا ہے۔

اے لوگو! اپنے اعمال کو اللہ کیلئے خالص بناؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کوئی عمل قبول نہیں کرتا سوائے

اُس عمل کے جو اسکے لیے خالص کیا جائے، اور یہ مت کہو: یہ اللہ اور رشتہ داری کی خاطر ہے کہ اُس میں اللہ کیلئے کچھ نہیں ہوتا، اور یہ بھی مت کہو: یہ عمل اللہ کیلئے اور تمہاری خوشنودی کیلئے ہے کہ پھر تو وہ صرف تمہاری خوشنودی کیلئے ہی سمجھا جائیگا اور اللہ کیلئے اُس میں سے کچھ نہ ہوگا“ (اسے عبدالباقی بن قانع اور بیہقی نے روایت کیا (۳۳۰/۲) اور بزار نے بھی اسے روایت کیا۔ دیکھئے: مجمع الزوائد (۲۲۱/۱۰) اور یہ حدیث صحیح ہے، دیکھئے الصحیح للابانی (۲۷۶۳/۶)۔

○ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”يَجَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بُضْحَفٍ مَخْتُومَةٍ فَتَنْصَبُ بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَيَقُولُ اللَّهُ لِلْمَلَائِكَةِ: أَلْقُوا هَذَا وَاقْبَلُوا هَذَا فَتَقُولُ الْمَلَائِكَةُ: وَعِزَّتْكَ مَا رَأَيْنَا إِلَّا خَيْرًا. فَيَقُولُ، وَهُوَ أَعْلَمُ: إِنَّ هَذَا لِغَيْرِي وَلَا أَقْبَلُ الْيَوْمَ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ ابْتِغَى بِهِ وَجْهِي“.

(ابن عساکر، دارقطنی، کما فی الكنز ۴۷۷/۳، ولہ شواہد)

”قیامت والے دن کچھ مہر بلب صحیفے لائے جائیں گے اور اللہ عزوجل کے سامنے پیش کئے جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے یہ (اعمال) پھینک دو اور یہ قبول کر لو۔ فرشتے کہیں گے: تیری عزت کی قسم! ہم تو ان میں نیکیاں ہی دیکھ رہے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے (کہ اللہ تو حقیقت حال کو زیادہ جانتا ہے): یہ اعمال میرے غیر کیلئے کئے گئے اور آج میں صرف وہی عمل قبول کروں گا جسکے ذریعے میرے رضا چاہی گئی ہوگی۔“

○ حُفْصِ بْنِ مَتَاعٍ کا بیان ہے کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملا اور عرض کیا: مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیے جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔ تو انہوں نے فرمایا: بیٹھ جاؤ تاکہ میں تمہیں وہ حدیث سناؤں جو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے بیان فرمائی جبکہ میرے اور آپ کے سوا اُس مجلس میں کوئی اور نہیں تھا۔ پھر سسکیاں بھرنے لگے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر ہوش آیا تو اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور حدیث سنانے لگے تو پھر بے ہوش ہو کر گر پڑے،

تین مرتبہ ایسا ہوا اور پھر آپ ﷺ نے حدیث سنائی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور تمام گروہ گھٹنوں بیٹھے ہو گئے تو اس وقت سب سے پہلے جس شخص کو بلایا جائے گا..... پھر آپ نے مکمل حدیث بیان فرمائی جس میں ایک شہید، عالم اور سخی کا تذکرہ ہے پھر فرمایا کہ ان تینوں کے ذریعے قیامت کے دن سب سے پہلے جہنم کو دکھایا جائے گا۔

حُفْصی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پھر میرا سر زمین شام کی طرف معاویہ رحمہ اللہ کے پاس جانا ہوا تو میں نے انہیں یہ حدیث سنائی تو معاویہ رحمہ اللہ شدت سے رونے لگے اور فرمایا: ”اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا پھر یہ آیت پڑھی:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُنْجَسُونَ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [ہود ۱۶]

”جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے تو ہم ان کے اعمال کا بدلہ اسی دنیا میں دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی، یہی لوگ ہیں جن کیلئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور برباد ہو گیا جو کچھ انہوں نے دنیا میں کمایا تھا اور جو عمل وہ کرتے رہے، ضائع ہو گئے۔“

بعض حاضرین مجلس نے کہا: یہ شخص تو شر لایا ہے (یعنی اس نے ہمارے امیر کو رلا دیا ہے)۔۔۔ [الترغیب والترہیب۔ اسکی سند صحیح ہے]

○ مکحول رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مَا أُخْلِصَ عَبْدٌ قَطُّ أَرْبَعِينَ يَوْمًا إِلَّا ظَهَرَ ثَبَاتُ الْحُكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ وَلِسَانِهِ“

(جب کوئی بندہ چالیس دن تک خلوص کو اپنائے رکھے تو اُس کے دل اور زبان سے حکمت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں) [مدارج السالکین ۹۶/۲]

○ ابو سلیمان الدارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی بندہ اللہ رب العزت کیلئے



خالص ہو جائے تو وہ وسوسوں کی کثرت اور ریا کاری سے چھٹکارا پالیتا ہے۔ (مدارج)

○ یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دنیا میں نایاب ترین چیز اخلاص ہے، اور میں اپنے دل سے ریا کاری نکالنے کی بہت کوشش کرتا ہوں لیکن ریا کاری ہے کہ ایک نئے رنگ میں دوبارہ پیدا ہو جاتی ہے۔ (مدارج)

○ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بہترین عمل وہ ہے جو خالص اللہ کیلئے ہو اور درست ہو۔ لوگوں نے کہا: اے ابوعلی! اُتْلُصْ اور اُصْوَبْ کا معنی کیا ہے؟ تو فرمایا: جب کوئی عمل اللہ کیلئے خالص ہو لیکن صواب (درست) نہ ہو تو قبول نہیں ہوتا، اور اسی طرح اگر صواب ہو لیکن خالص نہ ہو تب بھی قبول نہیں ہوتا، یہاں تک کہ خالص اور درست ہو جائے۔ اور خالص وہ عمل ہے جو صرف اللہ کی رضا جوئی کیلئے ہو، جبکہ صواب (درست) وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا:

”فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ  
أَحَدًا“ [مدارج السالکین]

”پھر جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہو تو چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے“

○ شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ایک آدمی عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: مجھے ایک سوال کا جواب دیجئے! اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے نماز پڑھتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ نماز پڑھنے پر اُسکی تعریف کی جائے؟ تو عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اُسے کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بہترین حصہ دار ہوں، چنانچہ جو میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرے تو (میں اپنا حصہ بھی چھوڑ دیتا ہوں اور) وہ سب میرے شریک کا ہو جاتا ہے اور مجھے اُسکی کوئی حاجت نہیں۔ [تفسیر ان کثیر ۱۲/۱۱۳]

○ اسام ابن قہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اخلاص اور اتباع کے بغیر عمل کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی مسافر اپنا توشہ دان ریت سے بھر لے اور اُسکے نقل و حمل کی تکلیف سہنے کے باوجود کوئی

فائدہ نہ اٹھا سکے۔ (الفوائد صفحہ: ۶۷، دیکھئے نصرۃ النعم ۱۴۹/۲)

○ بعض حکماء کہتے ہیں:

سات چیزیں دیگر ساتھ چیزوں کے بغیر نفع نہیں دیتیں :

(۱)..... پرہیزگاری کے بغیر خوف مفید نہیں۔ مثلاً ایک شخص یہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں لیکن گناہوں سے پرہیز نہ کرے۔

(۲)..... طلب کے بغیر امید فائدہ نہیں دیتی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾

[الکھف: ۱۱۰]

”پھر جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہو تو چاہیے کہ نیک عمل کرے“

(۳)..... دلی قصد و ارادے کے بغیر خالی خولی نیت بھی نفع مند نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ

مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ﴾ [النساء: ۸۱]

”اور منافق کہتے ہیں کہ (ہمارا کام تو) فرمانبرداری ہے پھر جب وہ آپ کے پاس سے اٹھ کر

جاتے ہیں، تو رات کو انکا ایک گروہ اس بات کے خلاف جوڑ توڑ کرتا ہے جو آپ کہتے ہیں“

نیز فرمایا: ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ....﴾ [الآیہ..

”اور جو لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں (جہاد کے متعلق) کوئی سورت کیوں نہیں۔

[محمد: ۲۰]

(۴)..... کوشش کے بغیر دعا کرنا بھی کارگر نہیں۔ مثلاً ایک شخص اللہ تعالیٰ سے نیکی

دوبھلائی کی توفیق مانگتا ہے لیکن اس کیلئے کوشش نہیں کرتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَلُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [العنکبوت: ۶۹]

”اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کریں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھاتے ہیں اور یقیناً اللہ

نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے“

(۵)..... بدمامت و شرمندگی کے بغیر توبہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ﴾ [المائدة: ۷۴]  
 ”پھر کیا وہ اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے؟“

(۶)..... خلوتوں کی اصلاح کئے بغیر جلو توں کو سنوارنا۔

ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ﴾ [النساء: ۱۰۸]  
 (۷)..... اخلاص نیت کے بغیر اعمال میں محنت کرنا۔ کیونکہ جب تک نیت خالص نہ ہو  
 کوئی بھی عمل قبول نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ  
 فَأُولَٰئِكَ كَانَ مَعَهُم مَّشْغُورًا﴾ [الاسراء: ۱۹]

”اور جو آخرت چاہتا ہے اور اس کیلئے پوری پوری سعی کرتا ہے جبکہ وہ مؤمن ہو تو یہی لوگ  
 ہیں جنکی سعی قابلِ فدر ہے۔“

یہ بڑی پر حکمت اور نصیحت آمیز بات ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ کی اطاعت کیساتھ لوگوں کی تعریف اور مدح سرائی نہ  
 چاہو، تاکہ تمہارے اعمال برباد نہ ہوں [کنز ۱۱/۳]

کسی دانا سے پوچھا گیا: مخلص کون ہے؟

کہا: مخلص وہ ہے جو اپنی نیکیاں بھی مای طرح چھپاتا ہے جس طرح اپنی برائیاں چھپاتا

ہے۔

کسی سے پوچھا گیا: اخلاص کی انتہا کیا ہے؟

کہا: اخلاص کی انتہا یہ ہے کہ لوگوں کی تعریف نہ چاہو۔

ذوالنون المصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: انسان کو کب پتا چلے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا چنیدہ

بندہ ہے؟

فرمایا: چار باتوں سے:

①.....جب راحت کو ترک کر دے،

②.....بہترین چیز اللہ کی راہ میں،

③.....دنیاوی قدر و منزلت میں کمی چاہے

④.....اور اُسکے نزدیک لوگوں کی مدح اور مذمت یکساں ہو جائے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ریا کاری چار علامات ہیں: جب اکیلا ہو تو سستی کا مظاہرہ کرے اور جب لوگوں کے ہمراہ ہو تو بڑی پختی دکھائے، جب تعریف ہو تو عمل زیادہ کر دے اور جب مذمت ہو تو عمل میں کمی کر دے۔

شفیق بن ابراہیم الزاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تین چیزیں عمل کیلئے قلعے کی حیثیت رکھتی ہیں:

①.....عمل کو اللہ ہی کی توفیق کا نتیجہ سمجھے تاکہ خود پسندی کا علاج ہو۔

②.....اُسکے ذریعے اللہ ہی کی رضا چاہے تاکہ خواہش نفس کو کچل سکے۔

③.....طمع و لالچ کے بجائے اپنے عمل کا بدلہ صرف اللہ رب العزت سے چاہے۔

○ بعض صالحین کہتے ہیں: عمل کرنے والے کو بکریوں کے چرواہے سے ادب سیکھنا چاہیے۔ پوچھا گیا: وہ کس طرح! کہا: اس طرح کی جب چرواہا اپنی بکریوں کے پاس نماز پڑھتا ہے تو اُن کو بکریوں سے تعریف طلب نہیں کرتا۔ اسی طرح عمل کرنے والے کو چاہئے کہ لوگوں کی نگاہ کو خاطر میں نہ لائے جلوت و خلوت میں یکساں عمل کرے اور لوگوں سے توصیف نہ چاہیے۔

○ حامد اللغاف کہتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جاہ کرنا چاہے تو اُسے تین چیزوں میں مبتلا کر دیتا ہے:

①.....علم عطا کرتا ہے لیکن علماء والے عمل سے روک دیتا ہے۔

②.....صالحین کی صحبت سے نوازتا ہے لیکن انکے حقوق کی معرفت سے محروم رکھتا ہے۔

③.....اطاعت کا دروازہ کھولتا دیتا ہے لیکن اخلاص عمل کی توفیق نہیں دیتا۔

تذکر کرنے والے کیلئے یہ انتہائی مفید کلام ہے۔

○ ابو بکر واسطی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عمل کی مثال ششے کی طرح ہے، جو جلدی ٹوٹتا ہے اور پھر جڑتا بھی نہیں۔ اس طرح عمل کو ریاکاری یا خود پسندی چھو لے تو وہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ [التنبیہ: ۲۳/۱-۲۷]

○ سلیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اُس شخص کیلئے کامیابی ہے جو صرف ایک قدم ہی ایسا اٹھا لے جس میں وہ اللہ کے سوا کچھ نہ چاہے۔

○ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا: جسکی نیت خالص ہو جائے، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں سے کافی ہو جاتا ہے۔  
کسی نیک آدمی نے اپنے بھائی کو لکھا: اپنی نیت کو خالص کر لو، پھر تھوڑا سا عمل بھی تمہیں کافی ہو جائے گا۔

○ ایوب سختیانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تمام اعمال سے زیادہ مشکل کام نیت کو خالص کرنا ہے۔

○ مطرف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”مَنْ صَفَى صَفَى لَهُ وَمَنْ خَلَطَ خَلَطَ عَلَيْهِ“  
”جسکی نیت صاف ہو اُسکا عمل بھی شفاف رہتا ہے اور جسکی نیت میں کھوٹ آجائے تو اُسکا عمل بھی کھوٹا ہو جاتا ہے“

○ بعض صالحین کہتے ہیں: ایک گھڑی کا اخلاص بھی ہمیشہ کی نجات کا باعث ہے، لیکن اخلاص نایاب ہو چکا ہے۔

○ کہا جاتا ہے: ”أَلْعَلُّمُ بَذْرُ وَالْعَمَلُ ذَرْعُ وَالْإِخْلَاصُ مَأْوَةٌ“  
”علم بیج ہے، عملی اُسکی کھیتی ہے، جبکہ اخلاص اسکا پانی ہے“

بعض دانا کہتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے نفرت کرے تو اُسے تین چیزیں عطا کرتا ہے اور تین چیزوں سے روک لیتا ہے۔ (۱)..... صالحین کی صحبت سے نوازتا ہے لیکن اُن سے کچھ سیکھنے کی صلاحیت سلب کر لیتا ہے۔

②..... اعمال صالحہ کی توفیق دیتا ہے لیکن اخلاص چھین لیتا ہے

③..... حکمت عطا کرتا ہے لیکن اس میں صدق و اخلاص سے محروم رکھتا ہے۔

سوسی ﷺ فرماتے ہیں: مخلوق کے اعمال میں سے اللہ تعالیٰ صرف اخلاص چاہتا ہے۔  
○ جنید بغدادی ﷺ فرماتے ہیں: یقیناً اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہوں نے حق کو سمجھا، پھر سمجھنے کے بعد عمل کیا، پھر عمل میں اخلاص پیدا کیا، پھر اخلاص انہیں نیکی کے تمام دروازوں کی طرف کھینچ لایا۔

○ محمد بن سعید المروزی ﷺ کہتے ہیں: تمام معاملات دو بنیادوں پر منحصر ہیں: تمہارے ساتھ اللہ کا فعل۔ اور اللہ کیلئے تمہارا فعل۔ تو اگر تم اللہ کے فعل پر راضی رہے اور اپنے فعل میں اخلاص پیدا کر لیا تو دونوں جہانوں میں سعادت و کامرانی تمہارا مقدر ہے۔ (الاحیاء: ۱۸۰/۲)

ابو علی الدقاق ﷺ کہتے ہیں: ”الْإِخْلَاصُ التَّوَلَّى عَنْ مَلَاخِطَةِ الْخَلْقِ وَالصِّدْقِ التَّنَفُّي مِنْ مُطَالَعَةِ النَّفْسِ، فَالْمُخْلِصُ لَا رِيَاءَ لَهُ وَالصَّادِقُ لَا إِعْجَابَ لَهُ“

”اپنے عمل کو مخلوق کی نظروں سے بچانا اخلاص ہے، جبکہ اسے نفس کے علائق سے شفاف رکھنا صدق ہے، چنانچہ مخلص وہ ہے جس میں کوئی ریا کاری نہ ہو، اور صادق وہ ہے جس میں خود پسندی نام کو بھی نہ ہو۔“

ابو یعقوب السوسی ﷺ کہتے ہیں: جبکہ اخلاص کی دوسرے لوگ گواہی دیں انکا اخلاص بھی اخلاص کا محتاج ہے۔

سہل ﷺ کہتے ہیں: مجلس کے سوا کوئی بھی ریا کو نہیں پہچان سکتا۔

حدیفہ المرعشی ﷺ فرماتے ہیں:

اخلاص یہ ہے کہ بندے کے اعمال ظاہر و باطن میں یکساں ہو جائیں۔

کہا گیا کہ اعمال کے دکھلاوے سے اغماض برتنا اخلاص ہے۔

○ مِسْرَتی کہتے ہیں: جو شخص اُن باتوں کیساتھ مزین ہونے کی کوشش کرے جو اُس میں نہ ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر جاتا ہے۔

○ سہل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: نفس پر سب سے گراں کوئی چیز ہے؟ فرمایا: اخلاص۔ کیونکہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ [القشیریۃ صفحہ: ۱۴۲-۱۴۵]

### اخلاص کا معنی

ہر وہ چیز جس میں کسی دوسری چیز کی ملاوٹ کا تصور کیا جاسکے، جب وہ اس ملاوٹ سے پاک ہو تو اُس خالص کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مِنْ بَيْنِ قَوْمٍ وَكَمْ لَبْنَا خَالِصًا﴾ [النحل: ۱۶]  
”گو براور لہو کے درمیان سے خالص دودھ“

چنانچہ عمل کا ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک ہونا اخلاص ہے۔  
○ سہل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

اخلاص یہ ہے کہ بندے کی تمام حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کیلئے خالص ہو جائیں۔  
یہ انتہائی جامع کلمہ ہے جو اخلاص کی غرض و غایت کا احاطہ کرتا ہے۔

خلوص کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے: ہمیشہ اللہ کا دھیان رکھنا اور اپنے تمام حظوظ کا فراموش کر دینا۔ (دیکھئے: الاحیاء: ۱۸۸/۲)

صاحب منازل کہتے ہیں: اخلاص کے تین درجے ہیں:

①.... عمل سے دکھلاوہ نکال دینا، اس پر کوئی عوض نہ چاہنا (۱) اور اُس پر راضی نہ ہونا۔

②..... پوری دل جمعی کیساتھ مکمل کوشش کے باوجود اپنے عمل پر شرمندہ رہنا اور اپنے عمل کو سراپا سخاوت (اللہ تعالیٰ) کی توفیق و فیض کا نتیجہ سمجھنا۔

(۱): اگر اس سے مراد مخلوق سے عوض نہ چاہنا ہے تو تمہیک، در نہ صوفیوں کے مداخلات میں سے ہے۔ (مترجم)

⑤.....علم شرعی کے مطابق عمل کرنا اور حکم قدری کو ملحوظ رکھنا۔

یعنی آپ ہمیشہ امر و نہی کے پابند رہیں اور اللہ کی قضا و قدر کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

ان دو آیات میں عبودیت کا مقام یہی دو چیزیں ہیں ﴿لَمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ وَمَا تَشَاوُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾۔ ”تم میں سے جو بھی سیدھی راہ پر چلے۔ اور اللہ رب العالمین کی چاہ ہے بغیر تم (کچھ بھی) نہیں چاہ سکتے۔“

اور یہ کہ مخلوق سے مکمل آزاد ہو جائے، وہ اس طرح کہ نہ کوئی مقام مانگے، اور نہ ہی کسی مکاشفے یا کسی اور چیز کا مطالبہ کرے۔

(تفصیل کیلئے دیکھئے: مدارج ۹۲/۲-۹۷)

### وہ نفسانی حظوظ جو اخلاص کی ضد ہیں

بہت سے نفسانی حظوظ اخلاص کی ضد ہیں، خود نمائی کا جذبہ، شہرت پسندی دکھلاوا، خود پسندی اور ریا کاری.... یہ سب الفاظ مختلف ہیں لیکن ان کا معنی قریب قریب یا مترادف ہے۔ ریا کاری نہ صرف عمل کو برباد کرتی ہے بلکہ دنیا و آخرت میں اللہ کی ناراضگی اور عذاب کا باعث بھی ہے۔ عنقریب ہم ریا کاری پر تفصیل سے بات کریں گے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کا مقصد تو اللہ رب العزت کی رضا جوئی ہوتی ہے لیکن ساتھ ساتھ دوسرے مقاصد بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص روزہ رکھتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو، روزے کے نتیجے میں اس کا معدہ بھی درست رہے، یا حج کا سفر کرتا ہے تاکہ سفر کی وجہ سے اس کا مزاج معتدل ہو، یا چند دن کیلئے گھر والوں اور اپنی دیگر ضروریات سے چھٹکارا پائے اور آرام کرے۔

آج کل بعض داعی حضرات گرمیوں میں سرد علاقوں کا رخ کرتے ہیں اور اس سیر سپائے کو دعوت الی اللہ کا نام دیتے ہیں۔

اسی طرح علم حاصل کرنے کی غرض عزت و جاہ یا مال کا حصول بن چکا ہے، درس و تدریس



اور وعظ و تبلیغ اپنی دھاک بٹھانے اور گفتگو کی لذت پانے کا ذریعہ بنتا جا رہا ہے، علماء کی خدمت بعض لوگ اس لیے کرتے ہیں کہ لوگوں یا علماء کے نزدیک محترم ٹھہریں، وضو اور غسل کے وقت سنت اور شرعی طہارت کا پہلو غائب اور ٹھنڈک و تازگی اور نظافت کا جذبہ نمایاں ہوتا جا رہا ہے، اعتکاف کیلئے زیادہ سہولتوں والی مساجد تلاش کی جاتی ہیں، مریض کی عیادت اور جنازے کی پیروی عموماً اس لئے نہیں ہوتی کہ یہ مسلمان کا حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ذریعہ ہے بلکہ اس لئے کہ لوگ بھی ہماری عیادت کریں گے اور ہمارے جنازوں پر آئیں..... جب نیک اعمال میں اس قسم کے جذبے خلط ملط ہو جائیں تو پھر اخلاص اور للہیت کہاں باقی رہتی ہے؟

ریا کاری کے بھی کئی درجے ہیں، جنکی وضاحت ہم ایک مثال سے کریں گے:

پہلا درجہ:- مثلاً ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اس دوران کچھ لوگ اُسے دیکھنے لگتے ہیں تو وہ اپنے خشوع و خضوع اور نماز کی تزئین کا اہتمام کرنے لگتا ہے تاکہ لوگوں کے نزدیک اسکی عزت و وقار میں اضافہ ہو۔ یہ تو ظاہری ریا ہے۔

دوسرا درجہ:- یہ ہے کہ ایک طالب علم شیطان کی پھپھلی چال کو سمجھ جاتا ہے اور کسی دیکھنے والے کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ لیکن پھر شیطان اُس کا خیر خواہ بن کر آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تم لوگوں کیلئے ایک نمونہ اور مقتدا ہو، لوگ تمہاری پیروی کرتے ہیں، تمہارے عمل کو دیکھتے ہیں، لہذا تم خشوع و خضوع کا مظاہرہ کرو گے تو لوگ بھی خشوع و خضوع کو اپنائیں گے۔ شیطان کی یہ چال پہلی سے زیادہ مخفی اور کارگر ہے، جو پہلی چال کا شکار نہ ہو وہ اس دوسری چال کا شکار ہو جاتا ہے حالانکہ یہ بھی عین ریا اور اخلاص کے منافی ہے۔ کیونکہ اگر دوسروں کیلئے خشوع اچھی چیز ہے تو اسکے لیے بھی اچھی چیز ہے، اگر دوسروں کے لئے اسے خشوع پسند ہے تو اپنے لئے کیوں پسند نہیں کرتے؟ اسکی خلوت خشوع سے کیوں خالی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسا شخص بھی ریا کار ہے جو اپنے ریا کو خیر خواہی کے لباس میں چھپانا چاہتا ہے۔

تیسرا درجہ:- جو پہلے دو درجوں سے زیادہ باریک ہے، وہ یہ ہے کہ انسان شیطان کی پہلی دو چالوں سے خبردار ہو جائے اور اپنی خلوت والی نمازوں کو بھی اچھی طرح ادا کرے تاکہ جلوت کی اچھی نمازوں پر اسے ریا کا الزام نہ دیا جاسکے۔ یہ بھی پوشیدہ ریاکاری ہے کیونکہ اس نے اپنی خلوت کی نمازوں کی اصلاح اس لیے کی ہے کہ اپنی جلوت کی نمازیں خشوع و خضوع سے پڑھ سکے۔ گویا دونوں حالتوں میں اس پر لوگوں کی خوشنودی ہی سوار ہے لیکن بے چارہ یہ سمجھتا ہے کہ میں بڑا مخلص ہوں۔ اخلاص تو یہ ہے کہ لوگوں کی طرف التفات ہی نہ ہو، مگر توجہ اللہ کی طرف ہو، لوگوں کا دیکھنا اسے یوں لگے جیسے چوپایوں کا دیکھنا.....! کیا کوئی چوپایوں کو دکھانے کے لئے بھی اچھی نماز پڑھتا ہے؟

چوتھا درجہ:- یہ ہے کہ شیطان اسے سابقہ تین چالوں میں تو نہ پھنسا سکے لیکن جب یہ لوگوں کے سامنے نماز پڑھ رہا ہو تو شیطان اسکے دل میں اللہ کی عظمت اور کبریائی کا احساس اور اسکے حضور عاجزی و انکساری کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ یہ شیطان کا باریک ترین مکر اور خفیہ ترین چال ہے۔

انسان کو یہ سوچنا چاہیے کہ یہی احساس اسکے دل میں اُس وقت کیوں پیدا نہیں ہوتا جب وہ اکیلے نماز پڑھتا ہے؟

اللہ کی قسم! سونے کا کھوٹ تلاش کرنا شاید آسان ہو، لیکن اعمال صالحہ میں ایسے ایسے کھوٹ پیدا ہو جاتے ہیں جنہیں تلاش کرنا انتہائی مشکل ہے اور جنہیں پہچاننے کے لیے انتہائی دقیق بصیرت درکار ہوتی ہے۔ اسی لئے کسی نے کہا ہے: عالم کی دو رکعتیں جاہل کی ایک سال کی نماز سے افضل ہیں۔

یہاں عالم سے مراد عالم ربانی ہے جو اپنے عمل کا نقاد اور بصیرت کا حامل ہو۔ (واللہ المستعان)۔۔۔ (دیکھئے: الاحیاء: ۵/۱۸۸)

## اس حوالے سے چند تجربات

①..... ایک شخص سرور کی وجہ سے عمامہ باندھتا ہے اور اسے اتباع سنت کا خیال تک نہیں آتا۔

②..... ایک شخص اس لئے کتابیں لکھتا ہے کہ یہ اُسکا شوق اور مشغلہ ہے نہ کہ اس لئے کہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرے۔

③..... ہمارے دور میں بہت سے لوگ جو نماز تک ٹھیک طور پر نہیں پڑھتے واڑھی کا نام و نشان نہیں، اللہ کی راہ میں سو روپے دینے کے روادار نہیں، لیکن حج و عمرے پر چل پڑتے ہیں کہ سیر و سیاحت بھی ہوگی اور نام بھی کمائیں گے لہذا انکا نفس بھی حج و عمرے کی رغبت رکھتا ہے۔

④..... ایک آدمی جہاد و قتال سے وابستہ ہے لیکن رزق حرام سے اجتناب نہیں کرتا بلکہ جہاد کا مال چراتا ہے، گویا، جہاد اُسکا کاروبار بن چکا ہے، اللہ کی رضا مقصود نہیں رہی، اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور اعلاء کلمۃ اللہ جیسے مقاصد ایسے شخص کی نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔

⑤..... ایک شخص خطبہ و تقریر کا شوقین ہے اور اگر کسی محفل میں کبار علماء کی موجودگی کی وجہ سے اسے پیچھے رکھا جائے تو غمگین ہوتا ہے اور دوبارہ اس محفل کا رخ نہیں کرتا۔ کیا یہی اخلاص ہے؟

⑥..... بہت سی اسلامی تنظیموں کی حالت یہ ہے کہ اگر کوئی دوسری تنظیم اللہ کا دین قائم کر دے تو ان سے برداشت نہیں ہوتا اور وہ انکا ساتھ دینے کی بجائے اسلامی حکومت قائم کرنے والوں سے لڑ پڑتے ہیں۔ حالانکہ اگر انکی اساس اخلاص پر ہوتی تو انہیں اس پر خوش ہونا چاہیے تھا کیونکہ نفاذ شریعت ہی تو اصل مقصود ہے تنظیم کی حیثیت تو ایک وسیلے کی سی ہے، لیکن لوگوں نے وسیلے کو اصل مقصود بنا لیا ہے اور اصل مقصود کو پیٹھ پیچھے پھینک چکے ہیں۔ اور اسی لئے آج کفار انکی گردلوں پر سوار ہو چکے ہیں۔ عیاذ اللہ۔

④..... ایک شخص اپنے آپ کو انتخاب کیلئے پیش کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کر رہا ہے حالانکہ اسکی نیت صرف مال و شہرت کمانے اور اپنے آپ کو آگے لانے کی ہوتی ہے۔ اور اگر نیت خالص ہو تب بھی انتخابات میں حصہ لینا حرام ہے اور اچھی نیت سے کوئی حرام کام حلال نہیں بن سکتا۔

⑤..... ایک شخص تراویح کی نماز میں خوب روتا ہے یا رونے کی کوشش کرتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسکی مسجد میں آئیں اور اسکی شہرت ہو۔

⑥..... ایک آدمی سیاحت کا ارادہ رکھتا ہے لیکن دعوت الی اللہ کا راگ الاپتا ہے حالانکہ اسکے دل میں دعوت کا جذبہ سرے سے ہوتا ہی نہیں

⑦..... اس طرح ایک آدمی جسکے اپنے علاقے میں لوگوں کو اسکی ضرورت ہے لیکن وہ جزیرۃ العرب وغیرہ میں نوکری کا خواہشمند ہے کیونکہ وہاں تنخواہ زیادہ ہوتی ہے جبکہ اپنے علاقے میں تنخواہ کم ہوتی ہے لہذا اسکی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ کہ دوسرے علاقے میں جائے جہاں اُسے زیادہ سہولیات حاصل ہوں۔ یہ طرز عمل بھی اخلاص کے منافی ہے ایسا آدمی تو فقط مزدور ہے جو اپنے دین پر تجارت کر رہا ہے۔

اخلاص تو وہ چیز ہے جو دل کی ٹھنڈک، خوشی اور آنکھوں کا نور ہے اور اگر آپکا عمل دل میں تاثیر اور سینے میں فراخی کا باعث نہ ہو تو جان لیجئے کہ دال میں کچھ (یا زیادہ) کالا ضرور ہے؟ حصول اخلاص کا طریقہ اور وسائل

بہت سے وسائل ہیں جنہیں بروئے کار لاتے ہوئے اخلاص کا حصول ممکن ہے، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

①..... اللہ پر مضبوط ایمان کی قوت ایسی چیز ہے جو ریا کاری اور شرک خفی و جلی کو دور بھگا دیتی ہے۔

②..... آخرت کے دن پر مضبوط ایمان بھی اس حوالے سے مفید ہے۔ اسکی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْغُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى

كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ [البقرة: ۲۶۴]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کے اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کیلئے خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔“

اس آیت میں اشارہ ہے کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر صحیح ایمان لے آئے تو اللہ کے فضل و کرم سے وہ ریاکاری سے بچ جاتا ہے اور ریاکاری عموماً ایسے ہی لوگوں سے صادر ہوتی ہے جن کے دل نور ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔

⑤..... اللہ کی عظمت کا احساس کرنا اور اسی کو بندگی کے لائق سمجھنا، اس اللہ کی کبریائی یوں دل میں سما جائے کہ انسان اپنی پیدائش سے موت تک اسکی چوکھٹ پر سر جھکائے رکھنے کو سعادت جانے، اور اپنی ہر چیز کو اُس پر قربان کر دینے کی آرزو رکھے۔ یہ تمنا کرے کہ اگر اس کا دل پہاڑ جتنا بڑا ہو تب بھی اُسے اللہ کی محبت سے بھر دے اور اگر ممکن ہو تو اللہ کے خوف سے آنسوؤں کی ندیاں بہا دے۔

④..... لوگوں کی مدح و ثنا اور مذمت و توبخ کو خاطر میں نہ لائیے۔ کیونکہ اگر لوگ آپکی تعریف کرتے ہیں لیکن اللہ کے نزدیک آپکے اعمال مقبول نہیں تو لوگ آپکو کیا نفع دے سکتے ہیں؟ اور اگر اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہے تو لوگوں کی برائی اور مذمت آپکا کیا بگاڑ سکتی ہے؟ لہذا لوگوں کو جمادات اور چوپایوں کی طرح سمجھئے اور انکی کوئی پرواہ نہ کیجئے! یقین رکھئے کہ دنیا و آخرت، عزت و ذلت اور نفع و نقصان صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

⑤..... اس بات کی فکر کرنا کہ اعمال کی قبولیت کیلئے کچھ ضروری شرائط ہیں جو پندرہ سے زائد ہیں (جنکا تذکرہ اس کتاب کی پہلی جلد میں گزر چکا ہے) حقیقت یہ ہے کہ میرے اعمال بھی ان شرائط سے خالی ہیں لہذا میں اپنے عمل پر فخر و غرور یا ریاکاری کیسے کر سکتا ہوں، مجھے تو شرمندہ ہونا اور اعمال کے بعد استغفار کرنا چاہیئے۔

⑥..... نیز اس بات کی فکر بھی ہونی چاہیئے کہ ہمارے عمل میں کوئی ایسا خفیہ کھوٹ نہ ہو

جو عمل کی تباہی کا باعث بن جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر غلطی چیز سے واقف ہے۔ ہر مومن کے دل میں یہ احساس ہونا چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا...﴾  
[المؤمنون: ۷۰-۷۱-۷۲]

”اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں، تو اس طرح کہ ان کے دل خوفزدہ ہوتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں، اور وہ ان میں باہم سبقت کر نیوالے ہیں اور ہم کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے“

⑥..... اللہ رب العزت کی محبت انسان کے رگ و پے میں یوں سرایت کر جائے کہ پھر محبوب کے سوا ہر چیز بھول جائے اور ہر دم محبوب کی رضا جوئی میں لگا رہے..... بھلا ایسے شخص کے دل میں کسی اور کا خیال یا ریا کاری سما سکتی ہے؟ ہرگز نہیں..... جس طرح مشرق و مغرب آپس میں نہیں مل سکتے اسی طرح ایسا شخص ریا کار نہیں ہو سکتا۔ یہ تو محبوب کی رضا جوئی کے لئے ہر ذلت برداشت کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے، لوگ اُسے برا بھلا کہیں، گالیاں دیں لیکن اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی..... اسکی نظر تو محبوب پر لگی رہتی ہے لوگوں کی گالیوں یا پھولوں سے اسے کیا سروکار؟؟؟

اے اللہ! ہم تجھ سے حیرے اسم اعظم کا واسطہ دیکر فریاد کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے محبت سے سرفراز فرما۔ آمین

⑧..... اخلاص کی اہمیت اور خود پسندی کی مذمت کے حوالے سے کتاب وسنت اور رصالحین کے اقوال کا مطالعہ بھی بہت مؤثر رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَذِكْرُ لَئِنْ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾

[الذاریات: ۳۵]

”اور آپ نصیحت کرتے رہتے رہیں، اس لیے کہ بے شک نصیحت مؤمنوں کو نفع دیتی ہے“  
 ⑨..... تخلصین و صادقین کی صحبت بھی اللہ کی رحمت سے اخلاص پیدا کرنے کا ایک اہم

سبب ہے۔

⑩..... اگر کوئی انسان دنیا کی محبت کلی طور پر اپنے دل سے نکال دے تو۔ اللہ کی قسم! اسکے لیے اخلاص کا حصول کوئی مشکل چیز نہیں۔ کیونکہ دنیا کی محبت ہی ہر بیماری کی جڑ ہے۔ مال و جاہ کی محبت اور شہرت و ناموری کا جذبہ اسی محبت کی پیداوار ہے۔

(۱۱)..... ہمیشہ اپنی اصلاح کی فکر کرنا اور اپنے احوال پر نظر رکھنا، شیطان اور اپنے نفس کے خلاف جدوجہد کرنا بھی اس سلسلے میں مفید ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مدد کا وعدہ کیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾

[العنکبوت: ۲۹]

”اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کریں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھاتے ہیں اور یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے“

(۱۲)..... کثرت کیساتھ اخلاص کی دعا مانگنا۔

○ عمر رضی اللہ عنہ یہ دعا کرتے تھے :

”اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ عَمَلِيْ كُلَّهُ صَالِحًا وَلَا تَجْعَلْ فِيْهِ نَصِيْبًا لِاَحَدٍ غَيْرِكَ“

”اے اللہ! میرے ہر عمل کو صالح بنا دے اور میرے عمل میں اپنے سوا کسی کا حصہ نہ بنا“

اس حوالے سے بہت سی دعائیں ہیں اور جس پر دعا کا دروازہ کھل گیا گویا اُس پر رحمت کا دروازہ کھل گیا۔ لہذا دعاؤں کی طرف توجہ کیجئے۔

”اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ“

”اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ الْاِخْلَاصَ لِي الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ“

(۱۳)..... اپنے نیک اعمال کو ظاہر نہ کرے؟ بلکہ حتی الامکان انہیں چھپانے کو کوشش

کرے، بالکل اسی طرح جیسے اپنی برائیوں اور گناہوں کو چھپاتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے: ”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ“ [مسلم]

”یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے متقی، لوگوں سے بے پرواہ اور مخفی رہنے والے بندے سے محبت کرتا ہے“  
(۱۴)..... ہر عمل سے پہلے اُسکی نیت کرنا اور اس سے اللہ کی رضا چاہنا بھی اصلاح نیت کا ایک سبب ہے۔ بلکہ انسان کو چاہیے کہ ایک نیک عمل میں کئی اچھی نیتیں رکھے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِغُلَامٍ أَمْرٌ مَّا نَوَىٰ لَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِيَ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَىٰ دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِيَ هِجْرَتُهُ إِلَىٰ مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ“ [متفق علیہ]

”اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کیلئے وہی ہے جو اُس نے نیت کی چنانچہ جسکی ہجرت اللہ اور اُسکے رسول کی طرف ہے تو اُسکی ہجرت اللہ اور اُسکے رسول کی طرف شمار ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کیلئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کیلئے ہو، تو اُسکی ہجرت اسی کیلئے سمجھی جائے گی جس کیلئے اُس نے ہجرت کی“

ہر نیک عمل کیلئے نیت ضروری ہے اور اچھی نیتوں کے ذریعے مباح امور کو بھی نیکیوں میں ڈھالا جاسکتا ہے، مثلاً ایک شخص اس نیت سے کھانا کھاتا ہے کہ اُسے قوت حاصل ہو اور وہ اللہ کی اچھے طریقے سے عبادت بجالائے لوگوں کی خدمت کرے، یا جہاد میں حصہ لے تو اُسکا کھانا بھی عبادت بن جاتا ہے۔

**کن چیزوں میں اخلاص ضروری ہے؟**

①..... توحید

②..... نیت و ارادہ

③..... عبادات، مثلاً نماز، سجدہ، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، توبہ، دُعا، تلاوت قرآن، علم



شرعی کی طلب وغیرہ۔

④..... اقوال

⑤..... مکارم اخلاق، مثلاً سچائی، صبر، زہر، تواضع، خوش مزاجی، وغیرہ وغیرہ۔

⑥..... اللہ تعالیٰ پر توکل میں بھی اخلاص ہونا چاہیے۔

④..... باقی تمام اعمال میں اخلاص۔

### اخلاص کے فوائد

①..... یہ قبولیت اعمال کی اساس ہے۔

②..... اسکے ذریعے دنیا و آخرت میں درجات بلند ہوتے ہیں۔

③..... دوسو سے اور وہم دور بھاگتے ہیں۔

④..... غیر اللہ کی عبودیت سے خلاصی ملتی ہے۔

⑤..... اجتماعی تعلقات مستحکم ہوتے ہیں اور امت کو نصرت الہی حاصل ہوتے ہے۔

⑥..... دنیا کے مصائب دور ہوتے ہیں۔

⑦..... دل میں طمانیت و سعادت کا احساس پیدا ہوتا ہے

⑧..... ایمان مضبوط ہوتا ہے اور گناہ و نافرمانی کی نفرت پیدا ہوتی ہے۔

⑨..... انسان کے ارادے پختہ اور عزیمت مضبوط ہوتی ہے۔

⑩..... دنیا و آخرت میں کمال درجے کا امن اور ہر آیت نصیب ہوتی ہے۔ (دیکھئے:

نظرۃ النعیم: ۳/ ۱۴۰)



## ۴۰۔ فائدہ

## مخفی خواہش کی معرفت اور اس کا علاج

ہمارے بھائی صالح عبدالرحمن مدنی رحمہ اللہ نے اس حوالے سے ایک کتابچہ تحریر کیا ہے جو اپنے حجم میں چھوٹا لیکن فائدے اور علم کے اعتبار سے بڑا ہے۔ ہمارے ہاں کیونکہ اسکی اشاعت نہیں ہوئی لہذا ہمارے قارئین میں سے اکثر کے پاس کاپی نہیں، چنانچہ اسکے فائدے کو دیکھتے ہوئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اسے اپنی کتاب میں من و عس نقل کر دیں۔ اللہ تعالیٰ اسکے مؤلف، ناقل، کاتب اور قارئین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

## مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَبَعْدُ:

جو شخص اللہ تعالیٰ کے حدود کا پابند رہتا ہے اور اپنی خواہشات نفس کی پیروی میں حدود الہی سے تجاوز نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کیساتھ

اسکی عزت افزائی فرمائی ہے: ﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاوِیْ﴾ [النازعات: ۴۰-۴۱]

”لیکن جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی (اس کا) ٹھکانا ہے۔“

اگر انسان اپنے نفس کی لگام تھام کر نہ رکھے تو نفس بے قابو ہو جاتا ہے اور انسان کو ہلاکت کے گڑھے میں اتار کر ہی دم لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَا مَارَۃَ

بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵۳﴾ [یوسف: ۵۳]

”بیشک نفس تو برائی پر اکساتا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے، بیشک میرا رب غفور رحیم ہے۔“  
لہذا ہر عاقل کو چاہیے کہ اپنے نفس کو کنٹرول میں رکھے، نفس کیا کہتا ہے؟ لوگ کیا چاہتے ہیں؟  
دنیا کے عارضی فوائد و نقصانات کا تقاضا کیا ہے؟ ان باتوں سے کوئی سروکار نہ رکھے اور  
لوگوں کی مدح و مذمت سے بھی بے پروا ہونا چاہیے۔

اکثر لوگوں کی ہلاکت و تباہی کا سبب لوگوں کی مدح و تعریف کی محبت اور انکے طعنوں سے  
نفرت ہی ہوا کرتی ہے چنانچہ انکی تمام حرکات و سکنات کا مقصد لوگوں کی رضا جوئی اور انکی  
مدح سے بچاؤ ہوا کرتا ہے اور یہ عین تباہی ہے کہ انسان کے قول و عمل اور فعل و ارادے کی  
محور اللہ کی ذات کے بجائے اللہ کے بندے بن جائیں۔ گویا کہ اللہ کی غلامی کے بجائے  
بندوں کی غلامی۔

یہ احمقانہ بات ہوگی کہ لوگوں کی تعریف پر آپ خوشی محسوس کریں جب کہ آپ اس تعریف  
شدہ وصف سے عاری ہوں۔ مثلاً آپ اندھے ہیں اور لوگ آپکی آنکھوں کی خوبصورتی کے  
گن گارہے ہوں، آپ بد صورت ہوں اور لوگ آپکے حسن و جمال کی تعریف کر رہے ہوں،  
آپکے ہاتھ شل ہوں اور لوگ آپکے ہاتھوں کی قوت کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہوں، آپ  
لنگڑے ہوں اور لوگ آپکی چال کو سراہ رہے ہوں، آپ برص کی بیماری میں مبتلا ہوں اور  
لوگ آپکی جلد پر قہیدے لکھ رہے ہوں، آپ بہرے ہوں اور آپکی قوت سماعت کا چرچا کیا  
جائے، آپ کوٹھے ہوں اور لوگ آپ کے حسن سخن پر زمین و آسمان کو ملارہے ہوں؟

اسی طرح یہ بھی غفلت و حماقت کا نتیجہ ہے کہ لوگ آپکے زہد و ورع کی تعریف کریں جبکہ  
آپ زہد سے عاری ہوں، لوگ آپکو تقویٰ، عبادت اور دین کیلئے محنت کا پیکر سمجھیں جبکہ در  
حقیقت آپ سست، کامل اور کوتاہ ہوں۔ لوگ آپکو فصاحت و بلاغت اور علم و فضل کا حامل  
سمجھتے ہوں لیکن آپکی فصاحت حظ نفس سے داغدار اور علم جہالت کے زیادہ قریب ہو۔

یہ اپنے نفس کیساتھ دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے کہ انسان ایسا لباس پہنے جسکا وہ مستحق نہیں؟ لوگوں

کے سامنے زاہد و عابد، عالم و فاضل اور بااخلاق بننے کا مظاہرہ کرے اور ہر پسندیدہ وصف سے متصف باور کروائے، تاکہ لوگ اسکی تعریف و توصیف کریں حالانکہ وہ خود جانتا ہے کہ اسکی اصل حقیقت کیا ہے؟ اسکا ظاہر ایک جھوٹ اور دھوکہ ہے، فریب اور سحر ہے جس میں لوگ گرفتار ہیں۔

پیارے بھائی!

ذرا ٹھہر جائیے اور اپنے افعال و اقوال کا جائزہ لیجیے۔ اپنے ازلی دشمن ابلیس کا آسان شکار مت بنیئے، وہ تمہارا ایسا دشمن ہے جو صدیوں پہلے اعلان جنگ کر چکا اور گھات لگائے بیٹھا ہے۔ لہذا اسکی باتوں میں نہ آئیے، اسکی وسوسوں سے بچئیے اپنے نفس پر اپنے نفس سے ہی ایک نگران مقرر کیجئے اور لوگوں کی تعریف یا مذمت سے دھوکہ مت کھائیے۔

○ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”مَنْ عَرَفْتُ النَّاسَ لَمْ أَفْرَحْ بِمَدْحِهِمْ، وَلَمْ أَكْثُرْ ذَمَّهُمْ لِأَنِّ حَامِلُهُمْ مُفَرِّطٌ، وَذَا مَتَّهُمْ مُفَرِّطٌ، إِذَا تَعَلَّمَ الْعَالِمُ الْعِلْمَ لِلْعَمَلِ كَسَرَهُ، وَإِذَا تَعَلَّمَ لِفَيْتْرِ الْعَمَلِ زَادَهُ فُخْرًا“۔ [سیر أعلام النبلاء: ۳۶۲/۵]

”جب سے میں نے لوگوں کو پہچانا ہے، اس وقت سے نہ میں انکی تعریف پر خوش ہوتا ہوں اور نہ ہی انکی مذمت و برائی کو ناپسند کرتا ہوں کیونکہ لوگوں میں سے تعریف کرنے والے مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں اور برائی کرنے والے حق تلفی کرتے ہیں۔ جب کوئی عالم عمل کیلئے علم حاصل کرتا ہے تو علم اُسے توڑ دیتا ہے اور جب عمل کے علاوہ کسی اور مقصد کیلئے علم حاصل کرے تو علم اُسے مزید فخر و غرور میں مبتلا کر دیتا ہے“

○ قاضی فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے :

”إِذَا جَلَسْتُ فَتَكَلَّمْتُ فَلَمْ تَبَالِ مِنْ ذَمِّكَ وَمَنْ مَدَحَكَ فَتَكَلَّمْتُ“

[سیر أعلام النبلاء: ۳۸۲/۸]

”جب تم بات کرنے کیلئے بیٹھو تو دو ٹوک حق بیان کرو اور اس سلسلے میں کسی کی مذمت یا

تعریف کو خاطر میں نہ لاؤ۔“

محترم قارئین! آپ مرد ہوں یا عورت، عالم ہوں یا جاہل، فقیہ، محدث، مؤرخ، مفسر، نحوی ہوں یا طبیب اور ماہر فلکیات، امیر ہوں یا غریب، کسان ہوں یا تاجر، مدرس ہوں یا طالب علم..... خواہ کسی منصب پر ہوں لیکن یہ بات سمجھ لیجئے کہ آپ شہوت خفیہ سے بری نہیں ہو سکتے۔

کتنے ہی افراد ہیں جو حق کی آواز اٹھاتے اور امر بالمعروف کا فریضہ بجالاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ انکے بُرے ارادوں اور عہدہ و منصب کی محبت کی وجہ سے اُن پر دوسروں کو مسلط کرتا ہے۔ یہ مخفی بیماری عموماً مفتہاء، مجاہدین، امراء لشکر، اور مال خرچ کرنے والوں میں پائی جاتی ہے۔ اِلَّا مَنْ عَصَمَ اللّٰهُ۔

جو شخص عمل کیلئے علم حاصل کرے تو علم اُسے توڑ دیتا ہے اور وہ بیٹھ کر اپنے اوپر روتا ہے کہ میرا کیا حال ہوگا؟ جب کہ فخر و ریاء کاری اور عہدہ و منصب کی خاطر علم حاصل کرنے والا مزید اکڑ جاتا ہے اور لوگوں کو حقیر جاننے لگتا ہے، خود پسندی اُسے تباہ کر دیتی ہے اور دوسرے لوگ اُسے ناپسند کرنے لگتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا﴾

[الشمس: ۹-۱۰]

”یقیناً فلاح پا گیا جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور یقیناً تاراج ہوا جس نے اسے آلودہ کیا۔“

یہ کتابچہ لکھنے کا باعث یہ ہے کہ جب میں اپنا اور اپنے جیسے دیگر لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ شیطانی وسوسے ہمارے دلوں میں گھر کر چکے ہیں، ابلیس لعین نے مخفی خواہش کے ہزاروں راستے ہمارے سامنے پھیلا دیئے ہیں اور ہم دینداری کے زعم میں درحقیقت شہرت و ریاء کاری اور مدح و ستائش کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ کچھ دیر اپنے نفس کو مخفی خواہش کے بچنے کی نصیحت کروں اور اس نصیحت میں آپکو بھی شامل کر لوں۔

یہ کتابچہ چند فصلوں پر مبنی ہے:

پہلی فصل..... مخفی خواہش کے مظاہر

دوسری فصل..... شہرت اور مدح پسندی کی مذمت

تیسری فصل..... سلف صالحین کا شہرت اور مدح پسندی سے دور بھاگنا۔

چوتھی فصل..... شہرت پرستی اور مدح پسندی کا علاج

میں اللہ تعالیٰ سے توفیق و درستی کا سوال کرتا ہوں، وہی میرے لئے کافی اور بہترین کار

ساز ہے۔

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور درود و سلام ہوں محمد کریم ﷺ پر، آپ کی آل

اولاد پر اور آپ کے اصحاب پر۔

پہلی فصل..... مخفی خواہش کے مظاہر

یہاں مخفی خواہش سے ہماری مراد شہرت اور مدح و ستائش کی محبت و حرص ہے اسکے بہت سے

مظاہر ہیں لیکن ہم اس فصل میں صرف اُن مظاہر پر استفا کریں گے جو عموماً طلبہ اور

دینداروں میں پائے جاتے ہیں، دیگر طبقات کا تو ذکر ہی کیا کرتا؟

(۱)..... اقوال و افعال میں تصنع اور بناوٹ اختیار کرنا

لوگوں کی مذمت سے بچنے اور مدح و تعریف حاصل کرنے کیلئے یہ بناوٹ اپنائی جاتی ہے

کہ جتنا تقویٰ اور خوف تعالیٰ آپ کے دل میں ہے اُس سے زیادہ لوگوں کے سامنے ظاہر

کرنے کی کوشش کریں۔

سلف صالحین اس بات سے دور بھاگتے تھے۔

علی بن ہکمار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حذیفہ العریضی کی ملاقات سے زیادہ شیطان سے ملنا

مجھے پسند ہے کیونکہ مجھ اندیشہ ہے کہ میں حذیفہ کے سامنے تصنع اختیار کروں، جسکی وجہ سے

اللہ کی نگاہوں سے گر جاؤں۔ [سیر اعلام النبلاء: ۵۸۵/۹]

(۲)..... بعض لوگوں کا وطیرہ ہے کہ شہرت پسندی کی پیاس بجھانے کیلئے تصنیف و تالیف کا مشغلہ اپناتے ہیں حالانکہ انکا مبلغ علم چند کھوٹے سکوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اور غضب یہ کہ صرف اُن موضوعات پر قناعت نہیں کرتے جن پر لکھنا اُن جیسوں کیلئے ممکن ہو یا جو وہ بہتر طور پر لکھ سکیں، بلکہ ایسے ایسے بڑے مسئلے اٹھاتے ہیں جن پر بڑے بڑے علماء نے بھی توقف اختیار کیا ہے۔ اور پھر کتاب کے سرورق پر صرف اپنا نام لکھنے پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ اسکے ساتھ کنیت لکھنا اور پھر اپنے لیے، اپنے والدین اور مشائخ کے لئے دعا لکھنا بھی ضروری سمجھتے ہیں جبکہ بعض اوقات تو ایسے لوگوں کے مشائخ ہی نہیں ہوتے۔

مثلاً یوں لکھتے ہیں: یہ کتاب بندہ فقیر ابو فلاں..... نے لکھی ہے اللہ تعالیٰ اسکی، اسکے والدین اور اسکے حاضر و غائب، زمرہ و مردہ تمام مشائخ کی مغفرت فرمائے۔ پھر یہ معاملہ اس حد تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ کتاب میں اپنی تعریف و توصیف کے پُل یوں باندھے جاتے ہیں کہ بندہ فقیر نے اس تالیف پر بڑا وقت اور خوب محنت صرف کی ہے، راتوں کو جاگا ہے، سفر کی کلفتیں اٹھائی ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ سے ہی اسکا اجر چاہتا ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ کتاب میں جا بجا ایسی عبارات تحریر کرتا ہے جو اسکی بڑائی پر دلالت کرتی ہوں مثلاً: میں یہ کہتا ہوں.....، میری رائے یہ ہے..... میرے نزدیک یہ رائج ہے، اور ایسی ہی دیگر عباراتیں جو بڑے محقق علماء کے شایان شان ہیں تاکہ اُنکی رائے دوسروں سے نمایاں ہو سکے جبکہ چھوٹے چھوٹے طلبہ جن کی ابھی داڑھی بھی پوری طرح نہ آئی ہو انکا یہ انداز قطعاً درست نہیں۔

ایسے خود پسند مصنفین کا حال بیان کرتے ہوئے ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ایسے کا ملین علم جو علوم کی تصنیف میں راتوں کو جاگتے اور دنوں کو محنت کرتے ہیں انہیں بہکانے کے لئے شیطان کی یہ چال یہ ہوتی ہے کہ انکے دلوں میں شہرت اور حصول جاہ کی جوت جگاتا ہے اور ساتھ اس وہم میں بھی مبتلا کر دیتا ہے کہ انا مقصود دین کی نشر و اشاعت ہے، حالانکہ انکا مقصود تو صرف اپنے علم و فضل کا چرچا پھیلانا اور چہار دانگ عالم سے طلبہ کا مصنف کی

طرف کھنچا چلا آتا ہوتا ہے۔ اسکا انکشاف یوں ہوتا ہے کہ اگر طلبہ اسکے علاوہ کسی دوسرے عالم سے استفادہ کریں تو اسے افسوس ہوتا ہے اور اسی طرح اگر اسکی خدمت میں آئے بغیر اسکی تصانیف سے فائدہ لیں تب بھی اسے خوشی نہیں ہوتی لہذا اگر ان صورتوں میں بھی اسے خوشی ہو تب تو معلوم ہوگا کہ اسکی مراد دین کی نشر و اشاعت ہے نا کہ اپنی شخصیت کی برتری۔

[تلبیس ابلیس صفحہ: ۱۳۱]

(۳)..... بعض لوگوں کا طریقہ واردات یہ ہوتا ہے کہ عجیب عجیب علمی مسئلے نکالتے ہیں تاکہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن سکیں اور لوگ انکی باتیں نقل کریں۔ پھر بعض لوگ تو انکے حمایتی بن کر انکی تعریف و توصیف کا ڈھنڈورا پیٹیں اور انکی عظمت کے گن گائیں، جبکہ کچھ لوگ ان سے اختلاف کریں، ان پر رد لکھیں اور مناظرے بازی شروع ہو..... دونوں صورتوں میں انکی مراد پوری ہوتی اور نام کماتے ہیں۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:- کچھ لوگ بہت سی احادیث جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں جبکہ ان کا مقصد زیادہ احادیث جمع کرنے سے یہ نہیں ہوتا کہ وہ صحیح احادیث کی معرفت حاصل کریں، بلکہ انکی مراد عالی و عجیب و غریب حدیثیں اور اسانید تلاش کرنا ہوتی ہے اور انکی خاطر وہ کئی ملکوں کا سفر کرتے ہیں تاکہ یہ کہہ سکیں کہ میری ملاقات فلاں فلاں سے ہوئی ہے اور میرے پاس ایسی احادیث اور اسانید ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں..... یہ لوگ اخلاص سے بہت دور ہیں اور انکی تمام تر تگ و دو کا مقصد دنیاوی وجاہت اور فخر و غرور ہے اسی لیے یہ شاذ (منفرد) اور عجیب حدیثیں ڈھونڈتے ہیں۔

[تلبیس ابلیس ص: ۱۱۶]

(۴)..... قوت حفظ کا دعویٰ بھی اسی قبیل سے ہے۔ بعض لوگ کتابچہ یا ورق اٹھائے بغیر درس دیتے ہیں جسکی وجہ سے بہت سی اغلاط اور اختلاط میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور انکی وجہ یہی جذبہ ہے کہ لوگ انکے حافظے کی تعریف کریں۔

○ امام عبدالغنی المقدسی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا:



”لَمْ لَا تَقْرَأْ مِنْ غَيْرِ كِتَابٍ“..... ”آپ کتاب کے بغیر کیوں نہیں پڑھاتے؟“  
فرمایا: ”أَخَافُ الْعُجْبَ“..... ”میں خود پسندی سے ڈرتا ہوں“

[سیر أعلام النبلاء: ۴۴۹/۲۱]

(۵)..... علماء پر تنقید کرنا اور بڑے چھوٹے تمام علماء کی غلطیاں تلاش کرنا تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ تو اتنے پائے کا آدمی ہے کہ اتنے بڑے بڑے لوگوں کی غلطیاں نکال لیتا ہے، انہیں خاموش کروا دیتا ہے اور بڑے بڑے علماء کو لا جواب کر دیتا ہے..... چنانچہ لوگوں میں اُس کا چرچا اور مشہوری ہوتی ہے اور یہی اس کا مطلوب ہے۔

○ عبد الملك الجوعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: [إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يُخَاصِمُ فَهُوَ يُحِبُّ الرِّقَاسَةَ]..... ”جب تم دیکھو کہ کوئی شخص جھگڑے کرتا ہے تو جان لو کہ وہ بڑائی چاہتا ہے“

(۶)..... بہت ساری کتابیں، مخطوطات و مطبوعات جمع کرنے کا مشغلہ بھی اسی جذبے کی تسکین کا باعث ہے جبکہ کتابیں جمع کرنے کا مقصد علم کا حصول اور استفادہ کرنا نہ ہو بلکہ صرف اس لئے مکتبہ بنایا جائے تاکہ لوگ یہ کہیں کہ فلاں کتاب فلاں شخص کے پاس ہے اور فلاں نایاب مخطوطہ فلاں شخص کے پاس مکتبے میں ہے، چنانچہ اس کا اور اسکے مکتبے کا نام روشن ہو، اس کی زیارت و ملاقات کیلئے لوگ دور دور سے آئیں لیکن جب اس سے کوئی کتاب مانگی جائے تو معذرت کر لے اور کوئی اسکے مکتبے سے استفادہ کرنا چاہے تو اس کا دل تنگ پڑ جائے۔

(۷)..... بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ چند عجیب و غریب مسائل یاد کر لیتے ہیں اور پھر طالب علموں کی مجلس میں ان پر بحث چھیڑ دیتے ہیں یا پھر چند مسائل دلائل کیساتھ یاد کر لیتے ہیں اور پھر ہر مجلس میں انہیں دہراتے رہتے ہیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر محفل میں انہی مسائل پر مناقشہ ہوتا کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ یہ بڑا مضبوط طالب علم ہے اور لوگ اس کی تعریف کریں۔

(۸)..... کئی لوگوں کا طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ علماء کی سی ہیئت اختیار کرتے ہیں، لمبے

لبے چنے اور عمامے پہن کر علماء کی عبارات دہراتے ہیں۔ انکا حال شاعر کے اس قول کی مانند ہے؟

أَمَّا الْخِيَامُ فَلَيْسَ بِهَا كَخِيَامِهِمْ وَأَرَى لِسَاءَ الْحَيِّ غَيْرَ لِسَائِهِمْ

”جہاں تک خیموں کا تعلق ہے تو یہ انہی کے خیموں کی طرح ہیں، لیکن اس محلے کی عورتوں کو میں انکی عورتوں جیسا نہیں دیکھتا“

(۹)..... بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر وقت اپنے ہمراہ کتابیں لئے رہتے ہیں انکی گاڑی اور ہاتھ کبھی کتابوں سے خالی نہیں ہوتے، مسجد میں جائیں یا کسی سے ملاقات کے لئے، کتاب ضرور انکے پاس ہوتی ہے۔ بعض اوقات پورا پورا دن یونہی گزر جاتا ہے اور کتاب کا ایک حرف بھی نہیں پڑھتے، کیونکہ انکا مقصد تو یہی ہوتا ہے کہ لوگ انہیں خوب مطالعہ کرنے والا سمجھیں اور انکی تعریف کریں۔

(۱۰)..... بعض لوگ سستی شہرت حاصل کرنے کیلئے زاہدوں والا لباس پہنتے ہیں جگہ جگہ پیوند لگا ہوا پٹھان پرانا لباس۔ تاکہ انہیں زاہد سمجھا جائے۔ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ پیوند لگے کپڑے بہت سے لوگوں کے نزدیک دیباچ سے بھی زیادہ مرغوب ہوتے ہیں، کیونکہ انکی وجہ سے انکے زہد کی مشہوری ہوتی ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ سلف جیسا لباس پہننے سے کوئی اُن جیسا بن سکتا ہے..... لیکن آپ ہی بتائیے! کیا یہ لوگ پیوند والے کپڑے پہن کر سلف صالحین جیسے ہو سکتے ہیں.....؟ [تلبیس ابلیس ص: ۱۸۷]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہرت کا لباس پہننے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

”مَنْ لَبَسَ ثَوْبَ شُهْرَةِ الْبَسَةِ اللَّهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ، ثُمَّ تَلَهَّبَ فِيهِ النَّارُ“..... ”جس نے شہرت کا لباس پہنا، اللہ تعالیٰ اُسے ذلت کا لباس پہنائے گا، پھر اس میں آگ کے شعلے بھڑکیں گے“

(مسند أحمد ۲/۹۲، ابن ماجہ (۳۶۰۷)، ابوداؤد (۴۰۲۹)، البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے: صحیح ابن ماجہ ۲/۲۸۳)

○ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ اپنے بیٹے کو بد صورت اور گھٹیا لباس، پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ”لَا تَلْبَسْ هَذَا فَإِنَّ هَذَا ثَوْبُ شُهْرَةٍ“

”یہ لباس مت پہنو۔ کیونکہ یہ شہرت کا لباس ہے“ [تلبیس ابلیس ص ۱۹۳]  
○ ذوالنون مصری نے محمد بن زید بن ریان کو سرخ موزے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ”إِنِّرُغْ هَذَا يَا بُنَيَّ فَإِنَّهُ شُهْرَةٌ“

”اے بیٹا! اسے اتار دو۔ کیونکہ یہ باعث شہرت ہے“ [تلبیس ابلیس ص: ۱۷]  
○ ابو خلدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ابو العالیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: عبد الکریم ابو امیہ ملاقات کیلئے میرے پاس آئے تو انہوں نے اونی لباس پہن رکھا تھا، چنانچہ میں نے اُن سے کہا: ”هَذَا رِيُّ الرُّهْبَانِ إِنَّ الْمُسْلِمِينَ إِذَا تَزَاوَرُوا تَجَمَّلُوا“  
”یہ ترابریوں والی ہیئت ہے، جبکہ مسلمان تو ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت آراستہ ہوتے ہیں“ [سیر أعلام النبلاء ۴/۲۱۳]

(۱۱)..... کئی افراد کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ بات بات پر رونی صورت بنا لیتے ہیں اور اپنی چال ڈھال میں جھوٹ موٹ کا خشوع ظاہر کرتے ہیں تاکہ لوگ انہیں پرہیزگار اور متقی سمجھیں۔

ابو سلمہ بن عبد الرحمن فرماتے ہیں:

[لَمْ يَكُنْ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مُنْصَحِرِينَ وَلَا مُعْمَاوِينَ وَكَانُوا يُنَاصِدُونَ الشُّعْرَ فِي مَجَالِسِهِمْ وَيَذْكُرُونَ أُمْرَ جَاهِلِيَّتِهِمْ فَإِذَا أُريدَ أَحَدٌ مِنْهُمْ عَلَى شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ دِينِهِ دَارَتْ حَمَالِيْقُ عَيْنِيهِ كَأَنَّهُ مَجْنُونٌ]

[تلبیس ابلیس ص: ۲۹۱]

”رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نہ تو حق سے منحرف تھے اور نہ ہی خود ساختہ مرگ طاری کیے رکھتے تھے، بلکہ وہ اپنی مجالس میں شعر گوئی کرتے اور دور جاہلیت کے قصے بھی چھیڑتے تھے، لیکن اگر ان میں سے کسی سے دین کے کسی معاملے سے دستبرداری کا تقاضا کیا جاتا تو

اسکی آنکھوں کے پوٹے یوں گھومنے لگتے گویا وہ مجنون ہے۔ (یعنی دین کے معاملے میں مدافعت سے کوسوں دور تھے)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھا جس نے اپنا سر جھکا رکھا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے کہا: اے فلاں! اپنا سر اٹھاؤ۔ کیونکہ خشوع کا مقام دل ہے، اور جو شخص اپنے دل میں موجود خشوع سے بڑھ کر لوگوں کے سامنے خشوع کا اظہار کرتا ہے تو گویا وہ نفاق پر نفاق ظاہر کرتا ہے۔ [تلبیس ابلیس ص: ۲۹۱]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

وَدَعِ الْبُذِينَ إِذَا اتَوْكَ تَنَسَّكُوا	وَإِذَا خَلَعُوا فَهُمْ ذُنَابٌ خِرَافٌ
---	---

”ایسے لوگوں کو چھوڑ دو جنکی حالت یہ ہے کہ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو بڑے عبادت گزار بن جاتے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو بے ہودہ گواور بھیڑیے بن جاتے ہیں“ (دیوان الامام الشافعی ص: ۶۲)

(۱۲)..... بعض لوگ بڑی تھکاوٹ ظاہر کرتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ وہ رات کو قیام کرتے رہے۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک عجیب ترین بات جس کا میں نے مشاہدہ کیا وہ یہ ہے کہ ایک آدمی جمعہ کی صبح جب لوگوں کو نماز پڑھا کر فارغ ہوتا ہے تو لوگوں کی طرف منہ کر کے معوذتین پڑھتا اور ختم قرآن کی دعا پڑھتا تھا تا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اُس نے قرآن ختم کر لیا ہے۔ جبکہ سلف صالحین کا یہ طریقہ نہیں تھا، بلکہ وہ تو اپنی عبادات کو چھپایا کرتے تھے۔ ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ کے تمام تر اعمال پوشیدہ ہوا کرتے تھے، بعض اوقات وہ مصحف کھول کر تلاوت کر رہے ہوتے اور اچانک کوئی ان پر داخل ہوتا تو کپڑے سے مصحف کو چھپا دیتے تھے، اسی طرح احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کثرت کیساتھ تلاوت کرتے تھے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ختم کب کرتے ہیں۔ (تلبیس ابلیس ص: ۱۴۳)

(۱۳)..... بعض لوگوں کی کوشش ہوتی ہے کہ آپ پر اپنے نفلی روزے ظاہر کریں مثلاً وہ

آپ کو کہیں گے: میں پیر اور جمعرات کے دن مغرب سے پہلے گھر پر ہوتا ہوں یا یہ کہیں گے کہ میں پیر اور جمعرات کو رات کا کھانا مغرب کے فوری بعد کھاتا ہوں یا افطاری کا سامان ساتھ لیے مسجد میں آ جاتے ہیں تاکہ روزے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ظاہر ہو کہ انہیں تکبیر اولیٰ میں شمولیت کا کس قدر شوق ہے..... تاکہ لوگ انکی تعریف کریں اور انہیں صوم و صلوٰۃ کا پابند سمجھیں۔

(۱۴) کچھ لوگ تو رمضان کے اعتکاف کو بھی اسی جذبہ نمود و نمائش کی تسکین کا باعث بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں: میں آخری عشرہ داخل ہونے کے بعد گھر پر نہ ملوگا، جو مجھے ملنا چاہے وہ مسجد میں آ جائے۔ یا پھر مکہ مکرمہ میں اعتکاف کا ڈھنڈورا پیٹیں گے اور بات بات پر اپنے اعتکاف کی کہانی سنائیں گے۔ حالانکہ اعمال صالحہ کو حتی الامکان چھپا لینا ہی بہتر ہوتا ہے۔

(۱۵)..... بعض لوگ کلمات کو سجانے اور عبادات کو آراستہ کرنے میں لگے رہتے ہیں، خطباء کی غلطیاں نکالتے اور لغوی خطاؤں کو تلاش کرتے ہیں، شہرت و تعریف حاصل کرنے کیلئے شعر گوئی کا مشغلہ بناتے ہیں اور شاعر بن جائیں تو فخر و غرور جھلاتے ہیں۔

(۱۶)..... بعض لوگ اس مقصد کیلئے مال خرچ کرنے کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں، کسی بھی نیک کام یا مسکین کی مدد کرنے کے بعد مختلف انداز میں اسکا چرچا کرتے ہیں۔ کبھی کوئی اچھی کتاب اپنے خرچ پر شائع کروادیں تو اسکے سرورق پر یہ لکھوانا ضروری ہوتا ہے کہ یہ فلاں محسن کبیر کے خرچ پر شائع ہوئی ہے اور کبھی مسجد بنوائیں تو اپنے نام کی تحفگی لکھوانا نہیں بھولتے۔ اور اگر صراحت ممکن نہ ہو تو اشاروں کنایوں سے اپنے نخی ہونے کا ثبوت پیش کرتے رہتے ہیں۔

(۱۷)..... ایسے فلاں منصوبے اور اوقاف قائم کرنا جنکے ذریعے شہرت کمائی جاسکے اور

پھر اپنے کارناموں پر فخر کرنا بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔

(۱۸)..... فتویٰ دینے میں جلد بازی سے کام لینا تاکہ لوگ کم علمی کی طرف منسوب نہ کریں، یہ بھی محض مخفی خواہش کا نتیجہ ہے، اور اگر کوئی ورع کا مظاہرہ بھی کرے تو سیدھی

طرح یہ نہیں کہے گا کہ: مجھے معلوم نہیں۔ بلکہ کہتے ہیں: اس مسئلے میں علماء کے درمیان میں اختلاف ہے اور ہر فریق کے پاس دلیل ہے۔ یا پھر ایسے عجیب و غریب طریقے سے جان چھڑائے گا کہ کسی سائل یا حاضر کو معلوم نہ ہو سکے کہ اسے جواب معلوم نہیں۔

سلف صالحین رحمہم اللہ تو ایسی چیزوں سے دور بھاگتے تھے۔

ابن جوزی رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ”عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کا بیان ہے: ”أَذْرَكْتُ مِائَةَ وَعِشْرِينَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يُسْأَلُ أَحَدُهُمْ عَنِ الْمَسْأَلَةِ فَيَرُدُّهَا هَذَا إِلَى هَذَا وَهَذَا حَتَّى تَرْجِعَ إِلَى الْأَوَّلِ“.....

”میں نے نبی کریم ﷺ کے ایک سو بیس اصحاب رحمہم اللہ کو پایا ہے، اُن میں سے کسی سے کوئی سوال ہوتا تو وہ اسے دوسرے کی طرف بھیج دیتے، یہ اسکی طرف، اور وہ اُس کی طرف..... یہاں تک کہ وہ سوال واپس پہلے کے پاس پہنچ جاتا“

ایک آدمی نے ابراہیم رحمہم اللہ سے کوئی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: تمہیں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ملا تھا جس سے تم سوال کرتے۔

○ مالک بن انس رحمہم اللہ کا بیان ہے کہ میں نے اُس وقت تک فتویٰ دینا شروع نہیں کیا جب تک اپنے ستر شیوخ سے یہ سوال نہیں کر لیا کہ آپکے خیال میں مجھے فتویٰ دینا چاہیے یا نہیں؟ تو اُن سب نے کہا: تم فتویٰ دے سکتے ہو۔ لوگوں نے دریافت کیا: اور اگر آپکے شیوخ منع کر دیتے؟ فرمایا: اگر منع کر دیتے تو میں رک جاتا۔

ایک شخص نے احمد بن حنبل رحمہم اللہ سے پوچھا: میں نے قسم اٹھائی ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ کیسی قسم اٹھائی ہے۔ تو آپ رحمہم اللہ نے جواب دیا:

”لَيْسَ لَكَ إِذْ دَرَيْتَ كَيْفَ خَلَقْتَ دَرَيْتَ أَنَا كَيْفَ أَلْقَيْتَ“..... ”کاش تمہیں

معلوم ہوتا کہ تم نے کیسے قسم اٹھائی تو یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ میں تمہیں کیسے فتویٰ دیتا ہوں“

سلف صالحین کے دل کیونکہ اللہ کے خوف سے معمور تھے لہذا وہ احتیاط کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے تھے اور انکی سیرت پر نگاہ دوڑانے سے انسان شائستگی اور ادب سیکھتا ہے۔ (دیکھئے

تلبیس ابلیس۔ ص: ۱۲۱)

(۱۹) نوخیز اور چھوٹے طلبہ کی مصاحبت اختیار کرنا اور انہیں نئے نئے اور عجیب و غریب مسائل سنانا تاکہ ان پر اپنے علم کی دھاک بٹھائی جاسکے اور وہ اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کے سبب اس سے مرعوب ہو جائیں اور اسکی پیروی شروع کر دیں۔ یہ بھی شیطان کی تلبیس کا ایک حصہ ہے، جیسا کہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے پیروکاروں کی کثرت پر خوش ہوتے ہیں اور ابلیس بھی انہیں اس جہانے میں رکھتا ہے کہ یہ خوشی طلبہ علم کی کثرت پر ہے حالانکہ انکی اصل مراد اپنے پیروکاروں کی تعداد میں اضافہ اور نمود و نمائش کے سوا کچھ نہیں ہوتی..... اور یہ حقیقت اُس وقت کھلتی ہے جب کوئی طالب علم انہیں چھوڑ کر اُن سے بڑے کسی اور عالم کے پاس چلا جائے تو ان پر یہ بات بوجھل و ناگوار گزرتی ہے۔ جبکہ تعلیم کیساتھ مخلص معلم کی یہ مفت نہیں ہو سکتی۔

(تلبیس ابلیس۔ ص: ۱۳۱)

(۲۰)..... جب بھی ایسے لوگوں سے اُنکی کسی ذمہ داری میں کوتاہی پر باز پرس کی جائے تو ہمیشہ اپنی مصروفیت اور دیگر ذمہ داریوں کا بہانہ بناتے ہیں تاکہ لوگوں کو یہ باور کروائیں کہ انکے پاس بالکل بھی وقت نہیں اور ہمہ وقت وہ دعوت و تبلیغ اور طلب علم کی لگن میں رہتے ہیں۔ اگرچہ انکا اکثر وقت نیند پوری کرنے اور اپنے دنیاوی کاموں میں صرف ہوتا ہو۔

انکے علاوہ بھی شہرت خفیہ کے بہت سے مظاہر ہیں جن میں سے بعض تو انتہائی عجیب اور مستحکم خیز بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے زعفرانی نامی ایک گمراہ شخص کا ذکر کیا ہے کہ اس نے کرائے پر ایک آدمی کی خدمات حاصل کیں اور اسکی ڈیوٹی بیلگائی کہ حج کے موسم میں مکہ جائے اور تمام لوگوں کے سامنے اس (زعفرانی) پر لعن طعن کرے تاکہ چار سو سے آئے ہوئے حجاج کے درمیان اسکی شہرت ہو۔ (بدنام اگر ہو گئے تو کیا نام نہ ہوگا؟)۔

(الفرق بین الفرق۔ ص: ۲۱۰)

Free downloading facility of Videos, Audios & Books for DAWAH purpose only, From Islamic Research Centre Rawalpindi



دنیاوی سامان حاصل کرنے کیلئے اُسے سیکھا، تو وہ قیامت کے دن جنسہ کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا۔“

ایک اور حدیث میں آتا ہے: ”مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِمَارِي بِهِ السُّفَهَاءَ، أَوْ لِيُبَاهِي بِهِ الْعُلَمَاءَ، أَوْ لِيَصْرِفَ وَجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ فَهُوَ فِي النَّارِ“

”جس نے اس لئے علم طلب کیا کہ اسکے ذریعے بے وقوفوں سے جھگڑا کرے، یا علماء پر فخر جتلائے، یا لوگوں کے چہرے اپنی طرف موڑ دے تو وہ جہنم کی آگ میں ہوگا۔“

(اسے ترمذی رحمہ اللہ (۳۲/۵) اور ابن ماجہ رحمہ اللہ (۹۳/۱) نے روایت کیا، الفاظ ابن ماجہ کے ہیں اور البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا۔ دیکھئے: صحیح ابن ماجہ (۲۸/۱))

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”لَا تَعْلَمُوا الْعِلْمَ لِيُبَاهُوا بِهِ الْعُلَمَاءَ وَلَا لِيُعَارُوا بِهِ السُّفَهَاءَ، وَلَا تَخَيِّرُوا بِهِ الْمَجَالِسَ، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَلَا النَّارَ“۔

”علم اس لئے حاصل نہ کرو کہ اسکے ذریعے علماء پر فخر جتلاؤ، نہ اس لئے کہ بے وقوفوں سے جھگڑے کرو، اور نہ اس لئے کہ اس کے ذریعے مجالس کا انتخاب کر سکو، جس نے بھی ایسا کیا اسکے لئے آگ ہے آگ۔“

(اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور البانی نے صحیح قرار دیا۔ دیکھئے ابن ماجہ (۲۸/۱))

○ عامر بن سعد کا بیان ہے: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں میں تھے کہ انکا بیٹا عمر انکے پاس آیا، جب سعد رضی اللہ عنہ نے اُسے آتے دیکھا تو فرمایا: میں اس سوار کے شر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ پھر جب وہ سواری سے اُترا اور کہنے لگا: آپ اپنے اونٹوں اور بکریوں میں پڑاؤ ڈالے بیٹھے ہیں جبکہ لوگوں کو آپ نے چھوڑ دیا ہے کہ وہ آپس میں بادشاہت کیلئے جھگڑتے رہیں (یعنی آپ اس کیلئے کوشش کیوں نہیں کرتے)؟ تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اسکے سینے پر ضرب لگائی اور فرمایا: خاموش ہو جا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

”إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْعَقِيَّ الْعَنِيَّ الْخَفِيَّ“..... ”یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے پرہیزگار،

لوگوں سے بے پرواہ اور مخفی رہنے والے بندے سے محبت کرتا ہے“

[صحیح مسلم ۲۲۷۷/۴، کتاب الزہد والرقاق]

علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”إِنْ أَغْبَطَ أَوْلِيَائِي عِنْدِي لَمُؤْمِنٌ خَفِيفُ الْحَادِ ذُو حِظٍّ مِنَ الصَّلَاةِ أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَأَطَاعَةَ فِي السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِي النَّاسِ لَا يُسَارُّ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ، وَكَانَ رِزْقُهُ كَفَافًا فَصَبَرَ عَلَى ذَلِكَ“

”یقیناً میرے اولیاء میں سے میرے نزدیک سب سے قابل رشک وہ مومن ہے جو کم مال والا ہو، نماز کا ایک وافر حصہ اسے حاصل ہو، خوب اچھے طریقے سے اپنے رب کی عبادت کرے، خلوت میں بھی اسکی اطاعت، لوگوں میں کچھ ایسا گناہ ہو کہ اگلیوں سے اسکی طرف اشارے نہ کیے جائیں، اسکی روزی بھی بس گزارے کے لائق ہی ہو اور وہ اس پر صبر کرے“

(مسند احمد ۲۵۲/۵، ترمذی ۵۷۵/۳۔) (امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا۔) ابن ماجہ

(۱۳۷۸/۲)

(نوٹ:- شیخ امین اللہ رحمہ اللہ نے فائدہ نمبر ۳۲ میں بھی یہ روایت نقل کی ہے اور اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے زمین پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اسکی موت بھی جلد آ جاتی ہے، اسکی میراث بھی کم ہوتی ہے اور اس پر رونے والیاں بھی کم ہوتی ہیں)۔

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

”رُبُّ أَشْعَثَ أَغْبَرَ مَذْفُوعٍ بِالْأَنْوَاعِ لَوْ أَلْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَأَبْرَةً“

[صحیح مسلم، مسند احمد]

”کتنے ہی پراگندہ حال غبار آلود لوگ ہیں جنہیں دروازوں پر دکھ دیئے جاتے ہیں، جبکہ اگر وہ اللہ پر قسم اٹھالیں تو اللہ تعالیٰ اُنکی قسم کو سچا کر دیتا ہے۔“

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں حب ریاست و شہرت کو ترک کرنے بیان ہے۔

(فتح الباری ۸۳/۶)

اکثر سلف صالحین رحمہم اللہ نے بھی شہرت کی مذمت کی ہے جن میں سے چند کے اقوال درج ذیل ہیں:

○ امام زہری رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

”مَا رَأَيْنَا الزُّهْدَ فِي شَيْءٍ أَقْلَ مِنْهُ فِي الرِّيَاسَةِ، نَوَى الرَّجُلُ يَزُودَ فِي الْمَطْعَمِ وَالْمَشْرَبِ وَالْمَالِ فَإِذَا تَوَزَّعَ الرِّيَاسَةَ حَامَى عَلَيْهَا وَعَادَى“  
[معتمر منهاج القاصدين ۲۰۹، سیر أعلام النبلاء ۲۶۲/۷]

”ریاست میں جتنا کم زہد برتا جاتا ہے اس سے کم زہد ہم نے کسی چیز میں نہیں دیکھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کھانے، پینے اور مال میں زہد اختیار کرتا ہے لیکن جب ریاست کے معاملے میں اُس سے جھگڑا کیا جائے تو اُسے بچانے کی سعی کرتا اور دشمنی پر اتر آتا ہے۔

عبد اللہ بن ابی جعفر رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

”إِذَا كَانَ الْمَرْءُ يُحَدِّثُ فِي مَجْلِسٍ فَأَعْجَبَهُ الْحَلِيبُ فَلْيُمْسِكْ وَإِذَا كَانَ سَاكِناً فَأَعْجَبَهُ السُّخُوتُ فَلْيَتَعَدَّثْ“ [سیر أعلام النبلاء: ۱۰/۶]

”جب کوئی شخص کسی مجلس میں بات کر رہا ہو اور اسے اپنی بات بہت خوب لگنے لگے تو اُسے چاہئے کہ بات سے رُک جائے، اور جب وہ خاموش ہو اور اُسے اپنی خاموشی پسند آئے تو اُسے چاہئے کہ بات کرے“

سفیان ثوری رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ”السَّلَامَةُ فِي أَنْ لَا تُحِبَّ أَنْ تُعْرِفَ“

[سیر أعلام النبلاء: ۲۵۸/۷]

”سلامتی اسی میں ہے کہ آپ معروف ہونا پسند نہ کریں“

بشر بن حارث رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

”مَا اتَّقَى اللَّهُ مَنْ أَحَبَّ الشُّهُورَةَ“ [سیر أعلام النبلاء: ۴۷۶/۱۰]

”جس نے شہرت چاہی وہ اللہ سے نہیں ڈرا“

مالکیہ کے شیخ سعید بن محمد بن حداد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ”تعریف اور رفعت کی طلب جیسی دوسری کوئی چیز نہیں جو اللہ سے روکتی ہو۔“

[سیر أعلام النبلاء: ۲۱۴/۴]

ایوب سختیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مَا صَلَّقَ عَبْدٌ قَطُّ، فَأَحَبَّ الشُّهُرَةَ“

[سیر أعلام النبلاء: ۲۰/۶]

”وہ بندہ کبھی اللہ کیساتھ سچا نہیں ہو سکتا جو شہرت پسند ہو“

اسی طرح آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لَيَتَنَبَّيَ اللَّهُ رَجُلًا، فَإِنْ زَهَدًا فَلَا يَجْعَلَنَّ زُهْدَهُ عَذَابًا عَلَى النَّاسِ، فَلَنْ يُغْفِيَ الرَّجُلُ زُهْدَهُ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُغْلِبَهُ“

[سیر أعلام النبلاء: ۱۹/۶]

”آدی کو اللہ سے ڈرنا چاہیے، چنانچہ اگر وہ زہد اختیار کرتا ہے تو اپنے زہد کو لوگوں کیلئے عذاب نہ بنائے، آدی کا اپنے زہد کو غلی رکھنا ہی اسکے لئے بہتر ہے، بجائے اسکے کہ وہ اپنے زہد کا اعلان کرتا پھرے۔“

ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مَا صَلَّقَ اللَّهُ عَبْدًا أَحَبَّ الشُّهُرَةَ“

[سیر أعلام النبلاء: ۳۹۳/۷]

”وہ بندہ اللہ کیساتھ سچا نہیں جو شہرت کو پسند کرتا ہے۔“

ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا:

”إِيَّاكَ وَالشُّهُرَةَ، لَمَّا أَتَيْتُ أَحَدًا إِلَّا وَقَدْ نَهَى عَنِ الشُّهُرَةِ“

[سیر أعلام النبلاء: ۲۶۰/۷]

”شہرت سے خود کو بچائے رکھنا، کیونکہ میں جس (شیخ) کے پاس بھی گیا اُس نے مجھے شہرت سے منع کیا“

○ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا ذَهَبَ بِمَدْحٍ نَفْسَهُ ذَهَبَ بِهَاوَةٍ“

[سیر أعلام النبلاء: ۹۷/۸]

”جب کوئی آدمی اپنی تعریف شروع کر دیتا ہے تو اسکی (روحانی) خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے“  
 ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”شہر بن حوشب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو مشہور سواری پر سوار ہوا  
 اور مشہور لباس پہنا، اللہ تعالیٰ اُس سے اعراض کر لیتا ہے اگرچہ وہ صاحب کرم ہی کیوں نہ ہو۔  
 میں (ذہبی) یہ کہتا ہوں کہ جو شخص دین کی عزت اور منافقین کو ذلیل کرنے کیلئے ایسا کرتا  
 ہے جبکہ مؤمنین کیساتھ تواضع سے پیش آتا ہے، رب العالمین کی حمد بیان کرتا ہے تو ایسا کرتا  
 اچھا ہے، البتہ جو اپنا طمطراق دکھانے اور غرور و تکبر کیلئے ایسا کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے  
 ذلیل و رسوا کر دیتا ہے اور اس سے منہ پھیر لیتا ہے، پھر اگر اسکی سرزنش کی جائے یا اُسے  
 سمجھایا جائے تو وہ خود دوسری کا مظاہرہ کرتے جو خود کو دھوکہ دے رہا ہے۔

[سیر أعلام النبلاء: ۳۷۵/۴-۳۷۶]

فضالہ بن عبید رحمہ اللہ ابن محیریز کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”خِصَالٌ يَنْفَعُكَ اللَّهُ بِهَا إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَعْرِفَ وَلَا تَعْرِفَ فَاَفْعَلْ، وَإِنْ  
 اسْتَطَعْتَ أَنْ تَسْمَعَ وَلَا تَكَلِّمْ فَاَفْعَلْ، وَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَجْلِسَ وَلَا يُجْلَسَ  
 إِلَيْكَ فَاَفْعَلْ“ [سیر أعلام النبلاء: ۱۱۶/۳].....

”کچھ خصلتیں ایسی ہیں جن پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ آپکو نفع دے گا، اگر آپکے لیے  
 ممکن ہو کہ آپ تو دوسروں کو پہچانیں لیکن دوسرے آپکو نہ پہچانیں تو ایسا ضرور کریں، اور اگر  
 آپ ایسا کر سکیں کہ خود تو دوسروں کی بات سنیں لیکن خود بات نہ کریں تو ایسا ہی کریں، اور اگر  
 آپکے بس میں ہو کہ خود تو دوسروں کے پاس بیٹھیں لیکن دوسرے آپکے پاس نہ بیٹھیں تو ایسا  
 کیجئے“

ایک دن ربیعۃ الرای روپڑے تو اُن سے پوچھا گیا: آپکو کس بات نے رلایا؟ فرمایا:

حاضر ریا کاری اور محلی شہرت نے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۹۰/۶]

خالد بن معدان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[لَا يَفْقَهُ الرَّجُلُ كُلَّ الْفَقْهِ حَتَّى يَرَى النَّاسَ فِي جَنْبِ اللَّهِ أَمْثَالَ الْأَبَاعِرِ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى نَفْسِهِ فَيَكُونُ لَهَا أَحَقَرُ حَاقِبٍ] [سير أعلام النبلاء: ۴/۵۳۹]

”کوئی آدمی اس وقت تک مکمل فقیہ نہیں بن سکتا جب تک کہ اللہ کے مقابلے میں لوگوں کی یگینیوں جیسا (حقیر) نہیں لیتا، پھر اپنے نفس کی طرف پلٹتا ہے اور اسے سب سے زیادہ بے وقعت اور حقیر جانتا ہے“

○ یوسف بن اسباط رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لَا يَمَسُّهُ الشَّهَوَاتُ إِلَّا خَوْفٌ مُزْجِعٌ أَوْ شَوْقٌ مُفْلِقٌ. أَلْزَهُدُ فِي الرِّئَاسَةِ أَشَدُّ مِنْهُ فِي الدُّنْيَا“ [سير أعلام النبلاء: ۹/۱۷۰]

”شہوات کو کوئی چیز نہیں مٹا سکتی سوائے اس خوف کے جو بے قرار کر دے یا اس شوق کے جو دل کو تڑپا دے۔ ریاست (یعنی میر مجلس ہونے) میں بے رغبتی دنیا میں بے رغبت ہونے سے زیادہ سخت کلام ہے“

○ یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لَا يُفْلِحُ مَنْ شَمَمَتْ رَايَةَ الرِّئَاسَةِ مِنْهُ“ [سير أعلام النبلاء: ۱۳/۱۵]

”ایسا شخص کامیاب نہیں ہو سکتا جس سے ریاست پسندی کی بو آتی ہو۔“

○ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ایک عالم کو چاہیے کہ خلوص نیت اور اچھے ارادے کیساتھ گفتگو کرے، چنانچہ جونہی اس کا کلام اسے پسند آنے لگے، خاموش ہو جائے، اور جب خاموشی دل کو بھانے لگے تو پھر گفتگو کرے، کبھی اپنے نفس کا محاسبہ کرنے سے قائل نہ ہو، کیونکہ نفس تو تعریف و توصیف اور چرچے کا رسیا ہے۔ [سير أعلام النبلاء: ۴/۴۹۴]

○ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کسی شخص کا شرف و بزرگی پر حریص ہونا، مال پر حرص سے زیادہ تباہ کن ہے، کیونکہ دنیاوی شرف و رفعت اور بڑائی و برتری کی طلب کسی بندے کیلئے مال کی طلب سے زیادہ نقصان دہ

ہے، اسکا نقصان شدید تر اور اس سے بے رغبت ہونا بھی مشکل ترین ہے (اسکا اندازہ آپ یوں بھی کر سکتے ہیں کہ) شرف و ریاست کی طلب میں مال بھی لٹا دیا جاتا ہے۔

[الرسائل المنيرة: ۵/۲]

○ صفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے عہاد بن عہاد رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا: اُن لوگوں میں سے مت ہو جانا جو یہ پسند کرتے ہیں کہ انکے اقوال پر عمل ہو، یا انکے اقوال کی نشر و اشاعت ہو، یا اُن کی بات سنی جائے، اور جب اُنکے حوالے سے یہ سب نہ ہو تو انکے رویے سے یہ محسوس کر لیا جائے۔ اور اپنے آپ کو ریاست و قیادت کی محبت سے بھی بچاؤ، کیونکہ بعض اوقات ایک شخص کے دل میں سونے چاندی سے زیادہ ریاست کی محبت ہوتی ہے۔ یہ ایک پیچیدہ باب ہے جس کی تہہ تک پہنچنا صرف ماہر علماء کا کام ہے، لہذا دل کی قوت کے ساتھ اسے تلاش کرو اور بہترین نیت کیساتھ عمل کرو۔

[الرسائل المنيرة: ۱۳/۲]

○ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جان لیجئے کہ جب کسی بندے کے قدم اللہ کیلئے عاجزی و اکساری اور خود فراموشی کے مقام پر تک جائیں تو اُسکی ہمت بلند ہو جاتی ہے اور اسکا نفس مدح و ذم کے خشکوں سے آزاد ہو جاتا ہے، ایمان و یقین کی حلاوت اُسکے دل میں اُتر جاتی ہے۔ جبکہ لوگوں کے مدح و ذم کو اہمیت دینا دل کے اللہ کی محبت سے خالی اور لا تعلق ہونے کا پتہ دیتا ہے، ایسے شخص کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت کے فیضان سے خالی اور اُسکے ساتھ تعلق کی حلاوت سے عاری رہتا ہے۔

[مدارج السالکین: ۶/۲]

## تیسری فصل

سلف صالحین کا شہرت اور مدح پسندی سے دور بھاگنا

○ سلیمان بن حنظلہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہم ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تاکہ آپ رضی اللہ عنہ سے بات چیت کر سکیں، پھر جب وہ اُٹھے تو ہم بھی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُنکے

پیچھے چلنے لگے۔ اسی دوران سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں آلیا اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کو ایک درہ رسید کیا، جبکہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بازوؤں کے ذریعے اپنا دفاع کیا اور کہا: اے امیر المؤمنین! ہم نے غلط کیا ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم نہیں سمجھتے کہ اس طرح لوگوں کا پیچھے پیچھے چلنا متبوع (جسکے پیچھے چلا جا رہا ہے) کیلئے باعث فتنہ اور تالیق (جو پیچھے چل رہا ہے) کیلئے باعث ذلت ہے؟ [سنن دارمی: ۱۳۲/۱]

کچھ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے چل رہے تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اپنے جوتوں کی چر چراہٹ کو مجھ سے دور رکھو کہ یہ دلوں کو بگاڑ دیتی ہے۔

[سنن دارمی: ۱۳۴/۱]

ابو وازع کا بیان ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا:

”لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا أَبْقَاكَ اللَّهُ لَهُمْ“.....

”لوگ اُس وقت تک بھلائی کیساتھ رہیں گے جب تک اللہ تعالیٰ اُنکے لئے تجھے باقی رکھے گا۔“ یہ بات سن کر وہ غضبناک ہو گئے اور فرمایا: میرے خیال میں تم عراقی ہو، آپکو کیا معلوم کہ آپ کا بھائی کن باتوں پر دروازہ بند کرتا ہے (یعنی تنہائی میں کیا کچھ کرتا ہے)؟۔

[سیر اعلام النبلاء: ۲۲۰/۳]

ایک آدمی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: اے بہترین انسان اور بہترین انسان کے بیٹے! یہ سن کر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نہ میں بہترین انسان ہوں اور نہ بہترین انسان کا بیٹا ہوں، میں تو اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں، اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اُسکے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اللہ کی قسم! تم لوگ ایک شخص کے پیچھے پڑے رہتے ہو، یہاں تک کہ اُسے ہلاک کر کے چھوڑتے ہو۔ [سیر اعلام النبلاء: ۲۳۶/۳]

ایک آدمی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: کیا وجہ سے کہ آپ اپنی طرف سے ایک حرف بھی کہنا پسند نہیں کرتے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

[نَحْنُ إِلَى أَنْ نَعْمَلَ أَنْفُسَنَا لِي حِفْظِ مَا مَضَى عَلَيْهِ أَلَمْتْنَا أَخْوَجَ مِنَّا إِلَى



[اختیار] [سیر أعلام النبلاء: ۱۵/۲۷۳]

”ہم اپنی طرف سے کوئی بات اختیار کرنے اور کہنے سے زیادہ اس بات کے ضرورت مند ہیں کہ اپنے سابقہ ائمہ کی اختیار کردہ باتوں کو حفظ کرنے میں اپنی جانوں کو کھپائیں“  
○ علامہ ثعلب جو علم نحو میں امام ہونے کیساتھ محدث بھی تھے، لیکن آپ ﷺ اپنے نفس کو حقیر جانتے اور اسے کوئی اہمیت نہ دیتے تھے، اپنے خطاب میں بھی فصیح و بلیغ بننے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔  
[سیر أعلام النبلاء: ۱۴/۶]

جب محدث محمد بن ابی منظور الانصاری ﷺ کو قضاء کا منصب دیا جانے لگا تو انہوں نے اس کے لئے یہ شرط مقرر کی کہ وہ اسکی اجرت نہ لیں گے اور نہ ہی سواری پر سوار ہو گئے۔

[سیر أعلام النبلاء: ۱۵/۱۰۷]

○ معمر ﷺ کا بیان ہے کہ ایوب سختیانی ﷺ کی قمیص قدرے طویل تھی جب اُن سے اسکے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: آجکل قمیص کو زیادہ اوپر تک رکھنا باعثِ شہرت بن چکا ہے۔  
[سیر أعلام النبلاء: ۲۲/۶]

○ ایوب سختیانی ﷺ فرماتے ہیں: میرا تذکرہ کیا جاتا ہے، حالانکہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میرا ذکر کیا جائے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۲۲/۶]

○ امام ذہبی ﷺ فرماتے ہیں: ایوب سختیانی ﷺ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنا زہد دوسروں سے چھپاتے ہیں۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۹/۶]

○ ابراہیم الحارثی ﷺ کو یہ بات پہنچی کہ اُنکی مجلس میں بیٹھنے والے کچھ لوگ انہیں احمد بن حنبل ﷺ پر فضیلت دیتے ہیں، چنانچہ جب آپ ﷺ نے اُن لوگوں سے دریافت کیا تو انہوں نے اس بات کا اقرار کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ایسے آدمی پر فضیلت دیکر مجھ پر ظلم کیا ہے کہ فضیلت تو ایک طرف، میں تو اُن سے کوئی مشابہت ہی نہیں رکھتا، اور کسی معاملے میں بھی اُن کیساتھ نہیں مل سکتا۔ میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ تمہیں کوئی علمی بات نہ سناؤں گا، لہذا آج کے بعد میرے پاس نہ آنا۔

[سیر أعلام النبلاء: ۳۶۴/۱۳]

ایک محدث نے امام حافظ ابراہیم بن سعید الجہال رحمہ اللہ پر قرأت کرتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ الشیخ الحافظ سے راضی ہو..... یہ سن کر آپ رحمہ اللہ فرمانے لگے: یوں کہو: اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو، کیونکہ حافظ تودار قطنی رحمہ اللہ اور عبد الغنی رحمہ اللہ ہیں۔

[سیر أعلام النبلاء: ۴۹۸/۱۸]

○ مروزی نے امام احمد رحمہ اللہ سے کہا:

”إِنِّي لَا زُجُو لَكَ أَنْ يَكُونَ يُدْعَى لَكَ فِي جَمِيعِ الْأَمْصَارِ“.

”مجھے امید ہے کہ آپ کے لیے تمام شہروں میں دعا کی جانی ہوگی،

تو امام احمد رحمہ اللہ نے جواب دیا: ”يَا أَبَا بَكْرٍ إِذَا عَرَفَ الرَّجُلُ نَفْسَهُ لَمَّا يَنْفَعُهُ كَلَامُ النَّاسِ“ [سیر أعلام النبلاء: ۲۱۱/۱۱]

”اے ابوبکر! جب ایک آدمی اپنے نفس کو پہچانتا ہو تو لوگوں کی باتیں اُسے کیا نفع دے سکتی ہیں؟“

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے چچا آپ کے پاس آئے اور کہا: اے بھتیجے! تم نے یہ کیا غم اور دکھ پال رکھے ہیں؟ امام احمد رحمہ اللہ نے سر اوپر اٹھایا اور کہا:

”يَا عَمِّ، طُوبَى لِمَنْ أَخْمَلَ اللَّهُ ذِكْرَهُ“..... ”اے چچا جان! اُس شخص کے لئے کامیابی ہے جسے اللہ تعالیٰ گناہ رکھے“

[سیر أعلام النبلاء: ۳۰۷/۱۱]

ابن محیریز رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے گناہی کا سوال کرتا ہوں۔

[سیر أعلام النبلاء: ۴۹۶/۴]

○ امام ذہبی رحمہ اللہ نے حافظ عبدالرحمن بن محمد بن مہران کی سوانح میں لکھا ہے کہ آپ رحمہ اللہ خود کو غنی رکھتے تھے اور آپ کی کوشش ہوتی کہ حدیث وغیرہ کو بیان کرنے کیلئے اپنے آپ کو آگے نہ لائیں۔ [سیر أعلام النبلاء: ۲۸۱/۱۸]

○ سعید المؤدب کا بیان ہے کہ جب میں ابو بکر الخطیب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے کہا: آپ ہی حافظ ابو بکر ہیں؟ فرمایا: حفظ تو دارقطنی رحمہ اللہ پر ختم ہو چکا۔

[سیر أعلام النبلاء: ۲۸۱/۱۸]

○ ابو وائل رحمہ اللہ جب اپنے گھر میں نماز پڑھتے تو رو رو کر ہنگی بندھ جاتی، لیکن کسی کے سامنے ایسا کرنے پر اگر انہیں پوری دنیا کی دولت بھی دی جائے تو ہرگز ایسا نہ کریں۔

[تلبیس ابلیس: ص-۱۴۲]

○ ایوب سختیانی رحمہ اللہ پر جب رونے کا غلبہ ہوتا تو اُس مجلس سے اٹھ جاتے۔

○ ابن جوزی رحمہ اللہ نے عبدہ بن سلیمان رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم روم کے علاقے میں معروف پیکار رہے، جب دشمن ہمارے سامنے آیا اور صفیں سیدھی ہو گئیں تو دشمن کے لشکر سے ایک آدمی نکلا اور دعوت مبارزت دی، اسلامی لشکر سے ایک نکلا، دونوں میں کچھ دیر مقابلہ ہوا، پھر رومی نے مسلمان کو نیزہ مار کر قتل کر دیا، پھر دوسرا نکلا، رومی نے اُسے بھی نیزے سے قتل کر دیا، پھر تیسرا نکلا، اُسے بھی قتل کر دیا۔

اُس نے پھر دعوت مبارزت دی۔..... پھر اسلامی لشکر سے ایک شخص نکلا اور کچھ دیر مقابلے کے بعد اُس نے رومی کو قتل کر دیا۔

پھر لوگ اُس شخص کے ارد گرد جمع ہو گئے، میں بھی جمع ہونے والوں میں شامل تھا، لیکن اُس نے اپنا چہرہ اپنی آستینوں سے چھپا رکھا تھا، میں نے اُسکی آستین کا کنارہ پکڑا اور کھینچ لیا، کیا دیکھتے ہیں کہ وہ شخص کوئی اور نہیں، عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ ہیں۔

میری اس حرکت پر آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: اے ابو عمرو! آپ بھی ہمیں رسوا کرنے والوں میں سے ہیں؟

اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ آپ پر نرم فرمائے! اس مخلص سردار کا طرز عمل دیکھنے کہ آپ رحمہ اللہ نے لوگوں کے دیکھنے اور تعریف کرنے کو اپنے اخلاص کیلئے خطرہ سمجھا اور کس طرح اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی۔

[تلبیس ابلیس: ص- ۱۴۷]

اسی طرح سیدنا اولیس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی آتا ہے کہ جب اُنکی تعریف کی شہرت ہو گئی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ گمنام لوگوں میں جا بسے اور کسی کو معلوم بھی نہ ہوا کہ آپ کہاں چلے گئے ہیں؟

[سیر اعلام النبلاء: ۴/۲۰]

○ حافظ ابو موسیٰ المدینی رحمۃ اللہ علیہ اس قدر متواضع تھے کہ چھوٹے بڑے تمام لوگوں کو پڑھاتے، مبتدی کی بھی رہنمائی فرماتے اور لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے سے منع کرتے۔

[سیر اعلام النبلاء: ۲۱/۱۵۶]

○ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے گھر سے نکلے تو کچھ لوگ اُنکے پیچھے چلنے لگے، آپ رحمۃ اللہ علیہ اُنکی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم کس بناء پر میرے پیچھے چل رہے ہو؟ اللہ کی قسم! اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں کن باتوں پر اپنا دروازہ بند کرتا ہوں (یعنی میری خلوت کیسی ہے) تو تم میں سے دو آدمی بھی میرے پیچھے نہ چلیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی ملتے ہیں: واپس پلٹ جاؤ، کیونکہ یہ بات پیچھے چلنے والے کیلئے باعث ذلت اور متبوع کیلئے باعث فتنہ ہے۔ [معنصر منهاج القاصدین: ص- ۲۰۹]

○ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جب چار سے زیادہ افراد جمع ہوتے تو آپ مجلس سے اٹھ جاتے۔

[معنصر منهاج القاصدین: ص- ۱۰۹، سیر اعلام النبلاء: ۴/۲۱۰]

○ خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ بھی جب بڑھ جاتا تو شہرت سے بچنے کیلئے مجلس سے کھڑے ہو جاتے اور گھر کی راہ لیتے۔ [معنصر منهاج القاصدین: ص- ۲۰۹]

○ عبدالرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنی مجلس سے اٹھے تو کچھ لوگ اُنکے پیچھے ہو لیے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اے لوگو! میرے پیچھے ہرگز مت چلو۔ کیونکہ ہم سے ابوالاصمب نے حسن بصری کے طریق سے روایت بیان کی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”خَفَقَ الْبَعَالُ خَلْفَ الْأَخْمَقِ قُلَّ مَا يَتَّقِي مِنْ دِينِهِ“.....

کسی احمق کے پیچھے جوتوں کا چرچہ انا اُسکے دین کو کم ہی باقی چھوڑتا ہے۔

[سیر اعلام النبلاء: ۲۰۷/۹]

شعبہ ۱۰۰ کا بیان ہے کہ کبھی کسی ضرورت کے تحت میں ایوب سختیانی کے ہمراہ نکلتا تو آپ ﷺ مجھے اپنے ساتھ چلنے کی اجازت نہ دیتے اور ادھر ادھر سے نکل جاتے، تاکہ لوگوں کو آپ کا پتہ نہ چلے۔ [سیر اعلام النبلاء: ۲۲/۶]

جب امام القدوة عبدالرحمن بن بندار العجلی ﷺ کرمان کے علاقے میں داخل ہوئے، تو وہاں کے لوگ آپ کے ہمراہ چلنے لگے، آپ ﷺ نے انہیں واپس بھیج دیا اور خود اکیلے ہی راہ پکڑی، جب کہ انکی زبان پر یہ شعر تھا۔

إِذَا نَحْنُ أَذْلَجْنَا وَأَنْتَ إِمَامُنَا  
كَفَى لِمَطَاهَنَا بِذِكْرِكَ حَادِيَا

”جب ہم رات کو سفر پر نکلیں اور آپ ہمارے امام در بہر ہوں، تو ہماری سوار یوں کو ہمیز کرنے کیلئے آپ کا ذکر ہی کفایت کرتا ہے“ [سیر اعلام النبلاء: ۱۳۷/۱۸]

امام محمد بن عمر المدینی ﷺ بھی لوگوں کو اپنے ہمراہ چلنے سے منع فرماتے تھے۔ [سیر اعلام النبلاء: ۱۵۶/۲۱]

امام احمد ﷺ بھی اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ راستے میں چلتے ہوئے کوئی انکے پیچھے چلے، اور آپ ﷺ فرمایا کرتے: مجھے ایسی جگہ مرغوب ہے جہاں کوئی دوسرا نہ ہو۔

[سیر اعلام النبلاء: ۲۲۶/۱۱]

فضیل ﷺ فرماتے ہیں: اگر میں کسی ایسے شخص کو دیکھوں، جس کے ارد گرد لوگ جمع ہوں تو میں کہتا ہوں کہ یہ دیوانہ ہے۔ ایسا کون ہو سکتا ہے جسکے ارد گرد لوگ جمع ہوں اور پھر وہ انکی خاطر اپنے کلام کو خوبصورت بنانے کی کوشش کرے۔ [سیر اعلام النبلاء: ۳۸۳/۸]

ابن جوزی ﷺ فرماتے ہیں:

سلف صالحین ہر اُس چیز کو خود سے دور کیا کرتے تھے جو انکی طرف اشارے کا موجب ہوتی، اور ہر اُس جگہ سے بھاگتے تھے جو انکی طرف اشارے کا باعث بنتی۔

یوسف بن أسباط رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں سَبَّح کے مقام سے پیدل ہی مصیصہ کی طرف چل پڑا، جبکہ چڑے کا تھیلا میری گردن پر لٹکا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ جب میں مصیصہ کے مقام پر پہنچا تو دائیں بائیں دکانوں سے نکل کر لوگ جوق در جوق مجھے سلام کرنے لگے، پھر میں نے تھیلا نیچے رکھا اور مسجد میں داخل ہو کر دو رکعتیں ادا کیں۔ لوگوں نے اپنی نظریں مجھ پر لٹکائیں، میں خود کو بڑا سخت جان خیال کرنے لگا۔ پھر میں نے دل میں کہا: اس حالت میں میرے دل کی درستی کب تک برقرار رہ سکتی ہے؟ پھر میں نے اپنا تھیلا اٹھایا اور پسینے و تھکاوٹ کے ساتھ واپس سَبَّح کی طرف پلٹ آیا۔ لیکن میرا دل دو سال تک واپس نہیں پلٹا۔ [تلبیس ابلیس: ص-۱۰۶]

أعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہم نے اُس بات کی انتہائی کوشش کی کہ ابراہیم غنی رحمۃ اللہ علیہ کو ستون کے ساتھ بٹھائیں، لیکن اُنکا انکار اٹھ رہا۔ [سنن دارمی ۱/۱۳۲]

حارث بن قیس الجعفی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جب تک ایک دو آدمی ہوتے تو آپ اُنکے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے رہتے، لیکن جب لوگوں کی تعداد اس سے زیادہ ہو جاتی تو محفل سے اٹھ کر جاتے۔ [سنن دارمی ۱/۱۳۲]

محمد بن سہرین رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ جب کوئی چلنے لگتا تو آپ رُک جاتے اور اُس سے پوچھتے: کیا آپکو کوئی ضرورت درپیش ہے؟ پھر اگر اُسکی کوئی ضرورت ہوتی تو اُسے پورا کر دیتے۔ اگر اس کے بعد بھی وہ آپ کے ہمراہ چلا تو دوبارہ ٹھہر جاتے اور اُس سے دریافت فرماتے: کیا تمہیں کوئی حاجت ہے؟ [سنن دارمی ۱/۱۳۳]

ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس بات سے بچو کہ لوگ تمہارے قدموں کی پیروی کریں۔ [سنن دارمی ۱/۱۳۳]

حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”إِنْ خَفَقَ النِّعَالُ حَوْلَ الرَّجَالِ قُلْ مَا يَلْبَثُ الْحَقُّ“۔ [دارمی ۱/۱۴۴]

عبد الرحمن بن یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہم نے علقمہ رحمہ اللہ سے کہا: اگر آپ مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد کچھ دیر ہمارے ساتھ بیٹھیں تاکہ آپ سے سوال جواب کر سکیں تو کیا خوب ہو۔ تو انہوں نے کہا: مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ لوگ کہیں یہ علقمہ ہے۔ [سیر اعلام النبلاء: ۵۸/۴]

عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں جمعہ کے دن مسجد میں بیٹھا کرتا تھا، جب زیادہ لوگ میری مجلس میں بیٹھتے تو مجھے خوشی ہوتی اور جب کم لوگ بیٹھتے تو غم ہوتا تھا، چنانچہ میں نے بشر بن منصور رحمہ اللہ سے یہ کیفیت بیان کی تو انہوں نے فرمایا: یہ بُری مجلس ہے، آئندہ اس کا رُخ مت کرنا۔ پھر اسکے بعد کبھی اس مجلس کی طرف نہیں پلٹا۔

[سیر اعلام النبلاء: ۱۹۶/۹]

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مَا زَأَيْتُ مِثْلَ أَحْمَدَ صَحْبِنَاهُ خَمْسِينَ سَنَةً مَا افْتَحَرَ عَلَيْنَا بَشِيءٌ مِمَّا كَانَ فِيهِ مِنَ الْخَيْرِ“

[سیر اعلام النبلاء: ۲۱۴/۱۱]

”ہم نے احمد رحمہ اللہ جیسی کوئی شخصیت نہیں دیکھی، ہم پچاس سال تک اُنکے ساتھ رہے لیکن انہوں نے اپنی کسی نیکی و بھلائی کا ثمر ہم پر نہیں جتایا“  
ثابت رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ محمد (بن سیرین) رحمہ اللہ نے مجھ سے کہا: اے ابو محمد! صرف شہرت کا خوف ہی مجھے تمہاری مجالس میں بیٹھنے سے روکتا ہے۔

[سیر اعلام النبلاء: ۲۰۹/۴]

○ ابو ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میں بات کرتا ہوں اور اگر اس سے بچنے کی کوئی سبیل ہوتی تو میں بات نہ کرتا۔ میں جس زمانے میں فقیہ بنے جا رہا ہوں یہ تو بڑا بُرا زمانہ ہے۔ [سیر اعلام النبلاء: ۵۲۶/۴]

○ یحییٰ السیبانی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ابن محیرز رحمہ اللہ نے ہم سے کہا: میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں، لیکن تم یہ مت کہنا کہ ہم سے ابن محیرز نے حدیث بیان کی۔ کیونکہ

مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ یہ قول مجھے کسی تکلیف دہ مقام پر جا گرائے گا۔

[سیر أعلام النبلاء: ۴/۴۹۶]

○ الحافظ الامام أحمد بن حسین بن خیرون البغدادی رحمہ اللہ کو لوگوں نے حافظ لکھا۔ تو آپ رحمہ اللہ اس بات پر غضبناک ہو گئے اور اُس ورق پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: کیا ہم نے اس لئے پڑھا ہے کہ لوگ ہمیں حافظ لکھیں؟ [سیر أعلام النبلاء: ۱۰۷/۱۹] اس طرح الامام الحافظ بن أحمد البغدادی ابن الحامصہ کے متعلق آتا ہے کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ ابن عقیل رحمہ اللہ انہیں اولیاء اللہ میں شمار کرتے ہیں تو فرمایا: شیخ کو دھوکہ لگا ہے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۱۱/۱۹]

○ حماد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں ایوب سختیانی کیساتھ چلا تو وہ چلنے کیلئے ایسے رستے پکڑتے کہ مجھے تعجب ہوتا کہ آپ لوگوں سے بچنے کیلئے کیسے کیسے راستے ڈھونڈتے ہیں تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ ایوب ہیں۔ [سیر أعلام النبلاء: ۲۲/۶]

○ فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں چاہتا ہوں کہ دوگوں میں میری موت کی خبر مشہور ہو جائے تاکہ میرے تذکرے کا باب بند ہو سکے۔ جب میں محدثین کی آواز سنتا ہوں تو مجھے اُنکے خوف سے پیشاب آ جاتا ہے۔ آپ رحمہ اللہ اُن سے کہا کرتے تھے کہ تم مجھے ایسی چیز پر کیوں مجبور کرتے ہو جسے میں ناپسند کرتا ہوں (یعنی روایت بیان کرنا)۔ اگر میں تمہارا غلام ہوتا تب بھی میں تمہیں اس بات پر مجبور کرتا کہ تم مجھے بیچ دو، اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں اپنی یہ چادر تمہیں دے دوں تو تم مجھے چھوڑ جاؤ گے تو میں ایسا ضرور کرتا۔

[سیر أعلام النبلاء: ۳۸۵/۸]

○ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ نے ایک آدمی پر صدقہ کیا تو اُس نے آپ کو دعا دینے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ فرمایا: "إِذَا فَقِ وَأَشْتَغِلْ بِحَدِيثِ أَخْرَ كَيْلَا يَعْلَمَ بِذَلِكَ أَحَدٌ"..... "مہربانی کرو اور کوئی دوسری بات کرو، تاکہ کسی کو یہ بات معلوم نہ ہو۔"

[سیر أعلام النبلاء: ۴۵۰/۱۲]



○ ابن قسیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی سچے اور مخلص انسان کیلئے عاجزی و انکساری سے بڑھ کر نفع مند کوئی چیز نہیں، عاجزی و مسکینی کچھ یوں اُسکے دل میں جاگزین ہو جائے کہ وہ خود کو کچھ نہ سمجھتا ہو، بلکہ کسی شرف و منزلت کا دعویٰ تو دور کی بات وہ تو ابھی تک اپنے اسلام کو بھی صحیح نہ سمجھتا ہو۔ اس حوالے سے میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے احوال کا جو مشاہدہ کیا ہے وہ کسی دوسرے کا نہیں کیا۔ آپ رحمہ اللہ اکثر کہا کرتے تھے: میرا کچھ نہیں، مجھ سے کچھ نہیں، مجھ میں کچھ نہیں۔ اور اکثر اوقات یہ شعر بھی پڑھا کرتے:

أَنَا الْمُكْدِي وَابْنُ الْمُكْدِي	وَهَكَذَا كَانَ أَبِي وَجَدِّي
-------------------------------------	--------------------------------

”میں تو کمتر آدمی ہوں اور کمتر آدمی کا بیٹا ہوں، اور میرے باپ دادا بھی ایسے ہی تھے“ اور جب منہ پر اُنکی تعریف کی جاتی تو فرماتے: ”وَاللّٰهُ اِنِّىْ اِلَى الْاَنِّ اُجِدُّ اِسْلَامِىْ كُلَّ وَلْتٍ، وَمَا اُسَلَّمْتُ بَعْدَ اِسْلَامًا جَيِّدًا“

”اللہ کی قسم! میرا تو آج تک یہ حال ہے کہ ہر وقت اپنے اسلام کی تجدید کرتا رہتا ہوں، اور ابھی تک تو میں ٹھیک سے مسلمان بھی نہیں ہوسکا“ [مدارج السالکین: ۱/۵۶۴]

### چوتھی فصل: شہرت پرستی اور مدح پسندی کا علاج

جب آپ نے مرض کو پہچان لیا تو فوری طور پر اسکے علاج کی فکر کیجئے۔ اور یہ بھی جان لیجئے کہ جب کوئی بیماری جسم میں اچھی طرح سرايت کر جائے تو پھر چھوٹی موٹی دوا کارگر نہیں ہوتی۔ اسکے علاج کیلئے کسی ٹھوس اور قوی دوا کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ عمر بھر کھٹکھٹ چلتی رہتی ہے، کبھی بیماری اپنی طرف کھینچ کر کڑھا کر دیتی ہے اور کبھی انسان کی قوت مدافعت بیماری کو دبا لیتی ہے۔ اسکی مثال اُس شخص کی طرح جو کسی درخت کی نیچے بیٹھ کر یکسوئی کیساتھ کسی بات پر غور کرنا چاہتا ہے لیکن درخت کے اوپر بیٹھی لاتعداد چڑیاں اپنی چہچہاہٹ کے ذریعے اُسے اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں۔ اُس شخص کے ہاتھ میں ایک شہنی ہے جسکے ذریعے

وہ چیزوں کو بھگاتا ہے، لیکن ابھی اُسکی فکر مجتمع ہی نہیں ہو پاتی کہ چیزیاں دوبارہ لوٹ آتی ہیں اور وہ دوبارہ انہیں بھگانے لگ جاتا ہے۔ پھر اُسے مشورہ دیا جاتا ہے کہ بھائی! یہ سلسلہ ختم ہونے والا نہیں، اگر آپ واقعی ان سے خلاصی چاہتے ہیں تو درخت کو جڑ سے کاٹ دیجئے۔ اسی طرح خواہشات کا درخت بھی جب جڑ پکڑ لے اور اسکی شاخیں خوب پھیل جائیں تو وہ سوچتے سمجھتے چیزیاں درخت کی طرف اور کھیاں گندگی کی طرف کھینچی چلی آتی ہیں۔ چنانچہ یہ قیمتی زندگی ایسی چیزوں کو خود سے دور کرنے میں گزر جاتی ہے جو دور جانے کی ہی نہیں..... کیونکہ اُنکو اپنی طرف کھینچنے والا مقناطیس (خواہشات) جو موجود ہیں۔ اور ان خواہشات کا موجب بھی دُنیا کی محبت کے سوا اور کچھ نہیں۔

[مختصر منهاج القاصدین - ص: ۳۱]

میرے محترم بھائی! جلد از جلد خواہشات و اُہواء کے درخت کو جڑ سے کاٹ پھینکنے کی کوشش کیجئے تاکہ آپکی زندگی میں اس کفکاش میں رُلنے کی بجائے اللہ کی محبتوں سے معمور رہے اور آپ کمال کی منزلیں طے کر سکیں۔

چند اُمور اس حوالے سے مفید ثابت ہو سکتے ہیں:

(۱)..... اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے توفیق مانگنا، عاجزی و انکساری کیساتھ اُسکے حضور التجاء کرنا، اور تمام اقوال و افعال میں اخلاص کا سوال کرنا۔

(۲)..... کثرت کیساتھ قرآن کریم کی تلاوت اور اس پر تدبر کرنا بھی اس حوالے سے دوائے شافی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَنَزِيلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾

”اور ہم قرآن میں سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کیلئے شفاء اور رحمت ہے۔“

[الاسراء/۸۲]

○ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دلوں کے امراض کا نچوڑ دو چیزوں میں ہے: شبہات اور شہوات۔ جبکہ قرآن دونوں کیلئے شفاء ہے۔ کیونکہ اس میں ایسے واضح اور قطعی دلائل ہیں جو

حق و باطل سے ممتاز کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں شبہات دم توڑ دیتے ہیں، چنانچہ علم و ادراک کے دروازے انسان پر کھل جاتے ہیں..... اور جہاں تک شہوات کی بیماری کا تعلق ہے تو قرآن کریم اپنی بہترین حکمت و نصیحت، ترغیب و ترہیب، دنیا سے بے رغبتی، آخرت کی طرف، آنکھیں کھول دینے والے شہوات کا بھی قلع قمع کرتا ہے، جسکے نتیجے میں دلوں کی اصلاح ہوتی ہے، خیالات پاکیزہ اور ارادے مضبوط ہو جاتے ہیں، اور بندے کے اختیاری و کسی افعال بھی درست ہو جاتے ہیں۔

[اغاثۃ اللہفان ۱/۴۴]

(۳)..... دل کی بیماری کا ادراک اور اسکے علاج کی فکر کرنا۔ کیونکہ اگر کسی کو معلوم نہیں کہ اُس کا دل بیمار ہے تو پھر وہ علاج کی تک و دو کیسے کر سکتا ہے؟ اور دل کا مرض تو کبھی اتنا پوشیدہ ہوتا ہے کہ کافی تلاش و بسیار کے بعد اُس کا کوئی سراہا تھ آتا ہے۔

○ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بدن کا ہر عضو کسی خاص فعل کو سرانجام دے اور اس عضو کا مرض یہ ہے کہ اُس خاص فعل کو بجالانے سے قاصر ہو، یا ادا تو کرے لیکن اضطراب و قلق کیساتھ..... اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دل سخت بیمار ہوتا ہے لیکن انسان کو اسکی خبر ہی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ اسکی صحت و علاج کی معرفت و اسباب سے بہت دور کسی اور عی وادی میں گمن ہوتا ہے۔ بلکہ کبھی تو دل مردہ ہو جاتا ہے لیکن اسے شعور نہیں ہوتا۔

[اغاثۃ اللہفان: ۱/۶۸]

(۴)..... اپنے نفس کیساتھ جنگ کرنا اور ہر صورت اطاعت الہی کا پابند بنانا، اور اس پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا۔ کیونکہ مبر کے بغیر کوئی بھی اپنی مراد نہیں پاسکتا۔ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کبھی انسان کو اپنے دل کی بیماری کا احساس تو ہوتا ہے لیکن اس کے علاج کیلئے کڑوی دوا کا لگنا اور اس پر صبر کرنا اُسکے لیے مشکل ہوتا ہے، لہذا وہ بیماری کی تکلیف پر دوا کی مشقت کو ترجیح دیتا ہے۔ خواہشات کی مخالفت کرنا ہی اسکی دوا ہے لیکن نفس

پر ایسا کرنا مشکل ترین ہے، اگرچہ یہی چیز نفس کیلئے سب سے زیادہ نفع بخش بھی ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنے نفس کو صبر پر آمادہ کرتا ہے لیکن علم و بصیرت اور صبر کی کمی کے باعث وہ استقامت نہیں دکھایا تا اور اسکا ارادہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔

[اغاثۃ اللہان: ۱/ ۶۸]

اسی طرح آپ ﷺ فرماتے ہیں: شبہات کا فتنہ یقین کے ذریعے دفع ہوتا ہے اور شہوات کا فتنہ صبر کے ذریعے دور ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے امامت فی الدین کو انہی دو باتوں کیساتھ مشروط کیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أُمَّةً يُهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾ ..... ”اور جب انہوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے کچھ ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے“

[السجدة: ۲۴]

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ یقین اور صبر ہی ایسی چیز ہے جس کے ذریعے امامت فی الدین کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ انہی دو چیزوں کا جمع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾. [العصر: ۳]

(۵).... تکبر و نخوت کا مظاہرہ کرنے کے بجائے نصیحت کو قبول کرنا اور اپنی غلطی مان لینا۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ایسا مخلص آدمی جو ممکن ہے کہ شہرت پسند بھی ہو لیکن اُسے اس بات کا شعور نہ ہو، اسکی علامت یہ ہے کہ اُسے کسی غلطی پر ٹوٹا جائے تو وہ غضبناک نہیں ہوتا اور خود کو بری قرار دینے کی بجائے غلطی کا اعتراف کرتا ہے اور کہتا ہے: اللہ تعالیٰ اُس شخص پر رحم فرمائے جو مجھے میرے عیب بتلائے۔ ایسا شخص خود پسند بھی نہیں ہوتا۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اُسے اپنے عیوب کا شعور نہیں ہوتا اور نہ ہی اس لاشعوری کا ادراک کر پاتا ہے۔ یہ ایک پرانا اور دائمی مرض ہے۔ [سیر أعلام النبلاء: ۷/ ۳۹۳]

(۶)..... شہرت کی طرف جانے والے تمام راستوں کا سد باب کرنا۔ مثلاً:

ا.....منہ پر تعریف کرنے والوں کو چپ کرانا۔

ب.....مناظرے بازی اور فضول بحثوں سے اجتناب کرنا۔

ج.....اپنے نفس کو حقیر جاننا اور اسے پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھنا۔

د.....سلف صالحین کی سیرت کو اپنے سامنے رکھنا اور انکی پیروی کرنا۔

ہ.....فتویٰ دینے میں جلدی نہ کرنا اور بغیر علم کے کوئی بات نہ کہنا۔

○ امام ذہبی رحمہ اللہ طلب علم کے حوالے سے توبہ و اخلاص پر بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایسا بھی ہوتا ہے کہ طالب علم اپنی فاسد نیت پر نامد ہو اور اس سے توبہ کر لے۔ اسکی علامت یہ ہے کہ وہ لمبے چوڑے دعوے نہ کرے، مناظرے بازی کو پسند نہ کرے، اپنے علم کی کثرت نہ جتلائے، اور اپنے نفس کو حقیر جانے۔ اور اگر کوئی علم کی کثرت کا دعویٰ کرتا ہے، یا یہ کہتا ہے کہ میں فلاں سے زیادہ علم رکھتا ہوں تو وہ اخلاص سے کوسوں دور ہے۔

[سیر أعلام النبلاء: ۱۷/۷]

(۷)..... اسی طرح آپ کو یہ بات بھی پلے باندھ لینی چاہئے کہ ہر چیز کی حقیقت ایک نہ ایک دن کھل کر رہتی ہے، بے وقوف سدا بے وقوف ہی رہتا ہے خواہ کتنی ہی عقلمندی دکھائے، بخیل تو بخیل ہی ہوتا ہے اگرچہ کتنے ہی سخی پن کا دعویٰ کرے، جاہل بھی جاہل ہی رہتا ہے چاہے علم کا دعویٰ کیوں نہ کرے، اور بزدل کی شناخت بزدلی ہی ہوتی ہے بھلے بہادری دکھانے کے جتن کرے۔ اور اسی طرح دیگر معاملات اپنی اصلیت پر قائم رہتے ہیں۔

وَمَهْمَا تَكُنْ عِنْدَ امْرِئٍ مِنْ خَلِيقَةٍ	وَإِنْ خَالَهَا تَخْفَى عَلَى النَّاسِ تَعْلَمُ
--	---

”کسی شخص میں جو بھی عادت پائی جائے، اگرچہ وہ اُسے لوگوں پر مخفی سمجھتا ہو لیکن ظاہر ہو

کر رہتی ہے“ [سیر أعلام النبلاء: ۱۷/۷]

○ زہر بن ہذیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مَنْ لَعَدَ قَبْلَ وَفَّيْهِ ذُلٌّ“۔

”جو شخص اپنے وقت سے پہلے (درس و افتاء کی سند پر) بیٹھا وہ ذلیل ہو گیا۔“  
 ○ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُذَكَّرَ لَمْ يُذَكَّرْ، وَمَنْ كَبَّرَ أَنْ يُذَكَّرَ ذُكِّرَ“ [سیر اعلام النبلاء: ۳۸۱/۸]  
 ”جس نے یہ چاہا کہ اُس کا تذکرہ ہو، اُس کا تذکرہ نہیں ہوتا، اور جو ذکر خیر کو ناپسند کرے اُس کا ذکر خیر پھیل جاتا ہے“

(۸).... دنیا اور اُسکی لذات میں بے رغبتی اور اللہ کے ہاں اسکی حقارت و کمتری کا احساس بھی اس حوالے سے مفید ہے کہ یہ دنیا اگر اللہ کے نزدیک پتھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔ یہ بے وفاد دنیا تو سراب کی مانند ہے۔  
 اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِغْلَمُوا أَلَمَّا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبَ وَلَهُمْ زِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهْبِجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْفُورُزِ﴾ [الحديد: ۲۰]

”تم جان لو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل تماشاہ اور زینت ہے اور آپس میں فخر جتنا اور ایک دوسرے پر مال اور اولاد میں کثرت جتنا ہے۔ (اس کی مثال یوں ہے) جیسے بارش کہ اس سے (پیدا شدہ) نباتات کسانوں کو خوش کرتی ہیں، پھر وہ خشک ہو جاتی ہیں تو آپ اسے زرد ہوتی دیکھتے ہیں، پھر وہ چور چور ہو جاتی ہیں، اور آخرت میں (کفار کیلئے) شدید عذاب ہے، اور (مومنوں کیلئے) اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیاوی زندگی تو بس دھوکے کا سامان ہے۔

(۹)..... اللہ تعالیٰ نے اپنے دار کرامت میں مخلصین و مصدقین کیلئے جو دائمی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں اُنکی آرزو اور امید دل میں پیدا کرنا۔

(۱۰)..... اپنی عقل کا احترام کرنا اور غفلت و لاپرواہی سے اجتناب کرنا۔ کیونکہ اپنی عقل اور ضمیر سے رہنمائی لینے کی بجائے لوگوں کی جھوٹی تعریفوں پر کان دھرنا بے وقوفی نہیں تو اور

کیا ہے؟ اس سے بڑھ کر عقل کی توہین اور کیا ہو سکتی ہے؟

### خاتمہ

جس شخص کے دل میں حب جاہ کا جذبہ غالب آجائے پھر وہ ہمیشہ لوگوں کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے، اسکے تمام اقوال و افعال میں صرف لوگوں کی چاہت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور یہ طرز عمل نفاق کا بیج اور فساد کی جڑ ہے۔ کیونکہ جو شخص لوگوں کے دلوں میں قدر و منزلت کا طلبگار ہو وہ منافقت سے کام لیتے ہوئے لوگوں کے سامنے اپنی ایسی خوبیاں بیان کرتا ہے جو دراصل اس میں ہوتی ہی نہیں، پھر عبادات میں ریاکاری اور محظورات کا ارتکاب اسکے سوا ہے۔ مقصد یہی ہے کہ لوگوں کے دل اسکے جال میں پھنس جائیں۔

[مختصر منهاج القاصدین - ص: ۲۱۱]

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مطلق طور پر دل کی سلامتی اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ پانچ چیزوں سے پاک صاف نہ ہو جائے:

①..... شرک جو توحید کی ضد ہے

②..... بدعت جو سنت کے خلاف ہے

③..... شہوت جو احکامات الہی کی پابندی سے روکتی ہے

④..... غفلت جو انسان کو ذکر و فراموش بنا دیتی ہے

⑤..... مخفی خواہش جو تجرد و اخلاص کے منافی ہے۔ [الداء والدواء - ص: ۲۱۹]

میرے محترم بھائی! اپنے اقوال و افعال کو اپنے خالق و مالک کیلئے خالص کر لیجئے..... اگرچہ انسانی نفس دنیا میں رفعت و برتری کو پسند کرتا ہے جس کے نتیجے میں تکبر و حسد جیسے امراض پھوٹتے..... لیکن عقلمند تو وہی ہے جو دائمی رفعتوں اور اللہ کی رضا و قرب کو ترجیح دیتا اور حصول کیلئے دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ جبکہ دنیا کی عارضی و فانی بلندی سے اور احساس برتری کی اسے کوئی چاہت نہیں ہوتی کیونکہ اس کا نتیجہ اللہ تعالیٰ سے دوری، اسکی ناراضگی

اور بندے کی ذلت و خواری کی صورت میں ہی لکھتا ہے۔ [الرسائل المنیریہ: ۱۴/۲]  
میرے محترم بھائی! ممکن ہے کہ لوگوں کی جس تعریف پر آپ خوش اور لذات محسوس کرتے ہیں وہی تعریف آپ کے لئے باعثِ ہلاکت ہو۔

وَكَمْ قَوْلٍ مِّنْهُ مَبِغُةٌ	وَكَمْ قَوْلٍ مِّنْهُ مَبِغُةٌ
--------------------------------	--------------------------------

”کتنے ہی شہد پینے والے ہیں کہ وہ شہد ہی اُنکی موت کا سبب بنتا ہے، اور کتنے ہی تلوار لٹکانے والے ایسے ہیں کہ اُسی تلوار سے انہیں ذبح کیا جاتا ہے“

[سیر اعلام النبلاء: ۲۹۶/۱۸]

آپ کے پاس جو بھی نعمتیں ہیں، سب سے پہلے آپ خود اُن سے مستفید ہوں، اور ابن اللیل الدوری رحمہ اللہ کے اس قول کا مصداق نہ بنیں

كَأَنِّي شَمْعَةٌ مَا بَيْنَ قَوْمٍ	تُضِيءُ لَهُمْ وَيُخْرِقُهَا اللَّهِيبُ
كَأَنِّي مَغِيْطٌ يَكْشُو أَمَامًا	وَجَسْمِي مِنْ مَلَأِيهِ سَلِيْبٌ

”گو یا میں قوم کے درمیان رکھی ہوئی شمع ہوں، جو لوگوں کو تو روشنی مہیا کرتی ہے لیکن خود اُسے شعلے جلا رہے ہوتے ہیں۔

گو یا میں تو وہ سوئی ہوں جو لوگوں کو لباس پہناتی ہے، لیکن میرا اپنا جسم تو سدالباس سے محروم ہی رہتا ہے“

حقیقی رفعت سے ہمکنار ہونے کی جستجو کیجئے اور ہر لحظہ امامِ ہستی کی اس بات کو ملحوظ رکھیے:

أَمْرَانِ مُفْعَرٍ فَإِنْ لَسْتَ قَرَاهِمَا	يَتَشَوَّانِ لِيُخْلَطِيَّةٌ وَتَلَاهِي
طَلَبُ الْمَعَادِ مَعَ الرَّقَاصَةِ وَالْعُلَى	فَدَعِ الْيَدِي يَفْنَى لِمَا هُوَ بَاقِي

”دو چیزیں جو ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں، آپ بھی انہیں باہمی آمیزش و ملاقات کی رغبت کرتے ہوئے نہ دیکھیں گے

دنیا میں ریاست و برتری کیساتھ آخرت کی طلب (ایک دوسرے کی ضد ہیں)



لہذا باقی رہنے والی چیز کی خاطر فانی کو چھوڑ دیجئے۔“

والحمد للہ رب العالمین

”الشهوة الخفية“ نامی رسالہ یہاں اختتام پذیر ہوا۔



## ۴۱ - فائدہ

## صحیح نیت کے فضائل اور اس کا مفہوم

تمام کے تمام اعمال نیت کیساتھ مربوط ہیں لہذا سب سے پہلے نیت کی معرفت اور صحیح ضروری ہے، تاکہ ہمارے اعمال اللہ کے میزان میں قبولیت کا درجہ پاسکیں۔ تمام اعمال واحوال، حرکات وسکناات، حتیٰ کہ پوری کائنات پر نیت کے بدلنے سے عجیب تاثیر پیدا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَسَيَجْزِيهَا الْاَتَقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلَى وَلَسَوْفَ يَرْضَى﴾.

[اللیل: ۱۷-۱۸-۱۹-۲۰-۲۱]

”اور بڑا متقی اس سے ضرور دور رکھا جائے گا۔ جو پاک ہونے کیلئے اپنا مال دیتا ہے۔ اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو، مگر صرف اپنے رب برتر کا چہرہ چاہتے ہوئے (مال خرچ کرتا ہے)۔ اور یقیناً وہ (اللہ) جلد اس سے راضی ہوگا۔

اور فرمایا: ﴿وَمَا تَنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ﴾ ..... [البقرة: ۷۲]

”اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو وہ اللہ کی رضا حاصل کرنے ہی کیلئے کرتے ہو“

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَىٰ لِمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِيَ حِجْرَتُهُ اِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا اَوْ اِمْرَاَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ حِجْرَتُهُ اِلَى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ“

[متفق علیہ]

”تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کیلئے وہی کچھ ہے جو اُس نے نیت کی،

چنانچہ جس کی ہجرت اللہ اور اُسکے رسول کی طرف ہوئی تو اُسکی ہجرت اللہ اور اُسکے رسول کی طرف ہی (شمار) ہوگی، اور جس نے دنیا حاصل کرنے، یا کسی عورت سے شادی کرنے کیلئے ہجرت کی تو اُسکی ہجرت اُسی چیز کیلئے (شمار) ہوگی، جس کیلئے اُس نے ہجرت کی“  
نیت کی درستی یہ ہے کہ بندہ اپنے اعمال کے ذریعے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا چاہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا﴾ [النساء: ۳۵]  
”اگر وہ دونوں (میاں بیوی) صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں میں موافقت پیدا کر دیگا“  
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نیت کو توفیق کا سبب قرار دیا ہے۔

نیز آپ ﷺ کا فرمان: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صَوْرَتِكُمْ وَلَا إِلَى أَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ“ [مسلم: عن أبي هريرة رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ]

”بے شک اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتیں دیکھتا ہے اور نہ ہی تمہارے اموال، لیکن وہ تمہارے دل اور تمہارے اعمال دیکھتا ہے“  
دلوں کو دیکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ نیتوں کا محل ہے۔

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

”إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ أَعْمَالًا حَسَنَةً فَتَضَعُ الْمَلَائِكَةُ فِي صُحُفٍ مُنْحَمَةٍ فَتُلْقَىٰ بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ تَعَالَىٰ فَيَقُولُ: أَلْقُوا هَذِهِ الصَّحِيفَةَ فَإِنَّهُ لَمْ يَرُدِّ بِهَا فِيهَا وَجْهِي ثُمَّ يُنَادِي الْمَلَائِكَةُ: اكْتُبُوا لَهُ كَذَا وَكَذَا، اكْتُبُوا لَهُ كَذَا وَكَذَا، فَيَقُولُونَ: يَا رَبَّنَا إِنَّهُ لَمْ يَعْمَلْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَىٰ: إِنَّهُ نَوَافُ“

”بے شک بندہ کچھ اچھے اعمال کرتا ہے، پھر فرشتے انہیں مہربلب صحیفوں میں لیکر اوپر چڑھ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس صحیفے کو پھینک دو، کیونکہ اس میں موجود اعمال کے ذریعے اس نے میری رضا نہیں چاہی تھی، پھر فرشتوں کو ندا لگاتا ہے، اس کیلئے فلاں فلاں عمل لکھ دو، اس کیلئے فلاں اور فلاں نیکی لکھ دو۔ فرشتے کہتے ہیں: اے ہمارے رب! اس نے تو ان میں سے کوئی عمل نہیں کیا۔ تو اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے: اس نے انکی نیت کی ہے“

(اسے دارقطنی رحمہ اللہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے طریق سے حسن کیساتھ روایت کیا ہے)  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”یہ دنیا چار قسم کے لوگوں پر مشتمل ہے: ایک تو وہ آدمی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علم اور مال سے نوازا ہو اور اپنے مال میں اپنے علم کے مطابق عمل کرے، دوسرا وہ شخص جسے علم سے نوازا گیا ہو لیکن وہ مال سے محروم ہو اور یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے بھی فلاں شخص کی طرح مال سے نوازا تو میں بھی اُسی جیسا عمل کرتا، یہ دونوں اجر میں برابر ہیں۔ تیسرا وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال تو دیا ہے لیکن علم نہیں دیا، چنانچہ وہ اپنے مال میں من مانیاں کرتا ہے اور چوتھا وہ آدمی جو کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس کی طرح مال دیتا تو میں بھی من مانیاں کرتا، یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں“

(اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے صحیح سند کیساتھ روایت کیا)

اس حدیث پر غور فرمائیے کہ کس طرح ایک شخص اپنی نیت کے ذریعے اچھے اور برے اعمال میں شریک ہو جاتا ہے اور نیت کی قدر و قیمت کا اندازہ کیجئے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ”بے شک مدینہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ تم جو راستہ یا وادی بھی طے کرتے ہو تو وہ تمہارے ہمراہ ہوتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کیا: حالانکہ وہ مدینہ میں ہیں: فرمایا: ہاں! جب کہ وہ مدینہ میں ہیں، کیونکہ انہیں مرض نے روک رکھا ہے۔“ انہیں عذر نے روک رکھا ہے۔“

سنن نسائی کی ایک حدیث میں آتا ہے: ”جو کسی غزوے میں شریک ہوا جبکہ اُسکی نیت فقط ایک رسی کا حصول تھی، تو اُس کیلئے وہی ہے جو اُس نے نیت کی۔“

سنن ابوداؤد میں ابویعلیٰ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے غزوے میں شرکت کیلئے کسی کو اجرت پر رکھا اور اُس کیلئے تین دینار مقرر کیے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کیلئے دنیا و آخرت میں بھی تین دینار ہیں جو مقرر کر دیئے گئے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے:

”مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُفِّرَتْ لَهُ حَسَنَةٌ“. [منفق علیہ]

”جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے لیکن اُس پر عمل نہ کر سکے تب بھی اُس کیلئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے“

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے:

”مَنْ كَانَتْ الدُّنْيَا بَيْتَهُ جَعَلَ اللَّهُ فُقْرَةً بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَفَرَّقَ اللَّهُ عَلَيْهِ شَمْلَهُ وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا تُحِبُّ لَهُ مِنْهَا، وَمَنْ كَانَتْ الْآخِرَةُ بَيْتَهُ جَمَعَ اللَّهُ لَهُ شَمْلَهُ وَجَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ“

[حدیث صحیح رواہ ابن ماجہ]

”دنیا ہی جسکی نیت بن جائے اللہ تعالیٰ اُسکی محتاجی کو اُسکی آنکھوں کے درمیان ظاہر کر دیتا ہے اور اُسکے معاملات کو بکھیر دیتا ہے، جبکہ اُس دنیا کی فقط اتنی ہی حاصل ہوتی ہے جتنی اُسکی تقدیر میں لکھ دی گئی ہے۔ اور جسکی تمام تر نیت آخرت ہی بن جائے تو اللہ تعالیٰ اُسکے معاملات کو سمیٹ دیتا ہے، اُسکے دل میں لوگوں سے بے پروائی ڈال دیتا ہے اور دنیا بھی ذلیل ہو کر اُسکے پاس آتی ہے“

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”جب دو صفوں کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں: فلاں دنیا کی خاطر لڑ رہا ہے، فلاں طیش میں آ کر لڑ رہا ہے، فلاں عصبیت کیلئے لڑ رہا ہے، لہذا خبردار! یہ مت کہا کرو کہ فلاں اللہ کے راستے میں مارا گیا۔ کیونکہ جو شخص صرف اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ کا کلمہ سر بلند ہو، وہ اللہ کے راستے میں ہے۔

[الزهد لابن مبارک]

صحیحین میں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب دو مسلمان تلوار سونت کر ایک دوسرے کے مد مقابل ہوتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنم میں جاتے ہیں۔ (مقتول کے جہنم میں جانے کی وجہ یہی ہے کہ وہ بھی قاتل کو قتل کرنے کا عزم کر چکا تھا) اسی طرح مسند احمد میں سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ایک حدیث منقول ہے کہ جس نے کسی عورت کیساتھ مقرر کردہ مہر پر شادی کی لیکن وہ ادا نیکی کا ارادہ نہیں رکھتا، وہ زانی ہے،

اور جس نے کسی سے قرض لیا جبکہ وہ ادائیگی کا ارادہ نہیں رکھتا، تو وہ چور ہے۔  
(اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے)

○ اسحاق بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
”جس نے اللہ کیلئے خوشبو لگائی، قیامت کے دن جب وہ آئیگا تو اُس کے بدن سے  
کتھوری سے بھی زیادہ تیز مہک پھوٹ رہی ہوگی، اور جس نے غیر اللہ کے لئے خوشبو لگائی،  
تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئیگا کہ اُسکے جسم سے مردار سے بھی زیادہ بدبو آ رہی ہو  
گی۔ (مصنف عبدالرزاق ۴/۳۱۹، اسکے راوی ثقہ ہیں، لیکن یہ مرسل ہے)

○ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ امور کی بجا آوری کرنا،  
حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرنا، اور نیت کو سچا رکھنا افضل ترین اعمال میں سے ہے۔

○ سالم بن عبد اللہ نے ایک موقع پر عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے کہا: جان رکھیے کہ  
بندے کیلئے اللہ تعالیٰ کی مدد اُسکی نیت کے مطابق ہوتی ہے، جس کی نیت کامل ہو اُسکو مدد بھی  
کامل ملتی ہے، اور جسکی نیت میں جتنا نقص ہو، اللہ کی مدد بھی اتنی ہی کم ہو جاتی ہے۔

○ بعض سلف کا قول ہے: کتنے ہی چھوٹے اعمال ایسے ہیں جنہیں نیت بڑا کر دیتی ہے او  
ر کتنے ہی بڑے بڑے اعمال ہیں جنہیں نیت چھوٹا اور حقیر بنا دیتی ہے۔

○ سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”وہ (سلف صالحین) عمل کیلئے نیت کو اسی طرح سیکھتے تھے جس طرح تم عمل سیکھتے ہو۔

○ بعض سلف کا قول ہے: ”عمل سے پہلے عمل کی نیت طلب کرو۔ اور جب تک آپ

بھلائی کی نیت پر قائم ہیں گویا اُس وقت تک آپ بھلائی پر ہی ہیں۔

کسی نیک آدمی کے متعلق آتا ہے کہ وہ علماء کے پاس جایا کرتے اور اُن سے پوچھتے:

کون ہے جو مجھے کوئی ایسا عمل بتلائے جسکی وجہ سے میں ہر وقت اللہ کی عبادت کرتا  
رہوں، کیونکہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ دن اور رات کی کسی گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت  
سے غافل رہوں؟

کسی نے انہیں جواب دیتے ہوئے کہا: آپ نے اپنی مراد پالی۔ ایسا کیجئے کہ بقدر استطاعت اعمال کیجئے اور جب تھکاوٹ و در ماندگی کا شکار ہو جائیں تو نیک عمل کی نیت و ارادہ ضرور رکھیں، کیونکہ نیکی کا ارادہ کرنے والا بھی نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔ بعض سلف کا قول ہے: تم پر اللہ تعالیٰ کی اس قدر نعمتیں ہیں کہ تم انہیں شمار نہیں کر سکتے، اور تمہارے گناہ اس قدر مغفی بھی ہوتے ہیں کہ تم انہیں جان نہیں سکتے۔ لہذا صبح شام تو بہ کرو، تاکہ اس دوران ہونے والے گناہ معاف کر دیے جائیں۔

○ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”صرف نیتیں ہی ہیں جنکی وجہ سے جنتی ہمیشہ جنت اور جہنمی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تو رات میں لکھا ہے کہ جس عمل سے میری رضا چاہی جائے اُسکی کم مقدار بھی زیادہ ہے اور جس عمل سے میرے علاوہ کسی دوسرے کی رضا مقصود ہو تو اُسکی زیادہ مقدار بھی کم ہے۔“

○ ہلال بن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”جب کوئی بندہ مومنوں والی بات کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے یونہی نہیں چھوڑتا بلکہ اُسکا عمل دیکھتا ہے، اور جب وہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اُسکا ورع و تقویٰ دیکھتا ہے، پھر اگر وہ ورع و تقویٰ بھی اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اُسکی نیت دیکھتا ہے۔ جس شخص کی نیت درست ہو جائے اُسکے باقی معاملات بھی درست قرار پاتے ہیں۔ چنانچہ تمام اعمال کا مسنون نیت ہے، عمل نیت کا محتاج ہے اور اسی کی وجہ سے وہ نیکی بنتا ہے، جب کہ نیت خود ایک نیکی ہے اگرچہ کسی رکاوٹ کے سبب عمل کی نوبت ہی نہ آئے۔ (دیکھئے: الاحیاء ۵/۱۵۷-۱۵۹)

○ تفسیر قرطبی (۳۳۰/۱۳) میں ایک حدیث مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قول کو عمل کے بغیر قبول نہیں کرتا، اور کسی قول و عمل کو نیت کے بغیر بھی قبول نہیں کرتا، اور قول و عمل اور نیت کو بھی اُس وقت تک قبول نہیں فرماتا جب تک وہ سنت کے مطابق نہ ہو۔ (در اصل یہ سلف صالحین میں سے کسی کا قول ہے جو انتہائی مفید ہے)

## نیت کی حقیقت

قصد ارادہ اور نیت ہم معنی الفاظ ہیں۔ نیت دراصل دل کی کیفیت کا نام ہے جو دو امور پر مشتمل ہے: علم اور عمل..... جب تک کسی چیز کا علم نہ ہو اُس وقت تک اُسکے متعلق کوئی ارادہ بن ہی نہیں سکتا۔ (مثلاً ایک شخص کو معلوم ہی نہیں کہ فلاں عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہے تو ایسا شخص اس عمل کے ذریعے اللہ کی رضا کا قصد کیسے کر سکتا ہے) اور جب کسی چیز کی حقیقت کا علم حاصل ہو گیا تو اب اپنے ارادے اور قصد کو فقط اللہ کی رضا کیساتھ جوڑنا نیت کا عمل کہلاتا ہے۔

انسان کا ہر عمل کسی متوقع غرض کیساتھ جڑا ہوتا ہے اور وہ متوقع غرض ہی اس عمل کا باعث اور محرک بنتی ہے، گویا وہ غرض ہی اصل قصد اور مراد ہے اور نفس کا اُسکی طرف میلان ہی عمل نیت ہے خواہ زبان سے کوئی انسان کچھ بھی کہتا ہے۔ پھر کبھی یہ غرض ایک ہوتی ہے اور کبھی ایک سے زیادہ۔ جب تک انسان کے دل میں کسی چیز کی رغبت پیدا نہیں ہوتی اُس وقت تک عمل نیت ممکن نہیں۔ مثلاً کسی شخص کا پیٹ بھرا ہوا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں کھانے کی طرف میلان در رغبت کی نیت کرتا ہوں یا کوئی عشق سے پیدل شخص کہے کہ میں عشق کی نیت کرتا ہوں۔

لہذا نیت کی درستی کیلئے اُن اسباب کو مہیا کرنا بھی ضروری ہے جو انسان کے دل میں للہیت کا جذبہ اور عمل کی رغبت پیدا کریں۔

پھر یہ اسباب بھی کبھی تو انسان کی قدرت میں ہوتے ہیں اور کبھی اسکی قدرت و اختیار سے باہر ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص پر شہوت کا غلبہ ہے تو وہ اپنی بیوی سے ہمسری کرتے وقت صرف یہی بات پیش نظر رکھے گا، ناکہ اولاد کا حصول۔ کیونکہ شہوت اس پر غالب ہے۔ بہت سے لوگ بلکہ اکثر لوگ نکاح کے موقع پر اتباع سنت یا حصول اولاد کا جذبہ نہیں رکھتے (اور یہ جذبہ ہی اصل نیت ہے) بلکہ صرف اور صرف شہوات کی تکمیل اور



دنیاوی عیش و عشرت ہی اُسکے پیش نظر ہوتی ہے۔

سبحان اللہ! تمام اعمال میں نیتوں کو خالص کرنا کتنا مشکل کام ہے اور ہم اس منزل سے کس قدر دور ہیں!! واللہ المستعان

### نیت کو خالص و صحیح بنانے کے اسباب

- (۱).....رب تعالیٰ کی عظمت کا احساس پیدا کر کے اپنے ایمان مضبوط کرنا۔
  - (۲).....شریعت مطہرہ پر مضبوطی کیساتھ ایمان لانا اور یہ یقین کر لینا کہ یہ اللہ کا دین اور اُسکی رضا جوئی کا ذریعہ ہے۔
  - (۳).....اس عمل کے دنیوی و آخری فوائد و فضائل سے آگاہی حاصل کرنا۔
  - (۴).....اللہ تعالیٰ کی رضا کو ہر چیز پر مقدم جاننا۔ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ
  - (۵).....جب کسی بندے کا دل اللہ کی محبت سے پر ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کو اپنے نفس اور اپنی خواہشات پر ترجیح دینے لگے تو درست نیت اس کا مقدر ہوگی۔ ان شاء اللہ۔
  - (۶).....صحیح نیت کے حصول کیلئے اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگنا۔
- ان امور کی ندرت و کمیابی اور صعوبت کی وجہ سے کئی سلف صالحین بعض اعمال صالحہ کو صرف اسی وجہ سے ترک کر دیتے تھے کہ صحیح نیت نہیں بن پاتی تھی۔
- جب والی نے سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو بعض علماء نے اُن سے کہا: آپ عمرے کیلئے چلے جائیں۔ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس حوالے سے ابھی میری نیت نہیں بن پائی۔
- اسی طرح بعض سلف صالحین سے جب کسی نیکی کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے: ”اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے نیت عطا فرمائی تو میں یہ نیکی بھی کر لوں گا۔“
- طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نیت کے بغیر احادیث بیان نہیں کرتے تھے اور جب نہ کہا جاتا تو خود ہی

احادیث بیان کرنے لگتے۔ چنانچہ جب کسی نے اس حوالے سے استفسار کیا تو فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں بغیر نیت کے احادیث بیان کروں؟ جب میری نیت متحضر ہوتی ہے تو میں احادیث بیان کرتا ہوں۔ اسی طرح جب کسی نے اُن سے کہا: ہمارے لئے دعا کیجئے! تو فرمایا: پہلے مجھے نیت بنانے دو پھر دعا کروں گا۔

○ بعض صالحین کا قول ہے: ”ایک ماہ سے میں کسی آدمی کی عیادت کیلئے نیت بنانے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن ابھی تک نیت بن کے ہی نہیں دے رہی۔“

○ داؤد بن محبر نے فضائل میں ایک کتاب لکھی اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر پیش کی، اسکا جائزہ لینے کے بعد انہوں نے فرمایا: اس میں ضعیف سندیں بھی ہیں۔ داؤد بن محبر نے عرض کیا: میں نے پیش نظر رکھا ہے۔ پھر احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسی نیت کیساتھ دوبارہ اسے پڑھا اور پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ آپکو جزائے خیر عطا فرمائے، آپ نے اچھا استفادہ کیا ہے۔

یحییٰ بن کثیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں میمون بن مہران کیساتھ اُنکے دروازے تک گیا اور پلٹ آیا، اُنکے بیٹے نے اُن سے کہا: آپ انہیں رات کا کھانا پیش نہیں کریں گے؟ فرمایا: یہ بات میری نیت میں نہیں تھی۔

جان لیجئے کہ نیت ہی عمل کی روح ہے، اگر کوئی عمل سچی نیت سے عاری ہو تو وہ محض ریاکاری و تکلف ہوتا ہے جو بجائے ثواب کے اللہ کی ناراضگی کا باعث ہے۔

### نیتوں میں لوگوں کا تفاوت

بعض لوگ جہنم کی آگ سے بچنے کیلئے عمل کرتے ہیں، بعض لوگوں کا مقصد اجر و ثواب ہوتا ہے، اگرچہ یہ بھی صحیح نیتیں ہیں لیکن ان سے اعلیٰ تر نیت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و محبت میں اور صرف اُسکی ذات کریم کی فرمانبرداری کی نیت سے عمل کر لے۔

”لَا دَعْوَةَ الْحَقِّ“

بیک وقت ایک انسان جنت کے حصول، جہنم سے خلاصی اور رضائے الہی کے حصول کی

نیت کر سکتا ہے۔ جنت اور جہنم کے تصور سے یکسر کٹ جانا گویا اُن تمام آیات و احادیث سے بے رغبتی ہے جن میں انکی ترغیب و ترہیب مذکور ہے۔ لہذا یوں کہا جائے کہ ایک وقت میں تینوں کی نیت رکھے البتہ رضائے الہی کو مقدم رکھے۔

یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ کبھی کسی مباح یا کم فضیلت والے عمل کی نیت محض ہوتی ہے تو اس صورت میں اعلیٰ و افضل عمل کی بجائے اسی عمل کو اختیار کرنا چاہیے جسکی نیت ہو اور وہی بندے کے حق میں بہتر ہے۔ مثلاً ایک شخص کھانے پینے یا سونے کی نیت رکھتا ہے تاکہ اپنے نفس کو راحت پہنچائے اور مستقبل میں عبادات کیلئے تیار کر رکھے اور اس موقع پر نفل نماز یا روزے کی نیت اسکے دل میں پیدا نہیں ہو رہی تو یہ مباح چیزیں ہی اُسکے حق میں بہتر ہوں گی۔ بلکہ اگر کوئی بندہ عبادت سے اُکتا جائے اور تھکاوٹ دور کرنے اور دوبارہ نشاط حاصل کرنے کے لئے کسی مباح کھیل میں مصروف ہو جائے تو یہ بھی اُسکے حق میں مفید ہے۔

○ میدنا علی ﷺ کا فرمان ہے:

”رَوْحُوا الْقُلُوبَ فَإِنَّهَا إِذَا اسْتَكْبَرَتْ غَمِيَتْ“

”اپنے دلوں کو تفریح مہیا کرتے رہا کرو، کیونکہ جب انہیں زبردستی کسی بات پر مجبور کیا جائے تو یہ اندھے ہو جاتے ہیں“

میدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

[إِنِّي لَا أَسْتَجِمُ نَفْسِي بِشَيْءٍ مِنَ اللَّهِو فَيَكُونُ ذَلِكَ عَوْنًا لِي عَلَى الْحَقِّ]

”میں اپنے نفس کو قدرے کھیل سے راحت پہنچاتا ہوں اور یہ چیز حق پر میری مددگار ثابت ہوتی ہے۔“

لہذا بندے کو چاہئے کہ اپنے تمام اعمال احوال پر تدبیر کرے، بندے کے نفس اور شیطان کے مابین ہر وقت ایک کشمکش اور جنگ جاری رہتی ہے اور جنگ تو دھوکے کا دوسرا نام ہے، کبھی مجاہد اپنے دشمن کو دھوکے میں ڈالنے کیلئے میدان سے بھاگتا ہے اور دشمن کو تنگ جگہ پر لے آتا ہے، پھر پینتر ابدل کرو دوبارہ حملہ آور ہوتا ہے۔

## تمام افعال و اقوال اور اعمال و افکار تین اقسام پر منحصر ہیں:

①..... گناہ      ②..... نیکی      ③..... مباح

جہاں تک گناہوں کی بات ہے تو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ نیت سے گناہ کی حیثیت نہیں بدلتی، گناہ کبھی نیت کے اچھا ہونے سے نیکی یا مباح نہیں بن سکتا۔ لہذا کسی جاہل کو اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے اس حدیث سے مدد نہیں لینی چاہیے کہ ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“۔ مثلاً ایک شخص کسی کی غیبت کرتا ہے تاکہ دوسرے کو خوش کرے، یا حرام مال سے فقیر کو روٹی کھلاتا ہے، یا مدرسہ و مسجد بناتا ہے، غیر محرم عورتوں کو دیکھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میری نیت اچھی ہے تو ایسا شخص جاہل مرکب ہے۔ ایک تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور دوسرا اس نافرمانی کو نیکی سمجھتا ہے۔

البتہ نیکیاں اپنی صحت اور فضیلت میں اضافے کے اعتبار سے نیت کیساتھ مربوط ہوتی ہیں، اگر صرف اللہ کی رضا مقصود ہو تو نیکی کا کام اللہ کے ہاں نیکی ٹھہرتا ہے، پھر نیت میں جس قدر خلوص اور سچائی ہوتی ہی نیکی بھی قابل قدر ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس سے ریاکاری مقصود ہو تو اللہ کے ہاں وہ معصیت قرار پاتی ہے۔

ایک نیکی پر اگر کئی اچھی نیتیں کر لی جائیں تو اُس کا ثواب بھی کئی گناہ بڑھ جاتا ہے، مثلاً مسجد میں بیٹھنا ایک نیکی ہے اور اس نیکی کیساتھ کئی دیگر اچھی نیتیں بھی ہو سکتی ہیں جن کے ذریعے انسان کی متقین کے فضائل اور مقربین کے درجات تک پہنچ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل نیتیں بھی کی جاسکتی ہیں:

①..... مسجد کو اللہ کا گھر سمجھ کر اس میں بیٹھے

②..... ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے

③..... صبح و عصر اور دیگر اعضاء کو گناہوں سے روکنے کی نیت رکھے

④..... اللہ تعالیٰ کیلئے اپنی فکر کو مجتمع کرنے کی نیت رکھے

- ⑤.....اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے یا سننے کا ارادہ رکھے  
 ⑥.....نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا قصد کرے  
 ④.....اپنے کسی بھائی سے استفادہ کرنے کی نیت رکھے، کیونکہ مسجد میں صالحین کا آنا جانا ہوتا ہے۔

- ⑧.....اللہ تعالیٰ کے حیا سے گناہ ترک کرنے کی نیت کرے۔  
 ⑨.....قرآن سیکھے، سکھانے یا اسکی تلاوت کرنے کی نیت رکھے۔  
 ⑩.....علم سیکھنے کا قصد کرے  
 (۱۱).....علماء و صالحین سے ملاقات کی نیت کرنا، کیونکہ انکی ملاقات بھی عبادت ہے۔  
 (۱۲).....فرشتوں کی دعا پانے کی آرزو رکھے، کیونکہ جب کوئی بندہ نماز پڑھنے کے بعد اُسی جگہ بیٹھا رہتا ہے فرشتے اُسکے لئے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو جائے یا کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔  
 اور اسی طرح کی دیگر نیتیں بھی کی جاسکتی ہیں۔  
 باقی تمام اعمال مثلاً جہاد، دعوت، طلب علم، بھائیوں سے ملاقات اور مریضوں کی عیادت وغیرہ میں بھی بہت سے صالح نیتیں کی جاسکتی ہیں۔ اور یہ اُسی وقت ممکن ہے کہ جب انسان کے دل میں عمل صالح اور نیکیوں کی بہت زیادہ اور شدید رغبت ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسکا وافر حصہ نصیب فرمائے۔

اور جہاں تک مباحات کی بات ہے تو اچھی نیت کی بدولت وہ بھی نیکیوں کا درجہ پالیتی ہیں۔ کتنا ہی خسارے میں ہے ایسا شخص جو مباح چیزوں کیساتھ جانوروں کا سطر زعمل اپناتا ہے اور اچھے مقاصد و ارادوں سے غافل رہتا ہے۔ لہذا بندے کو چاہئے کہ اپنے دل میں آنے والے ایک ایک خیال پر اللہ سے اجر کی امید رکھے، ایک ایک قدم پر بھلائی کا قصد کرے، ایک ایک لمحے کو نیکی کی نیت سے قیمتی بنائے اور ایک ایک لفظ پر بھلائی چاہے۔ کیونکہ ان تمام کے متعلق قیامت کے دن سوال ہوگا۔

نیز مباح امور میں اگر نیت بری ہو تو وہ مباح چیزیں بھی گناہ بن جاتی ہیں۔ مثلاً جمعہ کے دن خوشبو لگانا، اگر کوئی شخص صرف لذت کیلئے خوشبو لگاتا ہے تو یہ مباح ہے، اور اگر اجنبی عورتوں کی توجہ پانے کیلئے یا فخر و غرور ظاہر کرنے اور لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام و مرتبہ پیدا کرنے کیلئے خوشبو لگاتا ہے تو یہ عمل گناہ بن جاتا ہے۔ اور اگر وہ اتباع سنت، تعظیم مسجد اور اپنے نمازی بھائیوں کو خوشبو سے راحت پہنچانے کیلئے خوشبو لگاتا ہے تو یہی عمل نیکی بن جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی تعظیم و توقیر کیلئے خوشبو لگاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اُسکے لئے مزین ہوا جائے۔ سلف صالحین روزانہ رات کو مہنگی ترین خوشبوئیں خوب اچھی طرح لگایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ”فتاویٰ الدین الخالص“ کی پانچویں جلد کے باب الفہجد میں تفصیلاً یہ بات بیان کر چکے ہیں۔

بعض سلف صالحین کا معمول تھا کہ رب العالمین کی خاطر مزین ہونے کیلئے روزانہ رات کو لباس تبدیل کیا کرتے تھے۔ اگر آپ بھی آخرت کے خریدار ہیں تو اس بات پر خوب غور کیجئے۔ اور باقی تمام مباحات کو بھی اسی پر قیاس کیجئے۔

○ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”إِنِّي أُحْتَسِبُ نَوْمِي كَمَا أُحْتَسِبُ قَوْمِي“ [بخاری]

”بے شک میں اپنی نیند پر بھی اسی طرح اجر کی امید رکھتا ہوں جس طرح اپنے قیام پر اجر کی امید رکھتا ہوں“

○ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ مقررین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مباحات بھی صحیح نیت کی بدولت اُنکے حق میں طاعات بن جاتی ہیں۔

بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ تم میں سے کسی کا اپنی بیوی کیساتھ ہمستری کرنا بھی صدقہ ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے کوئی شخص اگر اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو اس پر بھی اُس کیلئے اجر ہے؟ فرمایا: ”اچھا یہ بتلاؤ کہ اگر وہ حرام جگہ پر اپنی شہوت پوری کرتا تو اُسے گناہ نہ ملتا؟ تو اسی طرح حلال جگہ پر

شہوت پوری کرنے پر اس کیلئے اجر ہے۔ (مسلم)  
 اگر نیت صحیح ہونے کی وجہ سے ہمبستری پر بھی اجر ہے تو باقی اعمال پر کیوں نہیں ہو سکتا؟  
 اللہ ہی کیلئے تمام تعریفیں ہیں جس نے اپنے بندوں کیلئے نیکیوں کی راہیں آسان کر دیں۔  
 اے اللہ! تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں، تیرے لئے ہی تمام تر شکر ہے اور تمام معاملات  
 صرف تیری طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔

محترم قارئین! ہمیں چاہئے کہ ہر وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہیں اور ہر قول و عمل  
 سے پہلے اس بات پر ضرور غور کریں کہ اس سے ہمیں کیا مقصود ہے؟ اور ہم کس لیے یہ عمل کر  
 رہے ہیں؟ اگر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہو تو وہ عمل کر گزریے ورنہ رُک جائیے اور پھر  
 اس بات کا بھی جائزہ لیجئے کہ آپکا رُکنا بھی صحیح نیت کے ساتھ یا اس کے پیچھے بھی کوئی غلی  
 خواہش کارگر ہے۔ واللہ المستعان۔

ان امور میں باریک بینی سے وہی شخص کام لے سکتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو، آخرت کا  
 خوف رکھتا ہو، اور اعمالِ صالحہ کا شوق رکھتا ہو..... ورنہ لوگوں کی اکثریت بلکہ خواص بھی ان  
 امور سے غافل رہی رہتے ہیں۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ بار بار اپنے اعمال و نیات کا جائزہ لیں  
 اور انکی درستی کی کوشش کرتے رہیں۔ وبالله التوفیق



## ۴۲ - فائدہ

## النواع التوحید کی اجمالی معرفت

توحید کی پانچ انواع ہیں:

①۔ توحید الذات:..... یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ رب تعالیٰ کی ذات میں کوئی بھی شریک نہیں، اور نہ ہی اس کی ذات جیسا کوئی دوسرا ہے۔

②۔.....: التوحید العلمي الخبوي: اسے توحید ربوبیت بھی کہا جاتا ہے۔

اس بات کا عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا خالق، رازق، متصرف، زندہ کرنے اور مارنے والا اور دیگر تمام معاملات چلانے والا ہے۔ توحید باقی النواع توحید کا پہلا زینہ ہے اور اہم ترین ہے۔ مشرکین مکہ اگرچہ اس کے قائل تھے لیکن ٹھیک طور پر یہ توحید اُنکے دلوں میں داخل نہ ہوئی تھی..... ورنہ جس شخص کے دل میں رب تعالیٰ کی عظمت گھر کر جائے اور یہ عقیدہ اُسکے دل و دماغ میں بیٹھ جائے کہ اللہ وحدہ لا شریک ہی خالق و رازق ہے، وہی زندگی اور موت کا مالک ہے، وہی ہر چیز پر قادر و متصرف ہے، وہ اکیلا ہی عزت دینے اور ذلیل کرنے والا ہے، کسی کو بلندی سے ہمکنار اور کسی کو پستی سے دوچار کرنے والا ہے..... یہ سب باتیں جس کے دل میں بیٹھ جائیں پھر وہ توحید کی باقی النواع کا انکار نہیں کر سکتا..... حقیقت یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے اس توحید کو بھی ٹھیک طور سے نہیں پہچانا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْ مَنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ  
وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ



فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۱﴾ [یونس: ۳۱]

”(اے نبی!) ﷺ کہہ دیجئے تمہیں آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے یا کالوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتا ہے؟ تو وہ (کافر) ضرور کہیں گے: اللہ! تو کہہ دیجئے کیا پھر تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟

یعنی جب تم اللہ تعالیٰ کے ان تمام تصرفات کا اعتراف کرتے ہو تو پھر اُس سے ڈرتے کیوں نہیں؟ شرک سے بچتے کیوں نہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہ توحید اُنکے دل میں داخل نہ ہوئی تھی کیونکہ اگر توحید ربوبیت دل کی گہرائیوں میں اُتر جائے تو تقویٰ اسکا لازمی نتیجہ ہے۔

بعض لوگ اس توحید کا اہتمام ہی نہیں کرتے، جبکہ بعض لوگ اسی کو مقصود بنائے رکھتے ہیں اس سے آگے نہیں بڑھتے، دونوں قسم کے لوگوں کا طرز عمل غلط ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ اس توحید کو بھی درست طور پر جاننا ضروری ہے اور اسکے بعد والی اقسام توحید کی معرفت بھی انتہائی ضروری ہے۔

(۳)..... توحید الأسماء و الصفات :- یہ بھی توحید العلمی الخبری میں داخل ہے۔ اسکا معنی یہ ہے کہ کتاب و سنت میں وارد ہونے والے اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء و صفات کو بغیر کسی تعطیل، تاویل، تحریف، تمثیل یا تکلیف کے ماننا۔

جو شخص رب تعالیٰ کی تمام یا بعض صفات کو معطل قرار دیتا ہے وہ جَہْمِی ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق سے تشبیہ دیتا ہے وہ مشبہ ہے، اور جو انکی تاویل کرے وہ بدعتی ہے، اور جو شخص انکا اس طرح اثبات کرے جو انکے شایان شان ہے وہ موحّد مومن ہے۔ یہ توحید خواص مؤمنین کی توحید ہے، وہی اسکا اہتمام کرتے اور اپنے تمام احوال کو اسکے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس توحید کا معنی اسماء باری تعالیٰ کو فقط جان لینا نہیں بلکہ اپنے علم و عمل اور اقوال و احوال کو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے تقاضوں کے مطابق ڈھال لینا ہے۔ مثلاً جب ہم نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ رحمن یعنی اپنے بندوں پر مہربان ہے

تو ہمیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مظاہر اور اقسام کیا ہیں؟ اُسکی رحمت کس قدر وسیع ہے؟ پھر اپنے دل کو اُسکی طرف متوجہ کر لینا چاہیے اور اپنی تمام امیدیں اُسی کے ساتھ جوڑ لینی چاہئیں کہ وہی تو مہربان مالک ہے۔ اور پھر اپنے دل میں رب تعالیٰ کی محبت پیدا کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اسی طرح باقی اسماء و صفات کیساتھ بھی ہمیں اُنکے تقاضوں کے مطابق رویہ اپنانا چاہیے۔

یہی وہ لذیذ ترین توحید ہے جس کی محاسن ہر محاسن سے بڑھ کر ہے اور خواص مومنین کے نزدیک اُسکی لذت باقی تمام لذتوں سے برتر ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرمالے۔ (آمین)

بہت سے موحیدین ایسے بھی ہیں جو اس توحید کا بھی کوئی اہتمام نہیں کرتے اور اس میں چسکی کیلئے کوئی کوشش نہیں کرتے۔

جب کہ تعطیل اور تاویل کرنے والے لوگ تو اس افضل و برتر اور میٹھی و لذیذ تر چیز سے محروم ہی رہتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

”إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ“ [بہاری]

”بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے انہیں شمار کیا وہ جنت میں داخل ہو گیا“

(۴)..... توحید عبادت :- جسے توحید الوہیت اور توحید طَلَبی بھی کہتے ہیں۔ توحید

عبادت یہ ہے کہ بندہ اپنی تمام عبادات کو صرف اللہ وحدہ لا شریک کیلئے بجالائے۔ اُسی کی تعظیم و محبت سے اسکا دل شاد کام ہو، اُسی کا خوف رکھے، اُسی سے امید باندھے، اُسی کی طرف متوجہ ہو، اُسی پر توکل کرے، اُسی کی خاطر صبر کرے، اُسی کی جناب میں ذلت و تواضع اور خشوع و سجود اور تمام عبادات پیش کرے۔

یہی وہ توحید ہے جو تمام انبیاء و رسل کی دعوت کا مرکز تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس کا تقاضا کرتا ہے۔ تمام انواع و اقسام کی توحید کی غایت و منزل یہی توحید ہے، اسی کے

ذریعے موحد و مشرک اور مومن و کافر کا فرق واضح ہوتا ہے۔ اہل ایمان بھی اس توحید میں مختلف درجات پر ہوتے ہیں، بعض تو اسکی چوٹی پر فائز ہوتے ہیں جب کہ بعض ان سے کمتر درجات پر، یہاں تک کہ بعض کا معاملہ ایک دانے اور ذرے تک آپہنچتا ہے۔ جس کے دل میں اپنے رب کی جتنی شدید محبت ہوگی، جو جتنی کثرت کیساتھ عبادات کا اہتمام کرے گا، جس کا توکل، صبر، خوف اور خشیت جس قدر مضبوط ہوگی، اتنا ہی اسکا ایمان بھی قوی ہوگا اور وہ حقیقی مومن کہلائے گا۔ اسے پاکیزہ و سعادت مند زندگی نصیب ہوگی، ہمیشہ والی جنت سے پہلے ہی وہ گویا جنت میں ہوگا، اگرچہ ظاہری طور پر وہ غم و بد حالی کا شکار ہو لیکن روحانی طور پر وہ خوشی و سرشاری میں ہوگا۔ جس قدر کسی بندے کی عبادات میں اخلاص و نکھار اور کثرت پیدا ہوگی اسی قدر اسکی توحید پختہ ہوگی۔

(۵)..... توحید حاکمیت :- اسے توحید تشریع بھی کہا جاتا ہے۔

قانون سازی اور حاکمیت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو دینا توحید حاکمیت کہلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ﴾“

”فیصلے کا سارا اختیار اللہ ہی کو ہے“ [الانعام: ۵۷]

اور فرمایا: ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ﴾

[الشوری: ۲۱]

”کیا ان کیلئے (اللہ کے سوا) شریک ہیں جنہوں نے ان کیلئے وہ دین مقرر کیا ہے جس کا

اللہ نے حکم نہیں دیا؟“

نیز فرمایا: ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ [الشوری]

”اور (دین) کی جس چیز میں بھی تم نے اختلاف کیا تو اسکا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے“

اور فرمایا: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾

[المائدہ: ۴۴]

”اوجو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی کافر ہیں“

اللہ کے سوا کسی کو قانون سازی کا حق نہیں۔ اللہ کے سوا کسی کیلئے جائز نہیں کہ وہ کسی عمل کو جائز و ناجائز قرار دے، قوانین و احکام اور حدود متعین کرتا پھرے۔ جس نے بھی یہ حق غیر اللہ کو یا وہ مشرک ہے اُسکے کفر میں کوئی شک نہیں۔

جس شخص نے بادشاہوں یا احبار و رہبان یا عوام کو اسلامی شریعت کے بغیر قانون سازی کا حق دیا اُسکے مشرک ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اسی لیے ڈیموکریسی (جمہوریت) اسلام کے صریح خلاف ہے، کیونکہ اسکا معنی ہی عوام کی حاکمیت ہے جو صریح کفر ہے۔

اس مسئلے پر غور کیجئے اور کوتاہی و تساہل کا ارتکاب مت کیجئے۔ پہلی قسم کے علاوہ باقی چاروں انواع عقلی طور پر دو اقسام پر تقسیم ہو سکتی ہے: توحید علمی اور توحید عملی۔ اس اعتبار سے یہ ٹوٹل سترہ اقسام ہو گئیں۔ ان میں سے اکثر کی مثالیں موجود ہیں جب کہ بعض کی کوئی مثال نہیں، کیونکہ یہ تو فقط ایک عقلی تقسیم ہے۔

اہل ایمان کیلئے ولاء (دلی دوستی اور مدد و نصرت اور محبت کا تعلق) اور کفار مجرمین سے لاتعلقی و دشمنی بھی توحید میں شامل بلکہ توحید کی افضل ترین قسم ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان: ”الْفَضْلُ الْأَعْمَالِ الْحُبُّ لِلَّهِ وَالْبُغْضُ لِلَّهِ وَالْمَوَالَاةُ لِلَّهِ وَالْمُعَادَاةُ لِلَّهِ“ [رواہ احمد باسناد صحیح]

”اللہ کیلئے محبت اور اللہ کی خاطر نفرت کرنا، اللہ کیلئے دوستی اور اللہ کیلئے دشمنی رکھنا اور افضل ترین عمل ہے۔“

کفار کی چال و حال، لباس و اخلاق اور عادات و اطوار میں انکی مشابہت سے بچنا بھی اس میں شامل ہے۔ لہذا جو شخص کفار کی مشابہت ترک کر دے وہ موحد ہے اور جو سنت پر کفار کی مشابہت کو ترجیح دے وہ انہی میں سے ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔

اس طرح توحید کی بیس اقسام ہو گئیں، اور یہ میری اپنی اختیار کردہ تقسیم ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے ”القصیدۃ“ میں توحید اسماء و صفات کو متصل و منفصل اور سلب و ایجاب پر تقسیم فرمایا ہے۔

اے اللہ! ہمیں توحید خالص نصیب فرما۔ اسی پر زندہ رکھ، اسی پر موت دے اور اسی پر حشر کے دن مبعوث فرما..... کہ یہ بات تیری لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔

### توحید کے فوائد

- (۱)..... جو فوائد ایمان پہلی جلد میں مذکور ہیں، اور جنکی تعداد سو تک پہنچتی ہے وہی توحید کے فوائد بھی ہیں۔ (دیکھئے: الفوائد ۱/۳۷۷)
- (۲)..... توحید انسان کیلئے شرح صدر کا باعث ہے۔
- (۳)..... جس نے توحید کی حقیقت کو پالیا وہ بغیر کسی حساب یا عذاب کے جنت میں داخل ہو گیا۔
- (۴)..... جن بندے کے دل میں ادنیٰ ترین توحید ہو، وہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں داخل نہ ہوگا، اور اگر کسی کے دل میں کامل درجے کی توحید ہو تو وہ سرے سے جہنم میں داخل ہی نہ ہوگا۔  
www.KitaboSunnat.com
- (۵)..... توحید کی وجہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور خطائیں بخش دی جاتی ہیں۔
- (۶)..... دنیا و آخرت کے تمام غموں اور پریشانوں کا سبب ہے۔
- (۷)..... شیطان سے بچاؤ کا باعث ہے۔
- (۸)..... حاسد کے حسد سے بچاتی ہے
- (۹)..... رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا حقدار بناتی ہے۔
- (۱۰)..... موحدین کو ہی قیامت والے دن اپنے موحد عزیز و اقارب کی شفاعت کی اجازت دی جائیگی، جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اُنکی قدر و منزلت کی دلیل ہے۔
- (۱۱)..... دنیا و آخرت میں صاحب توحید کو ہدایت اور مکمل امن حاصل ہوتا ہے۔
- (۱۲)..... اللہ تعالیٰ کی رضا اور حصول ثواب کا بنیادی سبب ہے۔
- (۱۳)..... تمام ظاہری و باطنی اقوال و اعمال کی قبولیت، کمال اور ثواب توحید پر ہی

موقوف ہے۔

(۱۴).....توحید کی وجہ سے بندے پر نیکی کی راہ ہموار ہوتی ہے، برائیوں کا ارتکاب مشکل ہوتا ہے اور یہی توحید تمام مصائب پر تسلی بھی بن جاتی ہے۔

(۱۵).....اسی کی وجہ سے موحّد کی جان اور مال کو حرمت ملتی ہے۔

(۱۶).....جب یہ توحید دل میں اتر جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے بندے کے دل میں ایمان کی محبت ڈال دیتا ہے اور ایمان کو اُسکے لئے مزین کر دیتا ہے، جبکہ کفر و فسق اور نافرمانی کو اُس کیلئے ناپسندیدہ کر دیتا ہے۔

(۱۷).....توحید کے ذریعے بندے کو مخلوق کی غلامی سے نجات ملتی ہے۔ بندہ اپنی امیدیں اور آرزوئیں مخلوق سے کاٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کر لیتا ہے اور مخلوق کے خوف سے بھی آزاد ہو جاتا ہے۔ یہی چیز بندے کیلئے باعث اعزاز اور اس کا حقیقی شرف ہے۔

(۱۸).....جب یہ توحید راسخ ہو جائے تو اعمال کا ثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔

(۱۹).....اللہ تعالیٰ فتح و نصرت کا ضامن بن جاتا ہے۔

(۲۰).....اللہ تعالیٰ اپنے موحّد بندوں کو دنیا و آخرت کی تمام برائیوں سے بچاتا ہے اور انہیں پاکیزہ و مطمئن بھری زندگی سے نوازتا ہے۔

(۲۱).....توحید خالص انسان کے دل سے ریا و حسد اور دیگر باطنی کماز کو نکال بھیجتی ہے۔

(۲۲).....اولاد کی نمازیں اور صدقات بھی موحّدین کے علاوہ کسی کو فائدہ نہیں پہنچا پاتے۔

(بدائع الفوائد ۲/۲۴۵)، نضرۃ النعیم (۱۳۴۲)، زاد المعاد ۲/۲۳، ۲۸

(۲۳).....توحید ہی تمام نیکیوں کی اساس ہے۔

(۲۴).....اس کا عظیم ترین فائدہ رب تعالیٰ کی رضا و محبت کا حصول ہے۔

(۲۵).....اسی کی وجہ سے کسی بندے کو اللہ کی ولایت نصیب ہوتی ہے۔

(واللہ المستعان وعلیہ التکلان)

## ۴۳ - فائدہ

## ایمان کی شاخیں

بعض بھائیوں نے مجھ سے شعب الایمان کی تعداد کے متعلق سوال کیا کہ یہ کتنی ہیں؟ کیا یہ کسی حدیث میں اکٹھی مذکور ہیں؟ اور کیا کسی کتابچے میں انہیں جمع کیا گیا ہے؟ میں نے اُس بھائی کو اس مبارک کتابچے کی صورت میں جواب دیا کہ جسکے مطالعے سے ایمان وایقان میں مضبوطی اور جسے سننے سے کانوں کو لذت حاصل ہوگی۔ ان شاء اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں، ہم اُسکی تعریف کرتے ہیں، اُس سے مدد چاہتے ہیں، گناہوں کی بخشش کا سوال کرتے ہیں اور اپنے نفس و اعمال کی برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ ہدایت سے نواز دے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد ﷺ اُسکے بندے اور رسول ہیں۔

اما بعد: ایک کتر عقل رکھنے والا شخص بھی بخوبی اس بات سے واقف ہے کہ دنیا و آخرت میں اُسی شخص کیلئے نجات ہے جو ایمان و یقین کے اوصاف سے متصف ہو۔ لہذا تمام اہل عقل کو ان اوصاف سے متصف ہونے کی کوشش اور محنت کرنی چاہئے۔

ذیل میں ہم قرآن و سنت میں وارد شعب الایمان (ایمان کی شاخیں) قدرے اختصار

کیساتھ بیان کریں گے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ“  
 ”ایمان کی ستر سے کچھ زائد شاخیں ہیں، جن میں سے افضل ترین شاخ ”لا الہ الا اللہ“  
 ”کہنا اور ادنیٰ ترین شاخ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے، اور حیا بھی ایمان کی ایک  
 عظیم شاخ ہے۔“

لہذا جس شخص میں یہ تمام صفات پائی جائیں وہ کامل ترین مؤمن ہے اور جو انہیں سرے  
 سے فراموش کر دے وہ جاہل اور فاسد ترین آدمی ہے، اور جس میں ان شاخوں کے حوالے  
 سے کچھ کمی پائی گئی تو اُس کے ایمان میں بھی اتنی ہی کمی ہوگی۔ سہولت کی غرض سے ہم نے  
 قرآن مجید اور سنت صحیحہ کی روشنی میں ان شاخوں کو ترتیب وار بیان کر دیا ہے:

(۱)۔ اس بات پر ایمان رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا خالق و مالک ہے، وہی اللہ معبود  
 برحق ہے، اللہ وحدہ لا شریک کے علاوہ کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں، خلق اور امر میں وہ یکتا  
 ہے، تمام معاملات کی تدبیر و تصرف اُسی کے اختیار میں ہے، وہ دلوں کے بھید بھی بخوبی جانتا  
 ہے اور زمین و آسمان کی کوئی چیز اس پر مخفی نہیں، وہ بہت سننے اور خوب جاننے والا ہے۔

(۲)۔ اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تمام اوصاف کمال و جلال اور عزت  
 و جمال سے متصف ہے، اُسکے پیارے نام اور برگزیدہ صفات ہیں، اُسکی ذات اور  
 صفات کسی کے مشابہ نہیں۔

اور ان تمام صفات پر ایمان لانا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق یا اُسکے رسول ﷺ نے اُسکے  
 متعلق بتلائی ہیں، اور اُن میں کسی قسم کی تحریف و تاویل نہ کرنا،

(۳)۔ اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ یہ ساری کائنات حادث اور اللہ کی محتاج ہے جب  
 کہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات سے بے پرواہ اور غنی ہے  
 اُسکی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:



﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾  
 ”وہی اول بھی ہے اور آخر بھی اور ظاہر بھی اور باطن بھی اور وہی ہر شے کو خوب جاننے والا

ہے۔ [الحديد: ۳]

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمُ“ [ترمذی: ۳۸/۲،

مشکوٰۃ: ۲۱/۱]

”بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا“

(۴)..... فرشتوں پر ایمان رکھنا

(۵)..... اللہ کی کتابوں پر ایمان رکھنا

(۶)..... اللہ کے رسولوں پر ایمان رکھنا

(۷)..... اچھی بری تقدیر پر ایمان رکھنا

(۸)..... آخرت کے دن پر ایمان رکھنا

ان سب کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَلَكِنَّ الْإِبْرَءَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ﴾

[البقرة: ۱۷۷]

”بلکہ نیک تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر آخرت کے دن پر فرشتوں پر (آسمان) کتابوں پر اور

نبیوں پر ایمان لائے“

اور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ”أَلَا يَمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ

وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرُهُ وَشَرُّهُ“ [بخاری: ۱۲/۱، مسلم: ۲۷/۱]

”ایمان یہ ہے کہ آپ اللہ پر، اُسکے فرشتوں پر، اُسکی کتابوں پر، اُسکے رسولوں پر، آخرت

کے دن پر، اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لائیں“

(۹)..... اس بات پر ایمان رکھنا کہ قبر میں دو فرشتے سوال کریں گے، قیامت کے دن

جی اٹھنا ہوگا، حساب و کتاب اور میزان و پل صراط کے مراحل درپیش ہونگے۔ یہ سب بھی

آخرت پر ایمان میں شامل ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ سے شدید ترین محبت ہونا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَهْلًا حُبًّا لِلَّهِ﴾ [البقرة: ۱۶۵]

”ایمان والے اللہ کی محبت میں زیادہ سخت ہیں۔“

حدیث میں آتا ہے: ”كُنْتُ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: أَنْ يَكُونُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْعَبْدَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْ يُكْرَهُ أَنْ يُعْوَدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يُكْرَهُ أَنْ يُقَذَّفَ فِي النَّارِ“

[بخاری ۷/۱، مسلم ۴۹/۱]

”تین چیزیں جس میں ہوں، وہ انکے ذریعے ایمان کی مٹاس پالیتا ہے: اللہ اور اُس کا رسول اسکے نزدیک باقی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں، کسی بندے سے محبت کرے تو صرف اللہ کیلئے، اور کفر میں پلٹ جانے کو یوں ناپسند کرے جس طرح آگ میں پھینکا جانا اُسے ناپسند ہے۔“

جسکے دل میں اللہ کی محبت نہیں وہ نہ تو اہل ایمان میں سے ہے اور نہ ہی اُسے عبادت گزار کہا جاسکتا ہے کیونکہ محبت و ذلت سے ملکر ہی عبادت بنتی ہے۔

(۱۱)..... کسی غرض، عوض یا صورت سے متاثر ہوئے بغیر صرف اللہ فی اللہ محبت کرنا۔

(۱۲)..... صرف اللہ کیلئے بغض رکھنا۔ یعنی مؤمن اللہ کے دشمنوں اور اُسکی پیاری

شریعت کے مخالفین سے بغض و عداوت رکھتا ہے۔

اسکی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

”مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ“

(ترمذی ۳۰۹/۲، ابوداؤد ۲۸۷/۲، احمد ۴۴۰/۳، مشکوٰۃ ۱۴/۱)

”جس نے اللہ کیلئے محبت اور اللہ کیلئے نفرت کی، اللہ کیلئے کسی کو دیا اور اللہ کیلئے کسی سے

روکا، تو یقیناً اُس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا“

(۱۳)۔ پیارے پیغمبر محمد کریم ﷺ کیساتھ اپنی جان، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت کرنا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: ”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ“ [بخاری ۷/۱، مسلم ۴۹/۱]

”تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اُسکے نزدیک اُسکے والد، اُسکی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“

لہذا مومن اپنے پیارے نبی ﷺ کے حکم کو ان سب کے حکم پر مقدم رکھتا ہے۔ اس لیے بھی کہ نبی کریم ﷺ کے اپنی امت پر بے شمار احسانات ہیں اور محسن و منعم کیساتھ محبت واجب ہے۔

(۱۴)..... نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر بجالانا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ [الفتح: ۸-۹]

”(اے نبی) بلاشبہ ہم نے آپ کو اسی دینے والے اور بشارت دینے والے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اُسکی مدد کرو اور اس کا اُدب کرو اور تم صبح اور شام اس (اللہ) کی پاکی بیان کرو“

نیز فرمایا: ﴿لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾

[الحجرات: ۲]

”تم اپنی آواز میں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور آپ سے اونچی آواز میں بات نہ کرو، جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں (بات) کرتے ہو، کہیں تمہارے عمل برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔“

اور فرمایا: ﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾

[النور: ۶۳]

”بلاشبہ جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں“  
 (۱۵)..... نماز وغیرہ میں بالعموم آپ ﷺ کا ذکر آنے پر بالخصوص درود پڑھنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [الأحزاب: ۵۶]  
 ”بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی اس پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو“

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”اُس آدمی کا ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے“

(ترمذی، نسائی، ابن حبان، حاکم۔ دیکھئے: مشکوٰۃ ۸۶۱/۱، الترغیب ۵۱۰/۲)  
 (۱۶)..... سنت رسول ﷺ کی پیروی کرنا۔ ایک مومن کو چاہیے کہ آپ ﷺ کے تمام اقوال و افعال اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کی اتباع کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مواقع پر اسکا حکم دیا ہے۔

فرمایا: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي﴾ [آل عمران: ۳۱]  
 ”آپ کہہ دیجئے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو“  
 اور فرمایا: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [النور: ۶۳]

”لہذا چاہیئے کہ جو لوگ اس (اللہ کے رسول) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اس (بات) سے ڈریں کہ انہیں کوئی آزمائش آپڑے یا انہیں دردناک عذاب آئے۔“

اور فرمایا: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحِمْمُوا كَفًّا لِمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [النساء: ۶۵]

”چنانچہ (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کئے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں

میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں۔“

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَهَى، قَبِيلَ وَمَنْ أَهَى؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَهَى“ [بہاری]

”میری تمام امت جنت میں جائے گی سوائے اُسکے جس نے جنت میں جانے سے انکار کیا۔ پوچھا گیا: کون ہے جس نے انکار کیا؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے میری نافرمانی کی گویا اُس نے جنت میں جانے سے انکار کیا“

لہذا آپ ﷺ کی راہ کے سوا ہدایت و جنت کی کوئی راہ نہیں۔ اور جان بوجھ کر سنت کی مخالفت کرنے والا شخص مومن ہی نہیں۔

(واللہ المستعان)

(۱۷)..... تمام عبادات میں اللہ رب العالمین کیلئے اخلاص اختیار کرنا۔ کیونکہ اُس وقت

تک کسی بندے کا ایمان مکمل ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اپنی تمام عبادات کو اللہ ہی کیلئے

خالص نہ کر لے اور صرف رضائے الہی کا طلبگار نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب

میں بارہا اخلاص کا حکم دیا ہے۔

فرمایا: ﴿فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ [غافر: ۱۷]

”لہذا تم اللہ کیلئے بندگی خالص کرتے ہوئے اسی کو پکارو“ اگرچہ کافر ناپسند ہی کریں۔“

نیز فرمایا: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا

الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ﴾ [البینہ: ۵]

”حالانکہ انہیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ بندگی کو اللہ کیلئے خالص کر کے یکسو ہو کر اس کی

عبادت کریں اور وہ نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، اور یہی سیدھی راہ ہے۔“

اس بارے میں اور بھی بہت سی آیات قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ لہذا ہر مومن جو آخرت میں

نجات کا طلبگار ہے اُسے چاہیے کہ اپنے تمام اعمال صالحہ میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش

کرے۔

(۱۸).....اپنے تمام اعمال میں سے ریاکاری کا عنصر نکال دینا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿يُؤَاوُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ [النساء: ۱۴۲]

”لوگوں کو دکھانے کیلئے کھڑے ہوتے ہیں اور وہ اللہ کو بس تھوڑا ہی یاد کرتے ہیں“ اور فرمایا: ﴿لَقَوْلِ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُؤَاوُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾ [الماعون / ۴-۵-۶-۷-]

”چنانچہ جاہی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں۔ وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔ اور (لوگوں) کو استعمال کی معمولی چیز بھی دینے سے انکار کرتے ہیں۔“

نیز نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”مَنْ صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ“۔

[احمد: ۱۳۶/۴، مشکوٰۃ: ۳۵۵/۲]

”جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی، یقیناً اُس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کیلئے روزہ رکھا، حقیقت اُسے شرک کیا، اور جس نے دکھاوے کی خاطر صدقہ دیا، تو بے شک اُس نے بھی شرک کیا۔“

ریا کار کو یا منافق کہا گیا یا پھر مشرک۔ اور نفاق و شرک دونوں ہی ایمان کے منافی ہیں۔ لہذا ہر مومن کو چاہیے کہ وہ ریاکاری اور اس کے اسباب سے بچنے کی کوشش کرے، اور اپنے نیک اعمال کو حتی الامکان چھپائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے متقی، لوگوں سے مخفی اور لوگوں سے بے پرواہ بندے سے محبت کرتا ہے۔

(۱۹)..... ہر قسم کے نفاق کو ترک کر دینا، خواہ عملی نفاق ہو یا اعتقادی، جبکہ مومن تو ہمیشہ نفاق کا خطرہ محسوس کرتا ہے

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ، زَادَ مُسْلِمٌ: وَإِنْ صَامَ

وَصَلَّى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ... إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا أَوْتَمَنَ عَخَانَ. وَفِي رِوَايَةٍ: وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ“ [متفق علیہ]

”منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ مسلم میں یہ الفاظ زائد ہیں: اگرچہ وہ روزہ رکھے، نماز پڑھے اور خود کو مسلمان سمجھے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اسکی خلاف ورزی کرے، اُسکے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، اور ایک روایت میں آتا ہے: اور جب جھگڑا ہو تو گالیاں کہے“

صحابہ کرام ہمیشہ اپنے نفسوں پر نفاق کا خطرہ محسوس کرتے تھے۔  
○ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”مَا خَافَهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا أَمِنَهُ إِلَّا مُنَافِقٌ“.. ”نفاق کا خطرہ وہی محسوس کرتا ہے جو مؤمن ہو، اور اس سے وہی بے خوف ہوتا ہے جو منافق ہو۔“ [بخاری]

(۲۰)..... ہمیشہ توبہ و استغفار کرتے رہنا۔ کیونکہ توبہ بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔ اللہ تعالیٰ سچے مؤمنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿الْعَابِدُونَ الْمُحْسِنُونَ السَّائِحُونَ الرَّائِعُونَ السَّاجِدُونَ  
الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [التوبة: ۱۱۲]

”وہ (مومن) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے“

نیز فرمایا: ﴿لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ [التوبة: ۱۱۷]

”یقیناً اللہ نے نبی اور مہاجرین و انصار پر توجہ فرمائی وہ جنہوں نے جنگ کی گھڑی میں آپ کی پیروی کی“

صرف گناہوں پر ہی توبہ نہیں ہوتی۔ یوں بھی انسان کو توبہ کرتے رہنا چاہیئے۔ مذکورہ آیت میں مذکور توبہ کسی گناہ پر ہرگز نہیں تھی۔

حدیث میں آتا ہے:

[يَا أَيُّهَا النَّاسُ تَوُوبُوا إِلَى اللَّهِ فَإِنِّي أَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ] [مسلم]  
 ”اے لوگو! اللہ کے حضور توبہ کرو، بے شک میں بھی روزانہ سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں“  
 نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾ [التحریم: ۸]  
 ”اے ایمان والو! تم اللہ کے حضور خالص توبہ کرو“

(۲۱)..... اپنے دل میں اللہ عزوجل کا ایسا خوف رکھنا جس کا اثر ظاہر و باطن پر عیاں ہو جائے۔ کیونکہ جو خوف نہ دل پر اثر کرے اور نہ ہی ظاہری اعمال میں نمایاں ہو، اس کا وجود اور عدم برابر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا نِيَّانِي إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾

[آل عمران: ۱۷۵]

”پس تم ان سے نہ ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو“

اور فرمایا: ﴿فَلَا تَخْشَوْا النَّاسَ وَخَشَوْا نِيَّانِي﴾ [المائدة: ۴۴]

”چنانچہ تم لوگوں سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو“

نیز فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ﴾

[الملک: ۱۲]

”بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں، ان کیلئے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے“

لہذا ہر مومن کو چاہیے کہ اپنے دل کو ہمیشہ خوف الہی سے آباد رکھے، اپنے گناہوں سے خطرہ محسوس کرے، اللہ تعالیٰ کی ہیبت و جلال کا احساس ہر وقت اُس پر طاری رہے۔ جو لوگ اپنی حالت پر مطمئن ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے ایمان پر خطرہ محسوس نہیں کرتے وہی درحقیقت خسارہ پانے والے لوگ ہیں۔



(۲۲)..... اپنی تمام تر امیدیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کیساتھ جوڑ لے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الدِّينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَةَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [البقرة: ۲۱۸]

”پیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے“

حدیث میں آتا ہے:

”لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الْعُقُوبَةِ مَا طَمِعَ بِجَنَّتِهِ أَحَدٌ، وَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ جَنَّتِهِ أَحَدٌ“ [متفق علیہ]

”اگر مومن کو اُن سزاؤں کا علم ہو جائے جو اللہ کے پاس ہیں تو کوئی بھی اُسکی جنت کی طمع نہ رکھے، اور اگر کافر کو اُن رحمتوں کا علم ہو جائے جو اللہ کے پاس ہیں تو اُسکی جنت سے کوئی بھی ناامید نہ ہو“

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ [الأعراف: ۱۵۶]

”اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے“

اور فرمایا: ﴿إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ﴾ [النجم: ۳۲]

”بے شک آپ کا رب بڑی وسیع مغفرت والا ہے۔“

لہذا ہر مومن کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی امید رکھے، اسکی رضا و ثواب چاہے اور اس مقصد کیلئے اعمال صالحہ بجالائے۔ یہی امید کی حقیقت ہے۔ اس طرح دنیا و آخرت میں آسانوں کا طلبگار ہو اور اللہ تعالیٰ سے یہ فریاد کرے: اے اللہ! تو اس کمزور و مسکین بندے کو عذاب دینے سے غنی و بے نیاز ہے اور اسے عذاب دینے کی تجھے کیا حاجت؟ اسی خوف، امید اور محبت کے ذریعے ہی عبادات اور ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَا يَتَأَسُّ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾

[یوسف: ۸۷]

”بے شک اللہ کی رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں“

اور فرمایا: ﴿وَمَنْ يَفْضُطْ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ﴾ [الحجر: ۵۶]

”ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اور اپنے رب کی رحمت سے تو گمراہ لوگ ہی نا اُمید ہوتے ہیں۔  
(۲۳)..... ہر وقت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی ظاہر و باطن، دنیوی و اخروی نعمتوں کا شکر ادا کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾

[البقرة: ۱۰۲]

”چنانچہ تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو“  
اللہ تعالیٰ نے بارہا ہمیں شکر کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ [ابراہیم: ۷]  
”اگر تم شکر کرو گے تو یقیناً میں تمہیں مزید دوں گا اور اگر تم کفر کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب بہت شدید ہے۔“

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”لَا يَشْكُرُ اللَّهَ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ“.

[احمد، ابوداؤد، ترمذی]

”جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا“

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ إِنَّ أَصَابَتُهُ سَرًّا شَكْرًا فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتُهُ ضَرَاءٌ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ“

[صحیح مسلم]

”مؤمن کا عجیب معاملہ ہے کہ اُسکے تمام امور میں بھلائی ہوتی ہے، اگر اُسے کوئی خوشی پہنچے تو شکر کرتا ہے اور یہ اُس کیلئے بہتر ہے، اور اگر اُسے کوئی تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے اور یہ اُس کیلئے بہتر ہے۔“

شکر آدھا ایمان ہے جیسا کہ صبر نصف ایمان ہے۔ صبر و شکر سے دل کر ہی ایمان بنتا ہے۔

(۲۳)..... عہد کی پاسداری کرنا۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ يُؤْفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ﴾ [الرعد: ۲۰]

”وہ جو لوگ اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں اور پختہ وعدہ نہیں توڑتے“

اور فرمایا: ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ [الاسراء: ۳۴]

”اور تم عہد پورا کرو بے شک عہد کی بابت سوال ہوگا“

نیز فرمایا: ﴿يُؤْفُونَ بِالْأَمَانَةِ الَّتِي كَانُوا يُؤْتُونَ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَتْ شَرًّا مُسْتَطِيرًا﴾

[الانسان: ۷]

”وہ اپنی نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے خوف کھاتے ہیں جس کی آفت

(ہر طرف) پھیلی ہوگی“

منافقین کی صفات بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ“

”اور جب عہد کرے تو اُسے توڑ ڈالتا ہے“

جب کہ مؤمن بندہ اپنے تمام عہد اور وعدے پورے کرتا ہے، خواہ اللہ کیساتھ ہوں یا

بندوں کیساتھ۔ مؤمن تو وفا کا خوگر ہوتا ہے اور جہاں سے بہت دور۔

(۲۵)..... تمام معاملات میں صبر و ثبات کا مظاہرہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا يُؤْمِلُ الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

[الزمر: ۱۰]

”بلاشبہ صبر کرنے والوں کو پورا اجر بے حساب دیا جائے گا۔“

حدیث میں آتا ہے: ”الصَّبْرُ ضِيَاءٌ“ [مسلم]

”صبر روشنی ہے“

چنانچہ مؤمن اللہ کے حکم پر صبر کرتا ہے، مخلوق کی ایذا ارسائی پر بھی صبر کرتا ہے اور کسی حال

میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔“

(۲۶)..... قضاء پر راضی رہنا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے متعلق جو بھی فیصلہ کرے۔ خواہ بیماری میں مبتلا کرے، اولاد کی موت کے ذریعے آزمائے، یا فقر سے دوچار کرے۔ مومن کسی حال میں اللہ پر ناراض نہیں ہوتا، بلکہ کہتا ہے کہ شاید اسی میں میرے لئے خیر ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِیْہِ قَلْبُہٗ﴾ (التغابن: ۱۱)۔

”اور جو اللہ پر ایمان لے آئے، تو اللہ اُسکے دل کو ہدایت دے دیتا ہے“

اسکی تفسیر میں ایک سے زیادہ مفسرین فرماتے ہیں: اسکا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اپنے فیصلوں پر راضی ہونے والا بنا دیتا ہے۔

حدیث میں ایک دعا منقول ہے: ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ نَعِیْمًا لَا یَنْفَدُ وَ قُرَّةَ عَیْنٍ لَا تَنْقَطِعُ وَ اَسْأَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ“

”اے اللہ! میں تجھ سے ایسی نعمت مانگتا ہوں جو فنا نہ ہو، اور آنکھوں کی ایسی ٹھنڈک کا سوال کرتا ہوں جو کبھی ختم نہ ہو، اور میں تجھ سے قضا کے بعد رضا کا طلبگار ہوں۔“

(احمد: ۲۶۴/۴، نسائی (۱۳۷)، مشکوٰۃ: ۵/۱: ۲۳۰)

(۲۷)..... تمام دینی و دنیاوی امور میں اللہ عزوجل پر توکل کرنا اور یقین رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہی نفع و نقصان کا مالک ہے، رزق کی کنجیاں اُسی کے ہاتھ میں ہیں اور پوری کائنات پر اُسی کا کنٹرول ہے۔

توکل کا معنی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حسن تدبیر اور رحمت و کرم پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے تمام امور اُسے سونپ دے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کئی مقامات پر توکل کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَعَلٰی اللّٰہِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [آل عمران: ۱۲۲]

”اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔“

اور فرمایا: ﴿وَعَلٰی اللّٰہِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ [المائدہ: ۲۳]

”اور اگر تم مومن ہو تو تمہیں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے“

اور فرمایا: ﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ [الطلاق: ۳]

”اور جو شخص اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کیلئے کافی ہے۔“

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقْنَاكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوَ إِحْمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا۔“

”اگر تم اللہ پر یوں توکل کرو جیسا توکل کرنے کا حق ہے تو تم پرندوں کی طرح رزق سے نوازے جاؤ، جو صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔“

ایک صحیح حدیث میں اُن ستر ہزار افراد کی یہ صفت بتلائی گئی ہے جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو گئے: ”هُمْ الَّذِينَ لَا يَتَطَيَّرُونَ وَلَا يَكْتُمُونَ وَلَا يَسْتَعْرِفُونَ وَعَلَى

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ“ [مسلم: ۱۱۷/۱]

”یہ وہ لوگ ہیں جو بدھگونی نہیں کرتے، داغ نہیں لگواتے، دم کا مطالبہ نہیں کرتے، اور اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔“

(۲۸)..... اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کیساتھ مہربانی کا معاملہ کرنا۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ، اِرْحَمُوا مَنْ فِي

الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ“ [ابوداؤد]

”رحم کرنے والوں پر رحمن بھی رحم کرتا ہے، تم اہل زمین پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔“

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

[أَفْئَلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ: ذُو سُلْطَانٍ مُقْبِطٌ مُتَصَدِّقٌ مُوَفَّقٌ، وَرَجُلٌ رَحِيمٌ رَقِيقٌ

الْقَلْبُ لِكُلِّ ذِي قُرْبَى وَمُسْلِمٍ وَعَفِيفٌ مُتَعَفِّفٌ ذُو عِيَالٍ] [مسلم: ۳۸۵/۲]

”تین قسم کے لوگ جنتی ہیں: ایسا حکمران جو انصاف کرتا ہو، صدقہ دیتا ہو اور اُسے بھلائی کی توفیق دی گئی ہو، اور ایسا مہربان آدمی جو ہر قرابت دار کیلئے نرم دل ہو، اور اہل و عیال

رکھنے والا ایسا باحیا مسلمان جو دست سوال وراز کرنے سے کتراتا ہے“  
ایک حدیث میں آتا ہے کہ رحمت تو بد بخت آدمی کے سوا کسی سے سلب نہیں کی جاتی۔ لہذا  
ایک مؤمن انسان تو اللہ کے بندوں اور اُسکی مخلوق پر مہربان ہوتا ہے۔  
(۲۹)..... اللہ تعالیٰ اور لوگوں کیساتھ تواضع اختیار کرتا۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو بندہ اللہ کی خاطر تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ  
اُسے بلند کر دیتا ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی فرمائی ہے کہ تواضع  
اختیار کرو، یہاں تک کہ تم میں سے کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے، اور نہ ہی کوئی کسی پر فخر  
جتلانے۔ (اسے ابوداؤد و ترمذی نے ۱۲۵/۳ میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)

لہذا ایک مؤمن بندہ نہ تو اللہ کیساتھ تکبر کا معاملہ کرتا ہے اور نہ ہی اللہ کے بندوں کیساتھ۔  
بلکہ وہ خود کو حقیر جانتا ہے اور اسی وجہ سے اگر اُسکے ساتھ کوئی زیادتی ہو تو درگزر کرتا ہے، اُسکی  
بات نہ مانی جائے تو طیش میں نہیں آتا، اور نہ ہی خود پسندی کا شکار ہوتا ہے۔

(۳۰)..... بڑوں کی توقیر کرنا

(۳۱)..... چھوٹوں پر شفقت کرنا

آپ ﷺ کا فرمان ہے: [لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يُوَحِّمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوقِّرْ كَبِيرَنَا]

[ترمذی، مشکوٰۃ: ۴۲۳/۲]

”جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کرتا، وہ ہم میں  
سے نہیں۔“

(۳۲)..... تکبر اور خود پسندی سے اجتناب کرنا۔

تکبر کی تعریف خود نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

”الْكِبَرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمَطُ النَّاسِ“

حق کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر جاننا تکبر ہے“ (مسلم)

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

[لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ] [مسلم: ۶۵/۱]

”ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو“

ایک حدیث میں آتا ہے :

”تین چیزیں نجات دینے والی اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں: نجات دینے والی چیزیں جلوت و خلوت میں تقویٰ اختیار کرنا، ناراضگی اور رضامندی میں حق بات کرنا، اور تنگدستی و خوشحالی میں میانہ روی اختیار کرنا ہیں۔ اور ہلاک کرنے والی چیزیں ایسی خواہش جس کی پیروی کی جائے، ایسی لالچ جس کے پیچھے چلا جائے اور خود پسندی ہیں۔ اور یہ (خود پسندی) شدید تر ہے“ (شعب الایمان للبیہقی، مشکوٰۃ: ۴۳۴/۲)

لہذا مومن نہ تکبر کرتا ہے، نہ حق کی مخالفت کرتا ہے اور نہ ہی خود پسندی کا شکار ہوتا ہے۔ (۳۳)..... حسد اور کینے سے باز رہنا۔

مومن کو اپنے بھائیوں کے پاس موجود نعمتوں پر خوش ہونا چاہیے اور اُنکے زوال کی تمنا کرنے کے بجائے انہیں برکت کی دعا دینی چاہیے۔ اور حسد تو قرآنی نص کے مطابق یہود کی بیماری ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے: ”لَا تَبْغِضُوا وَلَا تَحَاسِدُوا وَلَا تَدَابُرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا“ [متفق علیہ]

”ایک دوسرے سے بغض مت رکھو، حسد مت کرو، ایک دوسرے کی طرف پیٹھ مت پھیرو، اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔“

حسد تو ایسا مرض ہے جو ایمان کو بگاڑ دیتا ہے اور ایسا اخلاق ہے جو ایمان کی ضد ہے۔ (۳۴) دنیاوی اور ایسے معاملات میں جن کا تعلق نفس کے ساتھ ہے، ان میں غصہ نہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾ [آل عمران: ۱۳۴]

”اور غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے“

اور آپ ﷺ نے ایک شخص کو وصیت کرتے ہوئے بار بار یہ بات دہرائی کہ ”غصہ مت کرو“ [بخاری]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے مسند کے حوالے سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ ”غصہ تمام برائیوں کو جمع کرنے والی چیز ہے“

لہذا ایک مومن کبھی اپنے نفس کی خاطر غصہ نہیں کرتا اور نہ ہی دنیا کے کسی نقصان پر غصہ کرتا ہے، اور غصہ آجائے تو اُسے دبا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ﴾ [الشوری: ۳۷]

”اور جب غصہ آجائے تو وہ معاف کرتے ہیں“

البتہ جب اللہ تعالیٰ کی حدود و پامال کی جائیں تو اُس موقع پر غصہ کرنا تو کمال ایمان کی دلیل ہے۔

(۳۵)..... اپنی زبان سے کلمہ توحید ادا کرنا۔ یعنی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہنا۔ یہ ایمان کا رکن ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

”الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَذْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ“ [متفق علیہ]

”ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں جن میں افضل ترین ”لا الہ الا اللہ“ کہنا، اور ادنیٰ ترین ایمان راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے۔ اور حیا بھی ایمان کی ایک عظیم شاخ ہے“

لہذا مومن کے دل کا قرار بھی پاکیزہ کلمہ ہے جسے وہ دہراتا رہتا ہے اور اسے پڑھ کر حلاوت و شیرینی اور نور و سرور محسوس کرتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے: ”جَلِدُوا الْإِيمَانَكُمْ، قَالُوا: وَكَيْفَ نَجِدُ الْإِيمَانَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: بِكَلِمَةٍ قَوْلٍ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“



”اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم کس طرح اپنے ایمان کی تجدید کریں؟ فرمایا: کثرت کے ساتھ ”لا الہ الا اللہ“ کہا کرو۔ (مسند احمد، امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسکے راوی ثقہ ہیں۔ دیکھئے: مجمع الزوائد: ۸۲/۱، اور امام منذری رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے: الترغیب: ۵/۳، البانی رحمہ اللہ نے الصحیح میں اسے صحیح قرار دیا ہے)

(۳۶)..... قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ﴾ [فاطر: ۲۹]

”بلاشبہ جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو ہرگز تباہ نہیں ہوگی“

اور فرمایا: ﴿أَتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ﴾ [العنکبوت: ۴۵]

”اے (نبی!) اس کتاب کی تلاوت کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی گئی“

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾

”(سچے) مومن تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو انکے دل کانپ اٹھتے

ہیں اور جب ان پر اسکی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو وہ الٹا ایمان بڑھا دیتی ہیں“

قرآن مجید کی تلاوت کرنا نہ صرف خود ایمان کی عظیم ترین شاخ ہے بلکہ قرآن مجید تو ایمان کی دوسری شاخوں کی طرف رہنمائی بھی کرتا ہے اور اسکی تلاوت اور درس و تدریس سے ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ لہذا مومن قرآن مجید کی تلاوت کا اہتمام کرتا ہے، اس پر تدبر اور غور و فکر کرتا ہے، اسکے احکامات کی تعمیل کرتا ہے، اس پر پختہ ایمان لاتا ہے اور اسے پیٹھ پیچھے نہیں بھینکتا۔

قرآن مجید ایمان کی مضبوطی کا اہم ترین سبب ہے اگر آپ چاہیں تو اسکی حفاظت کریں اور چاہیں تو اسے ضائع کر دیں۔

(۳۷)..... علم سیکھنا

(۳۸)..... اور علم سکھانا

علم اور ایمان دونوں ہی نور ہیں اور ایک دوسرے کیساتھ لازم و ملزوم۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا يَنْعَشِي اللَّهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾

”بس اللہ سے اسکے بندوں میں سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں“ [فاطر: ۲۸]

اور فرمایا: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾

[الزمر: ۹]

”کہہ دیجئے! کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں۔“

نیز فرمایا: ﴿يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾

[المجادلة: ۱۱]

”تم میں سے جو ایمان لائے ہیں اور جنہیں علم دیا گیا ہے، اللہ انکے درجات بلند کریگا“

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفْقِهْهُ فِي الدِّينِ“

[متفق علیہ]

اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آتا ہے:

”مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ“

”جو شخص علم کی تلاش میں کسی راہ پر چلے، اللہ تعالیٰ اُس کیلئے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے“

○ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”خَصَلْتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُنَافِقٍ: حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا لِقَةُ فِي الدِّينِ“

”دو خصلتیں کسی منافق میں جمع نہیں ہو سکتیں: ظاہری ہیئت دروئیہ کی خوبصورتی اور نہ ہی

دین کی سمجھ بوجھ“

(اسے ترمذی نے حسن سند کیساتھ روایت کیا (۱۱۴/۲)، دیکھیے: مشکوٰۃ: ۱۱/۳۴)

○ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ایسی عبادت میں کوئی خیر نہیں جو فقہات سے خالی ہو، اور ایسی فقہات میں کوئی خیر نہیں جو فہم سے عاری ہو، اور ایسی قرأت میں بھی کوئی خیر نہیں جس میں تدبر نہ ہو“

[مفتاح دار السعادة]

مؤمن کبھی علم سے سیر نہیں ہوتا، بلکہ ہر وقت حصول علم کی تگ و دو میں لگا رہتا ہے، تمام علوم کو سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے دین میں بصیرت کا طلبگار رہتا ہے، اور حتی الامکان علم کی نشر و اشاعت بھی کرتا ہے۔

اور جو شخص حصول علم کی کوئی رغبت ہی نہیں رکھتا وہ مؤمنین میں سے نہیں۔ کیونکہ مؤمن کے دل میں تو اللہ تعالیٰ کی اس قدر محبت ہوتی ہے کہ وہ رضاء الہی کے حصول کی راہیں تلاش کرتا ہے اور یہ راہیں کتاب و سنت سے مستفاد علم نافع ہی بتلاتا ہے۔ لہذا مؤمن ہمیشہ اپنے دین کے حوالے سے سوال کرتا رہتا ہے اور جو لوگ اپنے دین سے تغافل برتتے ہیں وہ خسارہ پانے والے لوگ ہیں۔

(۳۹).....دُعا کرتا

مؤمن اپنی دنیوی و اخروی تمام ضروریات کے لئے اپنے رب سے دعا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ [المومن: ۶۰]

”اور تمہارے رب نے کہا ہے: تم مجھے پکارو، میں تمہاری (دعائیں) قبول کروں گا، بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہونگے۔“

اور فرمایا: ﴿وَأَسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ﴾. [النساء: ۳۲]

”اور تم اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو“

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ”مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللَّهَ يَفْضُبْ عَلَيْهِ“۔ ”جو اللہ سے نہیں مانگتا، اللہ تعالیٰ اُس پر ناراض ہوتا ہے“

(امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن سند کیساتھ روایت کیا ہے۔ ۱۲۸/۳)

لہذا مومن اپنی زبان اور دل کیساتھ صرف اللہ کو پکارتا ہے، مشکلات اور پریشانیوں میں اُسی سے لو لگاتا ہے، اور اپنے رب سے تضرع، عاجزی اور خوف و امید کیساتھ دعا مانگتا ہے اور دعا میں بھی نبی کریم ﷺ کی اقتدا کرتا ہے کیونکہ دعا بذات خود ایک عظیم عبادت ہے۔ اور دعا ایسی چیز ہے جو ایمان مضبوط کرتی اور دلوں کو متحرک کرتی ہے، نیز اسکے ذریعے دلوں کی سختی دور ہوتی ہے۔ ہم انتہائی تضرع کیساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی اطاعت کرنے والوں میں شامل فرمالے۔ آمین۔

(۴۰).....! اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے ترک نہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے مخلص اہل ایمان کا تذکرہ کرتے ہوئے انکی صفات میں ذکر الہی کی کثرت کو بھی شمار کیا ہے اور اُن سے جنت اور مغفرت کا وعدہ بھی فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِي يَكُفِّرُ عَنْ كَثِيرٍ﴾ اور اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں ان سب کیلئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

نیز فرمایا: ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾

[البقرة: ۱۰۲]

”چنانچہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور میری نافرمانی نہ کرو“

ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿وَلَا تَكْفُرُوا بِاللَّهِ أَكْفَرُ﴾ [العنكبوت: ۴۰]

”اور بلاشبہ اللہ کا ذکر تو سب سے بڑی چیز ہے“

اور منافقین کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ [النساء: ۱۴۲]

”اور وہ اللہ کو بس تھوڑا ہی یاد کرتے ہیں“

ذکر ہی تمام عبادات کا مرکزی نکتہ ہے، کیونکہ جہاد، حج، نماز اور باقی تمام عبادات ذکر الہی کے قیام کیلئے ہی ہوتی ہیں۔ مختلف مواقع پر پڑھی جانے والی دعائیں بھی ذکر میں شامل ہیں، جیسے مسجد میں داخل ہونے کی دعا، گھر میں داخل ہونے کی دعا وغیرہ۔

ذکر کے بہت سے فوائد ہیں، تقریباً سو فائدے تو امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”الوایل بالصیب“ میں جمع فرمائے ہیں۔

یہ بات بھی جان رکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے جس ذکر کا حکم دیا ہے وہ شرعی ذکر ہے جو انسان کے دل میں خشیت الہی پیدا کرے، معرفت کے جوت جگائے، محبت کا باعث بنے، اور بندے پر علوم نافعہ کے دروازے کھول دے۔

وہ ذکر جو دھیمی آواز کیساتھ، اللہ سے ڈرتے ہوئے، اسکی تعظیم اور ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا جائے، زبان کیساتھ دل بھی اسکی گواہی دے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو۔ اور ایسا ذکر جو لوگوں کو دکھانے کیلئے بلند آواز کیساتھ کیا جائے، یا جس کا مقصد صرف یہی ہو کہ جلدی جلدی گنتی پوری کی جائے، اسے ذکر سے تھکاوٹ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اسی طرح فقط، اللہ، اللہ، اور ”ہُو، ہُو“ کا ورد کرنا بھی بدعت ہے لہذا ایسے اذکار میں خود کو مت تھکائیے۔

(۳۱)..... بغویات سے اجتناب۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾ [المومنون: ۳]  
”اور وہ لغو باتوں سے منہ موڑنے والے ہیں“

نیز فرمایا: ﴿وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا﴾ [الفرقان: ۷۲]

”اور جب کسی لغو اور بیہودہ کام سے انکا گزر رہو تو وہ عزت و وقار سے گزر جاتے ہیں“  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

[مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكَلِّمْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ]

[مسلم: ۵۰/۱]

”جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہئے کہ اچھی بات کرے، یا پھر خاموش رہے“

ہر وہ کام لغو ہے جو نہ دنیا میں کوئی فائدہ دے اور نہ ہی آخرت کے لئے مفید ہو۔

مومن اپنی زبان کو ہر لغوبات سے بچاتا ہے، کیونکہ فضولیات بکنے سے ایمان اور عبادات کا نور زائل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے جب معاذ رضی اللہ عنہ کو خیر کے تمام ابواب کی تعلیم دی تو فرمایا: ”کیا میں تمہیں ان تمام چیزوں کو قائم رکھنے والی چیز کی خبر نہ دوں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں، تو آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا: اسے روک کر رکھو۔

(اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد رحمہما نے صحیح سند کیساتھ روایت کیا)

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زبان کی حفاظت گویا تمام دین کی حفاظت ہے۔ اور بھی کئی احادیث ہیں جن میں لغوباتوں کے نقصانات بیان کئے گئے ہیں، اسی لیے ایک مومن بندہ اپنے آپ کو ہر ممکن طریقے سے ان لغویات سے بچانے اور ان سے دور بھاگنے پر مجبور پاتا ہے۔

(۴۲)..... تمام نجاستوں اور میل کچیل سے ظاہری و باطنی طہارت اختیار کرنا۔ مومن دل کے اعتبار سے بھی پاکیزہ ہوتا ہے اور کپڑے و بدن کے لحاظ سے بھی صفائی کا خیال رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وَلْيَأْتِكُمْ قَطَٰئِرٌ“ [المدثر: ۴]

”اور اپنے کپڑے پاک رکھیے“

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

”بیشک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، صاف ستھرا ہے اور صفائی کو پسند

کرتا ہے، لہذا اپنے برتنوں کو صاف رکھو اور یہود کی مشابہت سے بچو“

(اسے ترمذی رحمہ اللہ نے حسن سند کیساتھ روایت کیا ہے، اگرچہ بعض نے اس میں کلام کیا

ہے۔ دیکھئے: مشکوٰۃ: ۳۷۵/۲)

اللہ تعالیٰ سچے مومنین کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ﴾ [التوبة: ۱۰۸]

”اس میں ایسے لوگ ہیں جو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ وہ پاک ہوں اور اللہ پاک رہنے والوں کی پسند کرتا ہے“

مومن اپنے اللہ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ہمیشہ پاک صاف رہتا ہے۔

(۳۳)..... اپنی شرمگاہ کو چھپانا

مرد کا ستر گھسنے سے ناف تک ہے اور عورت کا پورا بدن ہی ستر کے لائق ہے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے۔  
www.KitaboSunnat.com

مومن کثرت حیا کی وجہ سے اپنی شرمگاہ کو کبھی ظاہر نہیں کرتا سوائے اُس جگہ کے جہاں ظاہر کرنا جائز ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ﴾ [النور: ۱۰]

”(اے نبی) آپ مومن مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کیلئے بہت پاکیزہ (عمل) ہے“

حدیث میں آتا ہے: ”اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو سوائے اپنی بیوی اور لونڈی کے۔ صحابی فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر کوئی آدمی اکیلا ہو تو پھر کیا حکم ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اُس سے حیا کی جائے۔

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

جو حیا باخستہ لوگ اپنی شرمگاہوں کو دوسروں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں وہ اُس ایمان سے محروم ہیں جو انسان کو حیا کا درس دیتا ہے۔

(۳۴)..... فرض نماز کی پابندی کرنا

یہ ایمان کی عظیم ترین شاخ ہے، اللہ تعالیٰ اور اسکی توحید کے اقرار کے بعد سب سے پہلے یہی فریضہ ہم سب پر عائد ہوتا ہے اور جان بوجھ کر اسے ترک کرنے والا مؤمن نہیں ہو سکتا اگرچہ ایمان کا دعویٰ کرے، بلکہ رائج قول کے مطابق وہ کافر ہے۔ اسکے تفصیلی دلائل ”فتاویٰ الدین الخالص“ میں بیان کر چکے ہیں۔

نماز کے ذریعے انسان کا تعلق رب رحمن کیساتھ استوار ہوتا ہے، وحشت دور ہوتی ہے، نماز برائی سے روکتی ہے، اسکے ان گنت فوائد ہیں جن سے ہر مؤمن مسلمان واقف ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ”نماز نور ہے“

(۳۵)..... لقل نماز پڑھنا

ایک مؤمن جس طرح فرض نمازوں کی پابندی کرتا ہے اسی طرح وہ نوافل کو بھی فراموش نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے کامل مؤمنین کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ لِرَبِّهِمْ مَسْجِدًا وَقِيَامًا﴾ [الفرقان: ۶۴]

”اور وہ جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں رات گزارتے ہیں“

اور فرمایا: ﴿تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ [السجدة: ۱۶]

”انکے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں“

اور فرمایا: ﴿كَانُوا أَقْلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ﴾ [الذاریات: ۱۷]

”وہ رات کو بہت ہی تھوڑا سوتے تھے“

رات کی نماز ایمان کی عظیم ترین خصلت ہے۔ اور نوافل کی اتنی اہمیت ہے کہ اچھی طرح وضو کرنے کے بعد خشوع و خضوع سے دو رکعت نماز پڑھنے پر جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ (دیکھئے: صحیح مسلم: ۱۱۹/۱)

لہذا ایک مومن کو نوافل سے تغافل نہیں برتنا چاہیے۔

(۳۶)..... زکوٰۃ کی ادائیگی۔



یہ بھی اسلام کی بنیادوں میں سے ہے اور نماز کی بہن ہے، اور اس سے نفوس کا تزکیہ بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ (ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ) (۴۷)..... نقلی صدقہ خیرات کرنا

خرچ کرنا ہر مخلص مؤمن کی مفت ہے، یہ صرف دولت مندوں کا کام نہیں جیسا کہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ ہر مؤمن تنگ دستی و خوشحالی میں خرچ کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں کئی مقامات پر اسکا تذکرہ فرمایا ہے۔  
فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿أَعِدْتُ لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يَنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ﴾ [آل عمران: ۱۳۳-۱۳۴]

”وہ جنت پر ہیزگاروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ وہ لوگ جو خوشی اور سختی کے موقع پر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں“

نیز فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ [البقرة: ۱۶۷]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو“  
مؤمن کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ...﴾ [البقرة: ۱۷۷]

”بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر (آسمانی) کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال سے محبت کے باوجود اسے رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں اور گردنیں چھڑانے کیلئے خرچ کرتے ہیں“

مؤمن کبھی بخل نہیں کرتا، بلکہ اپنے مال کو کتاب و سنت میں مذکور شرائط کے مطابق اللہ کی رضا جوئی کیلئے خرچ کرتا رہتا ہے، اور اپنے اہل خانہ پر خرچ کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ سے

اجری امید رکھتا ہے کیونکہ یہ بھی صدقہ ہے۔

(۳۸)..... غلاموں کو آزاد کرنا۔

اسکی دوسو صورتیں ہیں: غلام کو آزاد کر دینا: اور اسکا قرض ادا کر دینا۔

یہ بھی مؤمنین کی صفت ہے جیسا کہ مندرجہ بالا آیت میں اسکا تذکرہ ہو چکا۔

(۳۹)..... سخاوت

(۵۰)..... مہمان کا اکرام

نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا: سب سے بہتر اسلام کیا ہے؟ فرمایا:

”نُطْعِمُ الطَّعَامَ وَ تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ“

”سب سے بہترین اسلام ہے کہ تم دوسروں کو کھانا کھلاؤ اور جاننے والے اور انجان سب

کو سلام کرو“ (صحیح البعاری مع الفتح: ۴۷/۱)

ایک اور حدیث میں آتا ہے: [مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ]

”جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام

کرتے“ (مسلم: ۵۰/۱)

لہذا ایک مؤمن بھی ہوتا ہے اور بڑی رغبت و چاہت سے مہمان کی تواضع کرتا ہے اور کھانا

کھلاتا ہے، مہمانوں کی آمد پر ناک نہیں چڑھاتا اور نہ ہی تین دن تک انہیں ٹھہرانے اور

خاطر مدارت کرنے میں کوئی تنگی محسوس نہیں کرتا ہے۔

(۵۱)..... فرض روزے رکھنا

یہ بھی اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہیں جنکے دلائل کتاب و سنت میں معروف ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ

عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

”اے ایمان والو! تم پر صوم (روزے رکھنا) اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح ان

لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم متقی بن جاؤ“ (البقرہ: ۱۸۳)

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

”مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ“

[ببخاری مع الفتح: ۷۷/۱]

”جس شخص نے ایمان کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے اجر حاصل کرنے کیلئے رمضان کے روزے رکھے، اُسکے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

(۵۲)..... نفلی روزے رکھنا

مومن صرف فرض روزوں پر اقتصار نہیں کرتا، بلکہ حتی المقدور نفلی روزے بھی رکھتا ہے۔  
اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ﴾ .... ”روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں“  
یہاں فرضی و نفلی دونوں قسم کے روزے مراد ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ جنت کے کئی دروازے ہیں، جو نماز والے ہیں انہیں نماز کے دروازے سے پکارا جائے گا، جو صدقہ دینے والے ہیں، انہیں باب صدقہ سے پکارا جائے گا، اور جو روزے رکھنے والے ہیں انہیں ”باب ریان“ سے بلایا جائے گا۔ (متفق علیہ)  
”ریان“ کا معنی ”خوب سیراب کرنے والا“ ہے  
(۵۳)..... حج کرنا۔

جو کہ تمام اہل استطاعت پر فرض ہے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ حج کرنے سے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (مسلم: ۱۶/۱)  
ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں: ”الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ“

”ایک عمرے کے بعد دوسرا عمرہ درمیان والے تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، اور حج مبرور کا صلہ جنت کے سوا کچھ نہیں“ [متفق علیہ]  
ایک حدیث میں آتا ہے:

”مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ“ [متفق علیہ]  
 ”جس نے اللہ کیلئے حج کیا اور اس میں نہ تو کوئی بے ہودہ کام کیا اور نہ گناہ کیا، وہ حج سے  
 اس طرح لوٹتا ہے گویا اسکی ماں نے اُسے آج ہی جنا ہو“

حج بھی اسلام کا ایک رکن ہے۔ لہذا مومن اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ حج بیت اللہ کا شرف  
 حاصل کرے، اپنے رب کے گھر کی زیارت کرے اور حج کے عظیم ثواب سے بہرہ مند ہو۔  
 جو لوگ مال جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور قدرت کے باوجود حج نہیں کرتے وہ  
 یہودیت و نصرانیت کی موت مرتے ہیں۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَلِكَ۔ سلف صالحین کی تو یہ  
 عادت تھی کہ جن لوگوں کے پاس زادراہ نہ ہوتا انہیں بھی اپنے خرچ پر حج کرواتے۔  
 (۵۴)..... عمرہ کرنا

عمرہ بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ (البقرة / ۱۹۶)

اور حدیث میں آتا ہے: ”اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی  
 عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، حج و  
 عمرہ کرو، غسل جنابت کرو، وضو کو مکمل کرو، اور رمضان کے روزے رکھو“ سائل نے کہا: اگر  
 میں یہ سب کر لوں تو میں مسلمان ہوں؟ فرمایا: ہاں۔ سائل نے کہا: آپ سچ کہتے ہیں۔  
 (اسے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا، الترغیب ۱/۱۶۳)، یہ حدیث جبریل ہے)  
 مومن کا حج و عمرہ سیر و تفریح یا دکھلاوے کیلئے نہیں، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور  
 گناہوں کی معافی کے لئے ہوتا ہے۔

(۵۵)..... بیت اللہ کا طواف کرنا

بیت اللہ کا طواف ایمان کا حصہ ہے، اور اسکے علاوہ کسی اور گھر کا طواف کرنا شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتَمِيِّ﴾ [الحج: ۲۹]

”اور چاہے کہ قدیم گھر (بیت اللہ) کا طواف کریں۔“

طواف بیت اللہ کی فضیلت میں بہت سی احادیث منقول ہیں، جنہیں آپ الترغیب والترہیب (۱۹۱/۲) میں دیکھ سکتے ہیں۔

لہذا کوئی مومن جب مکہ میں ہوتا ہے تو اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کرتا اور موقع کو غنیمت جانتے ہوئے کثرت کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسکی توفیق عطا فرمائے۔

(۵۶)..... اعکاف کرنا

اعکاف بھی ایک عظیم عبادت ہے، نبی کریم ﷺ ہر رمضان المبارک میں اعکاف کیا کرتے تھے، اسکے بے شمار فوائد ہیں: نبی کریم ﷺ کی اتباع، اللہ تعالیٰ سے تعلق، دل کی یکسوئی اور گناہوں کی معافی ان میں سرفہرست ہیں الحمد للہ یہ سطور بھی خیمہ اعکاف میں لکھی جا رہی ہیں۔ (۲۲ رمضان ۱۴۱۳ھ)

(۵۷)..... لیلة القدر کو تلاش کرنا

حقیقی محروم وہی ہے جو اس بابرکت رات سے محروم رہا۔ (مسند احمد، نسائی)  
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:  
”مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ“ [بخاری]۔  
”جس نے ایمان کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے اجر کی نیت سے لیلة القدر کا قیام کیا، اسکے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے، گویا صرف ایک رات کی عبادت چوراسی سال کی عبادت کے برابر ہے۔ لہذا ایک مومن اس رات کو پانے کا حریص ہوتا ہے تاکہ اس کا عظیم ثواب حاصل کر سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی تمام عمر اس رات کو پانے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۵۸)..... اپنے دین و ایمان کی بچانے کیلئے فرار اختیار کرنا

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”يُوشِكُ أَنْ يُكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ عَنْهُمْ يَتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ“ [بخاری : ۱۵۰/۱]

”قريب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال اسکی بکریاں ہو جائیں گی جنہیں لیکر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات پر چلا جائے اور اپنے دین کو فتنوں سے بچائے گا۔“

○ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! نجات کیا ہے؟ فرمایا: ”أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعَكَ يَتُّكَ وَابْنُكَ عَلَى خَطِيئَتِكَ“ ... ”اپنی زبان کو اپنے اوپر روک رکھو، اپنے گھر کو اپنے لئے وسیع سمجھو اور اپنی خطاؤں پر آنسو بہاؤ۔“ (ترمذی: ۲۸۷۱/۲، أحمد: ۱۳۸/۳)

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آتا ہے: ”هَيَادَةُ فِي الْهَجْرَةِ إِلَى“  
”قتل و غارت کے زمانے میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کے برابر ہے“  
(۵۹)..... دار الکفر سے دار الایمان یا دار الایمن کی طرف ہجرت کرنا۔

اور گناہوں سے نیکیوں کی طرف ہجرت کرنا۔

حدیث میں آتا ہے: ”إِنَّ الْهَجْرَةَ تَهْدِيهِمْ مَا كَانُوا قَبْلُهَا“

”بے شک ہجرت سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔“ (مشکوٰۃ: ۱۳/۱۱)

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منع کردہ چیزوں کو چھوڑ دے۔  
ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ مہاجر وہ ہے جو گناہ اور خطائیں چھوڑ دے۔ ایک مؤمن کبھی اپنے گھر، زمین، زراعت اور وطن کو اپنے دین اور آخرت پر ترجیح نہیں دیتا، بلکہ اپنے دین کی حفاظت اور اخروی سعادت کی خاطر سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔

ایک مؤمن کو چاہیے کہ شرک و بدعت اور بے راہ روی کی تمام مجالس سے کنارہ کشی اختیار کر لے یہ بھی ہجرت ہی کا ایک حصہ ہے۔

(۶۰)..... نذر پوری کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يُؤْفُونَ بِالْأَنْذَرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا﴾ [الانسان: ۷]  
 ”وہ اپنی نذریں پوری کرتے اور اس دن سے خوف کھاتے ہیں جس کی آفت (ہر طرف) پھیلی ہوگی۔

حدیث میں آتا ہے: ”جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی نذر مانی، اُسے چاہیے کہ اللہ کی اطاعت کرے، اور جس نے نافرمانی کی نذر مانی، وہ نافرمانی نہ کرے۔ (بخاری)  
 لہذا مومن اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مبنی نذر پوری کرتا ہے اور اپنی نذر کو کسی چیز سے مشروط بھی نہیں کرتا۔ مثلاً یہ نہیں کہتا: اے اللہ! اگر تو نے میرے مریض کو شفا دی تو میں فلاں نیکی کروں گا۔ یہ تو بخیل لوگوں کا طریق کار ہے۔ لہذا ہمیں غیر مشروط طور پر اللہ کی عبادت اور صدقہ خیرات کرنا چاہئے۔

(۶۱)..... قسم میں احتیاط کرنا  
 مومن اللہ کے سوا کسی کی قسم نہیں اٹھاتا، کیونکہ حدیث میں آتا ہے: ”مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ“

”جس نے غیر اللہ کے نام کی قسم اٹھائی اُس نے شرک کیا“  
 ایک اور حدیث میں آتا ہے: [اخْلِفُوا بِاللَّهِ وَتَرَوْا، وَأَصْلُوا فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ يُحْلَفَ بِهِ] [صحيح الجامع الصغير: ۱۰۲/۱]

”اللہ کے نام کی قسم اٹھاؤ اور اُسے پورا کرو، اور سچ کہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ بات پسند کرتا ہے کہ اُسکے نام کی قسم اٹھائی جائے“

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ“۔ [المائدة: ۸۹]  
 ”اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو“

لہذا مومن غیر اللہ کی قسم نہیں اٹھاتا، جھوٹی قسمیں بھی نہیں اٹھاتا، اور اپنی قسموں کو پورا کرتا ہے۔

(۶۲)..... کفارہ ادا کرنا

خواہ قتل کا کفارہ ہو، ظہار کا ہو، یا قسم کا مؤمن کفارہ ادا کرنے میں سستی یا غفلت نہیں برتا، کیونکہ کفارے کو ادا نہ کرنا منافقین کا شیوہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ظہار کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے:

﴿ذَلِكَ لِيُثَبِّرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ [المجادلة: ۴]  
 ”(یہ حکم) اس لئے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ“  
 گویا کفارہ ادا کرنا بھی ایمان ہے۔

(۶۳)..... نکاح کے ذریعے پاک دامنی تلاش کرنا  
 مؤمن اس لیے نکاح کرتا ہے کہ فواحش و منکرات سے بچ سکے۔

حدیث میں آتا ہے: ”ثَلَاثَةٌ حَقُّ عَلَى اللَّهِ عَوْنُهُمْ: الْمَكَاتِبُ الَّتِي يُرِيدُ الْأَذَاءَ، وَالنَّاسِخُ الَّذِي يُرِيدُ الْعَفَافَ، وَالْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ“  
 [ترمذی: ۱۳۰/۱، نسائی: ۶۷۷/۲]

”تین قسم کے افراد ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ پر لازم ہے: وہ مکاتب غلام جو اپنی قیمت ادا کرنا چاہتا ہے، وہ نکاح کرنوالا جو پاکدامنی کا طلبگار ہے، اور مجاہد فی سبیل اللہ“  
 جب کہ منافق اپنی شہوات کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے اور بدکرداری سے باز نہیں آتا، اگرچہ اُسکی چار بیویاں کیوں نہ ہوں“

(۶۴)..... اہل و عیال کے حقوق ادا کرنا اور انکی تربیت کا اہتمام کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾  
 سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو بھلائی کی تعلیم دو۔

اور ایک حدیث میں آتا ہے: اپنے گھر والوں کو ادب سکھانے کیلئے اپنی لاشیں اُن سے نہ اٹھاؤ۔ (احمد: ۲۳۸/۴، مشکوٰۃ: ۱۸/۱)

(۶۵)..... والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا

حدیث میں آتا ہے: ”أَلْوَالِدُ أَوْ سَطْرُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَإِنْ شِئْتَ فَحَافِظْ عَلَيْهِ وَإِنْ



شِئْتِ لَفْظِيَّتُهُ“ [مشکوٰۃ: ۲/۴۶۰]۔

”والد جنت کا درمیانی دروازہ ہے، اب چاہو تو اسکی حفاظت کرو اور چاہو تو اُسے ضائع کر دو“ ایک مشہور حدیث میں آتا ہے:

”اُس آدمی کا ناک خاک آلود ہو جو اپنے والدین کو یا اُن میں سے کسی ایک کو بڑھا پے کی حالت میں پالے اور انکی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہو سکے۔“ (مشکوٰۃ: ۱/۸۶۱)

ایک اور حدیث میں آتا ہے: اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بھلا اپنے والدین کو بھی کوئی گالی دیتا ہے؟ فرمایا: ہاں! کسی دوسرے کے باپ کو جب گالی دیتا ہے تو وہ اسکے باپ کو گالی دیتا ہے، اور جب وہ کسی دوسرے کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اسکی ماں کو گالی دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

لہذا مومن اپنے والدین کی عزت کرتا ہے اور انکی خدمت پر کمر بستہ رہتا ہے، اور انکی نافرمانی سے اجتناب کرتا ہے۔

(۶۶).....صلہ رحمی کرنا

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں کئی جگہوں پر صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا ہے، جبکہ قطع رحمی کرنے والوں کا شمار منافقین میں کیا ہے۔

حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

میں ہی اللہ، اور میں ہی رحمن ہوں، رحم (رشتہ داری) کو بھی میں نے ہی پیدا کیا ہے، اور میں نے اسے اپنے نام سے مشتق کیا ہے، لہذا جو شخص اسے جوڑے گا میں اُسے جوڑ دوں گا اور جو اسے توڑے گا میں اُسے توڑ دوں گا۔ (ابوداؤد: ۱/۳۱۸، مشکوٰۃ: ۲/۴۲۰)

چنانچہ ہر اُس تعلق و رشتے کو جوڑنا ہے جسے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اگرچہ اُسکے عزیز و اقارب اُسے توڑنے کی کوشش کریں۔ اور صلہ رحمی میں ایک دوسرے کی زیارت، رشتہ داروں پر خرچ اور انہیں نرمی و محبت کیساتھ دعوت دینا بھی شامل ہے۔

(۶۷)..... آقا کی اطاعت کرنا اور غلام کیساتھ نرمی کرنا

مومن اگر آقا ہو تو غلام پر نرمی کرتا ہے اور اگر غلام ہو تو آقا کی اطاعت کرتا ہے۔  
ایک حدیث میں آتا ہے کہ تین قسم کے لوگوں کیلئے ذہرا اجر ہے، اور اُن لوگوں میں آپ ﷺ نے اُس غلام کا تذکرہ بھی کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرتا ہے اور اپنے مالک کے حقوق بھی ادا کرتا ہے۔ (متفق علیہ)

(۶۸)..... عدل و انصاف کیساتھ فیصلے کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾  
”بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حقداروں کو واپس کر دو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو“ [النساء: ۵۸]  
عدل و انصاف کرنے والا حکمران بھی اُن سات خوش نصیبوں میں شامل ہے جنہیں عرش کا سایہ نصیب ہوگا۔ (کَمَا فِي الْحَدِيثِ الْمُتَّفَقِ عَلَىٰ صِحَّتِهِ)۔  
لہذا مومن کو جب کوئی ذمہ داری دی جائے تو وہ اس میں عدل و انصاف پر قائم رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اُسکے بندوں کے حقوق ادا کرتا ہے اور اپنی امارت میں شہوات و لذات کے پیچھے نہیں بھاگتا۔

(۶۹)..... جماعت کی پیروی کرنا

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد والے اہل ایمان کی جماعت کی پیروی کرنا بھی ایمان کی شاخ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَ ثَٰبِ مَصِيرًا“۔

[النساء: ۱۱۵]

”اور جس شخص کے سامنے واضح شکل میں ہدایت آجائے اور اسکے بعد وہ رسول کی مخالفت کرے، اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ جانا چاہے اور ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے۔“

حدیث میں آتا ہے کہ تین چیزوں پر کسی مسلمان کا دل کبھی کھوٹا نہیں ہوتا: عمل کو اللہ کے لئے خالص کرنا، مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا، اور انکی جماعت کو لازم پکڑنا کیونکہ انکی دعائیں پیچھے والوں کو بھی احاطے میں لے لیتی ہیں۔ (مشکوٰۃ: ۱/۳۵)

جماعت کی پیروی کا معنی یہ ہے کہ نئے نئے طریقے اور بدعات ایجاد نہ کرے کہ جن پر کوئی نص یا مسلمانوں کا اجماع نہ ہو بلکہ شریعت کے تمام احکامات میں سلف صالحین کی راہ اپنائی جائے۔

(۷۰).....اولی الامر کی اطاعت کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ [النساء: ۵۹]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔“

حدیث میں آتا ہے: جس نے میرے امیر کی اطاعت کی، اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی، اُس نے میری نافرمانی کی۔ (بخاری)

(۷۱).....لوگوں کے درمیان صلح کرانا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾

[الأنفال: ۱]

”اور آپس میں باہمی اصلاح کر لو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مؤمن ہو“  
 اور فرمایا: ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا﴾  
 [الحجرات: ۹]

”اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرادو“  
 ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿لَا خَيْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ یَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتَغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ أَجْرًا عَظِیْمًا﴾  
 [النساء: ۱۱۴]

”ان کی اکثر خفیہ سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی مگر جو شخص صدقے یا نیکی یا لوگوں کے درمیان صلح کا حکم دے (تو یہ اچھی بات ہے) اور جو کوئی اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے ایسا کرے، تو ہم اسے جلد بہت بڑا اجر عطا کریں گے۔

(۷۲)..... امر بالمعروف ونہی عن المنکر

یہ بھی ایمان کی ایک عظیم شاخ ہے، اسے نیکیوں کی ماں بھی کہا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

[آل عمران: ۱۰۴]

”اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونے چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے، اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

اور فرمایا: ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُعِظُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾. [التوبة: ۷۱]

”مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے

رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔“

ایک حدیث میں آتا ہے: ”لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوقِرْ كَبِيرَنَا وَيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ“ (مشکوٰۃ: ۲/۴۲۲)

”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے، بڑوں کا احترام نہ کرے، نیکی کا حکم نہ دے اور برائی سے نہ روکے“

نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا کبھی ہاتھ سے ہوتا ہے، کبھی زبان یا قلم سے، اور کبھی دل میں بُرا جانے سے۔

ایک مومن کبھی اس فریضے کو فراموش نہیں کر سکتا کیونکہ اس سے بے توجہی کا نتیجہ پوری کائنات میں بگاڑ کی صورت میں نکلتا ہے۔

(۷۳)..... حدود الہی اور جہاد کا قیام

ایسی حکومت کا قیام تمام مسلمانوں پر واجب ہے جو حدود الہی کو قائم کرے تاکہ ظلم و فساد اور فواحش و منکرات کا خاتمہ ہو سکے۔

صرف ایک حد کا قائم کیا جانا چالیس دن کی بارش سے زیادہ خیر و برکت کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾

[المائدہ: ۴۴]

”اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی کافر ہیں۔“

﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ [المائدہ: ۴۵]

”اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی ظالم ہیں۔“

﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ [المائدہ: ۴۷]

”اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی نافرمان ہیں۔“

جہاد فی سبیل اللہ بھی اقامت حدود کا ایک ذریعہ ہے، جو انتہائی فضیلت کا حامل ہے، اور ایمان کی عظیم ترین شاخ ہے، جس پر عمل پیرا ہونا واجب ہے، کیونکہ جہاد کے بغیر نہ تو دنیا

سے شروفساد کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی دین اسلام قائم ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں متعدد مواقع پر اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے۔

نیز امام بخاری رحمہ اللہ صحیح بخاری، کتاب الایمان میں فرماتے ہیں: ”بَابُ الْجِهَادِ مِنَ الْإِيمَانِ“ یہ باب ہے اس بات کے بیان میں کہ جہاد ایمان میں سے ہے۔ اور پھر انہوں نے اُسکے تحت حدیث بیان فرمائی ہے۔

(۷۴)..... اللہ کے راستے میں سرحدوں پر مورچہ زن ہونا۔

مُروابط وہ مجاہد ہے جو مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت اور دشمنان دین کی شکست و ریخت کی خاطر سرحدوں پر مورچہ زن ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے: ”رِبَاطٌ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ وَإِنْ مَاتَ أُجِرَ عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَفْعَلُهُ وَأُجِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ وَأَمِنَ الْفِتْنَانُ“ [مسلم: ۱۶۱/۲]

”اللہ کے راستے میں ایک دن و رات کا رباط ایک ماہ کے روزوں اور قیام سے بہتر ہے، اور اگر وہ (مربوط) فوت ہو جائے تو اُس کا عمل جاری کر دیا جاتا ہے جو وہ کیا کرتا ہے، اور اس کا رزق بھی جاری ہو جاتا ہے اور وہ قبر کے عذاب سے بھی بچ جاتا ہے“ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے:

”رِبَاطٌ يَوْمٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا“ [متفق علیہ]

”اللہ کے راستے میں ایک دن کا رباط دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے“

مسجد میں بیٹھ کر نمازوں کا انتظار کرنا بھی رباط میں داخل ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے۔

(۷۵)..... امانت ادا کرنا

امانت کا لفظ عام ہے جس میں بندوں کی امانتیں بھی شامل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی امانت بھی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾

[النساء: ۵۸]

”بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حقداروں کو واپس کر دو“  
 اور ایک حدیث میں آتا ہے: ”آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا  
 أَوْثَقَ خَانَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ“ [بمعاری]  
 ”منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب کوئی امانت رکھوائی  
 جائے تو خیانت کرے، اور جب کوئی عہد کرے تو اُسے توڑ دے“  
 مؤمن تمام امانات کو دیانت داری سے ادا کرتا ہے، خواہ مالی امانت ہو، قول و فعل کی امانت  
 ہو، درس و فتویٰ کی امانت ہو، یا جاہ و نفس کی امانت۔ مؤمن ہر امانت میں خیانت سے  
 اجتناب کرتا ہے۔

(۷۶)..... پڑوسی کیساتھ حسن سلوک

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ  
 بِالْجُنُبِ وَأَهْلِ السَّبِيلِ﴾ [النساء: ۳۶]  
 (نیکی کرو) رشتہ دار پڑوسیوں، اجنبی پڑوسیوں، ساتھ رہنے والے اور مسافر کے ساتھ“  
 نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ”مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ“  
 [مسلم: ۵۰/۱]

”جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ  
 پہنچائے“

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے: ”لَيْسَ بِالْمُؤْمِنِ مَنْ يَشْعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى  
 جَنْبِهِ“ [احمد: ۵۰/۱]

”ایسا شخص مؤمن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے جبکہ اسکا پڑوسی بھوکا ہو“  
 لہذا مؤمن بخیل یا شیخی خور نہیں ہوتا، بلکہ خرچ کرنے والا، متواضع اور حسن سلوک کرنے  
 والا ہوتا ہے۔

(۷۷)..... حسن معاملہ

حلال اور اچھے طریقے سے مال کماتا اور جائز و درست طور پر اُسے خرچ کرتا، اور لین دین کے تمام معاملات میں اچھا رویہ اپنانا حسن معاملہ کہلاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا سَمَحًا إِذَا بَاعَ وَإِذَا اشْتَرَى وَإِذَا اقْتَضَى“ [بغاری: ۱/۲۷۸]

ایک اور حدیث میں آتا ہے: ”سچا تا جرائیاء و صدیقین اور شہداء کیساتھ ہوگا۔ (اسے ترمذی (۲۲۹/۱) نے ضعیف سند کیساتھ روایت کیا ہے) ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں:

[لَا تَزُولَ قَلَمًا عَبْدٌ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمْرِهِ فِيمَا أَقْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ وَعَنْ عِلْمِهِ مَاذَا عَمِلَ بِهِ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ]

”کسی بندے کے قدم اُس وقت تک اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں گے جب تک اُس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ ہو جائے: اُسکی عمر کے متعلق کہ کہاں گزاری، جوانی کے متعلق سوال ہوگا کہ کن کاموں میں گزاری، علم کے حوالے سے پوچھا جائے گا کہ اس پر کس حد تک عمل کیا، اور مال کے متعلق باز پرس ہوگی کہ کہاں سے کمایا، اور کن چیزوں میں خرچ کیا“ (اسے ترمذی (۲۸۹/۲) نے صحیح سند سے روایت کیا)

(۷۸)..... فضول خرچی سے اجتناب

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تُبْذِرْ تَبْذِيرًا، إِنَّ الْمُبْذِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾ [الاسراء: ۲۷]

”اور فضول خرچی سے مال نہ اڑا۔ بے شک فضول خرچ شیاطین کے بھائی ہیں“ اور فرمایا: ﴿وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ [الاعراف: ۳۱]

”اور بے جا نہ اڑاؤ، بیشک وہ بے جا اڑانے والوں کو پسند نہیں کرتا“

اسراف اور بخل دونوں ہی بری صفات ہیں، ایک مومن کی صفات نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:



﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾

[الفرقان: ۶۷]

”اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخلی (بخیلی)، اور ان کا خرچ اس کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔

لہذا مومن اپنے کھانے، پینے، خرچ کرنے، وضو، غسل، کپڑے اور ہر چیز میں فضول خرچی سے اجتناب کرتا ہے۔

(۷۹)..... سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا

حدیث میں آتا ہے: ”ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ حقوق کیا ہیں؟ فرمایا: جب تو اس سے ملے تو سلام کر، اور جب وہ تجھے دعوت دے تو قبول کر، جب وہ نصیحت طلب کرے تو اسے نصیحت کر، جب اُسے چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو اس کا جواب دے، جب وہ بیمار ہو تو اُسکی عیادت کر، اور جب وہ فوت ہو جائے تو اُسکے جنازے کی پیروی کر“

چنانچہ مومن نہ سلام کہنے میں بخیل ہوتا ہے نہ اس کا جواب دینے میں۔ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”تین باتیں ایسی ہیں کہ جس نے انہیں سمیٹ لیا گویا اُس نے ایمان کو سمیٹ لیا: اپنے نفس کیساتھ انصاف کرنا، سب لوگوں کو سلام کہنا، اور تنگدستی میں خرچ کرنا۔ (صحیح بخاری معلقاً مع الفتح: ۶۹/۱)

(۸۰)..... چھینک کا جواب دینا

(۸۱)..... اور جنازے کی پیروی کرنا۔ اس حوالے سے اوپر حدیث گزر چکی ہے، جبکہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے: ”بَابُ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ مِنَ الْإِيمَانِ“۔

”یعنی جنازوں کی پیروی کرنا بھی ایمان میں سے ہے، اور پھر ایک حدیث ذکر فرمائی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ”مَنْ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيْمَانًا وَاحِسَابًا وَكَانَ مَعَهُ حَتَّى يُصَلِّيَ عَلَيْهَا يَفْرُغُ مِنْ دَفْنِهَا فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِمْرَاطَيْنِ كُلُّ قِمْرَاطٍ مِثْلُ

أَحَدٌ وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُذْفَنَ فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ۔  
 ”جس نے ایمان کیساتھ اجر کی امید پر کسی مسلمان کے جنازے کی پیروی کی، اور نماز جنازہ و تدفین تک اُسکے ساتھ رہا، وہ دو قیراط اجر کیساتھ لوٹے گا، جب کہ ہر قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے، اور جو نماز جنازہ پڑھ کر تدفین سے پہلے لوٹ آئے، وہ ایک قیراط کے ساتھ لوٹتا ہے“

(۸۲)..... لوگوں کو ایذا نہ پہنچانا

”ابرار“ یعنی نیک لوگوں کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغْيٍ مَا اتَّخَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا﴾

”اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو ایذا پہنچائیں جب کہ انہوں نے کوئی جرم نہ کیا ہو تو یقیناً ان لوگوں نے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھایا“ [الاحزاب: ۵۸]

ایک حدیث میں آتا ہے: ”جس نے صحابہ کو تکلیف پہنچائی، اُس نے مجھے تکلیف پہنچائی، اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی، گویا اُس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی، اور جس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی، قریب ہے کہ اللہ اُسے پکڑ لے“ [مشکوٰۃ: ۵۴۴/۲]

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ فرمایا: اللہ پر ایمان لانا اور اُسکے راستے میں جہاد کرنا۔ پھر میں نے پوچھا: کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ فرمایا: جس کی قیمت زیادہ ہو اور وہ اپنے مالکوں کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہو۔ میں نے کہا: اگر میں یہ نہ کر سکوں؟ فرمایا: کسی کام کر نیوالے کی مدد کر دو یا کسی بے ہنر آدمی کو کام کر دو۔ میں نے کہا: اگر یہ بھی نہ کر سکوں؟ تو فرمایا: لوگوں کو اپنے شر سے بچاؤ کہ یہ بھی صدقہ ہے جو تم اپنی جان پر کرتے ہو۔

[متفق علیہ، مشکوٰۃ: ۲۹۳/۱]

صحیحین میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَبَدَنِهِ“

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔“ [دیکھئے:

فتح الباری: ۴۵/۱، مشکوٰۃ: ۱۲/۱]

(۸۳)..... لھو ولعب سے اجتناب کرنا۔

لھو اور لعب میں فرق ہے، کیونکہ لھو کا تعلق زبان سے ہے جب کہ لھو عام ہے، ہر وہ چیز جو آپکو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اسکے ذکر سے غافل کر دے لھو ہے۔ جیسے گانے، ساز، بیہودہ گوئی وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ [لقمان: ۶]

”اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو لھو باتیں خریدتے ہیں تاکہ وہ علم کے بغیر اللہ کی راہ

(دین) سے گمراہ کریں“ [www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

حدیث میں آتا ہے: ”اُس شخص کیلئے ہلاکت و بربادی ہے جو دوسروں کو ہٹانے کیلئے جھوٹ بولتا ہے، اسکے لئے ہلاکت ہے، اُس کیلئے ہلاکت ہے“

[احمد: ۵/۵، ترمذی: ۲۶۸/۲، اسکی سند صحیح ہے]

لہذا مومن اس قسم کی فضول چیزوں سے اجتناب کرتا ہے، اور سینما، ٹی وی، ریڈیو اور گانے باجے جیسے اخلاق و ایمان تباہ کرنے والے لعنتی آلات سے دور رہتا ہے، اپنے وقت کی قدر کرتا ہے، اپنی حرکات و سکنات اور الفاظ و کلمات پر کنٹرول کرتا ہے۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے: ”کسی شخص کے اچھے اسلام کی علامت ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو ترک کر دے۔

(۸۴)..... راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ایمان کی ستر سے کچھ زائد شاخیں ہیں جن میں افضل ترین ”لا الہ الا اللہ“ کہنا ہے، اور ادنیٰ ترین راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے، اور حیا بھی

ایمان کی ایک عظیم شاخ ہے۔ یہ شاخ اگرچہ باقی شاخوں کی نسبت چھوٹی ہے لیکن اجر کے اعتبار سے اسکا بھی یہ مقام ہے کہ ایک آدمی اسکے سبب جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: ”ایک آدمی کسی راستے سے گزر رہا تھا کہ اُس نے ایک درخت کی ٹہنی دیکھی تو کہنے لگا: میں ضرور اسے مسلمانوں کے راستے سے ہٹاؤں گا تاکہ یہ مسلمان کے لئے تکلیف کا باعث نہ ہو، چنانچہ اسی بناء پر وہ جنت میں داخل کر دیا گیا“

[متفق علیہ، مشکوٰۃ: ۱/۱۶۸]

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ”میں نے ایک آدمی کو جنت میں گھومتے پھرتے دیکھا کہ اُس نے راستے میں لوگوں کو تکلیف دینے والا ایک درخت کاٹا تھا۔“

[مسلم، مشکوٰۃ: ۱/۱۶۸]

(۸۵).....حیا

یہ ایمان کی عظیم ترین شاخ ہے جو تمام فضائل و مکارم پر ابھارتی اور رذائل و منکرات سے روکتی ہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے سابقہ حدیث میں علیحدہ سے اسکا تذکرہ فرمایا ہے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے: ”إِذَا لَمْ تَسْتَغِيْ فَاَصْنَعْ مَا شِئْتَ“  
”جب تم میں حیا باقی نہ رہے تو جو چاہو کرو“

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کتاب الایمان، باب ”الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ“ ۶۲/۱، میں اسے روایت کیا ہے، اور اسکے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت ذکر فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری آدمی کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو حیا کے متعلق سمجھا رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، کیونکہ حیا تو ایمان میں سے ہے۔

قابل تعریف حیا وہی ہے جو فحش کاموں سے روک دے، اور جو حیا انسان کو دینی احکامات پر عمل کرنے سے روک دے، وہ درحقیقت حیا نہیں ضعف و کوتاہی ہے۔

(۸۶).....اپنے بھائی کیلئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

○ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک اپنے بھائی کیلئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

[بخاری، باب من الایمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه، ۴۸/۱]

مؤمن جس طرح اپنے لئے دنیا و آخرت کی بھلائیاں اور نجات چاہتا ہے اس طرح دوسروں کیلئے بھی بھلائی و نجات پسند کرتا ہے، حرص و طمع کے بجائے خیر خواہی و ہمدردی اُسکا شیوہ ہوتا ہے کہ دین تو نام ہی خیر خواہی کا ہے۔

(۸۷).....اچھا اخلاق

سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس دین پر آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: ایک آزاد اور ایک غلام۔ میں نے پوچھا: اسلام کیا ہے؟ فرمایا: پاکیزہ بات کرنا اور کھانا کھانا، میں نے پوچھا: ایمان کیا ہے؟ فرمایا: صبر اور سہاحت (سخاوت و نرمی)، میں نے عرض کیا: کونسا اسلام سب سے افضل ہے؟ فرمایا: اُس شخص کا اسلام جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ میں نے دریافت کیا: کونسا ایمان افضل ہے؟ فرمایا: اچھا اخلاق۔ میں نے استفسار کیا: کونسی نماز افضل ہے؟ فرمایا: قنوت کو لمبا کرنا۔ میں نے سوال کیا: کونسی ہجرت افضل ہے؟ فرمایا: یہ کہ تم اپنے رب کی ناپسندیدہ چیزوں کو چھوڑ د۔ میں نے کہا: کونسا جہاد افضل ہے؟ فرمایا: جس مجاہد کا خون بہا دیا جائے اور گھوڑا کاٹ ڈالا جائے۔ میں نے کہا: کونسی گھڑی افضل ہے؟ فرمایا: رات کا آخری پہر۔“

[مسند أحمد: ۳۱۹/۵، مشکوٰۃ: ۱۶/۱]

اچھا اخلاق عین ایمان ہے۔ اچھے اخلاق کی تفسیر کرتے ہوئے علماء کرام فرماتے ہیں: ایذا رسانی سے اجتناب کرنا، لوگوں پر خرچ کرنا اور مسکراتے چہرے کیساتھ لوگوں سے ملنا

خوش اخلاقی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اچھے اخلاق والے کو جنت میں گھر کی ضمانت دی ہے۔

اچھے اخلاق کے ذریعے ایمان بڑھتا ہے، اور قیامت کے دن بندے کے ترازو میں حسن اخلاق ہی سب سے بھاری چیز ہوگی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں بھی اچھا اخلاق عطا فرمائے۔ آمین۔

یہ ایمان کی شاخیں تھیں جو ہم نے آپ کیلئے ایک جگہ جمع کیں، اب جس میں یہ سب شاخیں پائی گئیں، اُسکا ایمان کامل ہے اور جسدِ ربیہ شاخیں کم ہوں گی، ایمان بھی اس قدر کم ہوتا چلا جائے گا۔ ہر شخص پر واجب ہے کہ اپنے ایمان کو بڑھانے اور نکھارنے کی کوشش کرے، اچھے اعمال سے ایمان بڑھتا، جبکہ بُرے اعمال سے گھٹتا ہے۔

اللہ نے اپنے اس فرمان میں ہمیں ایمان میں اضافے کا حکم دیا ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا... الْآيَةُ“ [النساء: ۱۳۶]

”اے لوگوں جو ایمان لائے ہو! ایمان لاؤ“

اہل ایمان اگرچہ ان شاخوں سے واقف ہیں لیکن انہیں ایک جگہ جمع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نیکی و بھلائی کے کام میں تعاون ہو اور ہمارا حصہ بھی اس میں شامل ہو جائے، اہل ایمان کو یاد دہانی ہوتی رہے کہ یاد دہانی تو مؤمنین کو فائدہ دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس رسالے کو لکھنے والے، اسکی نشر و اشاعت کرنے والے اور اسکا مطالعہ کرنے والے پر رحم فرمائے۔

اور ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں فضول تر ایمان عطا فرمائے اور موت تک اس پر ثابت قدم رکھے۔ آمین یا اے العالمین۔

نکتہ:- محترم قارئین! ہم نے ایمان کی ستاسی (۸۷) شاخیں شمار کی ہیں، جبکہ مذکورہ حدیث میں ستر سے کچھ زائد، اور ایک حدیث میں ساٹھ سے کچھ زائد شاخوں کا ذکر ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ان شاخوں کو قدرے پھیلا دیا ہے ورنہ بعض شاخیں ایک دوسرے

میں داخل کی جاسکتی ہیں، اور اس لحاظ سے آپ انکی تعداد کو انہتر (۶۹) بھی کر سکتے ہیں اور ستر (۷۷) بھی۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر اور ملا علی قاری رحمہم اللہ نے اسکا تذکرہ کیا ہے۔  
(دیکھیے: فتح الباری: ۴۵/۱، مرقاۃ: ۷۱/۱)

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ۔  
بروز جمعہ، ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ بعد از نماز ظہر  
وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔

۱۳ اشوال ۱۴۳۱ھ

برمطابق: 22/09/2010 بروز بدھ



## فہرست مضامین

### الفوائد فی تزکیۃ النفوس جلد نمبر ۲

شمارہ	مضمون
۱	خطبہ
۲	۱- پہلا فائدہ: جنت ایک عظیم نعت ہے
۲	جنت میں داخل کرنے والی صفات
۴۴	۲- دوسرا فائدہ: علم شرعی ایک عظیم نعت ہے
۴۴	علم شرعی کی دو اقسام
۴۸	علم کی تین اقسام ہیں
۵۲	ہمارے زمانے میں تین علوم مفقود ہیں
۵۶	سواری میں خشوع کی تعلیم
۵۷	لباس میں خشوع اور تواضع اختیار کرنا
۵۹	بات چیت میں خشوع
۶۱	نماز میں خشوع
۶۲	نظر میں خشوع
۶۳	لوگوں سے ملاقات میں خشوع اور تواضع
۶۵	خشوع کی دو اقسام ہیں: خشوع نفاق اور خشوع ایمان
۷۰	اس علم کے لاتعداد فوائد ہیں
۷۰	علم تدبر قرآن
۷۴	قرآن کریم میں تفکر کی دو انواع ہیں



۳- تیسرا فائدہ: اللہ کی طرف سفر کرنے کی پانچ منازل

۷۵

شبہات

۷۵

۲- شہوات

۷۶

۳- پوشیدہ نفسانی آفات

۷۶

۴- آفات عبادت

۷۷

۵- مقامات شوق میں ترقی

۷۷

۴- فائدہ: منافقین اور ضعیف یقین والوں کے دل میں منافقت کیونکر داخل ہو جاتا ہے؟

۷۹

۵- فائدہ: آخرت کے معاملے میں غم اور گمراہی ہونا

۸۲

لذت کی انواع - ۱- دینی نعمتوں پر خوش ہونا

۸۵

۲- دنیاوی نعمتوں پر خوش ہونا

۸۶

حزن کے تین درجے ہیں

۹۰

اہل اردت کا حزن - ۳- معارضات پر حزن

۹۰

۶- فائدہ: دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟

۱۰۰

۷- فائدہ: دنیا و آخرت کے عذاب سے کیسے بچیں؟ (۶) اسباب

۱۰۵

۸- فائدہ: ایمان کیلئے جاہ کن چیزیں (۱۰)

۱۰۹

۹- فائدہ: بری تقدیر اور برے انجام سے نجات دلانے والے چند امور

۱۱۶

۱۰- فائدہ: نیکیوں کا شوق کیسے پیدا ہو؟

۱۲۰

۱۱- فائدہ: اللہ کی وسیع رحمت اور یہ کن صفات سے حاصل ہوتی ہے؟

۱۲۲

۱۲- فائدہ: لوگوں میں رزق اور اخلاق کی تقسیم

۱۳۳

۱۳- فائدہ: افضل ترین اعمال اور اللہ کے ہاں محبوب ترین اعمال

۱۳۸

۱۴- فائدہ: کم وقت میں زیادہ نیکیاں کیسے

۱۴۷

۱۵- فائدہ: اللہ تعالیٰ کی لاتعداد نعمتیں اور ان کی شکر کا بیان

۱۵۷

شکر کے سات ارکان ہیں

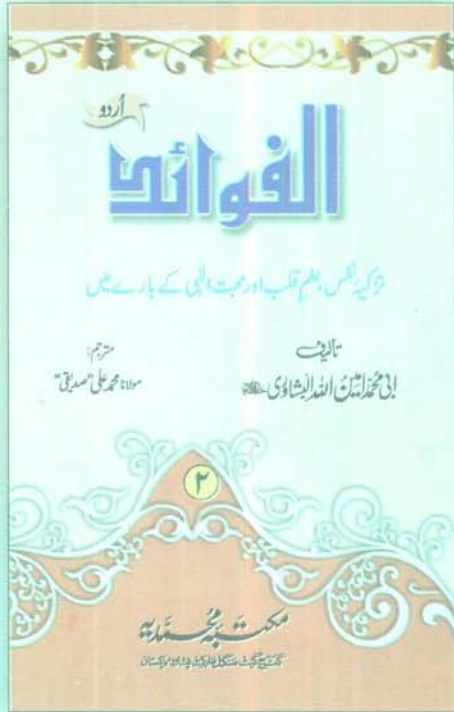
۱۵۸

۱۷۴	۱۶- فائدہ: خوش بختی و بد بختی کی علامات
۱۸۵	۱۷- فائدہ: اپنے قیمتی وقت کی قدر کیجئے
۱۹۲	آپ اپنے وقت کی حفاظت کیسے کریں؟
۱۹۸	چھوٹی امیدیں اور نیکیوں کی طرف سبقت
۲۰۱	تعلقات میں کمی
۲۰۳	گناہ اور غیر معروف ہونا
۲۰۵	دنیاوی مصروفیات میں کمی
۲۰۶	گھر یا مسجد میں زیادہ وقت گزارنا
۲۰۷	نیند اور کھانے پینے کی کثرت سے پرہیز
۲۰۸	دعوتوں کی کثرت بھی وقت کے ضیاع کا سبب ہے
۲۰۹	اللہ سے دعا کیجئے..... تقویٰ اختیار کیجئے
۲۱۱	حج کے بعد بیٹھنے کے اہم ترین فوائد یہاں درج کیے جاتے ہیں
۲۱۴	وقت کو منظم کرنا اور اسے نیک اعمال پر تقسیم کرنا بھی وقت کی حفاظت میں مدد دیتا ہے
۲۱۵	مندرجہ ذیل کاموں میں آپ کا وقت صرف ہونا چاہئے
۲۲۰	محاسبہ نفس کا طریقہ اور دو اقسام
۲۲۳	۱۸- فائدہ: شیطان انسانوں پر کیوں مسلط کیا گیا ہے؟
۲۲۶	۱۹- فائدہ: عبادت کی لذت پائیے!
۲۲۸	۲۰- فائدہ: حسن اخلاق اور اسکے فضائل
۲۳۵	حسن اخلاق کے ارکان
۲۳۹	حسن اخلاق کا حصول کیونکر ممکن ہے؟
۲۴۵	۲۱- فائدہ: راہ حق لوگوں پر کیوں غصی رہتی ہے؟
۲۴۶	حق سے روکنے والی چیزیں
۲۴۸	حق کو مشکل اور پیچیدہ سمجھنا

۲۳۹	حق کی طلب و تلاش میں کوتاہی
۲۵۱	لوگوں کا خوف
۲۵۲	جاہ و منصب کے محبت
۲۵۳	۶- تقلید
۲۵۵	۷- خود پسندی کا شکار ہو جانا
۲۵۶	۸- تکبر
۲۵۷	۹- حسد ۱۰- و گردہ بندی، و تنظیم سازی
۲۵۸	۱۱- گناہ
۲۵۹	۱۲- اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعائیں نہ کرنا
۲۵۹	۱۳- حق کی تبلیغ نہ کرنا <a href="http://www.KitaboSunnat.com">www.KitaboSunnat.com</a>
۲۶۰	۱۴- فہم کی قلت اور ادراک کا ضعف
۲۶۲	۱۵- ماحول و عادات کی اسیری
۲۶۳	۱۶- حق کی بعض باتیں رو کر دینا اور بعض شرعی امور کو ترک کر دینا وغیرہ وغیرہ
۲۸۹	اہل باطل کے اہم اور بڑے حیلوں کا تذکرہ
۳۰۷	۲۲- فائدہ: بندے کا کمال اور سعادت دو چیزوں میں منحصر ہے
۳۱۲	رحم کا جذبہ کیونکر حاصل ہو سکتا ہے؟
۳۱۶	۲۳- فائدہ: اللہ کی عظمت و بزرگی کی معرفت
۳۱۹	عرش باری تعالیٰ
۳۲۲	روح محفوظ
۳۲۳	آسمان و زمین
۳۲۸	آسمانوں کی معرفت
۳۲۹	آسمان و زمین کی درمیانی مسافت
۳۲۹	آسمان و زمین اور پہاڑوں کی اصل کیا ہے؟

۳۳۱	حجاب باری تعالیٰ
۳۳۲	فرشتے
۳۳۵	جبریل علیہ السلام اور جنت کی عظمت
۳۳۷	سورج، چاند اور ستارے
۳۳۹	نویسارے جو سورج کے گرد گردش کرتے ہیں
۳۴۷	۲۴- ناد اور عظیم فائدہ: اسم اعظم کی معرفت
۳۵۱	اسم اعظم کا فائدہ کیا ہے؟
۳۵۴	اسم اعظم کا تکرار
۳۵۶	اسم اعظم کی دو اقسام ہیں
۳۶۹	۲۵- فائدہ: یقین کے ہارے میں- تعریف یقین
۳۷۴	یقین کی تین اقسام ہیں۔
۳۷۴	یقین کن امور میں مطلوب ہے؟
۳۷۶	یقین کے فضائل و فوائد
۳۷۹	۲۶- فائدہ: اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی ذات و صفات کا استحضار
۶۳۶	۲۷- فائدہ: چالیس خصلتیں جن میں ایک پر عمل کرنے سے جنت کا وعدہ ہے وہ کونسی ہے؟
۳۸۹	۲۸- فائدہ: گناہوں کے برے اثرات
۴۰	۲۹- فائدہ: آپ چار خصلتوں کے بغیر عالم نہیں بن سکتے
۴۱۴	۳۰- فائدہ: اللہ کی قدر پہچاننا
۴۱۸	۳۱- فائدہ: قرب الہی کی راہیں
۴۲۵	۳۲- فائدہ: زہد کیا؟ اور کیسے؟
۴۳۷	۳۳- فائدہ: دنیا کی حقیقت پر چند مثالیں
۴۵۷	۳۴- فائدہ: اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں
۴۵۸	۳۵- فائدہ: عجیب و غریب فصیحیں

- ۳۶۱- فائدہ: اللہ تعالیٰ کو پانے کی راہ
- ۳۶۳- فائدہ: ہمیں کیونکر معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے یا نہیں؟
- ۳۶۷- فائدہ: علم نافع کا حصول چند باتوں کے ذریعے ممکن ہے
- ۳۷۰- فائدہ: اخلاص کی معرفت اور فضائل
- ۳۸۲- اخلاص کا معنی
- ۳۸۴- ریاکاری کے کئی درجے ہیں
- ۳۹۱- کن چیزوں میں اخلاص ضروری ہے؟
- ۳۹۲- اخلاص کے فوائد
- ۳۹۳- فائدہ: جتنی خواہش کی معرفت اور اس کا علاج
- ۵۰۷- دوسری فصل شہرت اور مدح پسندی کی مذمت
- ۵۱۴- تیسری فصل سلف صالحین کا شہرت اور مدح پسندی سے دور بھاگنا
- ۵۲۳- چوتھی فصل شہرت پرستی اور مدح پسندی کا علاج
- ۵۳۳- فائدہ: صحیح نیت کے فضائل اور اس کا مفہوم
- ۵۳۹- نیت کی حقیقت
- ۵۴۰- نیت کو خالص و صحیح بنانے کے اسباب
- ۵۴۱- نیتوں میں لوگوں کا تفاوت
- ۵۴۷- فائدہ: انواع التوحید کی اجمالی معرفت (توحید کی پانچ اقسام)
- ۵۵۲- توحید کے فوائد
- ۵۵۴- فائدہ: ایمان کی شاخیں (۸۷)
- ۶۰۲- اختتام کتاب



# الفوائد

